بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ ﷺ:

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْراً يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ.

(صحيح البخاري ١٦/١ رقم: ٧١، صحيح مسلم ٣٣٣/١ رقم: ١٠٣٧)

کتاب النوازل

منتخب فتاویٰ: مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

نائب مفتی واستاذ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

(جلدِ خامس)

بقیہ کتاب الصلوٰۃ

ترتیب وتحقیق:

(مفتی) محمد ابراہیم قاسمی غازی آبادی

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

○ نام کتاب : کتاب النوازل (جلدِ خامس)

○ منتخب فتاویٰ : مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری

○ ترتیب وتحقیق : مفتی محمد ابراہیم قاسمی غازی آبادی

○ کمپیوٹر کتابت : محمد اسجد قاسمی مظفرنگری

○ ناشر : **المرکز العلمی للنشر والتحقیق، لال باغ مرادآباد**

09412635154 - 09058602750

○ تقسیم کار : فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ دریا گنج دہلی

011-23289786 - 23289159

○ اشاعتِ اول : ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۰۱۴ء

○ صفحات : ۵۷۶

○ قیمت : ۳۵۰/روپے

ملنے کے پتے:

○ مرکز نشر وتحقیق لال باغ مرادآباد

○ کتب خانہ یحیوی محلّہ مفتی سہارن پور

○ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسائل کی پوچھ تاچھ

قَالَ اللّٰہُ تبَارَکَ وَتَعَالیٰ:

فَسْئَلُوْآ أَھْلَ الذِّکْرِ إِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

[الأنبیآء: ۷]

ترجمہ: پس پوچھ لو جانکار لوگوں سے اگر تم نہ جانتے ہو۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ:

إِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّوَالُ.

(سنن أبي داؤد ۱/۴۹ رقم: ۳۳٦، سنن ابن ماجة ۱/۴۳ قم: ۵۷۲)

ترجمہ: عاجز (ناواقف) شخص کے لئے اطمینانِ قلب کا ذریعہ (معتبر اور جانکار لوگوں سے مسئلہ کے بارے میں) سوال کر لینا ہے۔

اجمالی فہرست

کتاب الصلوٰۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلی فہرست

بقیہ کتاب الصلوٰۃ

تراویح کے مسائل ۲۹

ترویحہ کے مسائل ۱۰۳

اُجرت علی التراویح ۱۰۳

احکامِ جمعہ ۱۶۵

قریۂ کبیرہ اور شہر میں جمعہ ۱۸۲

تعددِ جمعہ ۱۹۷

گاؤں میں جمعہ کا حکم ۲۱۴

احتیاط الظہر کا بیان ۲۴۷

جمعہ کے بعد دعاء سے قبل چندہ کرنا ۲۵۶

خطبہ کے اَحکام

خطبہ کی اذان کا بیان ۲۸۴

جمعہ میں وعظ کہنا ۲۹۹

غیر عربی میں خطبۂ جمعہ

اَحکامِ عیدین

خطبۂ عیدین ۳۷۵

سجدۂ تلاوت کے مسائل ۳۷۹

مسافر کے اَحکام ۳۹۳

مریض اور معذور کی نماز ۴۷۵

نماز کے بعد اَذکار اور اَدعیہ ماثورہ ۵۳۰

تراویح کے مسائل

کیا کسی صحیح حدیث سے بیس رکعت تراویح کا ثبوت ہے؟

سوال (۹۳۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا کسی صحیح حدیث میں بیس رکعت تراویح کا ثبوت ہے؟ اگر نہیں ہے تو آٹھ رکعت تراویح پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صحیح روایات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رمضان وغیر رمضان میں آٹھ رکعت تہجد پڑھنا ثابت ہے، اور تہجد والی روایات کا تعلق تراویح سے نہیں ہے، اور تراویح کی رکعات کے سلسلہ میں کسی صحیح مرفوع روایت میں متعین عدد بیان نہیں کیا گیا ہے؛ البتہ بعض ضعیف روایات میں بیس رکعت کا ذکر ہے، جس کی تائید سیدنا حضرت عمرؓ کی طرف سے تراویح میں بیس رکعت پڑھے جانے کے تعامل سے ہوتی ہے، جس پر تمام صحابہ کرامؓ نے اجماع کرلیا ہے، اور ائمہ اربعہ اور جمہور علماء سلف وخلف سب کے نزدیک بیس رکعت تراویح پڑھنا ہی سنت مؤکدہ ہے؛ کیوں کہ ہمارے لئے حسبِ ہدایت نبوی: **عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين** ۔(سنن ابن ماجة ۱/۵) (تم پر میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقوں پر عمل لازم ہے)

حضراتِ خلفاء راشدین کی ہدایتوں پر عمل بھی اسی طرح ضروری ہے، جیسے سنت نبوی پر عمل ضروری ہوتا ہے؛ لہٰذا تراویح میں آٹھ رکعت پر اکتفاء صحیح نہیں ہے۔ بیس کی تعداد پوری کرنا ضروری ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۳۹۹/۴، ۱۳۳/۱۰)

عن أبي سلمة بن عبد الرحمن أنه سأل عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها كيف

كانت صلاة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في رمضان؟ فقالت: ما كان يزيد في رمضان ولا في غيره على إحدى عشرة ركعة يصلي أربعاً فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي أربعاً فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي ثلاثاً فقلت يا رسول اللّٰه! أتنام قبل أن توتر؟ قال: يا عائشة إن عيني تنامان ولا ينام قلبي. (صحيح البخاري ٢٦٩/١ رقم: ١٩٦٧، فتح الباري ٢٥١/٤ رقم: ٢٠١٣)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يصلي في رمضان عشرين ركعة والوتر. (المصنف لابن أبي شيبة ٣٩٤/٢، المعجم الكبير للطبراني ٣١١/١١ رقم: ١٢١٠٢، مجمع الزوائد ١٧٢/٣)

مالک عن يزيد بن رومان أنه قال: كان الناس يقومون في زمان عمر ابن الخطاب رضي اللّٰه عنه في رمضان بثلاث وعشرين ركعة. (المؤطا لإمام مالك ٤٠، السنن الكبرىٰ للبيهقي ٤٩٦/٢)

وأنت خبير بأن رواية ابن عباس إذ هي مؤيدة بآثار الصحابة أولىٰ من رواية جابر وإن كان فيها بعض الضعف، فإن جمهور الصحابة متفقة على صلاة التراويح بعشرين ركعة، قال ابن عبد البر: وهو قول جمهور العلماء وهو الصحيح عن أبي بن كعب رضي اللّٰه عنه من غير خلاف من الصحابة، قاله العيني. ونقله القاضي عياض عن جمهور العلماء والترمذي عن أكثر الصحابة. (أوجز المسالك ٣٨٣/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۸/۷/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۲۰؍ رکعت تراویح پر صحابہ کا اجماع ہے

سوال (۹۳۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸؍ رکعتیں اور کبھی ۲۰؍ رکعتیں نماز تراویح پڑھیں مگر تعداد

رکعت کے لئے نہ تو کسی کو منع کیا اور نہ ہی پابند، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں تعداد کی نماز تراویح پڑھی ہے یا نہیں؟ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸؍اور ۲۰؍رکعتیں تراویح پڑھیں ہیں تو ہر مسلمان کو کبھی ۸؍اور کبھی ۲۰؍رکعتیں تراویح پڑھ کر سنتِ رسول پر عمل پیرا ہونا چاہئے؟

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں مسلمان الگ الگ نماز پڑھتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب کو ایک قاری کے پیچھے جمع کر دیا کہ ایک حافظ امام بلند آواز سے تلاوت کر کے پیچھے کھڑے مقتدیوں کو کلام پاک سنائے، اس سے معلوم ہوا کہ سنت تراویح پڑھنا ہے رکعت کی کوئی قید نہیں؟ مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آپ نے سوال میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ۸؍رکعت تراویح ثابت ہونے کی جو بات لکھی ہے، وہ صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ ۸؍رکعت والی روایات کا تعلق تراویح سے نہیں؛ بلکہ تہجد سے ہے، اور تراویح کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی متعین عدد کسی صحیح مرفوع روایت سے ثابت نہیں؛ البتہ آپ صلی اللہ علیہ سلم نے اپنی سنتِ مبارکہ کے ساتھ حضرات خلفاء راشدین کے زمانے میں رائج کردہ دین کے طریقوں کی پابندی کرنے کا امت کو تاکیداً حکم دیا ہے، جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے:

”علیکم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین عضوا علیها بالنواجذ“. (سنن ابن ماجة ٥) (تم پر میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنا ضروری ہے، اس پر اپنے دانتوں کو گاڑے رکھو)

اس حکم کی اصل وجہ یہ ہے کہ حضرات خلفاء راشدین مزاج شناسِ نبوت ہیں، ان کی طرف سے کوئی ایسا حکم صادر نہیں ہوسکتا جو سنتِ نبوی کے خلاف ہو، بریں بنا جب خلیفۂ راشد امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجدِ نبوی میں ایک امام کی اقتداء میں رمضان المبارک میں ۲۰؍رکعت تراویح پڑھنے کا آغاز فرمایا تو ضروری ہے کہ تراویح کی ۲۰؍رکعات کو سنتِ

مؤکدہ مانا جائے، خاص کر اس لئے بھی کہ بعض ضعیف روایات سے خود آپ کا رمضان المبارک میں ۲۰؍رکعت تراویح پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے، اور جمہور علماء بشمول ائمۂ اربعہ آج تک تراویح کی ۲۰؍ رکعت ہونے پر متفق ہیں، اور حرمین شریفین میں بھی اسی پر دورِ فاروقی سے عمل ہوتا چلا آرہا ہے۔

اس اجماعی تعامل کے برخلاف آج کے زمانے کے فتنہ پرور غیر مقلدوں کا ۲۰؍ کے بجائے ۸؍رکعت تراویح کی مہم چلانا اور امت کے عوام کو نیکی سے روکنا حد درجہ قابلِ مذمت ہے۔

عن ابن عباس رضي اللّٰہ عنهما أن رسول اللّٰہ ﷺ كان يصلي في رمضان بعشرين ركعة والوتر. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٦٩٨/٢، رقم: ٤٦١٥، المصنف لابن أبي شيبة ٣٩٤/٢، رقم: ٧٧٧٤، المعجم الكبير للإمام الطبراني ٣١١/١١، رقم: ١٢١٠٢، إسناده ضعيف)

عن العرباض بن سارية رضي اللّٰہ عنه يقول: قام فينا رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم ذات يوم، فوعظنا موعظة بليغة ...... فقال: ......عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ. (سنن ابن ماجة ٥/١)

عن أبي سلمة بن عبد الرحمن أنه سأل عائشة رضي اللّٰہ تعالىٰ عنها كيف كانت صلاة رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم في رمضان؟ فقالت: ما كان يزيد في رمضان ولا في غيره على إحدى عشرة ركعة يصلي أربعاً فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي أربعاً فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي ثلاثاً فقلت يا رسول اللّٰہ! أتنام قبل أن توتر؟ قال: يا عائشة! إن عيني تنامان ولا ينام قلبي. (صحيح البخاري ٢٦٩/١ رقم: ١٩٦٧، فتح الباري ٢٥١/٤ رقم: ٢٠١٣)

وروى مالک عن يزيد بن رومان أنه قال: كان الناس يقومون في زمان عمر بن الخطاب في رمضان بثلاث وعشرين ركعة. (المؤطا باب ما جاء في قيام رمضان ٤٠، السنن الكبرىٰ للبيهقي ٦٩٨/٢)

قال البيهقي: والثلاث من الوتر. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٦١/٤)

وعـن السـائـب بـن يـزيـد قال: كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب في شهـر رمـضـان بـعشـريـن ركـعة، قـال: وكانوا يقرؤن بالمئين، وكانو يتوكؤون على عصيهم في عهد عثمان بن عفان من شدة القيام. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٦٩٩/٢ رقم: ٤٦١٧)

عـن يـحيـىٰ بـن سعيد أن عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه أمر رجلا يصلي بهم عشرين ركعة. (المصنف لابن أبي شيبة ٢٢٣/٥ رقم: ٧٧٦٤)

حـدثنا وكيع عن سفيان عن أبي إسحٰق عن عبد اللّٰه بن قيس عن شتير بن شـكل: أنه كان يؤمهم في رمضان عشرين ركعة يوتر بثلاث. (المصنف لابن أبي شيبة ٢٢٢/٥، ٣٩٣/٢، السنن الكبرىٰ للبيهقي ٦٩٩/٢)

أبو معاوية عن حجاج عن أبي إسحاق عن الحارث: أنه كان يؤم الناس في رمـضـان بـالليل بعشرين ركعة، ويوتر بثلاث، ويقنت قبل الركوع. (المصنف لابن أبي شيبة ٢٢٤/٥)

عـن حسن عن عبد العزيز بن رفيع قال: كان أبي بن كعب يصلي بالناس في رمضان بالمدينة عشرين ركعة و يوتر بثلاث. (المصنف لابن أبي شيبة ٢٢٤/٥ رقم: ٧٧٦٦)

أمـا قيـام رمـضان فإن رسول اللّٰه ﷺ سـنـهٔ لأمتـه وصلى بهم جماعة عدة ليـال، وكـانـوا على عهده يصلون جماعة وفرادىٰ، لكن لم يداوموا على جماعة واحـدة لئلا تفرض عليهم، فلما مات النبي ﷺ استـقرت الشريعة فلما كان عمر رضي اللّٰه عنه جمعهم على إمام واحد و هو أبي بن كعب الذي جمع الناس عليها بـأمـر عـمـر بـن الـخـطـاب رضـي الـلّٰـه عـنه، وعمر رضي اللّٰه عنه هو من خلفاء الراشدين حيث يقول ﷺ: عـليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بـعـدي وهـذا الـذي فـعـلـه سـنة، وهـي سنة من الشريعة، وهكذا إخراج اليهود والـنـصارىٰ من جزيرة الـعـرب ...... وجـمـع القرآن في مصحف واحد، وفرض

الـديوان والأذان الأول يـوم الـجـمـعة...... ونـحـو ذٰلک مـمـا سـنـهٗ الخلفـاء الراشدون. (مجموع الفتاویٰ لإبن تيمية ۲۲/ ۲۳۵ مجمع الملك فهد)

ولنا أن عمر رضي اللّٰه عنه لما جمع الناس على أبي بن كعب وكان يصلي لهم عشرين ركعة ...... وهٰذا كالإجماع. (المغني لإبن قدامة ۲/ ۱۲۳ القاهرة)

وقـال الشافعي: وهٰكذا أدركت ببلدنا بمكة يصلون عشرين ركعة. (سنن الترمذي ۳/ ۱٦۰ مطبع مصر) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۱۱/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۲۰/ رکعت تراویح سنت کیوں ہے؟

سـوال (۹۴۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بیس رکعت تراویح جب حضور اقدس ﷺ نے نہیں پڑھیں، اور نہ ہی اجل صحابہ ؓ یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نہیں پڑھیں، تو پھر ۲۰/ رکعت تراویح کا سنت ہونا کس طرح ثابت ہوا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وبـالـلّٰه الـتـوفـيـق: بیس رکعات تراویح پر حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو چکا ہے، اور پوری امت کا عمل متواتر اس پر رہا ہے، اور امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا اس سنت کو رواج دینا اپنی طرف سے نہیں تھا؛ بلکہ اس کی اصل زمانۂ نبوی سے ان کے پاس تھی، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں ۲۰/ رکعات اور وتر پڑھا کرتے تھے، یہ حدیث مصنف ابن ابی شیبہ، معجم طبرانی اور سنن بیہقی میں موجود ہے۔ یہ حدیث اگرچہ سنداً ضعیف ہے؛ لیکن متعدد آثار صحابہ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

عـن ابـن عباس رضي اللّٰه عنهما أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان

يصلي في رمضان بعشرين ركعة والوتر. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٦٩٨/٢ رقم: ٤٦١٥، المصنف لابن أبي شيبة ٣٩٤/٢ رقم: ٧٧٧٤، المعجم للإمام الطبراني ٣١١/١١ رقم: ١٢١٠٢، التعليق الحسن ٥٦/٢، احسن الفتاویٰ ٥٣٨/٣)

نیز حضرات خلفاء راشدین کا کسی امر کا حکم کرنا بجائے خود اس کے مستند ہونے کی دلیل ہے، حدیث میں ان کی سنتوں پر عمل کرنے کی تاکید مشہور ومعروف ہے۔

عن العرباض بن سارية رضي الله عنه يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: في حديث طويل ......: عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ. (سنن ابن ماجة ٥/١ رقم: ٤٣)

وروى مالک عن يزيد بن رومان أنه قال: كان الناس يقومون في زمان عمر بن الخطاب في رمضان بثلاث وعشرين ركعة. (السنن الكبرىٰ للبيهقي / باب ما جاء في قيام رمضان ٤٠، ٦٩٨/٢)

قال البيهقي: والثلاث من الوتر. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٦١/٤)

وعن السائب بن يزيد قال: كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب في شهر رمضان بعشرين ركعة، قال: وكانوا يقرؤن بالمئين، وكانو يتوكؤون على عصيهم في عهد عثمان بن عفان من شدة القيام. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٦٩٩/٢ رقم: ٤٦١٧)

عن يحيىٰ بن سعيد أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه أمر رجلا يصلي بهم عشرين ركعة. (المصنف لابن أبي شيبة ٢٢٣/٥ رقم: ٧٧٦٤)

حدثنا وكيع عن سفيان عن أبي إسحٰق عن عبد الله بن قيس عن شتير بن شكل: أنه كان يؤمهم في رمضان عشرين ركعة يوتر بثلاث. (المصنف لابن أبي شيبة ٢٢٢/٥، ٣٩٣/٢، السنن الكبرىٰ للبيهقي ٦٩٩/٢) *فقط واللہ تعالیٰ اعلم*

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۱۱/۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تراویح ۸/رکعت ہے یا ۲۰/رکعت؟

ســــوال (۹۴۱):-کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رمضان المبارک میں نماز تراویح کی بیس رکعت پڑھنا کہاں سے ثابت ہے؟ بخاری شریف میں گیارہ رکعت یعنی آٹھ رکعت تراویح اور تین رکعت وترکئی جگہ وارد ہوا ہے، تو موجودہ دور میں آٹھ رکعت پڑھنا اولیٰ ہے، یا بیس رکعت؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں اس سنت پر کس طرح عمل ہوا؟ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر آٹھ رکعت ہی پڑھی ہیں تو بیس کیوں پڑھتے ہیں، اور امت کا اجماع کس پر رہا؟ اس عنوان کو واضح طور پر دلائل شرعیہ کے ساتھ حل فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح کی بیس رکعت ہونے پر ائمہ اربعہ اور جمہور علماء متفق ہیں، نیز بیس رکعت ہونے پر حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی اجماع ہے۔ اور ایک روایت سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی رمضان المبارک میں وتر کے علاوہ بیس رکعت پڑھتے تھے، اس لئے تراویح بیس رکعت ہی پڑھنی چاہئیں، بلاعذر اس سے کم پڑھنا اجماعِ اُمت اور سنتِ مبارکہ کے خلاف ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۳/۵۳۸)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يصلي في رمضان بعشرين ركعة والوتر. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٢/٦٩٨ رقم: ٤٦١٥، المصنف لابن أبي شيبة ٢/٣٩٤ رقم: ٧٧٧٤، المعجم للإمام الطبراني ١١/٣١١ رقم: ١٢١٠٢، التعليق الحسن ٢/٥٦)

وهي عشرون ركعة هو قول الجمهور وعليه عمل الناس شرقا وغربا.

(تنوير الأبصار الدر المختار / باب الوتر و النوافل ٢/٤٥ كراچی)

وأما الكلام في كميتها فنقول: إنها مقدرة بعشرين ركعة عندنا. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٢/٣١٧ رقم: ٢٥٤٤ زكريا)

قوله: لمواظبة الخلفاء الراشدين أي أكثرهم لأن المواظبة عليها وقعت في أثناء خلافة عمر رضي الله عنه ووافقه على ذلك عامة الصحابة ومن بعدهم إلى يومنا

هٰذا بلا نكير و كيف لا؟ وقد ثبت عنه ﷺ: "عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ". كما رواه أبوداؤد. (شامي ٢/٤٣-٤٤ كراچی، ٢/٣٩٣ زكريا، سنن أبي داؤد رقم: ٤٦٠٧ سنن الترمذي رقم: ٢٦٨٥)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ. (سنن ابن ماجة ١/٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۱/۱۱/۲۱ھ

شوافع کے یہاں رکعاتِ تراویح کی تعداد؟

سوال (۹۴۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تراویح کی رکعات کی تعداد کتنی ہے؟ شوافع ترویحہ کرتے ہیں یا نہیں؟ نیز ترویحہ میں شوافع بیٹھتے ہیں تو کونسی دعا پڑھتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہم لوگ مذہبِ شوافع پر جواب دینے کے مکلّف نہیں ہیں؛ لیکن حنفیہ کی کتابوں میں شوافع کا جو مسلک تراویح کے بارے میں نقل کیا گیا ہے، وہ بعینہٖ وہی ہے جو حنفیہ کا مذہب ہے، یعنی ۲۰؍ رکعتیں اور ۵ ترویحے۔ بذل المجہود میں لکھا ہے:

ووافقنا فيه الشافعية فقال في التوشيح: والثالث صلاة التراويح وهي عشرون ركعة في عشر تسليمات في كل ليلة من رمضان وجملتها خمس ترويحات. (بذل المجهود ٧/ ١٦٠ مصري)

اور شوافع کے نزدیک ترویحہ میں کسی دعا کے مخصوص ہونے کا ہمیں علم نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۱/۶/۶ھ

حنفی حافظ کا اہلِ حدیث کی مسجد میں ۸/رکعت میں قرآن سنانا؟

سوال (۹۴۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید مسلکِ حنفی کے حافظِ قرآن ہیں، الحمدللہ متقی اور باشرع ہیں، اس سال رمضان المبارک میں تراویح میں کلام پاک سنانے کے لئے جگہ نہیں مل سکی، ایک مسجد اہلِ حدیث حضرات کی ملی ہے جوکہ تراویح کی صرف ۸/رکعت پڑھتے ہیں، تو کیا حافظ صاحب موصوف اہلِ حدیث کی مسجد میں کلام پاک سنا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر سنا سکتے ہیں تو پھر ۱۲/رکعت تراویح کیسے پوری کریں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمہور علماء وفقہاء کے نزدیک تراویح کی ۲۰/رکعتیں پڑھنا مسنون ہے اور ائمہ متبوعین میں سے کوئی بھی صرف ۸/رکعت ہی کی سنیت کا قائل نہیں ہے۔

بریں بناء صورتِ مسئولہ میں حنفی حافظ اہل حدیث کی مسجد میں صرف ۸/رکعت پڑھا کر اپنی تراویح ۲۰/رکعت پوری کرلیں، یا اگر ممکن ہو تو دو ایک ساتھیوں کو لے کر مسجد کے علاوہ کہیں اور جگہ پوری ۲۰/رکعت تراویح جماعت کے ساتھ پڑھائیں۔

قال في الكنز: وسن في رمضان عشرون ركعة بعد العشاء قبل الوتر وبعده بجماعة والختم مرة. (كنز الدقائق على هامش البحر الرائق ٢/٦٦)

وهي عشرون ركعة وهو قول الجمهور وعليه عمل الناس شرقا وغربا. (تنوير الأبصار مع الدر المختار/ باب الوتر والنوافل ٢/٤٥ كراچی، ٢/٤٩٥ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۱/۸/۲ھ

تراویح ایک سلام سے ۲/رکعت پڑھنا افضل ہے یا ۴/رکعت؟

سوال (۹۴۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تراویح کے اندر ایک سلام سے دو رکعت پڑھنا بہتر ہے یا چار رکعت؟ امام صاحب نے دو دو

رکعت پڑھایا تو بہت سے لوگوں نے ان کو برا بھلا کہا اور امامت سے الگ کردیا، تو شرعاً امام صاحب کو برا بھلا کہنا اور امامت سے الگ کرنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح میں ایک سلام سے دو رکعت پڑھنا ہی افضل ہے، اور امام صاحب کا عمل شریعت کے مطابق ہے، ان کے اس عمل پر اعتراض کرنا اور دو کے بجائے چار رکعت ایک سلام سے پڑھانے پر انہیں مجبور کرنا ناواقفیت اور کم علمی کی دلیل ہے، ایسے لوگوں کو اپنی غلط روی پر توبہ واستغفار کرنی چاہئے۔

عن سعيد بن عبيد أن علي بن ربيعة كان يصلي بهم في رمضان خمس ترويحات ويوتر بثلاث. (السنن الكبرى للبيهقي ٤٩٦/٢)

عن أبي الخصيف قال: كان يؤمنا سويد بن غفلة في رمضان، فيصلي خمس ترويحات عشرين ركعة. (المصنف لابن أبي شيبة ٣٩٣/٢، إعلاء السنن ٨٢/٧- ٨١ دارالكتب العلمية بيروت)

وأراد بالعشرين أن تكون بعشر تسليمات كما هو المتوارث على رأس كل ركعتين. (البحر الرائق ١١٧/٢ كراچی)

وهي عشرون ركعة بعشرة تسليمات فلو فعلها بتسليمة، فإن قعد لكل شفع صحت بكراهة. (شامي ٤٩٥/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ٢٣/١١/١٤٢٨ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تراویح میں دو دو رکعت پڑھنا ہی سنت ہے

سوال (٩٤٥): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رمضان المبارک میں تراویح کی حیثیت سے قرآن پاک پڑھا جاتا ہے، اور جب قرآن

کریم پورا ہوجاتا ہے تو بعد کو ''الم تر کیف'' سے تراویح ہوتی ہے، تو کچھ مسجدوں میں نمازی امام پر زور ڈالتے ہیں کہ چار رکعت کی نیت باندھیں، جب کہ افضل طریقہ دو رکعت کی نیت پر ہے، پھر زبردستی امام صاحب کو چار رکعت کی نماز پڑھانی پڑتی ہے اور دو تین سال سے ایسا ہی ہورہا ہے، تو چار رکعت کی نیت کر کے تراویح پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تراویح میں ۲-۲ رکعت پڑھنا ہی سنت ہے، اگر چار چار رکعت پڑھی جائیں گی تو تراویح تو ہوجائے گی، مگر متوارث طریقہ کے خلاف ہوگی، اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

عن سعيد بن عبيد أن علي بن ربيعة كان يصلي بهم في رمضان خمس ترويحات ويوتر بثلاث. (السنن الكبرى للبيهقي ٢/٤٩٦)

عن أبي الخصيف قال: كان يؤمنا سويد بن غفلة في رمضان، فيصلي خمس ترويحات عشرين ركعة. (المصنف لابن أبي شيبة ٢/٣٩٣، إعلاء السنن ٧/٨٢- ٨١ دارالكتب العلمية بيروت)

ومنها أن يصلي كل ركعتين بتسليمة على حدة. (بدائع الصنائع ١/٦٤٦ کراچی، المختصر القدوري مع الشرح الثميري ١/٢٦١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/۱۰/۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک سلام سے چار رکعت تراویح پڑھانا؟

سوال (۹۴۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے تراویح میں دو رکعت پر قعدہ کر کے بھول سے چار رکعت پڑھ لیں، تو چاروں رکعت صحیح ہوگئیں، یا آخری دو رکعت کی قرأت کا اعادہ کرنا لازم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دو رکعت پر قعدہ کر لینے کی وجہ سے یہ چار رکعت ادائیگی میں ان چار رکعتوں کی طرح ہوگئیں، جو دو سلام سے ادا کی گئی ہوں؛ لہٰذا قرأت کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

لو صلی التراویح کلها بتسلیمة واحدة، وقعد في کل رکعتین إن الصحیح أنه یجوز عن الکل. (بدائع الصنائع ٤٦٦/١ زکریا، حاشیة امداد الفتاویٰ ٤٩٨/١، ایضاح المسائل ٢٩) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۴/۱۱/۲۸ھ

غلطی سے تین رکعت تراویح ایک سلام سے پڑھا دیں؟

سوال (۹۴۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے دو رکعت تراویح کی نیت کی؛ لیکن دو کے بجائے تین رکعت ایک جلسہ کے ساتھ پڑھ لیں، اب یہ ہماری تینوں رکعت بے کار ہوگئیں یا ایک بے کار اور باقی دو رکعت درست رہیں، اور اگر تینوں بے کار ہوگئیں تو ان دو رکعتوں کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں تینوں رکعتیں بے کار ہوگئیں، دو رکعت کا اعادہ ضروری ہے، اور ان میں جو قرآن پڑھا گیا ہے اسے بھی دہرالیا جائے۔ (امداد الفتاویٰ حاشیہ ۴۹۷/۱)

وأما إذا صلی ثلاثا بتسلیمة واحدة، إن قعد علی رأس الرکعتین یجزیه عن تسلیمة واحدة، وعلیه قضاء الرکعتین، و إن لم یقعد علی رأس الثانیة ساهیا أو عامداً، لا شک أن صلاته باطلة قیاساً، وهو قول محمد و زفر رحمهما اللّٰه،

وهـو روایة عن أبی حنیفة، وعلیه قضاء رکعتین فحسب. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۲/ ۳۳۰ رقم: ۲۵۷۳ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۹/۲۵ھ

تراویح میں ۲؍رکعت پر قعدہ کرنا بھول گیا؟

سوال (۹۴۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام تراویح کی دوسری رکعت پر بھولے سے نہیں بیٹھا، اور تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا، بعدہٗ اس نے چار رکعتیں پڑھیں اور سجدۂ سہو کرلیا، تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟ تراویح میں ان سب کا شمار ہوگا یا دو رکعتوں کا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں صرف آخر کی دو رکعتیں معتبر ہوں گی، اور شروع کی دو رکعتیں باطل قرار پائیں گی، پہلی دو رکعتوں میں جو قرآن پڑھا گیا ہے اس کا اعادہ کرنا ہوگا۔ (حاشیہ امداد الفتاویٰ ۱/ ۴۹۷، کفایت المفتی ۳/ ۳۴۹، ایضاح المسائل ۲۹)

إذا صلی الإمام أربع رکعات بتسلیمة واحدة، ولم یقعد في الثانیة في القیاس تفسد صلاته، وهو قول محمد وزفر رحمهما اللّٰه تعالیٰ، ویلزمه قضاء هٰذه التسلیمة، وهو روایة عن أبي حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ. وفي الاستحسان: وهو أظهر الروایتین عن أبي حنیفة وأبي یوسف رحمهما اللّٰه تعالیٰ لا تفسد وإذا لم تفسد، اختلفوا في قول أبي حنیفة وأبي یوسف رحمهما اللّٰه تعالیٰ أنها تنوب عن تسلیمة أو تسلیمتین؟ قال الفقیه أبو اللیث رحمه اللّٰه تعالیٰ: تنوب عن تسلیمتین؛ لأن الأربع لما جاز، وجب أن ینوب عن تسلیمتین. وقال الفقیه أبو جعفر والشیخ الإمام أبوبکر محمد بن الفضل رحمهما اللّٰه تعالیٰ: في التراویح تنوب الأربع عن

تسليمة واحدة، وهو الصحيح؛ لأن القعدة على رأس الثانية فرض في التطوع، فإذا تركها كان ينبغي أن تفسد صلاته أصلاً كما هو وجه القياس، وإنما جاز استحساناً فأخذنا بالقياس، وقلنا بفساد الشفع الأول، وأخذنا بالاستحسان في حق بقاء التحريمة، وإذا بقيت التحريمة صح شروعه في الشفع الثاني، وقد أتمها، فجاز عن تسليمة واحدة. (فتاویٰ قاضي خان، كتاب الصوم / فصل في السهو ۲۳۹/۱–۲٤۰ رشيدية، المحيط البرهاني، كتاب الصلاة / الفصل الثالث عشر في التراويح والوتر ۱۳/۲ كوئٹه)

وكان الشيخ أبو جعفر يقول: يجزيه عن تسليمة واحدة، وفى الخانية: هو الصحيح، به كان يفتي الشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل قال القاضي الإمام أبو على النسفي: قول الفقيه أبى جعفر، والشيخ الإمام أقرب إلى الاحتياط وكان الأخذ به أولى، وعليه الفتوىٰ. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳۳۰/۲ رقم: ۲۵۷۱، البحر الرائق ٦٧/٢ كوئٹه) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۲/۱۱/۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تراویح میں قعدہ کئے بغیر بھول سے تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہوگیا؟

سوال (۹۴۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تراویح میں امام دوسری رکعت پوری ہو جانے کے بعد قعدہ میں بیٹھنے کے بجائے تیسری رکعت کے قیام میں چلا گیا، مقتدیوں کے لقمہ دینے پر امام واپس قعدہ میں آ گیا، جب کہ امام کی کمر سیدھی ہوگئی تھی؛ لیکن کچھ پڑھا نہیں تھا، یعنی تلاوت نہیں کی تھی تو کیا تراویح ہوگئی یا نہیں؟ امام نے سجدۂ سہو بھی کرلیا تھا۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب اخیر میں سجدۂ سہو کرلیا تو

تراویح صحیح ہوگئی۔

ولو سها عن القعود الأخير كله أو بعضه عاد ما لم يقيدها بسجدة؛ لأن ما دون الركعة محل الرفض وسجد للسهو لتاخير القعود. (شامي ٢/٨٥ كراچی، ٢/٥٥٠ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۹/۲۲ھ

وتر کے بعد معلوم ہوا کہ تراویح ۱۹/ رکعت ہوئی ہیں؟

سوال (۹۵۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے محلّہ کی مسجد میں قریب تین روز پہلے نماز تراویح میں بھول سے ۱۹/ رکعات پڑھی گئیں، نماز وتر کے بعد تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ ۱۹/ رکعات تراویح ہوئی، اب تلافی کی کیا صورت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جو رکعت تنہا پڑھی گئی ہے، اس کو سب مقتدی الگ الگ دو رکعت بعد میں پڑھ لیں اور مذکورہ رکعت میں جو قرآن پڑھا گیا ہے اسے حافظ صاحب اگلے دن دہرالیں۔

كذا تستفاد من عبارة الشامي: فروع: شكوا هل صلوا تسع تسليمات أو عشراً؟ يصلون تسليمة أخرى فرادىٰ في الأصح للاحتياط في إكمال التراويح والاحتراز عن التنفل بالجماعة. (شامي ٢/٤٥ كراچی، شامي ٢/٤٩٦ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۹/۲۵ھ

تراویح پڑھانے کا زیادہ حق دار کون ہے؟

سوال (۹۵۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ماہ رمضان میں ایک مسجد میں تراویح پڑھانے کے معاملہ کو لے کر ایک مسئلہ پیدا ہوگیا، مسئلہ یہ ہے کہ محلّہ کے دولڑکے آنے والے رمضان میں تراویح پڑھانے کے شدید متمنی ہیں، ایک لڑکا جس کا نام محمد عبید ولد محمد اشرف ہے، اس نے مدرسہ حیات العلوم سے بتاریخ ۶/۳/۲۰۰۳ء کو اپنا قرآن حفظ مکمل کرلیا تھا، اس کی دستار بندی بھی ہوگئی تھی، اور محلّہ ہی کی ایک مسجد میں سامع کی حیثیت سے تراویح پڑھی، اور پھر دوسرے رمضان میں بھی سامع کی ذمہ داری نبھائی، محمد عبید کی عمر ۱۶/سال ہے۔

دوسرا لڑکا محمد عارض ولد صابر حسین ہے، اس کے والد کا کہنا ہے کہ میرے لڑکے نے دوسال قبل حفظ مکمل کرلیا ہے اس کو موقع دیا جائے، اس لڑکے کی ابھی دستار بندی نہیں ہوئی ہے، لڑکے نے ابھی تک کہیں بھی سامع کی حیثیت سے ذمہ داری نہیں نبھائی، اس لڑکے نے مدرسہ احیاء العلوم مقبرہ میں دسمبر ۲۰۰۲ء تک ۱۷/ پارے حفظ کئے تھے، اس کے بعد محلّہ مغل پورہ کے ایک استاذ سے پڑھا اور انہی سے قرآنِ پاک حفظ مکمل کیا، میں اپنی مسجد میں پیش آئے اس مسئلہ کو آپ کی خدمت میں تحریری طور پر پیش کررہا ہوں، قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کا حل کیا ہوگا؟ اور ان دونوں لڑکوں میں سے تراویح پڑھانے کا کس کو موقع دیا جائے تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح کا امام ایسا شخص ہونا چاہئے جو قرآن اچھا پڑھتا ہو، اسے قرآن یاد ہو، تراویح کے ضروری مسائل سے واقف ہو اور جس کی وضع قطع شریعت کے مطابق ہو، بہتر ہے کہ سوال میں ذکر کردہ دونوں امیدواروں کا امتحان کسی معتبر حافظ وقاری سے دلوادیا جائے، اور جس امیدوار کے بارے میں ممتحن صاحب سنانے کا مشورہ دیں اسے اپنی مسجد میں تراویح پڑھانے کا موقع دیا جائے۔

قوله أكثركم قرأنا: فالمتبادر أنه أراد أكثرهم جمعا للقرآن و حفظاً دون أعلمهم بالأحكام. (إعلاء السنن ٢٠٥/٤ رقم: ١١٩٠ دار الكتب العلمية بيروت)

عن أبي أمامة رضي اللّٰه عنه مرفوعاً: إن سركم أن تقبل صلاتكم فليؤمكم خياركم. (إعلاء السنن ٢١١/٤ رقم: ١١٩٤ دار الكتب العلمية بيروت)

والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلاة فقط صحة و فسادا بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة. (در مختار مع الشامی ۲/ ۲۹٤ زکریا)

فالأعلم أحق بالإمامة، ثم الأقرأ، ثم الأورع، ثم الأسن. (کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ۱/ ۳٤۷ کراچی، ۱/ ٦۰۷ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۶/۶/۲۷ھ

مستقل امام کی موجودگی میں انتظامیہ کا تراویح کیلئے حافظ مقرر کرنا؟

سوال (۹۵۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: محلّہ مقبرہ اول درگاہ مسجد نورانی میں جو انتظامیہ کمیٹی ہے، اور موجودہ امام صاحب ہیں، کبھی کبھی محلّہ والوں کا امام صاحب سے جھگڑا ہوجاتا ہے، اور نماز پڑھنا بھی امام صاحب کے پیچھے چھوڑ دیتے ہیں، تو انتظامیہ کمیٹی جھگڑا مٹانے کے لئے ان دونوں کا میل ملاپ کرادیتے ہیں، اور امام صاحب لگ بھگ چودہ سال سے امامت کرتے چلے آرہے ہیں، اور قرآن بھی سناتے آئے ہیں، اب محلّہ کے بچے حافظ ہوگئے ہیں، کمیٹی یہ چاہتی ہے کہ ان کو موقع دیا جائے، اس پر کمیٹی والوں نے یہ طے کیا کہ قرعہ ڈال کر جس کا نام آجاوے اس کا اعلان کردیا جائے، اس پر امام صاحب نے کچھ ساتھیوں کو لے کر جھگڑا کرلیا، امام صاحب اور ان کے ساتھی یہ چاہتے ہیں کہ جب پانچوں وقت کی نماز پڑھاتے ہیں تو وہی قرآن بھی سنائیں گے، مفتیانِ شرع فرمائیں کیا حکم ہے؟ اور امام کے پیچھے انتظامیہ کا کوئی فرد نماز نہیں پڑھ رہا ہے، کیا ان کی امامت کو ختم کردیا جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسجد کی انتظامیہ کمیٹی نے امام کو مقرر کرتے وقت ہی صراحت کی تھی کہ تراویح میں قرآن پاک سنانے کا امام طے کرنے کا اختیار کمیٹی کو ہوگا، تو ایسی صورت میں کمیٹی اپنی مرضی سے حافظ مقرر کرسکتی ہے، اور اس پر امام کو اعتراض کا حق حاصل نہیں ہے؛ لیکن اگر امام کے تقرر کے وقت ایسی کوئی صراحت نہیں کی تھی؛ بلکہ امام کو مطلقاً امامت کے لئے

رکھا گیا ہے، تو ایسی صورت میں تراویح کا حق بھی اسی امام کو حاصل ہوگا، اور اس کی مرضی کے بغیر انتظامیہ کا اپنے طور پر امام تراویح مقرر کرنا درست نہیں ہے۔

وفي الحديث النبوي: المسلمون على شروطهم، إلا شرطاً حرم حلالاً، أو أحل حراماً. (سنن الترمذي ١/ ٢٥١)

إمام المسجد الراتب أولى بالإمامة من غيره مطلقاً، وفي الشامي: وإن كان غيره من الحاضرين من هو أعلم وأقرأ منه. (شامي ٢/ ٢٩٧ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/ ۷/ ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جدید حفاظ کی حوصلہ افزائی کے لئے ان کو تراویح کا امام بنانا؟

سوال (۹۵۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر رمضان المبارک میں تراویح کی امامت کرنے والے حفاظ امامت کی کلی شرائط پر پورے اترنے والے یعنی اعلم، اقرأ، اتقی وغیرہ صفات کے حامل آسانی سے مل جاتے ہوں، تو بالکل جدید حافظ کو جو طہارت نماز اور تجوید وغیرہ کے مسائل سے واقف نہ ہو جو سال بھر پنج وقتہ نماز کا پابند نہ ہو اور جو قرآن کی تلاوت میں پچیس تیس الفاظ متروک یا ضم کر دیتا ہے، اس کو صرف یہ کہہ کر ترجیح دینا کہ اس کو تراویح کی مشق ہو جائے گی، کہاں تک صحیح ہے؟ کیا نماز کو تختۂ مشق بنا سکتے ہیں؟ کیا قرآنِ کریم کی اس طرح تلاوت صحیح ہے؟ کیا مشق طلباء کے مابین یا مدرسہ یا گھر میں نہیں ہوسکتی؟ اگر کوئی اس پر اصرار کرے اور جید وبہتر حفاظ کو ترجیح دے، تو کیا یہ شرعاً صحیح ہے؟ جید حفاظ بھی کبھی اس مرحلہ میں تھے، اب لوگ انہیں پسند کرتے ہیں، کیا یہ بھی مشق ومحنت اور مسائل سے واقف ہو کر آئندہ جید نہیں بن سکتے، وہاں تک انتظار کر لیا جائے، تو کیا حرج ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فرض نمازوں میں تو اعلم، اقرأ اور اتقی کا لحاظ رکھنا

پسندیدہ ہے؛ لیکن تراویح میں ان صفات کی پوری رعایت ضروری نہیں ؛ بلکہ بقدرِ ضرورت مسائل کا جان لینا کافی ہے، اور جدید حفاظ کی حوصلہ افزائی کے لئے ان کو مقررہ امام مسجد کی اجازت سے قرآن سنانے کے لئے مقرر کرنا اچھی بات ہے، اور تراویح سنانے سے پہلے ان کو ضروری مسائل سے بھی واقف کرادینا چاہئے ؛ تاکہ کسی کو کوئی اشکال نہ رہے؛ لیکن یہ ہر حال میں لازم ہے کہ تراویح پڑھانے والا قرآن صحیح پڑھتا ہو، اگر وہ تجوید کی رعایت نہیں کرتا، یا الفاظ کو حذف کردیتا ہے، جیسا کہ سوال میں لکھا گیا، تو ایسا امام تراویح کے قابل نہیں ہے، چاہے وہ جدید حافظ ہو یا قدیم۔ ذمہ دارانِ مسجد کو ان باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

مستفاد: الأفضل أن يقرأ فيها (التراويح) مقدار ما يقرأ في المغرب تخفيفا؛ لأن النوافل تبني على التخفيف، فيكون مثل أخف الفرائض. (تبيين الحقائق ٤٤٥/١ بيروت، ٤٤٥/١ زكريا)

ولا ينبغي للقوم أن يقدم في التراويح الخوشخوان ولكن يقدم الدرستخوان. (الفتاوى التاتارخانية ٣٢٦/٢ رقم: ٢٥٦٤ زكريا)

منها وصل حرف من كلمة بحرف من كلمة أخرى – إلى قوله – ومنها حذف حرف إن غير المعنى تفسد صلاته عند عامة المشائخ هو الأصح، كذا في التاتارخانية. (الفتاوىٰ الهندية ٧٩/١ دارالفکر بیروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲/۱۵/ ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۶ر سال کا لڑکا تراویح پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

سوال (۹۵۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک لڑکا حافظِ قرآن ہے جس کی عمر ۱۶ر سال ہے؛ لیکن پستہ قد ہے، یعنی چھوٹے قد والا ہے، اور وہ تراویح پڑھاتا ہے، تو لوگ کہتے ہیں کہ اس حافظ کے پیچھے تراویح نہیں ہوگی، شرعاً وہ حافظ پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہ لڑکا واقعی ۱۶؍ سال کا ہوچکا ہے، اور اس کے امام بننے سے کسی فتنہ کا اندیشہ نہیں ہے، تو اس کے پیچھے تراویح اور فرائض سبھی نمازیں بغیر کسی کراہت کے جائز اور درست ہیں، چھوٹے اور پستہ قد ہونے سے مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (امداد الفتاویٰ ۱؍۳۵۹، فتاویٰ احیاء العلوم ۲۷۸، فتاویٰ دار العلوم ۴؍۲۴۷)

قال علي رضی اللّٰہ عنه: حفظت عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم لا یُتِمَ بعد احتلامٍ و لا صُماتَ یومٍ إلی اللیل. (سنن أبي داؤد / باب ما جاء متی ینقطع الیُتمُ ۲/ ۴۱ رقم: ۲۸۷۳)

بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال – إلی قوله – فإن لم یوجد فیهما شيءٌ حتی یتم لکل منهما خمس عشرة سنة به یفتیٰ. (درمختار علی الشامي ۶/ ۱۵۳ کراچی، ۹/ ۲۲۶ زکریا، الفتاویٰ التاتارخانیة ۱۶/ ۲۸۰ رقم: ۲٤۹۰۹ زکریا)

وکذا تکره الإمامة خلف أمرد – إلی قوله – المراد به صبیح الوجه؛ لأنه محل الفتنة. (شامي ۱/ ۵۶۲ کراچی، ۲/ ۳۰۱ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۹؍۷؍۱۴۱۵ھ

پندرہ سال کے لڑکے کی تراویح میں امامت؟

سوال (۹۵۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک لڑکا جس کی عمر تقریباً پندرہ سال پانچ ماہ ہے؛ لیکن ابھی تو چھوٹا ہے اور داڑھی نہیں نکلی ہے حافظ قرآن ہے، نماز کے فرائض وواجبات بھی یاد ہیں، تراویح میں قرآن پاک سنانا چاہتا ہے، کیا تراویح میں اس کی امامت درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں چوں کہ مذکورہ لڑکے کی عمر پندرہ سال پوری ہوچکی ہے، اس لئے تراویح وغیرہ میں اس کی امامت درست ہے۔

والسن الذي يحكم ببلوغ الغلام والجارية إذا انتهيا خمس عشرة سنة عند أبي يوسف ومحمد والشافعي، وهو رواية عن أبي حنيفة وعليه **الفتویٰ.** (الفتاویٰ التاتارخانية ٢٨٠/١٦ زكريا)

أخرج البخاري في صحيحه عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عرضه يوم أحد وهو ابن أربع عشرة سنة فلم يجزني، ثم عرضني يوم الخندق وأنا ابن خمس عشرة فأجازني، قال نافع: فقدمت على عمر بن عبد العزيز وهو خليفة، فحدثته هٰذا الحديث فقال: إن هٰذا الحد بين الصغير والكبير وكتب إلى عماله أن يفرضوا لمن بلغ خمس **عشرة.** (صحيح البخاري / باب بلوغ الصبيان وشهادتهم ٣٦٦/١ رقم: ٢٦٦٤، صحيح مسلم / باب بيان سن البلوغ ١٣١/١ رقم: ١٨٦٨، سنن أبي داؤد رقم: ٤٤٠٦)

فإن لم يوجد فيهما شيء فحتى يتم بكل منها خمس عشرة سنة به يفتى، قوله فإن لم يوجد فيهما أي في الغلام و الجارية و ...... ولا اللحية.

(درمختار مع الشامي ٢٢٦/٩ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/۵/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تراویح میں نابالغ مراہق کی امامت؟

سوال (۹۵۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک لڑکا جس کی عمر تقریبا چودہ سال ہے، اور اتنی عمر میں اس نے قرآنِ کریم حفظ کرلیا ہے، تو کیا اس کے پیچھے نماز تراویح جائز ہے؟ جب کہ اس کے گاؤں میں اس سے زیادہ کوئی پڑھا لکھا نہیں ہے، علاوہ ازیں اس کے گاؤں کے جو امام ہیں وہ ناظرہ خواں ہیں اور بہت غلط قرآنِ کریم پڑھتے ہیں، اور وہی نماز تراویح بھی پڑھاتے ہیں، تو کیا ان کے پیچھے نماز تراویح، اسی طرح دیگر نمازیں

پڑھنا درست ہے؟ اگر وہ لڑکا نماز فرض کے علاوہ نماز تراویح پڑھادے، تو اس میں کیا قباحت ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چودہ سال کا لڑکا جب کہ اس میں آثار بلوغ ظاہر نہ ہوئے ہوں، تراویح یا کسی بھی نماز میں امام بننے کے لائق نہیں ہے، اس کے پیچھے بالغ لوگوں کی نماز صحیح نہیں ہوگی؛ لہٰذا بالغ ہی شخص کو امام بنایا جائے اگرچہ وہ مذکورہ بچہ سے کم پڑھا لکھا ہو۔

ولا يجوز للرجال أن يقتدوا بامرأة أو صبي...... وفي التراويح والسنن المطلقة جوزه مشائخ بلخ، ولم يجوزه مشائخنا إلى...... والمختار أنه لايجوز في الصلوات كلها، لأن نفل الصبي دون نفل البالغ. (هداية ١/١٢٣-١٢٤ اشرفی دیو بند)

فإن لم يوجد فيهما شيء فحتى يتم بكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى. (درمختار مع الشامي ٩/٢٢٦ زكريا)

قال العلامة الحلبي: وإذا بلغ الصبي عشر سنين فأمّ البالغين في التراويح يجوز، وذكر بعض الفتاویٰ أنه لا يجوز وهو المختار، وقال شمس الأئمة السرخسي: وهو الصحيح. (حلبي كبير ٤٠٨) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۴/۱۱/۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نابالغ بچہ کا تراویح میں امام بننا؟

سوال (۹۵۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: صلوٰۃ تراویح کے متعلق نابالغ بچوں کا حکم منقح فرمادیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نابالغ بچہ تراویح یا کسی بھی نماز میں بالغ حضرات کی امامت نہیں کرسکتا؛ البتہ نابالغ کے پیچھے نابالغ کی نماز درست ہو جاتی ہے، تاہم اگر کوئی نابالغ قریب البلوغ مراہق ہو تو وہ بالغ امام کا سامع بن سکتا ہے۔

عن عطاء قال: لا يؤم الغلام الذي لم يحتلم. (المصنف لعبد الرزاق ۳۹۸/۲ رقم: ۳۸٤٥)

عـن عـطـاء وعـمـر بـن عبـد الـعزيز قالا : لا يؤم الغلام قبل أن يحتلم فی الفريضة ولا غيرها . (المصنف لابن أبي شيبة ۲۰٦/۳ رقم: ۳۵۲٤ المجلس العلمي)

وذكـر فـي بـعض كتب الفتاویٰ: أنه لا يجوز أن يؤم البالغين في التراويح أيضا وهو المختار . (حلبي كبير ٤۰۸ لاهور)

لا يـصـح اقتداء البالغ غير البالغ فی الفرض وغيره. (حلبي كبير ۵۱٦ لاهور، عناية على فتح القدير ۳۵۷/۱ دار الفكر بيروت، الفتاویٰ الهندية ۸۵/۱)

ولا يـصـح اقتـداء الـرجـل بـامرأة و صبي مطلقا ولو فی جنازة ونفل على الأصـح. (درمـخـتـار) والـمختار أنه لا يجوز في الصلوات كلها والمراد بالسنن الـمطلقة السنن الرواتب. (درمـختـار مـع الشامي ۳۲۲/۲ زكريا، كذا في قاضي خان ۲٤۳/۱، حلبي كبير ٤۰۸ لاهور)

وإن فتـح على إمامه لم تفسد ...... وفتح المراهق كالبالغ. (الفتاویٰ الهندية ۹۹/۱، مراقی الفلاح على الطحطاوي ۱۸۳ کراچی)

وفيـه إمـامة الـصبي المراهق للصبيان مثله يجوز. (الـفتاویٰ الهندية ۸۵/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۸/۷/۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بے ریش لڑکا تراویح پڑھا سکتا ہے؟

سوال (۹۵۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک نوعمر لڑکا جو حافظِ قرآن ہے؛ لیکن ابھی بے ریش ہے، مگر بالغ ہے، کیا وہ رمضان شریف کی تراویح پڑھا سکتا ہے؟ اور کن کن لوگوں کی تراویح نہیں ہوئی، یا تمام لوگوں کی تراویح اس کے پیچھے ہوسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہ بالغ ہو چکا ہے تو اس کے پیچھے نماز تراویح سب کے لئے جائز ہے، باقی اگر اس کے بے ریش ہونے کی وجہ سے کسی فتنہ کا اندیشہ ہو، تو پھر اسے عام لوگوں کا امام نہ بنانا اولیٰ ہے۔

وکذا تکره خلف أمرد، الظاهر أنها تنزيهية أيضاً، والظاهر كما قال الرحمتي: إن المراد به صبيح الوجه لأنه محل الفتنة، وهل يقال هنا أيضاً إذا كان أعلم القوم تنتفي الكراهة، فإن كانت علة الكراهة خشية الشهوة، وهو الأظهر فلا، وإن كانت غلبة الجهل أو نفرة الناس من الصلاة خلفه فنعم فتأمل. والظاهر أن ذا العذر الصبيح المشتهي كالأمرد، سئل العلامة عن شخص بلغ من السن عشرين سنة وتجاوز حد الإنبات ولم ينبت عذاره، فهل يخرج بذٰلک عن حد الأمردية......؟ وهل حكمه في الإمامة كالرجال الكاملين أم لا؟ أجاب: بالجواز من غير الكراهة. (شامي ٥٦٢/١ كراچی، ٣٠١/٢-٣٠٢ زكريا)

فإن لم يوجد فيهما شئ ...... و رواية عن أبي يوسف ولا اللحية ...... فحتى يتم لكل منهما خمس عشر سنة به يفتى. (امداد الفتاویٰ ٣٥٩/١، فتاویٰ دارالعلوم ٢١٤/٣، كفاية المفتي ٤١/٣) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۷/۵/۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

داڑھی میں کالا خضاب لگا کر تراویح پڑھانا؟

سوال (۹۵۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: محترم جناب مولانا قاری محمد رفعت صاحب قاسمی مدرس دارالعلوم دیوبند نے اپنی کتاب ’’مسائلِ امامت‘‘ میں صفحہ نمبر ۸۸؍ میں بعنوان ’’خضاب لگانے والے کی امامت‘‘ لکھا ہے:

سوال: -''جوحافظ صاحب داڑھی کوخضاب لگاتے ہیں، کیاوہ تراویح کی نماز پڑھا سکتے ہیں؟

جواب: - سیاہ خضاب لگانے والا فاسق ہے؛ لہٰذا ایسے امام کی اقتداء میں تراویح پڑھنا مکروہ تحریمی ہے''۔

خادم پوچھنا یہ چاہتا ہے کہ سیاہ خضاب یا کسی اور رنگ کے نام سے آنے والا ایسا خضاب جو لگانے کے بعد کالا نظر آتا ہو، اس کے لگانے والے کی امامت میں کیا فرض نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں؟ برائے کرم قرآن وحدیث کے حوالے کے ساتھ مسئلہ بتائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرد کے لیے بلاعذر سیاہ خضاب لگانا مکروہ ہے؛ لیکن اگر کوئی مجاہد شخص دشمنوں پر رعب ڈالنے کے لئے یا کوئی جوان شخص بیوی کو خوش کرنے کے لئے کالا خضاب استعمال کرے تو اس کی گنجائش فقہی عبارات سے ثابت ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو امام عذر معقول کی وجہ سے خضاب لگاتا ہو تو اس کی امامت بلا کراہت درست ہے، اسے فاسق نہیں کہا جاسکتا، ہاں اگر بلا عذر خضاب لگائے گا تو کراہت ہوگی۔

اور اس کے پیچھے پڑھی گئی نمازیں بہرحال ادا ہوجاتی ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں؛ کیونکہ یہ کراہت بعینہٖ نہیں ہے؛ بلکہ لغیرہ ہے۔

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: أتی بأبي قحافة یوم فتح مکة و رأسه و لحیته کالثغامة بیاضا، فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: غیروا هذا بشيء واجتنبوا السواد. (صحیح مسلم / کتاب اللباس ۱۹۹/۲ رقم: ۲۱۰۲)

ویکره بالسواد (در مختار) قال في الذخیرة: أما الخضاب بالسواد للغزو لیکون أهیب في عین العدو، فهو محمود بالاتفاق، روی عن أبي یوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ أنه قال: کما یعجبني أن تتزین لي یعجبها أن أتزین لها. (شامي ۶۰۵/۹ زکریا، و کذا في الفتاویٰ الهندیة ۳۵۹/۵، الفتاویٰ التاتارخانیة ۲۱۴/۱۸ رقم: ۲۸۵۵۵ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۱۱/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شرعی داڑھی نہ رکھنے والے کا قرآن سنانا؟

سوال (۹٦۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید حافظ قرآن ہے؛ لیکن شرعی اعتبار سے داڑھی نہیں رکھتے، داڑھی اگر رکھتا ہے تو برائے نام، اب رمضان المبارک کے مہینہ میں تراویح کی صورت اختیار کرکے کلام پاک پڑھتے ہیں، آیا زید کا قرآن سنانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ جب کہ زید کے علاوہ حافظ قرآن موجود ہیں، تو ایسی صورت میں مقتدی حضرات کو کیا کرنا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: داڑھی کٹانے والا شخص فاسق ہے، اس کو امام بنانا ناجائز اور مکروہ تحریمی ہے، اس لئے ایسے شخص کو تراویح میں امام نہیں بنانا چاہئے، اس سے قرآن سننے کا ثواب متبع سنت حافظ کے مقابلہ میں یقیناً کم ہوگا۔

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: خالفوا المشركين، وفروا اللحى واحفوا الشوارب، وكان ابن عمر إذا حج أو اعتمر قبض على لحيته فما فضل أخذه. (صحيح البخاري / كتاب اللباس ۸۷۵/۲ رقم: ۵۸۹۲)

يحرم على الرجل قطع لحيته، والسنة فيها القبضة، وهو أن يقبض الرجل لحيته فما زاد على قبضة قطعه، وبه نأخذ. (درمختار مع الشامي ۵۸۳/۹ زكريا، فتح القدير ۳۵۲/۲ زكريا، الفتاویٰ التاتارخانية ۲۱۱/۱۸ رقم: ۲۸۵٤۲ زكريا)

ويكره إمامة عبد، و أعرابي، وفاسق، وفي الشامي: أما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه وبأن في تقديمه للإمامة تعظمه وقد وجب عليهم إهانته شرعا. (درمختار مع الشامي ۲۹۸/۲-۲۹۹ زكريا)

لو قدموا فاسقا يأثمون بناء على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم، لعدم اعتنائه بأمور دينه، و تساهله في الإتيان بلوازمه، فلا يبعد منه الإخلال ببعض

شـروط الصلاة وفـعـل مـا يـنـافيهـا؛ بـل هـو الغالب بالنظر إلى فسقه ...... إلا أنا جـوزنـاهـا مـع الكراهة لقوله عليه السلام: صلوا خلف كل بر وفاجرٍ. (حلبي كبير ٥١٣-٥١٤ لاهور) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۹/۲۳ھ

مسجد کے باشرع حافظ امام کی موجودگی میں غیر مشرع حافظ سے تراویح پڑھوانا؟

سـوال (۹۶۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مسجد میں ایک مولوی وحافظ صاحب فرائض امامت وخطابت انجام دے رہے ہیں، اور وہی امام رمضان المبارک میں تراویح مکمل بیس رکعت بھی پڑھاتے ہیں، اب اس مسجد کے چند مصلیان دوسرے ایک حافظ صاحب کو بھی جن کی وضع قطع سنت کے مطابق نہیں ہے، بیس رکعت میں شریک بنانا چاہتا ہے، دراں حالانکہ امام صاحب کے وضع قطع میں یا تجوید وخوش الحانی وحسن قرأت میں کوئی شکایت نہیں ہے۔ ان مصلیان کا کہنا یہ ہے کہ آپ سے پہلے چند سال یہ حافظ صاحب تراویح میں دس رکعت پڑھاتے رہے ہیں، اس سے پہلے جو امام تھے وہ حافظ نہیں تھے، موجودہ امام اس پر راضی نہیں ہیں، ان کا کہنا ہے کہ امامت کی ذمہ داری بندہ کے سپرد ہے؛ لہٰذا بندہ ہی کا حق ہے اور رمضان المبارک میں مکمل کلام پاک بندہ سناتا آرہا ہے، اور ان کے پیچھے تراویح پڑھنے سے معذرت چاہتا ہوں؛ لہٰذا شریعت کے نقطہ نظر سے مذکورہ بالا حافظ صاحب سے تراویح پڑھوانا صحیح ہے یا نہیں؟ اور تراویح پڑھانے کا حق امام کو ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وبـالله التوفيق: برتقدیر صحتِ واقعہ جب مذکورہ امام صاحب مسجد کے مستقل امام ہیں، اور عرصۂ دراز سے مکمل تراویح پڑھاتے چلے آرہے ہیں، نیز وضع قطع میں شریعت

کے پابند بھی ہیں، تو ایسی صورت میں ان کی موجودگی میں کسی غیر مشرع حافظ سے تراویح پڑھوانا ناجائز اور مکروہ ہے؛ لہٰذا اربابِ مسجد کو یہ حق نہیں ہے کہ اس امام کی موجودگی میں کسی غیر مشرع حافظ سے تراویح پڑھوائیں۔

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه أمر بإحفاء الشوارب وإعفاء اللحية. وفي رواية : خالفوا المشركين احفوا الشوارب وأوفوا اللحى. (صحيح مسلم / باب خصال الفطرة رقم : ٢٥٩)

واعلم أن صاحب البيت ومثله إمام الراتب أولىٰ بالإمامة من غيره مطلقاً. وفي الشامية: أن الإمام الراتب كصاحب البيت في ذٰلک. (الدر المختار مع الشامي ٢/٢٩٧ زكريا)

يحرم على الرجل قطع لحيته، والسنة فيها القبضة، وهو أن يقبض الرجل لحيته فما زاد على قبضة قطعه، وبه نأخذ. (درمختار مع الشامي ٩/٥٨٣ زكريا، فتح القدير ٢/٣٥٢ زكريا)

ويكره إمامة عبد، و أعرابي، وفاسق، وفي الشامي: أما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه وبأن في تقديمه للإمامة تعظمه وقد وجب عليهم إهانته شرعا. (درمختار مع الشامي ٢/٢٩٨-٢٩٩ زكريا، حلبي كبير ٥١٣) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴/۷/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سال بھر داڑھی کٹانے والے کا رمضان کے موقع پر داڑھی رکھ کر تراویح پڑھانا؟

سوال (۹۶۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض حافظ قرآن ایسے ہوتے ہیں جو پورے سال داڑھی کو کترواتے ہیں، اور جب رمضان کا وقت قریب ہوتا ہے تو دو یا تین ماہ قبل داڑھی بڑھا لیتے ہیں، اور رمضان کے بعد پھر وہی حرکت

کرتے ہیں، ایسے حافظوں کے پیچھے تراویح پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ جواز و عدم جواز جو بھی شکل ہو تحریر فرمادیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن کی داڑھی ایک مشت پوری نہ ہو اور وہ صرف تراویح میں قرآن سنانے کی خاطر چند دن قبل داڑھی چھوڑ دیتے ہوں ایسے امام ترک واجب کی وجہ سے فاسق ہیں اور فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، اس لیے ایسے اماموں کے پیچھے تراویح پڑھنے کے بجائے متبع سنت اور صالح ائمہ کی اقتداء میں تراویح پڑھنی چاہئے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: جزوا الشوارب وأرخوا اللحى، خالفوا المجوس. (صحيح مسلم / باب خصال الفطرة رقم: ٢٥٩)

يحرم على الرجل قطع لحيته، والسنة فيها القبضة، وهو أن يقبض الرجل لحيته فما زاد على قبضة قطعه، وبه نأخذ. (درمختار مع الشامي ٥٨٣/٩ زكريا، فتح القدير ٣٥٢/٢ زكريا)

ويكره إمامة عبد، و أعرابي، وفاسق، وفي الشامي: أما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه وبأن في تقديمه للإمامة تعظمه وقد وجب عليهم إهانته شرعا. (درمختار مع الشامي ٢٩٨/٢-٢٩٩ زكريا)

لو قدم فاسقا يأثمون بناء على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم، لعدم اعتنائه بأمور دينه، و تساهله في الإتيان بلوازمه، أنا جوزناها مع الكراهة. (حلبي كبير ٥١٣)

ومرتكب الكبيرة فاسق. (طحطاوي على المراقي الفلاح ٢٤٤ مصر، مجمع الأنهر ١٦٣/١ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۸/۷/۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عین رمضان کے موقع پر داڑھی رکھ کر تراویح پڑھانا؟

سوال (۹۶۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کچھ حفاظ کرام پورے سال داڑھی کترواتے ہیں، لیکن جب رمضان المبارک آتا ہے تو یہ حضرات اپنی داڑھیاں بڑھا لیتے ہیں، کیا ان حفاظ کے پیچھے تراویح پڑھنا درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک مشت سے کم داڑھی رکھنا موجبِ فسق ہے؛ لہٰذا جب تک توبہ کرنے کے بعد مذکورہ حافظ ایک مشت داڑھی پوری نہ کر لے اس کی امامت مکروہ تحریمی رہے گی۔

أي قصوا الشوارب واتركوا اللحی کما هي ولا تحلقوها ولا تقطعوها ولا تنقصوها من قدر المسنون وهو القبضة. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۱۸/۱۲۱ زکریا)

وحلقها تشبه بالیهود والنصاریٰ والفرس أهل الشرک، وقال مالک: یحرم الأخذ منها وحرم الشافعي قصّها إذا کان تمثیلاً بها وترجم البخاري باب إعفاء اللحی ...... عن نافع عن ابن عمر رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: إنهکوا الشوارب واعفوا اللحی. (صحیح البخاري، اللباس / باب إعفاء اللحی ۳۹/٤، اللباس والزینة من السنة المطهرة ۲۲۳ رقم: ۲۹۱ دار الحدیث القاهرة)

یحرم علی الرجل قطع لحیته، والسنة فیها القبضة، وهو أن یقبض الرجل لحیته فما زاد علی قبضة قطعه، وبه نأخذ. (درمختار مع الشامي ۵۸۳/۹ زکریا، فتح القدیر ۳۵۲/۲ زکریا)

وأما الفاسق فقد عللوا کراهة تقدیمة، بأنه لایهتم لأمر دینه، وبأن في تقدیمه للإمامة تعظیمه، وقد وجب علیهم إهانته شرعاً. (شامي ۲۹۹/۲ زکریا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۶/۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

روزہ نہ رکھنے والے شخص کی تراویح میں امامت

سوال (۹٦۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک صاحب بیس سال سے امامت کرتے ہیں، نماز تراویح بھی پڑھاتے ہیں، جب کہ رمضان کے روزے نہیں رکھتے، عذر یہ ہے کہ وہ روزہ رکھنے کی صورت میں تراویح نہیں پڑھا سکتے ہیں، تو کیا اس کے پیچھے نماز تراویح اور پنج وقتہ نماز ہوگی یا نہیں؟ مقتدی حضرات کو اس صورتِ حال میں کیا کرنا چاہئے؟ جب کہ متولی مسجد امام کے طرف دار ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض تراویح پڑھانے کی غرض سے روزہ چھوڑنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے؛ لہٰذا ایسا شخص تارکِ فرض ہونے کی وجہ سے مستحقِ امامت نہیں ہے، مقتدی حضرات ذمہ داران کو توجہ دلائیں، اگر وہ پھر بھی متوجہ نہ ہوں، تو سارا وبال امام اور ذمہ داران پر ہوگا، مقتدیوں پر نہ ہوگا۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أفطر يوماً من رمضان في غير رخصة رخصّها اللّٰه له ولا مرض لم يقض عنه صيام الدهر. (سنن أبي داؤد رقم: ٢٣٩٦، سنن الترمذي رقم: ٧٢٣، سنن ابن ماجة رقم: ١٦٧٢، سنن الدارمي رقم: ١٧١٤، مسند أحمد ٣٨٦/٢، مشكوٰة المصابيح ١٧٧/١ رقم: ٢٠١٣)

لو قدموا فاسقا يأثمون بناءً على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لعدم اعتنائه بأمور دينه وتساهله في الإتيان بلوازمه. (كبيري ٥١٣) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۴/۱۱/۲۷ھ

تراویح میں نابالغ حافظ کو صفِ اول میں کھڑا کرنا؟

سوال (۹٦۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: تراویح میں نابالغ حافظ کو صفِ اول میں کھڑا کرکے سامع بنانا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: نابالغ اگر مراہق ہو تو اس کا حکم بالغ کے مانند ہے، اس کو صف اول میں کھڑا کرکے سامع بناسکتے ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۱/۷۱ ۵، فتاویٰ رحیمیہ ۱/ ۳۴۸، کتاب المسائل ۱/ ۵۲۵)

كتب إلى الحسن بن علي رضي اللّٰه عنه إذا فتح الصبي المراهق على الإمام هل تبقى صلاة الإمام صحيحة؟ قال: نعم. (الفتاویٰ التاتارخانية ٢٢٦/٢ رقم: ٢٢٤٠ زكريا)

ثم يصف الصبيان لقول أبي مالک الأشعري أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم صلى وأقام الرجال يلونه، وأقام الصبيان خلف ذلک، وأقام النساء خلف ذلک، وإن لم يكن جمع من الصبيان يقوم الصبي بين الرجال. (حاشية الطحطاوي اشرفى ٣٠٨، كذا في الدر المختار مع الشامي ٣١٤/١ زكريا، البحر الرائق ٣٥٣١ كراچي)

وفتح المراهق كالبالغ. (البحر الرائق ١١/٢ رشيدية، ٦/٢ كوئٹه، الفتاویٰ الهندية ٩٩/١ دار الفكر بيروت الشاملة، طحطاوي ١٨٣، مراقي الفلاح ١٨٣ كراچی) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۵/۹/۲۵ھ

بالغ سامع کی موجودگی میں نابالغ کو اگلی صف میں کھڑا کرنا؟

سوال (٩٦٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تیرہ سال سے کم عمر کا حافظ قرآن بچہ سامع کی حیثیت سے اگلی صف میں کھڑا ہوسکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ دوسرے غیر حافظ بچے بھی تراویح میں شرکت کرتے ہیں، آیا نماز میں کراہت آئے گی یا نہیں؟

بالغ سامع اگر موجود ہو تو اس صورت میں نابالغ سامع بالغ سامع کے ساتھ اگلی صف میں کھڑا ہوسکتا ہے یا نہیں؟

کیا نابالغ بچوں کا مردوں کے پیچھے صف میں کھڑا ہونے کا حکم بطور استحباب ہے، یا بطور وجوب؟

کیا ضرورۃً نابالغ سامع کو اگلی صف میں کھڑا کیا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نابالغ مراہق بچہ سامع کی حیثیت سے اگلی صف میں کھڑا ہوسکتا ہے، اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۴/ ۲۴۷، احسن الفتاویٰ ۳/ ۵۱۷)

بالغ سامع اگر موجود ہے تو بہتر ہے کہ نابالغ کو اگلی صف میں نہ کھڑا کیا جائے؛ البتہ اگر ضرورت ہو (مثلاً نابالغ کو قرآن زیادہ یاد ہو) تو کھڑا کرسکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۴/ ۲۹۵)

نابالغ بچوں کا مردوں کے پیچھے کھڑے کرنے کا حکم بطور سنت ہے؛ البتہ اگر دو ایک نابالغ بچے ہوں کہ ان کی پوری صف نہ بن سکتی ہو تو انہیں اگلی صفوں کے کناروں پر کھڑا کیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی ضرورت ہو، مثلاً بڑا مجمع ہو اور سب بچوں کو پیچھے کردینے کی وجہ سے ان کے گم ہوجانے کا خطرہ ہو تو بھی انہیں اپنے ساتھ کھڑا کیا جاسکتا ہے۔ (کتاب المسائل ۱/ ۵۲۵)

كتب إلى الحسن بن علي رضي اللّٰه تعالىٰ عنه إذا فتح الصبي المراهق على الإمام هل تبقى صلاة الإمام صحيحة؟ قال: نعم. (الفتاوىٰ التاتارخانية ۲/ ۲۲٦ رقم: ۲۲٤۰ زكريا)

وفتح المراهق كالبالغ. (البحر الرائق ۲/ ۱۱ رشيدية، ٦/۲ كوئٹه، الفتاوىٰ الهندية ۱/ ۹۹ دار الفكر بيروت الشاملة، طحطاوي ۱۸۳، مراقی الفلاح ۱۸۳ کراچی)

ثم يصف الصبيان لقول أبي مالك الأشعري أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم صلى وأقام الرجال يلونه، وأقام الصبيان خلف ذلک، وأقام النساء خلف ذلک، وإن لم يكن جمع من الصبيان يقوم الصبي بين الرجال. (حاشية الطحطاوي ۳۰۸ أشرفي، كذا في الدر المختار مع الشامي ٤/۱ ۳۱ زكريا، البحر الرائق ۳۵۳۱ کراچی، احسن الفتاویٰ ۱/ ۵۱۷، فتاویٰ رحیمیه ۱/ ۳٤۸) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/ ۱/ ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۳ر سال کے بچہ کو تراویح میں سامع بنانا؟

سوال (۹٦۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خدمتِ عالیہ میں گذارش یہ ہے کہ رمضان المبارک میں حافظ محمد ریحان (پیدائش ۱۹۸۸ء عمر ۱۷ر سال) قرآن پاک سنانا چاہتے ہیں، اور سامع حافظ محمد معراج الحسن پیدائش ۱۹۹۲ء عمر ۱۳ سال ہے، کچھ حضرات کہتے ہیں کہ اس کو سامع بنانا جائز نہیں ہے؛ اس لئے حضرت والا سے درخواست ہے کہ اپنے دستخط اور مہر لگا کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ۱۳ر سال کے بچہ کو سامع بنانا جائز ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۱ر۳۴۹، احسن الفتاویٰ ۱ر۵۱۷)

مستفاد: بخلاف الصبي العاقل لأنه قريب من الرجال ولذا عبر عنه الشارح بالمراهق. (شامي ٦٢/٢ زكريا)

وفتح المراهق كالبالغ وفتحه على إمامه جائز. (البحر الرائق / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ١١/٢ رشيدية، ٦/٢ كوئٹه، الفتاوىٰ الهندية ٩٩/١ دار الفكر بيروت الشاملة، طحطاوي / باب ما يفسد الصلاة ١٨٣، مراقي الفلاح ١٨٣ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲٦/۷/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۲ر سال کے بچہ کا بحیثیت سامع لقمہ دینا؟

سوال (۹٦۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مسجد میں سامع بحیثیت لقمہ دینے والا ہے، جس کی عمر تقریباً ۱۲ر سال ہے، تو اس لڑکے کا بحیثیت سامع لقمہ دینا درست ہے یا نہیں؟ اور دیکھنے میں بھی بچہ معلوم ہوتا ہے، اس مسئلہ کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل ومدلل تحریر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بچہ ہوشیار اور سمجھ دار ہو تو اس کا لقمہ دینا درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۱/۳۴۸)

وفتح المراهق كالبالغ وفتحه على إمامه جائز. (البحر الرائق / باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۲/۱۱ رشيدية، ۲/۶ كوئٹه، الفتاویٰ الهندية ۱/۹۹ دار الفكر بيروت الشاملة، طحطاوي / باب ما يفسد الصلاة ۱۸۳، مراقی الفلاح ۱۸۳ کراچی، احسن الفتاویٰ ۱/۵۱۷) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۹/۹/۶ھ

تراویح میں ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا؟

سوال (۹۶۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز تراویح میں ''بسم اللہ'' ہر سورت کے شروع میں پڑھی جائے گی یا نہیں؟ اگر پڑھی جائے گی تو بلند آواز سے یا آہستہ سے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز تراویح میں ''بسم اللہ'' ہر سورت کے شروع میں آہستہ اور بلند آواز دونوں طرح پڑھنا درست ہے؛ البتہ آہستہ پڑھنا افضل ہے۔

صرح في الذخيرة والمجتبى بأنه إن سمى بين الفاتحة والسورة المقرؤة سراً أو جهراً كان حسناً عند أبي حنيفة، رجحه المحقق ابن الهمام وتلميذه الحلبي. (شامي ۱/۴۹۰ كراچی، ۲/۱۹۲ زكريا، امداد الفتاویٰ ۱/۳۴۷) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۵/۶/۱۶ھ

تراویح میں قرآن کتنے دنوں میں ختم کرنا افضل ہے؟

سوال (۹۷۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: رمضان المبارک میں حافظ لوگ دو تین جگہ قرآن سناتے ہیں، اور پھر ہر جگہ ختم تراویح میں چار پانچ پارہ روزانہ پڑھتے ہیں، اور ہر جگہ کے کچھ لوگوں کا ارادہ بھی یہی ہوتا ہے کہ آٹھ دس دن میں تراویح پڑھ کر چھٹکارا پاجاؤں؛ اگرچہ کچھ لوگ پندرہ بیس دن میں ختم کرنا چاہتے ہیں؛ لیکن حافظ کا ارادہ بھی آٹھ دس دن میں ختم کرنے کا ہوتا ہے، اور ایسا کرتے بھی ہیں، تو اس کا کیا حکم ہے؟ کم ازکم کتنے دنوں میں قرآن ختم کرنا بہتر ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح میں اتنے دن میں ختم کرنا افضل ہے جو مقتدیوں پر گراں نہ گذرے، اگر زیادہ پڑھنا مقتدیوں پر گراں گذرتا ہے، تو جلدی ختم کرنا افضل نہ ہوگا، امام کو مقتدیوں کی رعایت رکھنی چاہئے۔

كان عمر بن عبد العزيز يأمر الذين يقرؤن في رمضان في كل ركعة بعشر آيات عشر آيات. (المصنف لابن أبي شيبة ٢٢١/٥ رقم: ٧٧٥٨ المجلس العلمي بيروت)

الأفضل في زماننا قدر ما لايثقل عليهم. (كذا في الدر المختار ٤٧/٢ كراچي، ٤٩٧/٢ زكريا)

وفي مختارات النوازل: إنه يقرأ في كل ركعة عشر آيات وهو الصحيح؛ لأن السنة فيها الختم؛ لأن جميع عدد ركعات في جميع الشهر ست مائة ركعة، وجميع آيات القرآن ستة آلاف، ونص في الخانية على أنه الصحيح. (البحر الرائق ١٢٠/٢-١٢١، كذا في المحيط البرهاني ٩/٢ غفارية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۲/۱۱/۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک دن میں قرآن ختم کرنا؟

سوال (۹۷۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تراویح کی نماز میں ایک دن کے اندر قرآنِ کریم پڑھنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک ہی رات میں تراویح کے اندر پورا قرآن ختم کرنا اصلاً تو ناجائز نہیں ہے؛ لیکن عام طور پر ایسے شبینہ میں اتنا تیز قرآن پڑھا جاتا ہے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا، نیز پہلی رکعت میں مقتدی حضرات رکوع سے پہلے بیٹھ کر باتیں کرنے لگتے ہیں، اور اسے کے علاوہ بھی بہت سے منکرات پائے جاتے ہیں، اس لئے ایک رات میں قرآن ختم کرنے کا اہتمام نامناسب اور قابل ترک ہے، اور بہت سے مفاسد پر مشتمل ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۳/۵۲۱، فتاویٰ دینیہ ۱/۱۷۵)

عن عبد اللّٰہ بن عمرو رضي اللّٰہ عنہما عن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: لم یفقہ من قرأ القرآن في أقل من ثلاث، ہٰذا حدیث حسن. (سنن الترمذي / أبواب القراء ات ۲/۱۲۳)

ویجتنب المنکرات ہذرمۃ القراءۃ وترک تعوذ وتسمیۃ وطمانینۃ وتسبیح واستراحۃ. (الدر المختار، باب الوتر والنوافل ۲/۴۷ کراچی، ۲/۴۹۹ زکریا، مراقي الفلاح، الصلاۃ / فصل في التراویح ۴۱۶) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۳/۹/۲۵ھ

رمضان المبارک میں شبینہ کرنا؟

سوال (۹۷۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اس زمانہ میں رمضان المبارک کے مہینہ میں قرآنِ کریم ختم ہونے کے بعد اکثر مساجد میں شبینہ کے نام سے رات کے ایک یا دو بجے تک بیس رکعت تراویح ہوتی ہیں، جس میں محلّہ کے ضعیف اور بیمار حضرات بھی شریک ہوتے ہیں جنہوں نے پانچوں وقت نماز باجماعت ادا کی اور تراویح بھی ختم قرآن تک پڑھیں؛ لیکن رات کو اتنی دیر تک جاگنے سے معذور ہیں، ان کے علاوہ چند حضرات ایسے بھی ہیں جو معذور تو نہیں؛ لیکن اتنی دیر تک تراویح کی نماز پڑھنے کو شرعی حکم نہیں سمجھتے، اور دوسری

مساجد میں (جہاں ختم قرآن کے بعد الم ترکیف سے بیس رکعت تراویح ہوتی ہیں) جا کر نماز تراویح ادا کرتے ہیں؛ اور ضعیف اور بیمار حضرات محلّہ کی مسجد کے علاوہ دیگر مساجد میں جانے سے بھی معذور ہیں، اور اس طرح محلّہ کے با اثر اور ٹھیکے دار قسم کے لوگوں کے تاوان سے (جو انہوں نے اہل محلّہ پر رات بھر جاگنے کا عائد کر رکھا ہے) نہیں بچ سکتے، اور نماز تراویح با جماعت سے جو ایک شرعی حکم ہے، شبینہ کی نذر ہو جانے کی وجہ سے محروم رہتے ہیں۔ شبینہ کی راتوں میں قرآنِ کریم کا پڑھنا بعض مقتدی حضرات پر بار بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ تکبیر اولی کے ساتھ نماز میں شامل ہونے کے بجائے پیچھے بیٹھے رہتے ہیں اور جب امام صاحب رکوع میں جاتے ہیں، تو فوراً نیت باندھ کر نماز میں شریک ہو جاتے ہیں، جس سے ان کی شرکت خاطر خواہ نہیں ہوتی، اور نیند کا غلبہ ہونے کے باعث علی العموم سامعین پر قرآنِ پاک کا سننا گراں معلوم ہوتا ہے۔ دوسری طرف یہ کہ حفاظِ کرام بھی قرآنِ کریم کے پڑھنے میں اتنی عجلت کرتے ہیں کہ حرکت اور حروف ٹھیک ٹھیک ادا نہیں ہو پاتے، اور تیز رفتاری کی وجہ سے صحتِ الفاظ محال ہو جاتی ہے۔

شبینہ کے ختم پر حفاظِ کرام کو کہیں رومال سے، کہیں چھتری سے، کہیں اسٹیل کی بالٹی سے نوازا جاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ ایسی مساجد کی تلاش میں رہتے ہیں جہاں ان کو زیادہ ملنے کی توقع ہوتی ہے، اور اس طرح اکثر حفاظ کرام پیشہ وارانہ روش اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، حفاظِ کرام رات بھر مختلف مساجد میں گھومتے پھرتے ہیں، اور صبح کو آپس میں تفاخر اور بعض دوسرے حفاظ کی خامیوں پر تبصرے کرتے ہیں، جس سے اکثر ان کی غیبت ہوتی ہے، بعض حفاظ ایک دوسرے کی کمزوری پکڑتے جاتے ہیں، اور موقع بموقع اس کو بیان کرتے ہیں، بعض ایک دوسرے کو پیچھے سے لوٹانا فخر سمجھتے ہیں، دورانِ نماز حفاظ کرام کی جماعت اپنی اپنی باری کے انتظار میں مسجد میں بیٹھی گپ شپ میں مشغول رہتی ہے وغیرہ وغیرہ، کہیں لاؤڈ اسپیکر پر قرآن پڑھا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا امور کو مد نظر رکھتے ہوئے قرآن اور حدیث کی روشنی میں درج ذیل سوالوں کا جواب مرحمت فرمائیں:

(۱) مروجہ شبینوں کی اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پائی جاتی ہے؟ اور کیا سلف صالحین میں اس کا معمول رہا ہے؟

(۲) شبینہ کی ابتداء کب اور کس طرح ہوئی؟ اور کیا شبینہ شریعت کے حکم کے مطابق ہے؟ اگر شبینہ میں کوئی شخص شرکت نہ کرے تو کیا گنہگار ہے؟ ایسے بیمار اور ضعیف حضرات کے لئے جن کا ذکر اوپر کیا گیا کیا حکم ہے؟

(۳) لاؤڈ اسپیکر پر قرآنِ کریم کا پڑھنا جس میں آیتِ سجدہ کی بھی تلاوت ہوتی ہے جائز ہے؟

(۴) اگر ۲۷ / یا ۲۹ / ویں شب میں تراویح ختم ہو، اور شبینہ کا اہتمام نہ کیا جائے تو کیا یہ طریقہ سلف صالحین اور شریعت کے مطابق ہوگا جس میں کسی پر بار بھی نہ ہو؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) تراویح میں مروجہ شبینہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سلفِ صالحین سے ثابت نہ ہونے کے علاوہ دیگر بہت سے شرعی مفاسد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۷/۳۲۶ ڈابھیل، احسن الفتاویٰ ۳/۵۲۲، فتاویٰ رحیمیہ ۴/۳۸۷)

(۲) شبینہ کی ابتداء کب ہوئی اس کا صحیح علم نہیں اتنی بات معلوم ہے کہ سلف صالحین سے اس طرح قرآن پڑھنے کا ثبوت نہیں ملتا، مروجہ شبینہ میں شرکت نہ کرنے والا گنہگار نہیں ہے، ضعیف اور کمزور لوگ اپنے گھر پر ہی تراویح پڑھ لیا کریں۔

(۳) نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا بلاضرورت استعمال کراہت سے خالی نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۱/۲۰۷)

(۴) عام طور پر سلف صالحین اور فقہاء کرام کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ رمضان المبارک کی ستائیسویں یا آخری شب میں تراویح میں ختم فرماتے تھے، شامی میں متعدد حضرات کا یہ معمول منقول ہے، اور چند دن قبل ختم کرنے کے بعد بقیہ راتوں میں الم ترکیف یا سورۂ تکاثر سے آخری سورت (سورۂ ناس) تک تراویح میں پڑھنے کا اہتمام بھی اکابر علماء سے ثابت ہے۔ بہرحال تراویح میں اتنا ہی قرآن پڑھنا چاہئے جو مقتدیوں پر بار نہ ہو۔

قـوله: والختم مرة سنة أي قراء ة الختم في صلاة التراويح سنة وصححه ...... إلى ...... ذكره في الذخيرة. (شامي ٢/٤٦-٤٧ كراچی، ٢/٤٩٧ زکریا)

اس لئے اکابر کا طریقہ ہی اختیار کرنا چاہئے، اور بدعات، خرافات اور غیر ضروری مشقتوں کو چھوڑ دینا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۱/۴/۱۷ھ

رمضان میں شبینہ پڑھنا؟

سـوال (۹۷۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شبینہ رمضان المبارک میں پڑھا جاتا ہے جو نفل ہے، اس کا شرع میں کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وبالله التوفيق: شبینہ پڑھنا بہت سے مفاسد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے۔ مثلاً:

(۱) عام طور پر شبینہ میں نہایت تیز رفتاری کے ساتھ قرآنِ کریم پڑھا جاتا ہے، اور ایک دو دنوں میں ختم کا التزام ہوتا ہے، حالاں کہ حدیث میں ہے کہ: ”تین دن سے کم مدت میں قرآن ختم کرنے والا قرآن کے معانی کا تدبر نہیں کرسکتا“۔

عـن عبد الله ابن عمر رضى الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لم يفقه من قرأ القرآن في أقل من ثلاث. (سنن الترمذي / ابواب القراءات ١٢٣/٢، سنن ابن ماجة / باب ما جاء في قيام شهر رمضان ٩٦ قديمی كتب خانه)

قال الطيبي أي لم يفهم ظاهر معانيه...... قال الشيخ: ظاهره المنع من ختم القرآن في أقل من هٰذه المدة...... والمختار أنه يكره التأخير في الختمة أكثر من أربعين يوماً وكذا التعجيل من ثلاثة أيام...... الخ. (حاشية انجاح الحاجة على سنن ابن ماجة ٩٦ قديمى)

(۲) عام طور پر شبینہ میں فخر، ریا اور دکھاوا پایا جاتا ہے، اور ایک مسجد والے دوسروں پر جتاتے ہیں، جس سے اخلاص ختم ہوجاتا ہے۔

قال تعالیٰ: ﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ﴾ [الماعون: ٤]

قال ابن عباس رضي الله عنهما وغيره: يعنى المنافقون الذين يصلون في العلانية ولا يصلون في السر. (تفسير ابن كثير، الجزء الثلاثون، الماعون: ٧١٨/٤–٧١٩ دار السلام رياض)

(۳) طولِ قیام اور نماز میں کثرتِ تلاوت کی وجہ سے مقتدیوں میں سستی اور اکتاہٹ پیدا ہوجاتی ہے، اور بعضے تو صرف رکوع میں شریک ہوتے ہیں، جو شرعاً آدابِ نماز کے خلاف ہے۔

قال الله تعالیٰ: ﴿وَاِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلَاةِ قَامُوْا كُسَالىٰ﴾ [النساء: ١٤٢]

قال الله تعالیٰ: ﴿وَلَا يَأْتُوْنَ الصَّلَاةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالىٰ﴾ [التوبة: ٥٤]

(۴) پھر خود حافظ اتنی جلدی قرآن پڑھتا ہے جس سے حروف کے مخارج اور ادائیگی میں بہت کوتاہی ہوتی ہے۔

عن ابن مسعود رضي الله عنه قال: لا تنثروه نثر الرمل، ولا تهذوه هذ الشعر، قفوا عند عجائبه، وحركوا به القلوب. (تفسير ابن كثير ٥٩/٤ ٥ دار السلام)

والأخذ بالتجويد حتم لازم

من لم يجود القرآن اثم

(المقدمة الجزرية)

(۵) عام طور سے مروجہ شبینوں میں فضول خرچیاں، روشنی اور مسجد کی لائٹ کا بے جا اسراف مسجد میں شور وغل، بچے بچیوں اور بعضی مرتبہ عورتوں کا اختلاط مفاسد پائے جاتے ہیں، جب کہ یہ سب چیزیں مسجد کے احترام اور آداب کے قطعاً خلاف ہیں۔

قال الله تعالیٰ: ﴿وَلَا تُسْرِفُوْا، اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ [الأعراف: ٣١]

قـال رسـول الـلّٰه صلى الله عليه وسلم: جنبوا مساجدكم صبيانكم. (سنن ابن ماجة، كتاب المساجد والجماعات / باب ما يكره في المساجد ٥٤ قديمی)

(٦) شبینہ میں ختم قرآن کے لئے عوام سے چندہ کرنا اور نہ دینے والے پرلعن طعن کرنا، اسی طرح مسجد میں مٹھائی اور شیرینی کا خاص نظم کرنا، پھر ایک ہنگامہ خیز طریقہ پر ختم سنانا، یہ سب چیزیں شریعت میں ممنوع اور ناپسندیدہ ہیں، اس لئے آج کل کے مروجہ شبینوں کے بارے میں حضراتِ فقہاء کرام نے ممانعت کی بات فرمائی ہے۔

قـال رسـول الـلّٰه صلى الله عليه وسلم: لا يحل مال امرأ مسلم إلا بطيب نفس منه. (مشكوٰة المصابيح، كتاب البيوع / باب الغصب والعارية ٢٥٥ قديمی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۱۰/۱۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تین دن میں ختم قرآن کرنا؟

سـوال (۹۷۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تین روز میں قرآنِ کریم تراویح میں ختم کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وبالله التوفيق: اگر تجوید کے قواعد کے مطابق قرآن پڑھا جائے، اور سننے والے ملولِ خاطر نہ ہوں، نیز کوئی دوسرا امر منکر نہ ہو تو تین دن میں ختم کرنا بھی جائز ہے۔

عـن عبـد الـلّٰـه بن عمرو رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قـال: لم يفقه من قراء القرآن في أقل من ثلاث، هٰذا حديث حسن. (سنن الترمذي / أبواب القراءات ٢/١٢٣)

ويـجتـنـب الـمـنـكـرات هذرمة القراءة وترك تعوذ وتسمية وطمانينة وتسبيح واستراحة. (الدر المختار / باب الوتر والنوافل ٢/٤٧ كراچی، ٢/٤٩٩ زكريا، مراقي

الفلاح، الصلاۃ / فصل في التراويح ٤١٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ

۲۵/۹/۱۴۱۳ھ

تراویح میں ۲/ سپارے روزانہ سنائیں یا ۶/ پارے؟

سوال (۹۷۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: یہاں ایک مسجد باغ والی چاندنی چوک میں حافظ وحید الدین صاحب ۱۹۵۵ء سے ماہ رمضان المبارک میں دوران تراویح مصلیٰ پر قرآنِ پاک پڑھتے آرہے ہیں، حافظ صاحب اکثر دو سپارے روز پڑھا کرتے ہیں، اب ایک شخص حاجی سلطان بخش کا اصرار ہے کہ وہ چھ سپارے روز پڑھا کریں، اور پانچ دن میں ختم قرآن پاک کریں، نہیں تو وہ مسجد کے اوپری حصہ میں جا کر پڑھیں، اور مصلیٰ پر چھ سپارے روز باہر سے کوئی اور حافظ صاحب آ کر پڑھا کریں گے، اور پانچ دن میں قرآنِ پاک ختم کریں گے، حافظ وحید الدین صاحب جو اسی مصلیٰ پر ہر سال تقریباً ۴۲/ سال سے پڑھتے آرہے ہیں، اور اکثر دو سپارے روز پڑھا کرتے ہیں، اپنی مجبوری اور لاچاری کا اظہار کیا، ان کی عمر اس وقت تقریباً ۵۸/ سال کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اتنی جلدی پڑھ کر قرآنِ پاک مکمل نہیں کرسکتا؛ بلکہ اسی طرح زیادہ سے زیادہ دو سپارے روز پڑھ سکتا ہوں، حافظ وحید الدین صاحب نے یہ بھی کہا کہ یہ فیصلہ علماء دین پر چھوڑ دیں، انشاء اللہ جو فیصلہ علماء دین کا آئے گا اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا، حافظ وحید الدین صاحب اور ان کے مقتدیوں کی خواہش ہے کہ وہ حسبِ معمول اسی مصلیٰ پر پڑھیں، اور دو سپارے روز سے زیادہ نہیں پڑھیں علماء دین اس پر روشنی ڈالیں اور فیصلہ دیں کہ حافظ وحید الدین صاحب حسبِ معمول پڑھیں یا باہر سے کوئی حافظ صاحب آ کر چھ سپارے روز پڑھ کر پانچ دن میں ختم قرآنِ پاک کریں؟ کیا ایک حافظ جو مسلسل ۴۲/ سال سے قرآنِ پاک ایک ہی مصلیٰ پر پڑھتا آرہا ہے اس کو ہٹا کر باہر سے کسی اور حافظ صاحب کو لا کر ۵/ یوم میں قرآن پاک ختم کرانا مناسب ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تراویح پڑھانے میں تمام مقتدیوں کی اور قرآنِ کریم کے آداب کی رعایت ضروری ہے، ظاہر ہے کہ عام مقتدی روزانہ چھ پارے سننے کا تحمل نہیں رکھ سکتے، اسی طرح چھ پارے تیز رفتاری سے پڑھنے میں قرآنِ کریم کا حق بھی ادا نہیں ہوسکتا؛ اس لئے مسئولہ صورت میں ۲؍ہی پارے پڑھے جائیں، اور مذکورہ حافظ صاحب اگر اچھی طرح پڑھتے ہوں اور مقتدی ان سے راضی ہوں، تو ان ہی سے تراویح میں قرآنِ کریم سن لیا جائے۔

عن عبد اللّٰه بن عمرو رضي اللّٰه عنهما عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لم يفقه من قرأ القرآن في أقل من ثلاث، هٰذا حديث حسن صحيح. (سنن الترمذي / أبواب القراءات ٢/١٢٣)

والأفضل في زماننا أن يقرأ بما لا يؤدي إلى تنفير القوم عن الجماعة. (الفتاویٰ الهندية ١/١١٨)

ولا يترك الختم لكسل القوم لكن في الاختيار الأفضل في زماننا قدر ما لا يثقل عليهم. (درمختار مع الشامي ٢/٤٩٧ زكريا)

ويجتنب المنكرات هذرمة القراءة وترك تعوذ وتسمية وطمانينة وتسبيح واستراحة. (الدر المختار / باب الوتر والنوافل ٢/٤٧ كراچی، ٢/٤٩٩ زكريا، مراقي الفلاح: الصلاة / فصل في التراويح ٤١٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۹/۸/۱۱ھ

ختم قرآن میں ’’مفلحون‘‘ تک پڑھنا

سوال (۹۷۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام سے تراویح میں انیسویں رکعت میں ﴿اِذَا جَآءَ – تَبَّتْ يَدَا – قُلْ هُوَ اللّٰهُ – قُلْ

﴿اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ پڑھا، اور دوسری یعنی بیسویں تراویح میں ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ اور الٓم سے مفلحون تک پڑھا، تو کیا تراویح ہوگئی؟ کیا اس طرح پڑھنا جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح بھی تراویح صحیح ہوگئی، ختم قرآن کے موقع پر ''مفلحون'' تک پڑھنے کی فضیلت حدیث سے ثابت ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۴/۲۷۳، ایضاح المسائل ۳۱)

ویکره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوساً إلا إذا ختم فيقرأ من البقرة. (الدر المختار) قوله: إلا إذا ختم...... وفي الولوالجية: من يختم القرآن في الصلاة إذا فرغ من المعوذتين في الركعة الأولىٰ يركع، ثم يقرأ في الثانية بالفاتحة وشيء من سورة البقرة؛ لأن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: "خير الناس الحال المرتحل" أي الخاتم المفتتح. (رد المحتار، كتاب الصلاة، فصل في القراءة ١/٥٤٧ سعيد ٢/٢٦٩ زكريا، وكذا في مراقى الفلاح على نور الإيضاح، كتاب الصلاة / فصل في المكروهات ٣٥٢ قديمى، وكذا في حلبي الكبير، تتمات فيما يكره من القرآن في الصلاة وما لا يكره ٤٩٤ سهيل اكيڈمى لاهور، والحديث أخرجه الإمام الطبراني في المعجم الكبير ١٢/١٦٨ رقم: ١٢٧٨٣، والترمذي في سننه رقم: ٤٠١٨) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۷/۹/۲۲ھ

''سورۂ رحمٰن'' سے تراویح پڑھیں یا ''الم ترکیف'' سے؟

سوال (۹۷۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی مسجد میں حافظ نہیں ہے، جس کی بنا پر تراویح کی نماز کبھی ''الم ترکیف'' سے اور کبھی ''سورۂ رحمٰن'' سے ہوتی ہے، اس میں افضل کون ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح میں ''سورۂ رحمٰن'' کو بیس رکعتوں میں پڑھنے

میں بھی کوئی حرج نہیں، اور اگر ''الم تر کیف'' سے آخر قرآن تک ہر سورت الگ رکعت میں پڑھیں تو اور زیادہ بہتر ہے۔

وقرأ بعدها وجوبًا ''سورة'' أو ثلاث آيات (درمختار) وفي الشامي: أشار إلى أن الأفضل قراءة سورة واحدة ففي جامع الفتاوىٰ: روى الحسن عن أبي حنيفةؒ أنه قال: لا أحب أن يقرأ سورتين بعد الفاتحة في المكتوبات، ولو فعل لا يكره، وفي النوافل لا بأس به. (شامي ۲/ ۱۹٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۳/۸/۴ھ

حافظ کا قرآن زیادہ کچا ہونے پر سورہ تراویح پڑھنا؟

سوال (۹۷۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام نے ۱۹/ پارے حفظ کئے ہیں، اگر وہ تراویح میں سنا دے تو کیسا رہے گا؛ لیکن وہ بھول جاتا ہے، اور پیچھے میں نماز پڑھنے والے بالکل جاہل ہیں، تو ایسی حالت میں کونسی تراویح پڑھی جائے گی، ختم قرآن والی یا سورۂ تراویح؛ کیوں کہ امام آگے پیچھے پڑھیں یا چھوڑ دیں تو مقتدی نہیں جانتے، اور لقمہ بھی نہیں دے سکتے۔ جواب تحریر فرمادیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئولہ صورت میں اگر امام کا قرآنِ کریم زیادہ کچا ہو تو سورہ تراویح پڑھ لی جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۷/۳۲۶ ڈابھیل)

مستفاد: والمتأخرون كانوا يفتون في زماننا بثلاث آيات قصار أو آية طويلة حتى لا يمل القوم، ولا يلزم تعطيل المسجد، وهٰذا أحسن كذا في الزاهدي. (الفتاوىٰ الهندية ۱/ ۱۱۸)

ولاينبغي للقوم أن يقوموا في التراويح الخوشخوان ولكن يقوموا

الدرستخوان. (حلبي كبير ٤٠٧، الفتاویٰ الهندية ١/١١٦، لاهور) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۵/۹/۱۴۱۷ھ

مسجد کے برابر مدرسہ کے کمرہ میں سورہ تراویح پڑھنا؟

سوال (۹۷۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا مسجد کے برابر مدرسہ کے کمرہ میں الم ترکیف سے تراویح ہوسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسا کرنا جائز تو ہے مگر مسجد کی فضیلت سے محرومی رہے گی۔

وإن صلى أحد في البيت بالجماعة لم ينالوا فضل جماعة المسجد. (شامي ٢/٤٥ كراچی، ٢/٤٩٥ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۲/۹/۱۴۱۷ھ

تحتانی منزل میں قرآن سے تراویح پڑھنا اور فوقانی میں سورہ تراویح پڑھنا

سوال (۹۸۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مساجد کی قلت اور حفاظ کی کثرت کے پیشِ نظر ایک مسجد میں زیریں اور بالائی منزل دونوں جگہ نماز تراویح ہوتی ہے، زیریں منزل میں قرآنِ کریم بیس روز میں پورا ہوتا ہے، اور بالائی منزل میں بارہ دن میں قرآن ختم ہوتا ہے۔

معلوم یہ کرنا ہے کہ بالائی منزل پر چوں کہ قرآن تقریباً آٹھ یوم قبل ختم ہوجاتا ہے، اس کے بعد اسی منزل پر تراویح الم ترکیف سے ہوتی ہے، اس صورت میں گوکہ نیچے قرآن ہورہا ہو اور اس کے اوپر الم ترکیف سے تراویح پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اور جب نچلی منزل پر قرآن ختم

ہو جاتا ہے تو صرف نچلی منزل پر ہی تراویح ہوتی ہے۔

یہ بھی پیشِ نظر ہے کہ اگر اوپر والی منزل پر ختم قرآن کے بعد تراویح کا سلسلہ بند کردیا جائے تو اکثر نمازی تراویح چھوڑ دیں گے، اور نچلی منزل پر قرآن والی تراویح نہیں پڑھیں گے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد میں جماعتِ ثانیہ مطلقاً مکروہ ہے، اس میں تراویح بھی شامل ہے؛ لہٰذا ایک مسجد میں اوپر نیچے تراویح کی دو جماعت درست نہیں؛ اس لئے تمام لوگوں کو مل کر ایک مسجد میں ایک ہی جماعت کرنی چاہئے؛ تاکہ عبادت کے لئے کسی مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آئے۔

اگر حفاظ کی کثرت ہے تو ایک جماعت میں یا تو باری باری سنانے کا نظم کرلیا جائے یا پھر مسجد کے علاوہ گھر یا فرم میں تراویح کی جماعت کا انتظام کرلیں۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۳/۵۲۶، فتاویٰ رحیمیہ ۷/۲۹۵)

وفي القنية: إمام يصلي التراويح على سطح المسجد اختلف في كراهيته والأولىٰ أن لايصلي فيه عند العذر فكيف بغيره. (كبيري ٣٩٢)

عن عبد الرحمن ابن عبد ن القاري أنه قال: خرجتُ مع عمر بن الخطاب ليلة في رمضان إلى المسجد فإذا الناس أوزاع متفرقون يصلي الرجل لنفسه ويصلي الرجل فيصلي بصلوته الرهط. فقال عمر: إني أرى لو جمعت هٰؤلاء على قارئٍ واحدٍ لكان أمثل ثم عزم فجمعهم على أبي بن كعب رضي الله عنه. (صحيح البخاري ١/٢٦٩) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۲/۸/۱۶ھ

دو حافظ قرآن کس طرح سنائیں؟

سوال (۹۸۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: تراویح کی بیس رکعت ہیں، دس رکعت میں ایک حافظ ایک پارہ سناتا ہے، اس کے بعد پھر دوسرا حافظ اسی پارہ کولوٹا کر دس رکعت میں پورا کرتا ہے، کیا اس طرح پڑھانا درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسا کرنا بھی درست ہے؛ لیکن افضل اور مستحب یہ ہے کہ دس رکعت کے بجائے کسی نہ کسی ترویحہ (مثلاً ۸؍ یا ۱۲؍رکعات) پر حافظ بدلیں، عالمگیری میں یہی لکھا ہے۔

فإن صلوها بإمامين فالمستحب أن يكون انصراف كل واحد على كمال الترويحة، فإن انصرف على تسليمة لا يستحب ذٰلك في الصحيح. (الفتاویٰ الهندية ١/ ١١٦)

وفي الخلاصة: إذا صلى التراويحَ الواحدَ إمامان، كل إمام ركعتين، اختلف المشايخ، والصحيح أنه لا يستحب، لكن كل ترويحة يؤديها إمام واحد. (خلاصة الفتاویٰ، كتاب الصلاة / الفصل الثالث في التراويح ١/ ٦٤ امجد اکیڈمی لاهور، الفتاویٰ الهندية / الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح ١/ ١١٦ رشيدية، فتاویٰ قاضي خان، كتاب الصوم / باب التراويح ١/ ٢٣٣ رشيدية، الفتاویٰ التاتارخانية ٢/ ٣١٨ رقم: ٢٥٣٦ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۳/۹/۷ھ

حفاظ کی کثرت کے سبب بہت ساری جگہوں پر تراویح پڑھنا؟

سوال (۹۸۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل جگہ جگہ چھوٹے بڑے ہالوں میں گھروں میں اور یہاں تک کہ راستوں میں بھی تراویح کی جماعتیں کی جارہی ہیں، جب کہ مسجدوں میں جگہ خالی رہتی ہے، کیا اس طرح جماعت کا کرنا جائز ہے؟ کیا حفاظ کی بہتات کے پیشِ نظر اس کی اجازت دی جاسکتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: بہتر یہی ہے کہ تراویح با جماعت مسجدوں میں ادا کی جائے؛ لیکن اگر حفاظ کو مسجد میں جگہ نہ ملے اور وہ اپنا قرآن سنانے کا سلسلہ جاری رکھنے کی غرض سے اپنے گھروں یا بڑے ہالوں میں تراویح میں قرآن سنانے کا نظم کریں تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں؛ البتہ انہیں فرض نماز مسجد ہی میں پڑھنے کی کوشش کرنی چاہئے؛ تاکہ مسجد کے ثواب سے محرومی نہ ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۷/۲۹۵، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۴/۲۵۱)

وإن صلیٰ في بيته بالجماعة حصل لهم ثوابها وفضلها ولكن لم ينالوا فضل الجماعة التي تكون في المسجد لزيادة فضيلة المسجد وإظهار شعائر الإسلام.

(صغیری ۲۰۵، حلبی کبیر ۴۰۲ لاهور، البحر الرائق ۲/۶۸ کوئٹه، الفتاویٰ الهندية ۱/۱۱۶ کوئٹه)

قال في الخانية: ولو صلی التراويح مرتين في مسجد واحد يكره. (خانية ۱/۲۳۴، احسن الفتاوی ۳/۵۲۶، امداد الفتاوی ۱/۴۶۹)

وإن صلی أحد في البيت بالجماعة لم ينالوا فضل جماعة المسجد.

(شامي ۱/۶۶۰ نعمانية، ۲/۴۹۵ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۳/۸/۱۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حفاظ کی کثرت اور مساجد کی قلت کے سبب ایک مسجد میں ایک سے زائد تراویح پڑھنا؟

سوال (۹۸۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی شہر میں حفاظ کرام کی تعداد کثیر ہے، اور مسجدوں کی تعداد اتنی قلیل ہے کہ تمام حفاظ کے لئے کافی نہیں، تو اس صورت میں ایک ہی مسجد میں چند تراویح کی جماعت (مثلاً اوپر نیچے دو تراویح کی جماعت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو جواز کی کیا صورت ہے؟ نیز مذکورہ صورت میں گھر

یا فرم وغیرہ میں تراویح کر سکتے ہیں یا نہیں؟

اسی طرح تراویح میں ایک رمضان میں یک بارگی ایک ہی مسجد میں الگ الگ جماعتوں میں ایک وقت میں کتنے قرآن پڑھے جاسکتے ہیں؟

نیز مذکورہ صورت میں اگر جائز ہو گھر فرم اور مسجد میں سے کسے ترجیح دی جائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک مسجد میں تراویح کی دو مرتبہ جماعت مکروہ ہے، حفاظ کرام کو چاہئے کہ انہیں اگر مسجد میں جگہ نہ ملے تو اپنے اپنے گھروں میں تراویح کا اہتمام کریں؛ لیکن فرض نماز مساجد میں پڑھنے کا اہتمام کیا جائے۔

قال في الخانية: ولو صلى التراويح مرتين في مسجد واحد يكره. (خانية ۲۳٤/۱، احسن الفتاوی ۵۲٦/۳، امداد الفتاوی ٤٦۹/۱)

قال في الشامية: وإن صلى أحد في البيت بالجماعة لم ينالوا فضل جماعة المسجد، وهكذا في المكتوبات كما في المنية. (شامي ٤۹۵/۲ زکریا) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۵/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسجد کے مصلیٰ پر دو مرتبہ تراویح پڑھانا؟

سوال (۹۸۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی مسجد میں ایک مصلیٰ پر ایک کے بعد دوسری تراویح کی جماعت کرنا جائز ہے کہ نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد میں تراویح کی متعدد جماعتیں کرنا مکروہ ہے۔

ولو صلى التراويح مرتين في مسجد واحد يكره. (خـانية على هامش الفتاوىٰ

الهندية ۱/ ۲۳٤، کتاب المسائل ۱/ ۵۲۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۲/۸/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک مسجد میں دو جگہ اوپر نیچے تراویح پڑھنا؟

سوال (۹۸۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رمضان المبارک میں ہمارے شہر کی بعض مساجد میں بیک وقت اوپر نیچے کی منزل میں الگ تراویح کی نماز ہوتی ہے، مثلاً اوپر کی منزل میں دس روز میں کلام پاک پورا ہوتا ہے، جب کہ پہلی منزل میں ۲۷/ ویں شب میں قرآنِ مجید کی تکمیل ہوتی ہے، تو اس طرح ایک مسجد میں ایک وقت میں دو الگ الگ تراویح کی جماعت کا ہونا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک مسجد میں بیک وقت دو جگہ تراویح کی نماز ادا کرنا مثلاً ایک جماعت اوپر کی منزل میں اور دوسری نیچے کی منزل میں ہو، مکروہ ہے۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے ایک مسجد میں تراویح کی دو جماعتیں کرنا بھی مکروہ ہے، بہتر ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/ ۴۸۵، احسن الفتاویٰ ۳/ ۵۲۶، فتاویٰ محمودیہ ۷/ ۲۷۳ ڈابھیل)

ولو صلی التراویح مرتین في مسجد واحد یکره. (خانیة علی الهندیة ۱/ ۲۳٤)

ولو صلی التراویح في مسجد واحد مرتین في لیلة واحدة یکره. (فتاویٰ النوازل ۹۵) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۳۰/۷/۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسجد کے فوقانی حصہ پر تراویح پڑھنا؟

سوال (۹۸۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: رمضان شریف میں تراویح مسجد کے نیچے حصہ کو چھوڑ کر اوپر والی چھت پر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسجد اوپر کے حصہ میں باقاعدہ بنی ہوئی ہے تو دوسری منزل میں تراویح پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر کھلی چھت ہے تو نیچے کے حصہ کو چھوڑ کر بلاضرورت سب لوگوں کا اوپر کے حصہ میں جا کر نماز پڑھنا مکروہ ہے؛ لیکن اگر کوئی عذر ہو، مثلاً نیچے جگہ تنگ ہو یا گرمی شدید ہو تو کھلی چھت پر بھی نماز پڑھنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: حاشیہ امداد الفتاویٰ)

الصعود على سطح كل مسجد مكروه، ولهٰذا إذا اشتد الحر يكره أن يصلي بالجماعة فوقه، إلا إذا ضاق المسجد فحينئذ لايكره الصعود على سطحه بالضرورة. (الفتاویٰ الهندية ۳۲۲/۵، شامي ۶۵۶/۱ کراچی، ۶۵۶/۱ بیروت، کذا في الفتاویٰ التاتارخانية ۲۱۱/۲ رقم: ۲۱۹۳ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۶/۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسجد کی چھت پر تراویح پڑھنا؟

سوال (۹۸۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسجد چھوٹی سی ہے، دائیں اور بائیں طرف سے بند ہے، اور محراب کے سامنے دو روشن دان ہیں، گرمی بہت ہوتی ہے، کیا مسجد کی چھت پر تراویح پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اگر مسجد کے اوپر والے حصہ میں باقاعدہ جماعت خانہ بنا ہوا ہے، یعنی دیواریں اور برآمدہ وغیرہ تعمیر شدہ ہیں، تو گرمی کے زمانہ میں وہاں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں؛ البتہ مقتدیوں کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اوپر جماعت ہو رہی ہے، اور اگر چھت پر کوئی تعمیر وغیرہ نہیں ہے؛ بلکہ کھلی چھت ہے، تو ایسی صورت میں بلاضرورت نیچے کی جگہ چھوڑ کر اوپر نماز پڑھنے کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔

الصعود على سطح كل مسجد مكروه، ولهذا إذا اشتد الحر يكره أن يصلوا بالجماعة فوقه. (الفتاویٰ الهندية ٣٢٢/٥، شامي ٦٥٦/١ كراچی، ٦٥٦/١ بيروت، كذا في الفتاویٰ التاتارخانية ٢١١/٢ رقم: ٢١٩٣ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۸/۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گھر میں تراویح کی جماعت کا اہتمام

سوال (۹۸۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک صاحب نے اپنے گھر کے ہال میں تراویح ادا کروائیں، گھر کے دوسری جانب میں بھی تراویح ہوئیں، کہاں تراویح ادا کی جائیں؟ گھر میں یا مسجد میں؟ افضل کیا ہے؟ ثواب زیادہ کہاں ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گھر میں بھی تراویح کی جماعت جائز ہے؛ لیکن مسجد کی جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنا زیادہ افضل ہے؛ البتہ فرض نماز مسجد ہی میں ادا کرنی چاہئے، ورنہ مسجد کے ثواب سے محرومی ہوگی۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: صلوة المرء في بيته أفضل من صلاته في مسجدي هذا إلا المكتوبة. (المعجم الأوسط ١٥٩/٣، رقم: ٤١٧٨)

والجماعة فيها سنة على الكفاية في الأصح، فلو تركها أهل المسجد أثموا الا لو ترك بعضهم، وكل ما شرع جماعة فالمسجد فيه أفضل (درمختار) وإن صلى أحد في البيت بالجماعة لم ينالوا فضل جماعة المسجد. (درمختار مع الشامي ٢٨٨/٢ زكريا، فتاویٰ دارالعلوم ٢٧٠/٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۸/۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تجارت پیشہ لوگوں کا ۵؍ پاروں کے ساتھ کسی مکان میں تراویح پڑھنا؟

سوال (۹۸۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں ایک حافظ قرآن ہوں، میرا ذریعہ معاش جوتے کی دوکان داری ہے جو شہر کے بازار میں واقع ہے، میں کئی سال سے تراویح میں قرآنِ کریم سناتا چلا آرہا ہوں، اور امسال بھی تراویح میں ۵؍سپارے سنارہا ہوں، گذشتہ سال بھی ایک صاحب کے مکان میں تراویح میں ۵؍سپارے سنائے تھے، اس سال بھی ایک اور صاحب کے مکان میں جو میرے عزیز بھی ہیں، ان کی خواہش وجگہ کی کشادگی کی بناء پر سنارہا ہوں، مقتدیوں میں اکثریت دوکانداروں کی ہے، کچھ ملازم پیشہ بھی ہیں، اس طرح کے لوگوں کو اپنی مصروفیات کی بنا پر تراویح میں ترتیب سے ایک قرآنِ کریم کے نہ سن سکنے کا خدشہ لاحق رہتا ہے؛ کیوں کہ کئی لوگوں کے ساتھ گذشتہ سالوں میں ایسا ہوا بھی ہے کہ وہ قرآنِ کریم کی ترتیب کو تراویح میں قائم نہ رکھ سکے۔

لہٰذا میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ مسجد کے علاوہ کسی مسلمان کے یہاں اس کی مرضی وخوشی سے باجماعت تراویح میں قرآنِ کریم سنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ میرے ساتھ دشواری یہ رہی ہے کہ میں مندرجہ بالا حالات کے تحت ۵؍سپارے سنانا چاہتا ہوں، اور کسی مسجد کے مستقل نمازی مسجد میں ۵؍سپارے سننے کے لئے ایک رائے نہیں ہوتے؛ کیوں کہ جو عمر رسیدہ نمازی ہیں وہ ۵؍سپارے سننے کی ہمت نہیں رکھتے۔

اس ضمن میں ایک شخص کا یہ کہنا ہے کہ اگر اس طرح مسجدوں کے علاوہ اور جگہوں پر نماز تراویح ہونے لگے تو یہ ایک نئی رسم ہو جائے گی، جب کہ مذہب اسلام نئے رسم پیدا کرنے کی اجازت نہیں دیتا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں گھر پر تراویح کی جماعت کرنا

بلاکراہت جائز ہے، یہ کوئی نئی رسم نہیں کہلائے گی؛ کیوں کہ فرائض کے علاوہ دیگر نمازیں گھر میں ادا کرنے کی خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اجازت دی ہے؛ لیکن اس جماعت کا ثواب مسجد کی جماعت کے برابر نہیں ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: صلوۃ المرء في بیتہ أفضل من صلاتہ في مسجدي ہذا إلا المکتوبۃ. (المعجم الأوسط ۱۵۹/۳، رقم: ۴۱۷۸)

وإن صلی أحد في بیتہ بالجماعۃ حصل لھم ثوابھا، وأدرکوا فضلھا، ولکن لم ینالوا فضل الجماعۃ التي تکون في المسجد لزیادۃ فضیلۃ المسجد وتکثیر جماعتہ وإظہار شعائر الإسلام. (کبیري ۴۰۲)

والجماعۃ فیھا سنۃ علی الکفایۃ في الأصح، فلو ترکھا أھل المسجد أثموا ألا لو ترک بعضھم، وکل ما شرع جماعۃ فالمسجد فیہ أفضل (درمختار) وإن صلی أحد في البیت بالجماعۃ لم ینالوا فضل جماعۃ المسجد.

(در مختار مع الشامي ۴۹۵/۲-۲۸۸ زکریا، فتاویٰ دارالعلوم ۲۷۰/۴) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۷/۹/۴ھ

مکان یا گھروں پر ۵-۱۰/ دن میں تراویح میں ختم قرآن کرنا؟

سوال (۹۹۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رمضان المبارک میں لوگ اپنی دوکان مکان گھروں پر قرآنِ پاک تراویح میں پانچ دن میں، دس دن میں، پندرہ دن میں پڑھواتے ہیں، جب کہ مسجدیں قریب قریب ہیں تو یہ صحیح ہے یا غلط؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مکان یا گھر وغیرہ پر تراویح میں ختم قرآن شرعاً جائز ہے، تاہم وہاں نماز پڑھنے سے مسجد کی جماعت کا ثواب نہیں ملتا۔

وإن صلى أحد في بيته بالجماعة حصل لهم ثوابها، وأدركوا فضلها، ولكن لم ينالوا فضل الجماعة التي تكون في المسجد لزيادة فضيلة المسجد وتكثير جماعته وإظهار شعائر الإسلام. (كبيري ٤٠٢)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صلوة المرء في بيته أفضل من صلاته في مسجدي هذا إلا المكتوبة. (المعجم الأوسط ١٥٩/٣ رقم: ٤١٧٨)

والجماعة فيها سنة على الكفاية في الأصح، فلو تركها أهل المسجد أثموا ألا لو ترك بعضهم، وكل ما شرع جماعة فالمسجد فيه أفضل (درمختار) وإن صلى أحد في البيت بالجماعة لم ينالوا فضل جماعة المسجد.

(در مختار مع الشامي ٤٩٥/٢-٢٨٨ زكريا، فتاویٰ دارالعلوم ٢٧٠/٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۱۰/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خارجِ مسجد تراویح کی جگہ میں عشاء کی نماز باجماعت پڑھنا؟

سوال (۹۹۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رمضان المبارک میں حفاظِ کرام کارخانوں اور فیکٹری وغیرہ میں دس دن بیس دن اور ایک ماہ کا قرآن سناتے ہیں، اور تراویح کے ساتھ صرف عشاء کی نماز کا اہتمام اسی جگہ پر کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ دوسری کوئی نماز یہاں پر نہیں ہوتی، تو کیا اس طرح صرف عشاء کی نماز مسجد میں نہ جاکر انہیں جگہوں پر ادا کرنا جائز اور بلا کراہت درست ہے یا نہیں؟ فیکٹری والے یہ عذر بیان کرتے ہیں کہ اگر ہم عشاء کی نماز کے لئے مسجد میں جائیں گے، تو تراویح میں مقتدی کم ہو جائیں گے، اور بہت سے لوگ تراویح کی نماز ہی نہیں پڑھیں گے، تو کیا ایسی صورت میں عشاء کی نماز فیکٹری ہی میں ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں فیکٹری وغیرہ میں نماز عشاء ادا

کرنے سے مسجد کے ثواب سے محرومی ہوگی، اور بالقصد مسجد قریب ہوتے ہوئے فرض نماز کی جماعت کا دوسری جگہ اہتمام سخت مکروہ ہے؛ کیوں کہ اس کی وجہ سے قریبی مسجد کی جماعت میں کمی لازم آتی ہے؛ لہٰذا جو حضرات اپنی فیکٹری یا گھروں میں تراویح کی جماعت کا اہتمام کرتے ہیں، انہیں نمازعشاء (فرض) مسجد میں با جماعت پڑھ کر پھر تراویح میں شامل ہونا چاہئے۔ اور اس کی وجہ سے اگر تراویح میں مقتدی کم ہوجائیں، تو اس کی پرواہ نہ کی جائے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا صلاة لجار المسجد إلا في المسجد. (سنن دار قطني ٤٢٠/١ رقم: ١٥٣٨)

عن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا صلاة لمن سمع النداء، ثم لم يأته إلا من عذر. (كنز العمال ٢٣٨/٧، رقم: ٢٠٣٥٩)

وسيأتي أن الراجح عند أهل المذهب وجوب الجماعة، وأنه يأثم بتفويتها اتفاقاً – إلى قوله – وسيأتى في الإمامة أن الأصح أنه لو جمع بأهله لا يكره، وينال فضيلة الجماعة لكن جماعة المسجد أفضل. (شامي ٦٥/٢ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۷/۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گھر میں تراویح اور اس میں عورتوں کی شرکت؟

سوال (۹۹۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر تراویح کی جگہ ذاتی گھر میں ہو اور پڑھانے والے گھر کے حافظ ہوں تو گھر کے تمام افراد عورتیں با جماعت تراویح کی نماز میں شریک ہوسکتی ہیں یا نہیں؟

جس جگہ تراویح کا اہتمام کیا گیا ہے وہ جگہ کسی کی ذاتی نہیں ہے، نماز تراویح پڑھانے والے حافظ صاحب بھی باہر سے آتے ہیں، تو کیا نامحرم عورتیں اس طرح تراویح کی نماز میں پردہ کے ساتھ شریک ہوسکتی ہیں؟ ان حضرات سے جب گفتگو کی گئی تو ان حضرات نے مسجدِ نبوی اور مسجدِ

حرام کا حوالہ دیا، تو کیا ان حضرات کا مسجدِ نبوی اور مسجدِ حرام کا حوالہ دینا از روئے شرع صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح میں اگر مرد امام ہو اور اس کی اقتداء میں پیچھے پردے کے ساتھ عورتیں بھی گھروں میں شرکت کرلیں تو اس میں گنجائش ہے؛ لیکن بہتر ہے کہ اس میں صرف گھر کی عورتیں ہوں، باہر کی عورتوں کو وہاں باضابطہ جمع ہونے کی دعوت نہ دی جائے، ورنہ فتنوں کا اندیشہ ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۱/۳۴۷، فتاویٰ دار العلوم ۴/۲۵۰)

كما تكره إمامة رجل لهن في بيت ليس معهن رجل غيره ولا محرم منه كأخته أو زوجته أو أمته أما إذا كان معهن واحد ممن ذكر أو أمهن في المسجد لا يكره. (الدر المختار مع الشامي ٢/٣٠٧ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۲/۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گھروں میں حافظِ قرآن کے پیچھے پردہ میں خواتین کا تراویح پڑھنا؟

سوال (۹۹۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رمضان المبارک میں گھروں میں تراویح کسی حافظِ قرآن کے ذریعہ کرائے جانے میں کیا خواتین پردہ کے ساتھ تراویح میں شرکت کرسکتی ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گھر پر تراویح کی نماز میں پردے کے ساتھ گھر کی خواتین کا شرکت کرنا شرعاً درست ہے؛ لیکن اس میں محلّہ کی دیگر خواتین کو شرکت کی باقاعدہ دعوت نہیں دینی چاہئے؛ کیوں کہ رات کے وقت میں ان کی آمد ورفت فتنہ سے خالی نہیں ہے۔

عن أم حميد امرأة أم حميد الساعدي رضي الله عنها أنها جاء ت إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقالت: يا رسول الله! إني أحب الصلوة معك،

فقال: قد علمت إنک تجبين الصلوة معي وصلوتک في بيتک خير من صلوتک في حجرتک، الخ ...... (مسند أحمد٦/٣٧١، صحيح ابن خزيمة رقم: ١٦٨٩، صحيح ابن حبان رقم: ٢٢١٧، إعلاء السنن ٤/٢٤٢ بيروت)

عن أبي عمرو الشيباني أنه رأى عبد اللّٰه يخرج النساء من المسجد يوم الجمعة ويقول: أخرجن إلى بيوتكن خير لكن. (مجمع الزوائد ١/١٥٦)

عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنهما أنه كان يحلف فيبلغ في يمينه ما من مصلى للمرأة خير من بيتها إلا في حج أو عمرة. (رواه الطبراني في الكبير ٩/ رقم: ٩٤٧٥، مجمع الزوائد ١/١٥٥، إعلاء السنن ٤/٢٤٣ بيروت)

ويكره حضور هن الجماعة مطلقاً على المذهب كما تكره إمامة الرجل لهن في بيت ليس معهن رجل غيره، ولا محرم منه كأخته أو زوجته أو أمته، أما إذا كان معهن واحد ممن ذكر أو أمهن في المسجد لايكره. (شامي ٢/٣٠٧ زكريا، ١/٥٦٦ كراچي)

وكره لهن حضور الجماعة إلا العجوز في الفجر والمغرب والعشاء، والفتوى اليوم على الكراهة في كل الصلوات الخ. (الفتاویٰ الهندية ١/٨٩، شامي ٢/٣٠٧ زكريا، إعلاء السنن ٤/٢٣١)

وأما بيان من تجب عليه الجماعة – إلى قوله – فلا تجب على النساء؛ فلأن خروجهن إلى الجماعة فتنة. (بدائع الصنائع ١/٣٨٤)

والفتوى اليوم على الكراهة فى كل الصلوات لظهور الفساد. (الفتاویٰ التاتارخانية ١/١٥٧، فتاوی عثمانی ١/٥١٦، أحسن الفتاوی ٣/٢٨٣، فتاوی رحيميه ١/١٧١، ١/٢٣٣، ٧/٢٦١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۰/۸/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مردوں کے ساتھ عورتوں کا باجماعت تراویح پڑھنا؟

سوال (۹۹۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) رمضان المبارک میں نماز تراویح مسجد میں ادا کرنے کے لئے صرف پردہ کی آڑ کر کے مردوں کے بازو میں عورتوں کا نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(۲) تراویح کی نماز مسجد میں مرد حضرات نچلی منزل میں، اور عورتیں اوپر کی منزل میں ادا کریں تو کیسا ہے؟

(۳) مسجد سے متصل کمرے میں عورتوں کا نماز تراویح ادا کرنا کیا یہ درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دورِ نبوت میں جب کہ حضراتِ صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن انتہائی عفت مآب، پاک باز اور عبادات کی شوقین تھیں، اور پیغمبر علیہ السلام مسجدِ نبوی میں ان کی امامت فرماتے تھے، جن کی اقتداء عین سعادت اور انتہائی اہم فضیلت کی بات تھی، اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ’’عورت کی نماز مسجد کے بجائے گھر میں اور صحن کے بجائے کمرے میں اور کمرے کے بجائے کوٹھری میں افضل ہے‘‘۔ تو اس خیر القرون دور کے مقابلہ میں آج کا دور تو انتہائی فتنوں سے معمور اور خرابیوں سے بھر چکا ہے، اس میں کسی بھی نماز کے لئے مسجد میں عورت کے آنے کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے زمانہ کی عورتوں کی حالت دیکھ فرمایا تھا کہ اگر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کو دیکھ لیتے تو عورتوں کے مسجد میں جانے پر اسی طرح پابندی لگادیتے جیسے بنو اسرائیل کی عورتوں پر پابندی لگائی گئی تھی۔

بریں بنا فقہاء نے فسادِ زمانہ دیکھتے ہوئے موجودہ دور میں کسی بھی نماز کے لئے عورت کے مسجد میں آنے کو مکروہ لکھا ہے؛ لہٰذا سوال میں ذکر کردہ تینوں صورتوں میں تراویح میں مسجد یا اس سے متصل کسی جگہ جمع ہونا درست نہ ہوگا، بالخصوص ہندوستان جیسے غیر مسلم اور غیر محفوظ ملک

میں رات کے وقت عورتوں کو کسی بھی عنوان سے گھروں سے نکلنے کی ترغیب دینا انتہائی نادانی اور کم فہمی کی بات ہے۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها لو أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم رأى ما أحدثت النساء بعده لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني إسرائيل. (صحيح البخاري ١٢٠/١، صحيح مسلم ١٨٣/١)

عن أم حميد امرأة أبي حميد الساعدي رضي اللّٰه عنها أنها جاء ت إلى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فقالت: يا رسول اللّٰه! إني أحب الصلوة معک، فقال: قد علمت إنک تحبين الصلوة معي وصلوتک في بيتک خير من صلوتک في حجرتک، ......الخ. (مسند أحمد ٣٧١/٦، صحح ابن خزيمة رقم: ١٦٨٩، صحيح ابن حبان رقم: ٢٢١٧، إعلاء السنن ٢٤٢/٤ دار الكتب العلمية بيروت)

عن أبي عمرو الشيباني أنه رأى عبد اللّٰه يخرج النساء من المسجد يوم الجمعة ويقول: أخرجن إلى بيوتكن خير لكن. (المعجم الكبير ٢٩٤/٩ رقم: ٩٤٧٥)

عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنهما أنه كان يحلف فيبلغ في يمينه ما من مصلى للمرأة خير من بيتها إلا في حج أو عمرة. (رواه الطبراني في الكبير ٩ رقم: ٩٤٧٥، مجمع الزوائد ١٥٥/١، إعلاء السنن ٢٤٣/٤ دار الكتب العلمية بيروت)

وكره لهن حضور الجماعة إلا العجوز في الفجر والمغرب والعشاء، والفتوى اليوم على الكراهة في كل الصلوات الخ. (الفتاوىٰ الهندية ٨٩/١)

ويكره حضورهن ولو لجمعة وعيد ووعظ مطلقاً، ولو عجوزا ليلاً على المذهب المفتى به. (شامي ٣٠٧/٢ زكريا)

واختار المتأخرون كراهة خروج العجائز أيضا ليلاً كان أو نهاراً لفساد الزمان. كذا في الدر (١: ٥٩١) (إعلاء السنن ٢٤٣/٤ دار الكتب العلمية بيروت)

وأما بيان من تجب عليه الجماعة – إلى قوله – فلا تجب على النساء؛ فلأن خروجهن إلى الجماعة فتنة. (بدائع الصنائع ۳۸٤/۱)

والفتوى اليوم على الكراهة في كل الصلوات لظهور الفساد. (الفتاوى التاتارخانية ١٥٧/١، فتاوى عثماني ٥١٦، أحسن الفتاوى ٢٨٣/٣، فتاوى رحيميه ١٧١/١، ٢٣٣/١، ٢٦١/٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۸/۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورتوں کا جماعت تراویح میں عمومی طور پر شریک ہونا؟

سوال (۹۹۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے شہر میں چند سالوں سے ایک اسکول کے ہال میں تاجر حضرات ودیگر افراد کی سہولت کے لئے تاخیر سے نماز عشاء ونماز تراویح ہورہی تھی، مگر امسال کچھ حضرات جو اپنے آپ کو بہت پڑھے لکھے سمجھتے ہیں، ان لوگوں نے مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی اس ہال میں نماز تراویح پڑھنے کے لئے دعوت دی، ایک طرف پردہ کردیا، سامنے آدمیوں کی ایک دوصف، باقی پھر پردہ کے پیچھے عورتوں کی صفیں قائم کیں، کیا شریعت میں کہیں اس بات کی اجازت ہے کہ اس طرح عورتوں کو نماز تراویح کے لئے دعوت دینا ہوا ہو؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں پردے کے ساتھ عورتوں کی نماز تراویح اگر چہ درست ہوجاتی ہے؛ لیکن اس فتنہ وفساد کے دور میں باضابطہ عورتوں کو تراویح وغیرہ کے لئے کسی جگہ جمع کرنا اور ان کی حوصلہ افزائی کرنا ایک بڑے فتنہ کے دروازے کو کھولنے کے مترادف ہے؛ کیوں کہ جو کمرے یا ہال وغیرہ عورتوں کے لئے مقرر کئے جائیں گے ان کا ہر وقت تحفظ موجودہ حالات میں ناقابلِ تصور ہے۔ اسی طرح کے خطرات کی بنا پر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ارشاد فرمایا تھا:

لو أدرک رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ما أحدث النساء لمنعهن المسجد کما منعت نساء بني إسرائیل. (سنن أبي داؤد ۱/ ۸٤) کہ اگر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے زمانے کی عورتوں کی نامناسب باتیں دیکھ لیتے تو انہیں مسجد میں آنے سے قطعاً منع فرمادیتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے: **صلاۃ المرأۃ في بیتها أفضل من صلاتها في حجرتها، وصلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بیتها.** (سنن أبي داؤد ۱/ ۸٤) (اس لئے عورتوں کو مسجد میں آنے کی ترغیب نہیں دی جاسکتی)

وکره لهن حضور الجماعة إلا العجوز في الفجر والمغرب والعشاء، والفتویٰ الیوم علی الکراهة في کل الصلوات الخ. (الفتاویٰ الهندیة ۱/ ۸۹، کذا في الشامي ۲/ ۳۰۷ زکریا)

وأما بیان من تجب علیه الجماعة – إلی قوله – فلا تجب علی النساء؛ فلأن خروجهن إلی الجماعة فتنة. (بدائع الصنائع ۱/ ۳۸٤)

والفتوی الیوم علی الکراهة فی کل الصلوات لظهور الفساد. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۱/ ۱۵۷، فتاوی عثمانی ۱/ ۵۱٦، أحسن الفتاوی ۳/ ۲۸۳، فتاوی رحیمیه ۱/ ۱۷۱، ۱/ ۲۳۳، ۷/ ۲٦۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۲/۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورتوں کا مسجد آ کر تراویح کی نماز میں شرکت کرنا؟

سوال (۹۹٦):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک اہلِ سنت والجماعت کی مسجد ہے، جہاں جمعہ کے ساتھ پانچوں وقت کی نماز باجماعت ہوتی ہے، محلّہ کی عورتیں اپنے گھروں میں نمازیں ادا کرتی ہیں، مسجد اچھی خاصی ہے جس میں عورتوں کے لئے الگ سے راستے کے انتظام کے ساتھ نماز بھی الگ پڑھنے کا انتظام ہے؛ اس لئے پچھلے کئی

سالوں سے کچھ لوگوں کی کوشش چل رہی ہے کہ عورتوں کو بھی مسجد میں آ کر نماز پڑھنے کی اجازت دی جائے، امام صاحب نے اس سے منع کیا تو مان گئے؛ لیکن اس سال کچھ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کم سے کم عورتوں کو نماز تراویح پڑھنے کے لئے مسجد میں آنے دیا جائے، وہ کہتے ہیں کہ سعودیہ وغیرہ میں عورتیں مردوں کے ساتھ نماز پڑھتی ہیں، تو پھر انڈیا میں کیوں منع ہے؟ امام صاحب نے پھر اس سے منع کیا، اور یہ کہا کہ ابھی تراویح کی اجازت مانگ رہے ہو، پھر جمعہ اور پھر پنج وقتہ نمازوں کی اجازت مانگی جائے گی، اور فتنے کا ایک بند دروازہ کھل جائے گا، اس لئے عورتوں کو اگر تراویح پڑھنی ہی ہے تو وہ علاحدہ طور پر پڑھیں، یا پھر ایک حافظ رکھ کر کسی گھر میں پردہ کے ساتھ تراویح پڑھنے کا انتظام کریں، جہاں تک بات ہے سعودیہ عربیہ کی تو وہاں چونکہ اسلامی حکومت ہے، اور کسی بھی ناجائز عمل پر شرعی حد جاری کی جاتی ہے؛ اس لئے وہاں کے حالات پر ہندوستان کو قیاس نہیں کر سکتے ہیں۔

واضح رہے کہ اس علاقہ میں غیر مقلدین کا بھی کچھ زور ہے، تو لوگ اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں، ایسی صورت میں جواب طلب امر یہ ہے کہ کیا عورتوں کو مسجد میں آ کر تراویح پڑھنے کی اجازت دی جائے؟ کیا عورتوں کا مسجد میں آ کر تراویح پڑھنا ضروری ہے؟ کیا اس طرح کرنے سے فتنے کا دروازہ نہیں کھلتا؟ اور شریعتِ اسلامیہ کے اندر اس کا کیا حکم ہے؟ تمام سوالوں کے جوابات قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل اور مفصل عطا کریں، جواب جلد عنایت فرمائیں، تا کہ اس فتنے کو بر وقت روکا جا سکے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ میں مذکور امام صاحب کا موقف درست ہے، اس فتنہ کے دور میں عورتوں کو مساجد میں آ کر جماعت میں شریک ہونے کی اجازت نہیں ہے، خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں کو اپنے گھروں میں نماز ادا کرنے کی ترغیب دی ہے؛ اس لئے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف آج عورتوں کو مساجد میں آ کر عبادت کرنے کی ترغیب ہرگز نہیں دی جا سکتی ہے، اس سے فتنوں کا دروازہ کھلنے کا اندیشہ ہے۔

اور اس سلسلہ میں حرمینِ شریفین کا حوالہ دینا اس وجہ سے درست نہیں ہے کہ وہاں حکومت اپنی ذمہ داری پر نمازی عورتوں کو بھرپور تحفظ فراہم کرتی ہے اور فتنہ انگیزی کرنے والوں کے لئے سخت ترین عبرت ناک سزائیں مقرر ہیں؛ لہٰذا وہاں کے محفوظ حالات پر یہاں کے غیر محفوظ ماحول کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، جب کہ یہاں قدم قدم پر فتنے اور خطرات بڑے بڑے واقعات حقیقت بن کر سامنے آرہے ہیں، ان ناگفتہ بہ حالات میں جو لوگ عورتوں کو بے محابا مساجد اور دیگر جگہوں میں آنے کی ترغیب دے رہے ہیں، وہ اِن احادیث کی صراحۃً خلاف ورزی کررہے ہیں، جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو گھر کے پوشیدہ حصہ میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔

عن عمرة بنت عبدالرحمن أنها سمعت عائشة رضي اللّٰه عنها زوج النبي صلى اللّٰه عليه وسلم تقول: لو أدرك رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ما أحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني إسرائيل. (صحيح البخاري ١٢٠/١)

عن عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: صلاة المرأة في بيتها أفضل من صلاتها في حجرتها، وصلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها. (سنن أبي داؤد ٨٤/١ رقم: ٥٧٠) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۱/۸/۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورتوں کا تراویح میں قرآن سنانا؟

سوال (۷۹۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عورت تراویح کی نماز جماعت سے پڑھا سکتی ہے یا نہیں؟ اور اس میں قرآن سنا سکتی ہے یا نہیں؟ ہمارے یہاں حیدرآباد میں دینی مدرسوں میں پڑھنے والی طالبات شہر کے مختلف محلوں میں تراویح کی نماز باجماعت پڑھاتی ہیں، اور باقاعدہ اس کا اعلان مسجدوں میں ہوتا ہے۔ مسئلہ معلوم کرنے پر بتلاتی ہیں کہ یہ عورتوں میں دینی شوق بڑھانے کے لئے ہے، آیا اس طرح عورتوں کا نماز پڑھانا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تنہا عورتوں کا جماعت سے نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی اور ممنوع ہے، تراویح ہو یا دیگر نمازیں دونوں کا ایک ہی حکم ہے، اور سوال میں دینی مدارس کی طالبات کے شہر کے مختلف محلوں میں باقاعدہ تراویح پڑھانے کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ شرعاً سخت فتنہ کا موجب ہے؛ لہٰذا اس طریقہ کو ترک کرنا لازم ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۳/ ۵۷، دینی مسائل اوران کا حل ۴۱)

ویکره تحريما جماعة النساء ولو في التراويح في غير صلاة جنازة، لأنها لم تشرع مكرة. (درمختار مع الشامي ٢/ ٣٠٥ زكريا)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا خير فى جماعة النساء ......الخ. (رواه الإمام أحمد في مسند ٦/ ١٥٤، إعلاء السنن ٤/ ٢٢٦)

وأما بيان من تجب عليه الجماعة – إلى قوله – فلا تجب على النساء؛ فلأن خروجهن إلى الجماعة فتنة. (بدائع الصنائع ١/ ٣٨٤)

والفتوى اليوم على الكراهة فى كل الصلوات لظهور الفساد. (الفتاویٰ التاتارخانية ١/ ١٥٧، فتاوى عثمانى ٥١٦، أحسن الفتاوى ٣/ ٢٨٣، فتاوى رحيميه ١/ ١٧١، ١/ ٢٣٣، ٧/ ٢٦١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۸/ ۷/ ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا حافظہ عورت باقاعدہ عورتوں کی تراویح کی جماعت میں امام بن سکتی ہے؟

سوال (۹۹۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حافظ قرآن عورت رمضان المبارک میں مرد کی طرح تراویح میں جماعت کے ساتھ قرآنِ مجید سنا سکتی ہے؟ جب کہ پوری جماعت عورتوں ہی کی ہے، اور سامع نابالغ بچہ حافظ ہے؟ اور اگر

سامع بھی حافظ قرآن عورت ہی ہوتو کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کی امامت کوفقہاء نے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے، خواہ تراویح ہو یا کوئی اور نمازِ فرض، یا نفل؛ البتہ اگر حافظہ عورت اپنا قرآن یاد رکھنے کی غرض سے تراویح میں عورتوں کی امامت کرے تو بعض آثار سے اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اس صورت میں وہ درمیان صف میں کھڑی ہوگی، مردوں کی طرح صف سے آگے نہ بڑھے گی۔

عن عائشة أم المؤمنين رضي الله عنها أنها كانت تؤم النساء في شهر رمضان فتقوم وسطاً، قال محمدؒ: لا يعجبنا أن تؤم المرأة فإن فعلت قامت في وسط الصف مع النساء كما فعلت عائشة رضي الله عنها وهو قول أبي حنيفةؒ.

(كتاب الآثار للامام محمدؒ ۲۰۳/۱-۲۰۶، رمضان کے شرعی احکام: مصطفى عبد القدوس ندوی ۲۷۴، کتاب المسائل ۵۲۱/۱)

ويكره تحريماً جماعة النساء، ولو في التراويح في غير صلاة جنازة.

(درمختار مع الشامي ۵۶۵/۱ کراچی، ۳۰۵/۲ زكريا، ۲۶۲/۲ بيروت، هداية ۱۲۳/۱، فتاویٰ رحیمیه ۷۶/۹، کتاب المسائل ۴۱۵/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۹/۲ھ

حافظ بچی کا گھر کی عورتوں کا تراویح میں امام بننا اور تہجد کی جماعت کرنا؟

سوال (۹۹۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میری بچی حافظہ ہے، وہ اپنے حفظ قرآنِ کریم کو باقی رکھنے کے لئے تراویح میں قرآن سنانا چاہتی ہے؛ لیکن آپ لوگوں سے مسئلہ دریافت کرنے کا خیال نہیں رہا، اس وجہ سے امسال نہ

سناسکی، اب آئندہ سال سنانے کی تیاری کررہی ہے،اس طور پر کہ روزانہ آٹھ رکعت تہجد میں اپنی دو بہنوں کو پیچھے کھڑا کر کے تہجد جماعت سے ادا کرے، اور قرأت بالجہر سے تہجد پڑھے، یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور آئندہ تراویح میں قرآن عورتوں کی جماعت کر کے کیا سنایا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اصل حکم تو یہی ہے کہ عورت کی امامت مکروہ ہے؛ لیکن قرآنِ کریم یاد رکھنے کی غرض سے حافظہ عورت گھر کی عورتوں کے ساتھ تراویح کی جماعت کر سکتی ہے، ایسی صورت میں وہ عورتوں کی صف ہی میں کچھ ایڑی آگے بڑھا کر کھڑی ہوگی، مردوں کی طرح آگے بڑھ کر نہیں کھڑی ہوگی، اور اس طرح دو بہنوں کے ساتھ تہجد بھی پڑھ سکتی ہے۔

عن عائشة أم المؤمنين رضي اللّٰه عنها أنها كانت تؤم النساء في شهر رمضان فتقوم وسطاً، قال محمدؒ: لا يعجبنا أن تؤم المرأة فإن فعلت قامت في وسط الصف مع النساء كما فعلت عائشة رضي اللّٰه عنها وهو قول أبي حنيفةؒ.

(كتاب الآثار للامام محمدؒ ۲۰۳/۱-۲۰۶، رمضان کے شرعی احکام: مصطفی عبد القدوس ندوی ۲۷٤، كتاب المسائل ۵۲۱/۱)

عن أم الحسن أنها رأت أم سلمة رضي اللّٰه عنها زوج النبي صلى اللّٰه عليه وسلم تؤم النساء تقوم معهن في صفهن. (المصنف لابن أبي شيبة ۵٦۹/۳ رقم: ٤۹۸۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۱۰/۱۴۳۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حافظہ لڑکی تراویح میں قرآن سنائے یا نفل نماز میں تلاوت کرے

سوال (۱۰۰۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک لڑکی حافظ قرآن ہے، جو رمضان المبارک میں تراویح میں عورتوں کی جماعت کے

ساتھ قرآنِ پاک سنانا چاہتی ہے، اور یہی تمنا لے کر قرآنِ پاک حفظ بھی کیا تھا، اور اس وقت بھی سنانے کی وجہ سے بہت محنت کر رہی ہے، کسی عورت نے اس لڑکی سے کہہ دیا ہے کہ عورتیں جماعت کے ساتھ قرآن نہیں سنا سکتی، جب سے یہ سنا ہے اس وقت سے ہی دماغ منتشر ہے، اگر اس لڑکی نے قرآن پاک رمضان میں تراویح میں جماعت کے ساتھ نہیں سنایا تو اندیشہ ہو جائے گا تو اس مجبوری کے پیشِ نظر عورت عورتوں کی جماعت کے ساتھ قرآنِ کریم سنا سکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح یا کسی بھی نماز میں عورتوں کی تنہا جماعت مکروہ تحریمی ہے؛ لہٰذا عورتوں کو تنہا طور پر جماعت کے ساتھ تراویح نہیں پڑھنی چاہئے، قرآنِ کریم کا حفظ خیر وبرکت کا ذریعہ اور آخرت کا سرمایہ اور توشہ ہے، حفظ قرآن سے مقصود رضاء خداوندی ہونا چاہئے، اور قرآنِ کریم کو یاد رکھنے کا ذریعہ محض تراویح میں ایک مہینہ سنا دینا نہیں ہے؛ بلکہ دیگر بہت سے طریقے قرآنِ کریم کو یاد رکھنے کے ہو سکتے ہیں، اپنی روزانہ کی نفل وغیرہ نمازوں میں پڑھتی رہے، اسی طرح دوسری عورتوں یا محرم مردوں کو نماز کے علاوہ سناتی رہے، نیز اپنی تراویح کی نماز میں بھی تنہا پڑھتی رہے، یہی مناسب اور بہتر ہے۔

عن عائشةؓ أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا خير في جماعة النساء إلا في المسجد أو في جنازة قتيل. (رواه أحمد والطبراني في الأوسط) **إلا أنه قال: لا خير في جماعة النساء إلا في مسجد جماعة.** (مجمع الزوائد ٢/٣٣ بيروت)

فعلم أن جماعتهن وحدهن مكروهة. (إعلاء السنن ٤/٢٢٦)

عن علي بن أبي طالب رضي اللّٰه عنه أنه قال: لا تؤم المرأة – قلت: رجاله كلهم ثقات. (إعلاء السنن ٤/٢٢٧ دار الكتب العلمية بيروت)

ويكره تحريماً جماعة النساء ولو في التراويح – إلى قوله – فإن فعلن تقف الإمام وسطهن فلو قدمت أثمت، قال الشامي: أفاد أن الصلاة صحيحة وأنها إذا توسطت لا تزول الكراهة وإنما أرشد والى التوسط لأنه أقل كراهة التقدم. (شامي

۳۰۵/۲ زکریا، احسن الفتاویٰ ۳۱۳/۳ زکریا، امداد الاحکام ۱۳۱/۲ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۰/۶/۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر حنفی شخص کا حنفی کے پیچھے تراویح کی نماز میں فرض کی نیت سے شریک ہونا؟

سوال (۱۰۰۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص امام کی اقتداء میں تراویح پڑھتا ہے؛ لیکن امام تراویح ادا کرتا ہے اور مقتدی فرض قضا ادا کرتا ہے، کیا اقتداء صحیح ہے؟ یہ بھی اچھی طرح ذہن نشیں کرلیں کہ امام حنفی اور مقتدی دوسرے مسالک کے تحت نماز کی اقتداء درست ہے، جب کہ امام نے صرف دو رکعت کی نیت کی ہو اور مقتدی نے چار رکعت فرض قضا ادا کیا ہے، کیا اس طرح نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟ اگر اقتداء صحیح ہے تو کس امام کے نزدیک؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حنفیہ کے نزدیک غیر فرض پڑھنے والے کے پیچھے فرض کی نیت سے نماز پڑھنے والے کا فریضہ کسی طرح ادا نہیں ہوتا، دوسرے امام کا مسلک اس مسلک کے مفتیان سے پوچھا جائے۔

وإذا كان الإمام متنفلاً فصلاته لا تشتمل على صلاة المقتدي وزيادة فلا يصح اقتداء به لأنه بناء القوى على الضعيف. (كفايه بحواله اعلاء السنن ۲۵٦/٤)

واتحاد الصلاتين شرط الصحة للاقتداء...... ولا اقتداء المفترض بالمتنفل. (الفتاوى التاتارخانية ۲٦٨/۲ رقم: ۲۳۹۱ زكريا، الدرالمختار مع الشامي ۲۸٤/۲ زكريا، درمختار ۳۲٤/۲ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۸/۱۲/۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اگر دیر رات رؤیت کا ثبوت ہو تو تراویح کا کیا حکم ہے؟

سوال (١٠٠٢):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رمضان سے قبل ایک عریضہ ارسال خدمت کیا تھا کہ چاند کی خبر دیر سے آئے تو تراویح کی نماز کا کیا حکم ہے؟ اب ذی قعدہ میں کافی تاخیر سے جواب موصول ہوا کہ مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے اعلان کر کے تراویح پڑھ لی جائے اس کی قضا نہیں ہے، اگر بالفرض اعلان نہ ہو یا اعلان کے باوجود لوگ جمع نہ ہوں یا جمع ہو کر حافظ صاحب کچھ پارے تراویح میں پڑھ لیں تو دوسرے دن ان پاروں کو دہرانا چاہئے یا نہیں؟ جن لوگوں نے سستی سے سنت سمجھ کر تراویح نہیں پڑھی ان سے کسی قسم کا شرعی مواخذہ ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہتر یہ ہے کہ دوسرے دن پہلے دن کے پڑھے ہوئے پاروں کو دوہرالیا جائے تاکہ جو لوگ آج سے تراویح میں شریک ہو رہے ہیں ان کا قرآن پاک ناقص نہ رہے۔ اور جن حضرات نے علم ہونے کے باوجود محض سستی کی بنا پر تراویح نہیں پڑھی وہ ترک سنت کی وجہ سے گنہگار رہوں گے۔ **أن أصل التراويح سنة عين فلو تركها واحد كره قراءة الختم في صلاة التراويح سنة.** (الدر المختار مع الشامي ٤٩٥/٢-٤٩٧ زكريا، كذا في البحر الرائق، الصلاة / باب الوتر والنوافل ١٢٠/٢-١٢١، المحيط البرهاني، الصلاة / التراويح والوتر ٩/٢، فتاوى محمودیه ٣١٣/٧ ڈابھیل) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۱/۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ریاح کے مریض کا تراویح گھر پر ادا کرنا؟

سوال (١٠٠٣):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی شخص کو ریاح کا شبہ رہتا ہے، وہ نماز میں بھی بڑی مشکل سے روکتا ہے اور کبھی نکل

بھی جاتی ہے، تو ایسے شخص کو تراویح میں بڑی دشواری ہوتی ہے اور کبھی کئی بار وضو کرتا ہے، تو یہ شخص نماز فرض ادا کرنے کے بعد گھر میں جب کہ ریاح کم خارج ہو یا فوراً نماز کے بعد تراویح گھر پڑھ لے تو کوئی مضائقہ تو نہیں ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ معذور شخص فرض نماز ادا کرنے کے بعد تراویح کی نماز فوراً گھر پر پڑھ سکتا ہے، اس صورت میں وہ جماعت کے ثواب سے محروم نہ ہوگا۔ (احسن الفتاوی ۳/۲۸۳)

وإذا انقطع عن الجماعة لعذر من أعذارها، وكانت نيته حضورها لو لاالعذر يحصل له ثوابها. (شامي ۲/۱ ۲۹ زكريا، مراقي الفلاح ۲۹۹، حلبي كبير ۵۰۰، فتاویٰ دارالعلوم ۳/ ۶۶) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۸/۷ھ

تر ویحہ کے مسائل

تر ویحہ کی دعا کا ماخذ کیا ہے؟

سوال (۱۰۰۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: **سبحان ذي الملک والملکوت سبحان ذي العزة والعظمة والهيبة والقدرة والکبرياء والجبروت سبحان الملک الحي الذي لا ينام ولا يموت، سبوح قدوس ربنا ورب الملائکة والروح، اللّٰهم أجرنا من النار، يا مجير يا مجير يا مجير۔**

مندرجہ بالا دعاء تر ویحہ کے نام سے موسوم یہ دعا برائے مہربانی تحریر فرمادیں۔ حدیث یا فقہ کی کس کتاب سے ماخوذ ہے، بعینہٖ انہیں الفاظ کے ساتھ؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ دعا بعینہٖ کسی فقہ اور حدیث کی کتاب میں دستیاب نہ ہوسکی؛ البتہ الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ درج ذیل کلمات فقہاء سے تر ویحہ میں تین مرتبہ پڑھنا منقول ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

سبحان ذي الملک والملکوت سبحان ذي العزة والعظمة والقدرة والکبرياء والجبروت، سبحان الملک الحي الذي لا ينام ولا يموت، سبوح قدوس رب الملائکة، لا إله إلا اللّٰه، نستغفر اللّٰه نسئلک الجنة ونعوذ به من النار الخ. (شامي ۲/۴۳۳ بیروت، ۲/۴۹۷ زکریا، مستفاد: کتاب المسائل ۱/۵۲۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۱/۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ترویحہ کی دعا کیا ہے؟

سوال (۱۰۰۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تراویح کے سلسلہ میں قرآن وحدیث اور آثار صحابہ سے کیا کوئی خاص دعا یا کوئی مخصوص تسبیح منقول ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقہ کی بعض کتابوں میں یہ تسبیح ملتی ہے:

سبحان ذي الملك والملكوت، سبحان ذي العزة والعظمة والقدرة والكبرياء والجبروت، سبحان الملك الحي الذي لا يموت، سبوح قدوس رب الملائكة والروح، لا إلٰه إلا اللّٰه نستغفر اللّٰه، نسئلك الجنة ونعوذ بك من النار. (شامي ٤٦/٢ كراچی، شامي ٤٣٣/٢ بيروت، شامي ٤٩٧/٢ زكريا، البحر الرائق ١٢٢/٢، تبيين الحقائق ٤٦٢/١)

لیکن اس دعا کا پڑھنا شرعاً لازم اور ضروری نہیں، اس کے علاوہ بھی ذکر واذکار کرنے کی گنجائش ہے۔

ثم هم مخيرون في حالة الجلوس إن شاؤا سبحوا، وإن شاؤا قرؤا، وإن شاؤا صلوا أربع ركعات فرادىٰ، وإن شاؤا ساكتين وأهل مكة يطوفون أسبوعاً ويصلون ركعتين، وأهل المدينة يصلون أربع ركعات فرادىٰ. (تبيين الحقائق ٤٤٦/١ بيروت، الفتاوىٰ الهندية ١١٥/١، درمختار مع الشامي ٤٩٦/٢ زكريا، ٤٦/٢ كراچی، البحر الرائق ١٢٢/٢، غنية المستملي ٤٠٤، البحر الرائق ١٢٢/٢، حلبي كبير ٤٠٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۸/۲/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ترویحہ میں کوئی دعا مخصوص نہیں ہے

سوال (۱۰۰۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ترویحہ میں معروف ومشہور دعاء کے علاوہ بھی کوئی ذکر واذکار کی اجازت ہے یانہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ترویحہ میں کوئی خاص عبادت یاذکر متعین نہیں ہے، مشہور تسبیح کے کلمات بھی پڑھ سکتے ہیں ،اوراس کے علاوہ دیگراذکاراور تلاوت وغیرہ کی بھی گنجائش ہے۔

یجلس ندبا بین کل أربعة بقدرها ...... ویخیرون بین تسبیح وقراءة وسکوت وصلاة فرادیٰ. (الدر المختار مع الرد المحتار ۲/ ٤٦ کراچی، ۲/ ٤٩٦ زکریا، البحر الرائق ۲/ ۱۲۲، حلبي کبیر ٤٠٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۶/۱۱/ ۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد اجتماعی دعا کا معمول

سوال (۱۰۰۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز تراویح کی ہر چار رکعات پر بعض مساجد میں دعا جہری اجتماعی کا معمول ہے، اور اس کو بعض حضرات لازم سمجھتے ہیں، تو کیا یہ صحیح ہے کہ صرف دعا کا معمول بنایا جائے، یا جو بھی ذکر واذکار وغیرہ ہیں ان میں مشغول رہا جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح میں ہر چار رکعت پڑھکر جہراً اجتماعی دعاء کرنا سلف سے ثابت نہیں ہے، اور ایک غیر لازم چیز کو لازم قرار دینا قابل ترک ہے، بہتر یہ ہے کہ اس وقت نمازی حضرات اپنے اپنے ذوق اور سہولت کے مطابق انفرادی طور پر ذکر واذکار یا تلاوت وغیرہ میں مشغول رہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۷/ ۲۶۴-۲۶۸ ڈابھیل، فتاویٰ رحیمیہ ۱/ ۳۴۷-۳۵۲، فتاویٰ دارالعلوم ۴/ ۲۷۶-۲۷۹)

یجلس ندبا بین کل أربعة بقدرها، وکذا بین الخامسة والوتر، ویخیرون بین تسبیح وقراءة وسکوت وصلوة فرادی. (درمختار مع الشامي / تحت مبحث صلوة التراویح ۲/ ٤٩٦ زکریا)

ويكـر التعيين (درمختار) وفي رد المحتار : لأن الشارع إذا لم يعين عليه شيئا تيسيرا عليه كره له أن يعين، وعلله في الهداية بقوله، لما فيه من هجر الباقي وإيهام التفضيل. (شامي / مطلب السنة تكون سنة عين وسنة كفاية ٢٦٥/٢ زكريا)

ولا ينبغي أن يتكلف لإلتزام ما لم يكن في الصدر الأول. (شامي كراچی ٤٩/٢، زكريا ٥٠١/٢)

إن الإصرار على أمر مندوب يبلغه إلى حد الكراهة فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في هذا فلا شک في الكراهة. (السعايه شرح شرح الوقاية ٢٥٦/٢ لاهور)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۸/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ترویحہ کی تسبیحات کس طرح پڑھیں؟

سوال (۱۰۰۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر قرآن وسنت سے کوئی تسبیح اور دعا منقول ہو تو اس کو کس طرح پڑھا جائے، کیا اجتماعی طور پر بلند آواز سے یا انفرادی طور پر الگ الگ آہستہ آواز سے؟ ان دونوں میں افضل اور اولیٰ طریقہ کونسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ سب اذکار انفرادی طور پر اور آہستہ پڑھے جائیں، اجتماعیت اور جہر کا التزام ممنوع ہے۔

قال تعالى: ﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ تَضَرُّعاً وَخِيْفَةً وَدُوْنَ الْجَهْرِ﴾ [الأعراف: ٢٠٥]

قوله : ودعا جهراً، اما الأدعية والأذكار، فبالخفية أولى. (رد المحتار، قبيل مطلب: الثناء على الكريم دعاء: ٥٠٧/٢ كراچی)

وقوله : ورفع صوت بذكر الخ: خير الذكر الخفى، لإنه حيث خيف الرياء أوتاذى المصلين أو النيام". (رد المحتار، مطلب في رفع الصوت بالذكر ٦٦٠/١ كراچی)

ويخيرون بين تسبيح وقراءة وسكوت وصلاة فرادىٰ. (الدر المختار مع الرد المحتار ٢/٤٦ كراچی، البحر الرائق ٢/١٢٢، الحلبي الكبير ٤٠٤، تبيين الحقائق ١/٤٤٦ بيروت، هندية ١/١١٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۲/۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ترویحہ کی تسبیح جہراً پڑھی جائے گی یا سراً؟

سوال (۱۰۰۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تراویح میں ہر چار رکعت پر جو تسبیح پڑھی جاتی ہے وہ جہراً پڑھی جائے گی یا سراً؟ ان میں سے کون سا پڑھنا افضل ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح کی یہ تسبیح سراً پڑھی جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۴/۲۶۳، فتاویٰ محمودیہ ۷/۳۵۰ ڈابھیل)

قال تعالى: ﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ تَضَرُّعاً وَخِيْفَةً وَدُوْنَ الْجَهْرِ﴾ [الأعراف: ٢٠٥]

قوله: ودعا جهراً، اما الأدعية والأذكار، فبالخفية أولى. (رد المحتار، قبيل مطلب: الثناء على الكريم دعاء ٢/٥٠٧ كراچی)

وقوله: ورفع صوت بذكر الخ: خير الذكر الخفي؛ لإنه حيث خيف الرياء أو تاذى المصلين أو النيام. (رد المحتار، مطلب فی رفع الصوت بالذكر ١/٦٦٠ كراچی)

ويخيرون بين تسبيح وقراءة وسكوت وصلاة فرادىٰ. (الدر المختار مع الرد المحتار ٢/٤٦ كراچی، البحر الرائق ٢/١٢٢، حلبي كبير ٤٠٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۱/۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ترویحہ کے درمیان درج ذیل دعائیں پڑھنے کا التزام

سوال (۱۰۱۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ماہِ رمضان المبارک کے موقع پر شہر مدراس اور جنوبی ہند کی اکثر مساجد میں نماز تراویح کی ہر دو اور چار رکعتوں کے درمیان کچھ دعائیں تسبیحات اور صلوات کے نام سے پڑھنے کا رواج ہے، یہ تسبیحات اجتماعی طور پر بالجہر بلند آواز سے پڑھنے کا معمول ہے، ملاحظہ کے لئے ان تسبیحات کو بعینہٖ آپ کے سامنے نقل کیا جاتا ہے:

پہلے دوگانہ کے بعد اس دعا کو ایک مرتبہ پڑھا جاتا ہے:

فضل من اللّٰہ ونعمة ومغفرة ورحمة وعافية وسلامة لا إلٰه إلا اللّٰه واللّٰه أكبر اللّٰه أكبر ولله الحمد۔ برخواجہ عالم صلوات **اللّٰهم صل وسلم وبارك عليه۔**

پھر یہ تسبیح تین بار پڑھی جاتی ہے:

أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده ورسوله۔ پھر دعا کے بعد اس کو ایک بار پڑھا جاتا ہے: **البدر محمد المصطفیٰ صلى اللّٰه عليه وسلم وآله وأصحابه وسلم لا إلٰه إلا اللّٰه واللّٰه أكبر اللّٰه أكبر ولله الحمد ۔** (برخواجہ عالم صلوات......)

دوسرے ترویحہ کے بعد یہ تسبیح تین بار پڑھی جاتی ہے:

اللّٰهم صل على محمد وآل محمد وبارك وسلم وصل على جميع الأنبياء والمرسلين والملائكة المقربين وعلى كل ملك برحمتك يا أرحم الراحمين ۔ پھر دعا کے بعد پڑھتے ہیں: **خليفة رسول اللّٰه بالتحقيق خير البشر بعد الأنبياء بالتصديق أمير المؤمنين أبوبكر الصديق رضي اللّٰه عنه لا إلٰه إلا اللّٰه واللّٰه أكبر اللّٰه أكبر ولله الحمد۔** (برخواجہ عالم صلوات......)

تیسرے ترویحہ کے بعد یہ تسبیح تین بار پڑھی جاتی ہے:

سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا إلٰہ إلا اللّٰہ واللّٰہ أکبر ولا حول ولا قوۃ إلا باللّٰہ العلي العظیم۔

پھر دعا کے بعد پڑھتے ہیں:

مزین المنبر والمحراب أمیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضي اللّٰہ عنہ لا إلٰہ إلا اللّٰہ واللّٰہ أکبر اللّٰہ أکبر وللّٰہ الحمد (برخواجہ عالم صلوات ......)

چوتھے ترویحہ کے بعد یہ تسبیح تین بار پڑھی جاتی ہے:

سبحان اللّٰہ وبحمدہ سبحان اللّٰہ العظیم وبحمدہ استغفر اللّٰہ ربي من کل ذنب وخطیئۃ وأتوب إلیہ.

پھر دعا کے بعد پڑھتے ہیں:

جامع القرآن کامل الحیاء والإیمان والنورین أمیر المؤمنین عثمان بن عفان رضي اللّٰہ عنہ لا إلٰہ إلا اللّٰہ واللّٰہ أکبر اللّٰہ أکبر وللّٰہ الحمد. (برخواجہ عالم......)

پانچویں ترویحہ کے بعد یہ تسبیح تین بار پڑھی جاتی ہے:

استغفر اللّٰہ استغفر اللّٰہ استغفر اللّٰہ العلي العظیم الذي لا إلٰہ إلا ھو الحي القیوم غفار الذنوب ستار العیوب علام الغیوب کشاف الکروب یا مقلب القلوب والأبصار وأتوب إلیہ۔

پھر دعا کے بعد پڑھتے ہیں:

أسد اللّٰہ الغالب، مظہر العجائب والغرائب إمام المشارق والمغارب أمیر المؤمنین علي بن أبي طالب رضي اللّٰہ عنہ لا إلٰہ إلا اللّٰہ واللّٰہ أکبر اللّٰہ أکبر وللّٰہ الحمد۔ (برخواجہ عالم صلوات......)

اس سلسلہ میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱)ان تسبیحات کی شرعی حیثیت کیا ہے، کیا ان تسبیحات کوتر ویحات میں پڑھنا درست ہے؟

(۲) کیا قرآن وحدیث، آثارِ صحابہ وتعامل سلف سے ان تسبیحات کا ثبوت ملتا ہے؟

(۳) کیا صحابہ وتابعین اور تبع تابعین، فقہاء کرام اور ائمہ مجتہدین کے مبارک زمانہ میں ان تسبیحات کا رواج رہا؟

(۴) اگر نہیں تو یہ کس کی ایجاد ہیں؟ اور اس کا رواج مسلمانوں کے درمیان کب سے شروع ہوا؟

(۵) مصلیوں کو ان ہی تسبیحات کا پابند بنانا کیسا ہے؟

(۶) کیا یہ تسبیحات تراویح کے لئے جزو لازم ہیں؟

(۷) ان تسبیحات کو ترک کر دینے پر اعتراضات کرنا اور اختلافات پیدا کرنا اور اس رواج کو برقرار رکھنے پر اصرار کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(۸) ان تسبیحات کے بغیر تراویح کو ناقص ونامکمل سمجھنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں جواذ کار اور دعائیں وغیرہ نقل کی گئی ہیں وہ فی نفسہٖ مباح ہیں؛ لیکن کسی مطلق مباح عمل کو اگر کسی وقت کے ساتھ مقید کر دیا جائے یا کسی خاص ہیئت کے ساتھ متعین کر دیا جائے یا اسے اس طرح ضروری قرار دے دیا جائے کہ لوگ اسے واجب یا سنت کا درجہ دینے لگیں، اور نہ پڑھنے والوں پر نکیر کرنے لگیں، تو ایسے مباح امر کا ترک لازم ہو جاتا ہے، پھر وہ مباح مباح نہیں رہتا؛ بلکہ مکروہ اور قابل ترک ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں چند دلائل ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں، جن سے مذکورہ دعویٰ کو سمجھنے میں کافی مدد ملے گی:

الف:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گو کہ عام طور پر نماز کے بعد دائیں جانب چہرہ کر کے تشریف فرما ہوتے تھے؛ لیکن بہت سی مرتبہ بائیں جانب بھی تشریف فرمانا ثابت ہے، اب امت کو اختیار ہے کہ بلاتعیین اور بلاالتزام کے دائیں بائیں کسی جانب بھی چہرہ کر کے بیٹھیں، اور یہ کسی کے

لئے درست نہ ہوگا کہ وہ دائیں یا بائیں کسی ایک جانب ہی کو لازم کر لے، چناں چہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر متنبہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

لا يجعل أحدكم للشيطان شيئاً من صلوته يرى أن حقاً عليه أن لا ينصرف إلا عن يمينه لقد رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كثيراً ينصرف عن يساره. (صحيح البخاري رقم: ۸۵۲، صحيح مسلم رقم: ۷۰۹، سنن أبي داؤد رقم: ۱۰۴۲)

یعنی تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز کا کچھ حصہ شیطان کو نہ دے، بایں طور کہ اپنے اوپر داہنی جانب ہی رخ کرنے کو لازم سمجھے، اس لئے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سی مرتبہ بائیں جانب رخ کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔

دیکھئے! یہاں ایک امر مباح کو لازم قرار دینے کو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے شیطان کے حصہ سے تعبیر فرمایا ہے، اسی بنا پر مذکورہ روایت سے استدلال کرتے ہوئے مشہور شارح حدیث علامہ طیبی فرماتے ہیں:

وفيه إن من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال. (مرقاة المفاتيح ۱۴/۲)

یعنی اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص کسی مستحب امر پر اصرار کر کے اسے لازمی بنا دے، اور رخصت پر عمل نہ کرے تو شیطان نے اسے گمراہی میں ڈال دیا ہے۔

ب:- نماز کے علاوہ سجدۂ شکر مستحب ہے۔

وسجدة الشكر مستحبة به يفتى. (شامي ۱۱۹/۲ كراچی)

لیکن نماز کے بعد دیگر لوگوں کے سامنے مسجد میں اس طرح سجدہ کرنے سے منع کیا گیا ہے، اور اس کی علت یہ بیان کی گئی ہے:

لأن الجهلة يعتقدونها سنة أو واجبة، وكل مباح يؤدي إليه فمكروه.

(درمختار مع الشامي، باب سجود التلاوة / قبيل باب صلاة المسافر ۱۲۰/۲ كراچی، ۵۹۸/۲ زكريا)

کہ ناواقف عوام اس سجدہ کو سنت یا واجب سمجھنے لگیں گے اور ہر ایسا مباح امر جو اس حد تک (یعنی واجب یا سنت کی حد تک) پہنچادے، تو وہ مکروہ ہوجاتا ہے۔ فقہ کی اس تعلیل سے معلوم ہوا کہ اگر وجوب کا خطرہ ہوتو امر مستحب اور مباح کو اختیار کرنے سے منع کیا جائے گا۔

ج:- بعض نمازوں میں خاص سورتیں پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، مثلاً وتر، فجر، مغرب کی سنتیں اور جمعہ کے دن فجر کی نماز وغیرہ؛ لیکن اس ثبوت کے باوجود فقہاء احناف نے کسی سورۃ کو کسی نماز کے ساتھ دواماً خاص کرنے کو مکروہ لکھا ہے، اور اس کی وجہ یہی ہے کہ جب شارع علیہ السلام نے اسے ضروری قرار نہیں دیا تو ہمیں اس میں لازمی تعیین کا کیا حق ہے، چناں چہ علامہ شامیؒ اس مسئلہ کی علت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لأن الشارع إذا لم يعين عليه شيئاً تيسيراً عليه كره له أن يعين. (شامي، باب صفة الصلاة / مطلب السنة تكون سنة عين وسنة كفاية ١/٥٤٤ كراچی، ٢/٢٦٥ زكريا)

یعنی جب شارع علیہ السلام نے اس کی سہولت کے پیش نظر کوئی سورت اس پر لازمی طور پر متعین نہیں کی تو اس کے لئے (اپنی طرف سے) کوئی سورت متعین کرنا مکروہ ہے، مذکورہ جزئیہ سے بھی یہی نتیجہ نکلا کہ کسی امر مباح پر اصرار کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔

د:- فقہ کا مشہور قاعدہ ہے: **المطلق يجري على إطلاقه.** (قواعد الفقه ١٢٤)

یعنی مطلق کو اپنے اطلاق پر باقی رکھا جائے گا؛ لہٰذا جو چیز بلا کسی قید کے مباح ہو اس میں اپنی جانب سے قیودات لگانے کا حق نہ ہوگا۔

اس تمہید کے بعد سمجھنا چاہئے کہ تراویح میں ترویحہ کے دوران حضراتِ فقہاء نے تسبیح، ذکر، تلاوت وغیرہ اعمال میں سے کسی بھی عمل کو بلا تعیین اختیار کرنے کی اجازت دی ہے۔ درمختار میں ہے:

ويخيرون بين تسبيح وقراءة وسكوت وصلوٰة فرادیٰ. (الدرالمختار مع الشامي ٢/٤٦ كراچی، ٢/٤٩٦ زكريا)

اب ان میں کسی ایک عمل کو متعین کردینا یا ایک طرح ہی کے الفاظ کو ضروری قرار دینا اور پھر

اسے بالجہر اجتماعی طور پر پڑھنا شریعت کی حدود سے سراسر تجاوز ہے، اور اس پر اصرار بدعت ہے۔ حضراتِ صحابہؓ اورسلف صالحین سے اس کا کہیں ثبوت نہیں ہے، اور اب تو محض رسم ورواج کی بنیاد پر جہالت اور ناواقفیت کی وجہ سے ایسا کیا جاتا ہے، اس لئے بااثر علماء اور دردمندانِ ملت پر لازم ہے کہ وہ حکمت وموعظت کے ساتھ اس رواج کو ختم کرنے کی کوشش کریں اور عنداللہ ماجور ہوں، اگر ائمہ اور منتظمین مساجد سامنے آئیں گے تو بآسانی اس بدعت کا خاتمہ ہوسکتا ہے، اخیر میں مسئولہ امور کے جوابات الگ الگ تحریر ہیں:

(۱) ان تسبیحات پر اصرار بدعت ہے اور اس طریقہ کا رکو ختم کرنا ضروری ہے۔

(۲) ثبوت نہیں ہے۔

(۳) نہیں رہا۔

(۴) معلوم نہیں ہے۔

(۵) ممنوع ہے۔

(۶) نہیں۔

(۷) بالکل ناجائز ہے۔

(۸) قطعاً غلط اور جہالت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۸/۲/۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد ہاتھ اٹھا کر یہ دعا پڑھنا؟

سوال (۱۰۱۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں ایک مسجد کا امامِ تراویح ہوں، اس مسجد میں نماز تراویح کے ہر چار رکعت کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا دستور چلا آرہا ہے اور ہاتھ اٹھا کر درج ذیل دعا پڑھتے ہیں:

اللّٰهم إنا نسألك الجنة ونعوذ بك من النار يا خالق الجنة والنار

بـرحمتک یا عزیز یا غفار یا کریم یا ستار یا رحیم یا جبار یا خالق یا بدیع، اللّٰهم أجرنا من النار، یا مجیر یا مجیر یا مجیر.

اہل محلّہ کا یہ عمل دائمی ہے اور کسی بھی حال میں ترک کرنے پر تیار نہیں ہیں، آپ حضور والا سے درخواست ہے کہ مجھے اس صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ اور مذکورہ دعا کا طریقہ اور ان کے الفاظ کا ثبوت کہاں سے ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر بیٹھ کر انفرادی طور پر کوئی بھی ذکر کیا جاسکتا ہے، اس وقت کے لئے کوئی خاص دعائیہ کلمات حدیث سے ثابت نہیں ہیں، اب اگر اجتماعی طور پر بلند آواز سے کوئی دعا پڑھی جائے گی تو رفتہ رفتہ لوگ اسے ضروری سمجھ لیں گے اور یہی چیز بدعت بن جائے گی۔ بریں بنا عوام کو اچھے انداز میں سمجھانے کی ضرورت ہے کہ وہ جس عمل کو انجام دے رہے ہیں اس کے التزام کی وجہ سے ثواب کے بجائے عتاب کا اندیشہ ہے؛ لہٰذا یہ عمل نہ تو بالجہر کیا جائے اور نہ اجتماعیت کے ساتھ کیا جائے؛ بلکہ ہر شخص انفرادی طور پر کچھ بھی دعا مانگ سکتا ہے، خواہ یہ دعا ہو یا کوئی اور ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۷/۳۵۰ ڈابھیل)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾ [الاعراف: ۵۵]

عن ابن مسعود رضي اللّٰہ عنه أنه أخرج جماعة من المسجد یهللون ویصلون علی النبي ﷺ جهرا، وقال: ما أراکم إلا مبتدعین. (شامي ۲/۳۵۰)

ثم هم مخیرون في حالة الجلوس إن شاؤا سبحوا، وإن شاؤا قرءوا، وإن شاؤوا صلوا أربع رکعات فرادیٰ، وإن شاؤوا ساکتین وأهل مکة یطوفون أسبوعاً ویصلون رکعتین، وأهل المدینة یصلون أربع رکعات فرادیٰ. (تبیین الحقائق ۱/۴۴۶ بیروت، الفتاویٰ الهندیة ۱/۱۱۵، البحر الرائق ۲/۱۲۲)

یجلس ندبا بین کل أربعة بقدرها...... ویخیرون بین تسبیح وقراءة

وسکوت وصلاۃ فرادیٰ. (شامي زکریا ۲/ ٤۹۷، امداد الفتاویٰ ۵/ ۳۲۹، فتاویٰ رحیمیه ۲/ ٤ ۲۳ – ۲۳۵، فتاویٰ عثمانی ۱/ ٤۵۹) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/ ۸/ ۱۴۳۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہر ترویحہ میں الگ الگ مخصوص دعائیں پڑھنا؟

سوال (۱۰۱۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: علاقہ تامل ناڈو میں رواج ہے کہ رمضان المبارک کی تراویح کے بعد ترویحہ میں الگ الگ مخصوص دعائیں کافی زور سے سبھی حضرات مل کر پڑھا کرتے ہیں پوری مسجد میں آواز گونجتی ہے، پہلے دوسرے تیسرے اور چوتھے ترویحہ میں علی الترتیب چاروں خلفاء کے نام منقبت ومدحت کے الفاظ پڑھتے ہیں جس کا نمونہ مندرجہ ذیل ہے:

(۱) ترویحہ میں کوئی خاص دعاء یا عمل مخصوص ہے یا نہیں؟

(۲) اپنی سہولت کے مطابق کوئی دعاء یا عمل کا رکھنا کیسا ہے؟

(۳) حسبِ بالا عبارتوں کا اہتمام بلند آواز سے کرنا کیسا ہے؟

(۴) رمضان میں شہداء بدر کے لئے سورۂ یاسین پڑھتے ہیں اور چلہ کرتے ہیں۔

نمونہ کی عبارتیں یہ ہیں:

(۱) أول من استحق للخلافة بالتحقيق، قاتل الكفرة والرفضة والزنديق، وإمام الحق والتحقيق، صاحب التقوى والتفريق، خير البشر بعد الأنبياء بالتصديق، المسي بعبد الله الملقب بالعتيق، أمير المؤمنين وإمام الأصدقين سيدنا أبو بكرن الصديق رضي الله تعالىٰ عنه.

(۲) أمير العادل الأواب، قاتل المرتد والمرتاب، زمن الأصحاب رئيس الأحباب، مزين المسجد والمنبر والمحراب، الناطق بالحق والصدق

والصواب، الذي كان رأيه موافقا بالوحي والكتاب، أمير المؤمنين وإمام العادلين سيدنا عمر بن الخطاب رضي الله عنه.

(٣) أمير الأمان، حجة القرىٰ والزمان، حافظ اللسان، جامع القرآن، ناصر الفرقان، كمثل الترتيب في لوح المنان، خليل الحنان عدو الشيطان، معدن القنوت والإحسان، كامل الحياء والإيمان، أمير المؤمنين وإمام الأورعين سيدنا عثمان بن عفان رضي الله عنه.

(٤) أمير الأولياء والمناقب والمناصب، حلال المعضلات والمآرب، مفتح العساكر والكتائب، شمس المشارق والمغارب، مظهر العجائب والغرائب، أسد الله الغالب، ومطلوب كل طالب، أمير المؤمنين وإمام الأشجعين سيدنا علي بن أبي طالب كرم الله وجهه.

آخر میں یہ پڑھتے ہیں: رضي الله عن الإمامين الهمامين السعيدين الشهيدين المقتولين المظلومين الكريمين الفاضلين المفضلين للمصطفى سبطين وللمرتضىٰ إبنين ولزهراء قرة عينين سيدي شباب أهل الجنة أمير المؤمنين أبي محمد الحسن وأبي عبد الله الحسين رضي الله عنهما.

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر استراحت (ترویحہ) مستحب ہے، اس میں کوئی خاص عمل یا دعاء لازم نہیں ہے؛ بلکہ اختیار ہے چاہے تلاوت کرے یا ذکر کرے، یا انفرادی دعا کرے، اور سوال میں جن کلمات کو ترویحہ میں پڑھنے کا معمول نقل کیا گیا ہے، وہ اگرچہ معنیً صحیح ہیں کہ ان میں خلفاء راشدین کی مدح کی گئی ہے؛ لیکن ان کو آواز ملاکر بلند آواز سے پڑھنے کا التزام ثابت نہیں ہے، اس لئے حکمتِ عملی اور حسنِ تدبیر کے ساتھ اس رواج کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔

عن زيد بن وهب قال: كان عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه يروحنا في رمضان يعني بين الترويحتين قدر ما يذهب الرجل من المسجد إلى سلع. (السنن الكبرىٰ ۲/۷۰۰ رقم: ٤٦٢٣ دار الكتب العلمية بيروت)

يجلس ندبا بين كل أربعة بقدرها وكذا بين الخامسة والوتر. (درمختار مع الشامي زكريا ٤٩٦/٢، كراچی ٤٦/٢، البحر الرائق ١٢٢/٢، الفتاوىٰ الهندية ١١٥/١، تبيين الحقائق ٤٤٦/١ بيروت، غنية المستملي ٤٠٤)

ويخيرون بين تسبيح وقراءة وسكوت وصلاة فرادىٰ. (الدر المختار مع الرد المحتار ٤٦/٢ كراچی، البحر الرائق ١٢٢/٢، الحلبي الكبير ٤٠٤)

ثم هم مخيرون في حالة الجلوس إن شاؤا سبحوا، وإن شاؤا قرءوا، وإن شاؤوا صلوا أربع ركعات فرادىٰ، وإن شاؤوا ساكتين وأهل مكة يطوفون أسبوعاً ويصلون ركعتين، وأهل المدينة يصلون أربع ركعات فرادىٰ. (تبيين الحقائق ٤٤٦/١ بيروت، الفتاوىٰ الهندية ١١٥/١)

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد. (صحيح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، رقم: ٢٦٩٧، صحيح مسلم، الأقضية / باب كراهية قضاء القاضي وهو غضبان، رقم: ١٧١٨، سنن أبي داؤد، السنة / باب في لزوم السنة، رقم: ٤٦٠٦)

من أحدث: أي جدّد وابتدع، وأظهر واخترع "في أمرنا هٰذا" أي في دين الإسلام...... قال القاضي: المعني: من أحدث في الإسلام رأياً لم يكن له من الكتاب والسنة سندٌ ظاهرٌ أو خفيٌّ، ملفوظٌ أو مستنبطٌ، فهو مردودٌ عليه. (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان / باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول ٣٦٥/١-٣٦٦ رقم: ١٤٠ رشيديه، وكذا في فيض القدير شرح الجامع الصغير للعلامة المناوي ٥٥٩٤/١١ رقم: ٨٣٣٣ مكتبة نزاد

مصطفی الباز مکة مکرمة) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۱۰/۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تر ویحہ میں خلفاء راشدین کے نام لینا؟

سوال (۱۰۱۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں نے بہت سی جگہ دیکھا ہے کہ تراویح کی چار رکعت کے بعد خلفاء راشدین کا نام لے کر پکارتے ہیں، اس کے بعد امام صاحب دعا کرتے ہیں، ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ عمل سلف سے ثابت نہیں ہے اور قابل ترک ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۱/۴۳۲ میرٹھ)

وينبغي له أن يجتنب ما أحدثوه من الذكر بعد كل تسليمتين من صلاة التراويح ومن رفع أصواتهم بذٰلك والمشي على صوت واحد، فإن ذٰلك كله من البدع والحدث في الدين ممنوع. (المدخل لابن أمير الحاج / فصل في الذكر بعد التسليمتين من صلاة التراويح ۲/۲۹۳)

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد. (صحيح البخاري، الصلح / باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود رقم: ۲٦۹۷) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳۰/۸/۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تر ویحہ کی تسبیح مکمل ہونے سے پہلے اگلی رکعت کیلئے کھڑا ہونا؟

سوال (۱۰۱۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: جماعت میں سے دوتین نمازی ترویحہ کی دعاء صرف ۳۰/۳۵ ر سیکنڈ ہی میں بعجلت پڑھ کر امام سے پہلے ہی مابقیہ تراویح کے لیے کھڑے ہوجائیں، اوران کے ادب واحترام میں بکراہت امام کو اپنے دعاء واذکار کو ادھورا چھوڑ کر اگلی رکعتوں کے لیے کھڑا ہونا پڑے، تو کیا صرف ان دوتین مصلیوں کا اور امام کا یہ عمل درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ترویحہ میں اتنی جلد بازی مناسب نہیں، امام صاحب کو چاہیے کہ وہ مذکورہ نمازیوں کو اچھے انداز میں سمجھادیں۔

عن زید بن وهب قال: كان عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه يروحنا في رمضان يعني بين الترويحتين قدر ما يذهب الرجل من المسجد إلى سلع. (السنن الکبریٰ ۲/ ۷۰۰ رقم: ٤٦٢٣ دار الكتب العلمية بيروت)

يجلس ندبا بين كل أربعة بقدرها وكذا بين الخامسة والوتر. (درمختار مع الشامي ۲/ ٤٩٦ زكريا، ٢/ ٤٦ كراچی، البحر الرائق ٢/ ١٢٢، الفتاویٰ الهندية ١/ ١١٥، تبيين الحقائق ١/ ٤٤٦ بيروت، غنية المستملي ٤٠٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۶/ ۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ترویحہ میں کتنی دیر بیٹھنا مسنون ہے؟

سوال (۱۰۱۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تراویح کی نماز میں ترویحہ میں کتنی دیر بیٹھا جائے؟ مسنون ومشروع طریقہ کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح میں ہر چار رکعت پر اتنی دیر توقف کرنا مستحب ہے، جتنی دیر میں چار رکعت پڑھی جاسکیں؛ لیکن حالات اور تقاضوں کی بنا پر اس مقدار میں کمی بیشی

بھی کی جاسکتی ہے۔

یجلس ندبا بین کل أربعة بقدرها وکذا بین الخامسة والوتر؛ لکن في الاختیار ...... قدر ما لا یثقل علیهم. (درمختار مع الشامي ۲/ ٤٩٦ زکریا، ۲/ ٤٦ کراچی، البحر الرائق ۲/ ۱۲۲، الفتاوی الهندیة ۱/ ۱۱۵، تبیین الحقائق ۱/ ٤٤٦ بیروت، غنیة المستملي ٤٠٤)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۱۱/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہر ترویحہ میں دعا نہ کر کے صرف آخر میں پڑھنا؟

سوال (۱۰۱٦):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہر چار رکعت (ترویحہ) کے بعد دعا کرنا کیسا ہے؟ کیا ہر ترویحہ پر دعا ضروری ہے؟ یا آخر میں صرف ایک مرتبہ دعا کر لینا کافی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: ہر ترویحہ پر دعا ضروری نہیں ہے، اگر کوئی شخص ترویحہ کے درمیان خاموش رہے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے، اور اس وقت اجتماعی دعا کا ثبوت نہیں ہے۔

یجلس ندبا بین کل أربعة بقدرها وکذا بین الخامسة والوتر. (درمختار مع الشامي ۲/ ٤٩٦ زکریا، ۲/ ٤٦ کراچی، البحر الرائق ۲/ ۱۲۲، الفتاویٰ الهندیة ۱/ ۱۱۵، تبیین الحقائق ۱/ ٤٤٦ بیروت، حلبي کبیر ٤٠٤)

ویخیرون بین تسبیح وقراءة وسکوت وصلاة فرادیٰ. (الدر المختار مع الرد المحتار ۲/ ٤٦ کراچی، البحر الرائق ۲/ ۱۲۲، حلبي کبیر ٤٠٤، تبیین الحقائق ۱/ ٤٤٦ بیروت، الفتاویٰ الهندیة ۱/ ۱۱۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۸/۲/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تراویح میں دعا کب کریں؟

سوال (۱۰۱۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تراویح میں دعا کب کرنی چاہئے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح ختم ہونے پر وتر سے پہلے دعا کی جاسکتی ہے۔

(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵۱۹/۳)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ﴾ [الانشراح: ۷]

وقال قتادۃ: فإذا فرغت من صلاتک فانصب إلی ربک فی الدعاء''.

(احکام القرآن للجصاص، سورۃ الم نشرح ۸۱۳/۳، بحوالہ: تعلیقات فتاویٰ محمودیہ ۳٤٤/۷ ڈابھیل)

وعن علي بن أبي طالب رضي اللّٰہ تعالی عنہ قال: کان النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم: إذا سلم من الصلاۃ، قال: اللّٰھم اغفرلي ما قدمت وما أخرت وما أسررت وما أعلنت وما أسرفت، وما أنت أعلم بہ مني، أنت المقدم وأنت المؤخر لا إلٰہ إلا أنت. (سنن أبي داؤد، کتاب الصلاۃ / باب ما یقول الرجل إذا سلم ۲۱۹/۱، مکتبہ امدادیہ ملتان) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۳/۸/۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تراویح کی نماز کی دعا کا کیا طریقہ ہے؟

سوال (۱۰۱۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تراویح کی نماز کی دعا کا کیا طریقہ ہے؟ کیا ہر چار رکعت پر دعا ہے یا ایک ساتھ؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح کی بیس رکعت مکمل ہونے پر اجتماعی دعا کی

جائے گی؛ البتہ انفرادی طور پر ہر چار رکعت کے بعد تر ویحہ میں ہر شخص جو چاہے دعا مانگ سکتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۷/۲۶۳ ڈابھیل، بہشتی زیور ۱۱/۳۵)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول في دبر كل صلاة: اللّٰهم رب جبرئيل وميكائيل وإسرافيل أعذني من حر النار وعذاب القبر. (مجمع الزوائد ۱۰/۱۱۰)

وعن علي بن أبي طالب رضي اللّٰه تعالى عنه قال: كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم إذا سلم من الصلاة، قال: اللّٰهم اغفرلي ما قدمت وما أخرت وما أسررت وما أعلنت وما أسرفت، وما أنت أعلم به مني، أنت المقدم وأنت المؤخر لا إلٰه إلا أنت. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة / باب ما يقول الرجل إذا سلم ۲۱۹/۱ ملتان)

ثم هم مخيرون في حالة الجلوس إن شاؤا سبحوا، وإن شاؤا قرء وا، وإن شاؤوا صلوا أربع ركعات فرادىٰ، وإن شاؤوا ساكتين وأهل مكة يطوفون أسبوعاً ويصلون ركعتين، وأهل المدينة يصلون أربع ركعات فرادىٰ. (تبيين الحقائق ۴۴۶/۱ بيروت، الفتاوىٰ الهندية ۱۱۵/۱)

من أحدث: أي جدّد وابتدع، وأظهر واخترع "في أمرنا هٰذا" أي في دين الإسلام...... قال القاضي: المعني: من أحدث في الإسلام رأياً لم يكن له من الكتاب والسنة سندٌ ظاهرٌ أو خفيٌ، ملفوظٌ أو مستنبطٌ، فهو مردودٌ عليه. (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان / باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول ۳۶۵/۱-۳۶۶ رقم: ۱۴۰ رشيديه، وكذا في فيض القدير شرح الجامع الصغير للعلامة المناوي ۵۵۹۴/۱۱ رقم: ۸۳۳۳ مكتبة نزاد مصطفى الباز مكة مكرمة) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۴/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تراویح کے بعد اجتماعی دعا کرنا؟

سوال (۱۰۱۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تراویح کے بعد روزانہ امام کا جہراً دعا کرانا اور مقتدیوں کا اس پر اتنا اصرار کہ اگر ان کو سمجھایا جائے کہ کبھی جہراً کرلی جائے اور کبھی نہ بھی کی جائے تو اس بات کو منکر دعا کے مرادف تصور کیا جائے، اور مسلسل التزام کے ساتھ کرائی جائے یہ عمل کیسا ہے؟ کیا یہ بدعت کی شکل نہیں اختیار کرسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح کے بعد اجتماعی جہری دعا پر اس قدر التزام کہ اس میں شریک نہ ہونے والے پر نکیر کی جائے درست نہیں ہے، اور یہ ایسا عمل ہے جو سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے۔ دعا سری کرنا افضل ہے، قرآنِ کریم میں ہے:

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اُدْعُوْ رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَخُفْيَةً﴾ [الأعراف: ۵۵]

اور حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ دعاء سری دعاء جہری سے بیس گنا بڑھی ہوئی ہے۔ (روح المعانی ۱۳۹) البتہ کبھی کبھی اگر تعلیم یا کسی دینی غرض سے جہری دعا کرلی جائے تو مضائقہ نہیں، اسے لازم نہ سمجھنا چاہئے، ورنہ یہ بھی التزام مالا یلزم کی بنا پر ممنوع ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳۰۸، احسن الفتاوی ۳/ ۵۱۹، فتاوی محمودیہ ۷/ ۶۳۳ ڈابھیل)

إن الإصرار علی أمر مندوب یبلغه إلی حد الکراهة فکیف إصرار البدعة التی لا أصل لها فی هذا فلا شک في الکراهة. (السعایة شرح شرح الوقایة ۲/ ۲۵۶ لاهور) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۹/ ۹/ ۱۴۱۳ھ

وتر اور نوافل کے بعد اجتماعی دعا کرنا؟

سوال (۱۰۲۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: تراویح کے بعد وتر اور نفل پڑھ کر اجتماعی طور پر جہراً دعا مانگنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح و وتر کے بعد اجتماعی جہری دعا کا التزام اور اس پر اصرار درست نہیں ہے، اس التزام سے بچنا ضروری ہے۔

ولا ینبغي أن یتکلف لإلتزام ما لم یکن في الصدر الأول. (شامي ۴۹/۲ کراچی، ۵۰۱/۲ زکریا)

إن الإصرار علی أمر مندوب یبلغه إلی حد الکراهة فکیف إصرار البدعة التي لا أصل لها في هٰذا فلا شک في الکراهة. (السعایة شرح شرح الوقایة ۲۵۶/۲ لاهور)

ثم یدعون لأنفسهم وللمسلمین بالأدعیة الماثورة رافعی أیدیهم حذاء الصدر، ثم یختمون بقوله تعالی: ﴿سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ﴾ ...... ثم یمسحون بها وجوههم فی أخره. (نور الایضاح علی مراقي الفلاح ۳۱۶-۳۱۸) **فقط** واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۹/۱۵ھ

حرمین شریفین میں دعائے ختم قرآن

سوال (۱۰۲۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حرمین شریفین میں عموماً ختم قرآن کی دعا تراویح کی آخری رکعت میں رکوع سے پہلے بڑی تفصیل سے پڑھتے ہیں، جس میں مسنون اور غیر مسنون بہت سی طویل دعائیں وقت کی ضرورت اور امت کے حالات کے مناسبت سے کی جاتی ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو حضرات ان دو رکعتوں میں شریک ہوتے ہیں، ان پر اس کا اعادہ لازم ہے یا نہیں؟ اور ان دعاؤں میں شرکت کا اہتمام کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر دعائیں پڑھنا مذہب حنبلی میں درست اور مستحب ہے؛ لہٰذا ان دعاؤں کی وجہ سے نماز میں کوئی خرابی نہ آئے گی۔ اور حنفی مقتدی چونکہ امام کے تابع ہیں؛ اسلئے ان کو بھی اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

فصل في ختم القرآن: قال الفضل بن زياد: وسألت أباعبدالله، فقلت: أختم القرآن أجعله في الوتر أو في التراويح؟ قال: اجعله في التراويح حتى يكون لنا دعاء بين اثنين، قلت: كيف أصنع؟ قال: إذا فرغت من آخر القرآن فارفع يديك قبل أن تركع، وادع بنا ونحن في الصلوة، وأطل القيام قلت: بم أدعو؟ قال بماشئت الخ.

(المغني لابن قدامة ٤٥٧/١، ٤٥٨ رقم: ١١٠١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۴/۱۱/۲۴ھ

ترویحہ کے دوران وعظ کہنا؟

سوال (۱۰۲۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک صاحب روزانہ دورانِ تراویح دو مرتبہ وعظ فرماتے ہیں، ایک مرتبہ آٹھویں رکعت کے بعد اور دوسری مرتبہ سولہویں رکعت کے بعد، اور جب تک وتر نہیں ہوتے مقتدی بیٹھے رہتے ہیں، اور یہ بات مقتدیوں کو گراں گزرتی ہے، اور مقتدیوں کی تعداد بھی کم ہوگئی ہے۔ کیا ایسی صورت میں وعظ کرنا جائز ہے جب کہ مقتدی ناراض ہوں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقہاء نے لکھا ہے کہ ہر چار رکعت کے بعد تراویح میں اتنی دیر بیٹھنا مستحب ہے جتنی دیر میں چار رکعت پڑھی جائیں، اس وقفہ میں تسبیح، ذکر، تلاوت یا وعظ میں مشغول ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ بلکہ ضرورت کی بنا پر اگر وعظ کہا جائے تو بہتر ہوگا، لیکن

اگر اتنا طویل وعظ کہیں جس سے مقتدی اکتا جاتے ہوں تو اس کی اجازت نہیں ہے۔ مقتدیوں کی رضا کا خیال کرتے ہوئے وعظ کہنا چاہئے، یعنی اتنا اختصار کیا جائے کہ کسی کو گراں نہ ہو اور وعظ کی سب سے بہتر اور اسلم صورت یہ ہے کہ وتر سے فراغت کے بعد وعظ کہیں؛ تاکہ جو لوگ کسی ضرورت سے نہ رکنا چاہیں وہ آزاد ہو جائیں اور کسی کو کوئی گرانی نہ ہو۔

یجلس ندبا بین کل أربعة بقدرها و کذا بین الخامسة و الوتر. (درمختار مع الشامي ۴۹۶/۲ زکریا، ۴۶/۲ کراچی، البحر الرائق ۱۲۲/۲، الفتاویٰ الهندية ۱۱۵/۱، تبيين الحقائق ۴۴۶/۱ بیروت، غنية المستملي ۴۰۴)

ویخیرون بین تسبیح و قراء ة وسکوت وصلاة فرادیٰ لکن الأختیار الأفضل فی زماننا قدر ما لا یثقل علیهم. (الدر المختار مع الرد المحتار ۴۶/۲ کراچی، البحر الرائق ۱۲۲/۲، حلبي لكبير ۴۰۴)

ثم هم مخیرون في حالة الجلوس إن شاؤا سبحوا، وإن شاؤا قرء وا، وإن شاؤوا صلوا أربع رکعات فرادیٰ، وإن شاؤوا ساکتین وأهل مکة یطوفون أسبوعاً ویصلون رکعتین، وأهل المدینة یصلون أربع رکعات فرادیٰ. (تبيين الحقائق ۴۴۶/۱ بيروت، الفتاویٰ الهندية ۱۱۵/۱)

عن ابن مسعود رضی اللّٰه عنه قال : کان النبي صلی اللّٰه علیه وسلم یتخولنا بالموعظة فی الأیام کراهة السامة علینا. (صحيح البخاري ۱۶/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۳/۹/۱۵ھ

تراویح کے امام کا وتر پڑھانے پر اصرار کرنا؟

سوال (۱۰۲۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: رمضان المبارک میں تراویح کی نماز پڑھانے والا حافظ یہ کہتا ہے کہ وتر کی نماز پڑھانے کا حق مجھے ہے، یہ کہاں تک درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کوئی ضروری نہیں ہے کہ تراویح کا امام ہی وتر بھی پڑھائے، دوسرا شخص یا مقررہ امام بھی وتر پڑھا سکتا ہے، اس بارے میں حافظ صاحب کا اصرار صحیح نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۵۸/۴)

وإذا أجازت التراويح بإمامين على هذا الوجه جاز أن يصلي الفريضة أحدهما ويصلي التراويح الآخر، وقد كان عمر رضي اللّٰه عنه يؤمهم في الفريضة والوتر وكان أُبي يؤمّهم في التراويح كذا في السراج الوهاج. (الفتاویٰ الهندية ۱۱٦/۱)

عن عبد العزيز بن رفيع قال: كان أبي بن كعب يصلي بالناس في رمضان بالمدينة عشرين ركعة و يؤتر بثلاث. (المصنف لابن أبي شيبة ۲۲٤/٥ رقم: ۷۷٦٦ المجلس العلمي) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۲/۱۱/۱۴۱۱ھ

تراویح میں ختم قرآن پر مٹھائی تقسیم کرنا؟

سوال (۱۰۲۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تراویح میں قرآن پاک مکمل ہونے کے موقع پر قرآنِ پاک سنانے والا حافظ یا دیگر کوئی ایک مسلمان یا کچھ مسلمان بلا کسی جبر واکراہ کے برضا ورغبت باہم چندہ کرکے امور منکرہ سے اجتناب کے ساتھ اور آدابِ مسجد کو ملحوظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کو مٹھائی تقسیم کرتے ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ لوگ اس کو امر ضروری وشرعی نہیں سمجھتے۔ تو کیا اس صورت میں اس کا کھانا کھلانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چوں کہ عموماً ایسے مواقع پر لوگوں سے کسی نہ کسی درجہ میں جبراً چندہ وصول کیا جاتا ہے اور اس رسم کو لازم سمجھا جاتا ہے، اس لئے سداً للباب ان امور سے منع کیا جائے گا، ہاں اگر کوئی شخص یا چند اشخاص برضا ورغبت محض اپنی خوشی سے اور لازم نہ سمجھتے ہوئے مٹھائی کھلائیں، اور مٹھائی کی تقسیم کے وقت مسجد کے آداب کا خیال رکھا جائے تو اس کی اجازت ہوگی۔

نقل العلامة التهانوي: عن أبي حرة الرقاشي رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لايحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفسه. (مسند أحمد ٥/٧٢، شعب الإيمان للبيهقي ٤/٣٨٧ رقم: ٥٤٩٢، امداد الفتاوىٰ ٤/٦٥-٥/٠٢٩) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۲/۱۱/۱۴۱۱ھ

اُجرت علی التراویح

تراویح میں ''ختم قرآنِ کریم'' پر معاوضہ جائز نہیں

موقع بموقع یہ بحث اٹھتی رہتی ہے کہ ختم تراویح میں معاوضہ کا لین دین درست ہے یا نہیں؟ اگر چہ معتبر مفتیانِ کرام اور اکابر علماء کے فتاویٰ میں صراحت ہے کہ تراویح میں ختم قرآنِ کریم کے عوض اجرت جائز نہیں ہے، اور یہی فتویٰ مدرسہ شاہی سے بھی جاری کیا جاتا رہا ہے؛ لیکن چند دنوں سے ''ندائے شاہی'' (ستمبر ۲۰۰۴ء) میں شائع شدہ حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے ایک تفصیلی فتویٰ میں لکھی گئی ایک عبارت کو بنیاد بنا کر یہ تأثر دیا جارہا ہے کہ گویا مفتیانِ مدرسہ شاہی ختم قرآنِ کریم پر اجرت کے جواز کے قائل ہوگئے ہیں، حالاں کہ یہ دعویٰ حقیقت کے خلاف ہے۔

دارالافتاء مدرسہ شاہی کا موقف اس بارے میں یہ ہے کہ: ''تراویح کی وہ امامت جو ختم قرآنِ کریم کی شرط سے مشروط نہ ہو، وہ امامتِ فرائض کے تابع ہوکر موجبِ اجرت ہوسکتی ہے؛ لیکن جہاں محض امامت مقصود نہ ہو؛ بلکہ ختم قرآن مقصود ہو جیسا کہ عام عرف ہے تو اس طرح کی امامت پر معاوضہ کا لین دین درست نہیں ہے''۔ اسی بات کو درج ذیل فتویٰ میں واضح کیا گیا ہے؛ تاکہ کوئی غلط فہمی نہ رہے۔

نفس تلاوتِ قرآنِ کریم پر اجرت کی شرط لگانے کے بارے میں قرآن وحدیث میں اس قدر سخت وعیدیں وارد ہیں کہ اس کے جواز کی ہمت کرنا بڑی جسارت کی بات ہوگی، سبھی حفاظ اور ائمہ کرام کو ان وعیدوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے اور حیلے بہانے کرکے جواز کی راہیں نکالنے سے گریز کرنا چاہئے، اور عباداتِ مجردہ کے اجر وثواب اور برکات کی امید صرف اور صرف رزاقِ حقیقی اللہ رب العزت سے رکھنی چاہئے، اس استغناء اور توکل علی اللہ سے جو دینی ودنیوی برکات نصیب ہوں گی ان کے مقابلہ میں ختم پر دیا جانے والا گرانقدر ہدیہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اب فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

سوال (۱۰۲۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: ہمارے علاقہ میں رمضان میں تراویح کے ہدیہ کا مسئلہ بہت زور پکڑ چکا ہے، ختم تراویح کے لئے باقاعدہ چندہ کیا جاتا ہے اور حافظ صاحب کو زیادہ سے زیادہ ہدیہ دینے کی کوشش کی جاتی ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر حافظ کے ذمہ دو تین فرض نمازیں کردی جائیں تو یہ ہدیہ اس کے لئے جائز ہوجائے گا تو سوال یہ ہے کہ نماز تراویح اور اس میں ختم قرآن کریم پر ہدیہ کا لین دین شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اولاً یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح باجماعت پڑھنا سنت مؤکدہ ہے اور بلاعذر تراویح کو چھوڑنا موجبِ گناہ ہے اسی اعتبار سے اس نماز کو شعائر اسلام میں سے شمار کیا جاتا ہے، پھر نماز تراویح میں پورا قرآن پڑھنا یہ الگ سے ایک سنت ہے مگر اس کا درجہ نفس تراویح کی حیثیت سے کم ہے، اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر لوگ بوجھ محسوس کریں تو ختم کا اہتمام ترک کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے یعنی اگر تراویح میں قرآن مکمل نہ کیا جائے تو اس سے نفس تراویح کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آتی ہے۔

اس تفصیل کے بعد یہ جاننا چاہئے کہ طاعت پر اجرت لینا متقدمین احناف کے نزدیک ناجائز ہے؛ لیکن ضرورت کی وجہ سے متأخرین فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے اور ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ اجرت کی اجازت نہ دینے کی صورت میں سخت دینی نقصان کا اندیشہ ہو، چنانچہ دینی تعلیم وتعلم اور امامت واذان وغیرہ امور میں جواز اجارہ کی علت فقہاء نے یہی بتلائی ہے کہ اگر ان امور میں جواز کی بات نہ کہیں تو دینی شعائر کے مٹ جانے کا خطرہ پیدا ہوجائے گا، اس علت کی روشنی میں سنتِ مؤکدہ ہونے کی حیثیت سے نفس تراویح کی امامت تو امامتِ فرائض کے ساتھ ملحق اور تابع قرار پائے گی؛ لیکن اگر مقصود ختم قرآن ہو تو اسے امامتِ فرائض کے ساتھ ملحق نہیں کیا جائے گا؛ کیوں کہ تراویح میں ختم قرآن محض ایک سنت ہے اس کے نہ ہونے سے دین میں کوئی رخنہ پیدا نہیں ہوتا۔ پس خلاصہ یہ ہوا کہ شعائر دین کے تحفظ کے لئے مطلق امامتِ تراویح (جو ختم قرآن کی شرط کے ساتھ مشروط نہ ہو، مثلاً ’’الم ترکیف‘‘، یا ’’ما یجوز بہ الصلاۃ‘‘ قرأت سے

تراویح میں امامت کی جائے) کو امامتِ فرائض کے ساتھ شامل کرکے اس پر اجرت کے لین دین کی گنجائش ہوگی؛ لیکن اگر اس کے ساتھ صراحۃً یا عرفاً ختم قرآن کی شرط لگادی جائے گی تو اس کا عوض لینا جائز نہ ہوگا اور ہمارے علاقوں میں عرف یہی ہے کہ حافظ کو نفسِ تراویح کے بدلے کوئی عوض نہیں دیتا؛ بلکہ ختم قرآن ہی پر عوض دیا جاتا ہے، چنانچہ اگر کوئی حافظ ختم کئے بغیر کہیں چلا جائے تو اسے کوئی معاوضہ دینے کو تیار نہیں ہوتا، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ معاشرہ میں معاوضہ دینے کا رواج نفسِ تراویح پر نہیں ہے؛ بلکہ ختم قرآن پر ہے جس کی اجازت نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ آیتِ قرآنی: ﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا. البقرة:٤١﴾ کی ممانعت کے تحت صراحۃً داخل ہے، اور اس کے متعلق جو حیلہ آپ نے سوال میں درج کیا ہے وہ جواز کے لئے کافی نہیں؛ کیوں کہ جب مقصود ختم قرآن ہوگا تو فیما بینہ وبین اللہ یہ عوض درست نہ ہوگا، اور دیانت والے معاملات میں حیلے مفید حل واقعی نہیں ہوتے۔ (امداد الفتاویٰ ۱/۴۷۱-۴۸۴)

دلائل حرمتِ اجرت:

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ [البقرة: ٤١]

قال أبو العالية لا تأخذوا عليه أجرا (تفسير ابن كثير ٢٢٢/١ زكريا)

وقال عليه السلام اقرؤوا القرآن ولا تأكلوا به ولا تستكثروا به، ولا تجفوا عنه ولا تغلوا فيه. (المصنف لابن أبي شيبة ٤٠١/٢ رقم: ٧٨٢٥)

وقال عليه السلام: من قرأ القرآن يتأكل به الناس جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم. (رواه البيهقي في شعب الإيمان ٥٣٣/٢ رقم: ٢٦٢٥)

وقال عليه السلام: من قرأ القرآن فليسأل اللّٰه به فإنه سيجيئ أقوامٌ يقرؤون القراٰن يسألون به الناس. (سنن الترمذي ١١٩/٢)

وقال عبد اللّٰه بن مسعود: إنه سيجئى زمان يسئل فيه بالقرآن فإذا سألواكم فلا تعطوهم. (رواه البيهقي في شعب الإيمان ٥٣٤/٢ رقم: ٢٦٣١)

عـن عبـد اللّـه بن معقل: أنه صلى با لناس في شهر رمضان فلما كان يوم الـفـطـر بـعـث إليه عبيد اللّٰه بن زياد بحلة وبخمس مئة درهم فردّها، وقال إنا لا نأخذ على القرآن أجراً. (المصنف لابن أبي شيبة ٢/٤٠٠ رقم: ٧٨٢١)

قـال عـمـر رضـى اللّٰه عنه: إقرؤوا القرآن وسلوا اللّٰه به قبل أن يقرأه قوم يسألون الناس به. (المصنف لابن أبي شيبة ٢/٤٠١ رقم: ٧٨٢٦)

دلائلِ اہمیتِ تراویح:

التـراويـح سنة مؤكد ة ومـن لـم يـرهـا سـنـة فهـو رافـضـى يقاتل كمن لم ير الجماعة، وقال أهل السنة والجماعة: إنها سنة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فعلها ثلاث ليـال، وفـى الـخـانية: سـنـة مـؤكدة توارثها الخلف عن السلف من لدن تاريخ رسـول الـلّـه صـلى اللّٰه عليه وسلم إلى يومنا هذا، هكذا روى الحسن عن أبى حنيفة رحمه اللّٰه وقد واظب عليها الخلفاء الراشدون. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٢/٣١٦ رقم: ٢٥٣١)

التراويح سنة مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين للرجال والنساء إجماعاً ووقتهـا بـعـد صـلاـة العشاء إلى الفجر. وقال الشامي: سنة مؤكدة، صححه في الهـداية وغيـرهـا وهـو المروي عن أبي حنيفة، وفي شرح منية المصلي: وحكى غير واحد الإجماع على سنيتها. (درمختار مع الشامي ٢/٤٩٣ زكريا)

التـراويـح سـنـة بـإجـمـاع الصحابة ومن بعد هم من الأمة منكرها مبتدع ضـال مردود الشهاد ة، كـمـا فـي الـمـضـمرات، وإنما ثبت العشرون بمواظبة الـخـلـفـاء الـراشدين ماعدا الصديق رضي اللّٰه عنه، ففي البخاري: فتوفى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم والأمر على ذلک في خلافة أبي بكر وصدر من خلافة عـمر حين جمعهم عمر على أبي بن كعب فقام بهم في رمضان فكان ذلک أول اجتماع الناس على قاري واحد في رمضان كما في فتح الباري. (حاشية الطحطاوي ٤١١)

عبارات متعلقہ ختمِ قرآن درتراویح:

والختم مرة سنة ومرتين فضيلة وثلاثا أفضل ولايترك الختم لكسل القوم لكن في الاختيار: الأفضل في زماننا مالا يثقل عليهم وأقره المصنف وغيره قال الشامي: لأن تكثير الجمع أفضل من تطويل القراءة، حليه عن المحيط. وفيه إشعار بأن هذا مبني على اختلاف الزمان فقد تتغير الأحكام لاختلاف الزمان في كثير من المسائل على حسب المصالح ولهٰذا قال في البحر: فالحاصل أن المصحح في المذهب أن الختم سنة لكن لايلزم منه عدم تركه إذ لزم منه تنفير القوم وتعطيل كثير من المساجد خصوصاً في زماننا، فالظاهر اختيار الأخف على القوم. (درمختار مع الشامي ۲/۴۹۸ زكريا، بدائع الصنائع ۱/۶۴۶ زكريا، الفتاویٰ التاتارخانية ۲/۳۲۴ رقم: ۲۵۵۲ زكريا، الفتاویٰ الهندية ۱/۱۱۷)

جوازِ اجارہ برتعلیم وامامت:

قال فی الهداية: الأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم، لايجوز الاستيجار عليها عندنا، لقوله عليه السلام: ''اقرأوا القرآن ولا تأكلوا به'' فالاستيجار على الطاعات مطلقاً لايصح عند أئمتنا الثلاثة، ولا شك أن التلاوة المجردة عن التعليم من أعظم الطاعات التي يطلب بها الثواب فلايصح الاستيجار عليها؛ لأن الاستيجار بيع المنافع، وليس للتالى منفعة سوى الثواب، ولايصح بيع الثواب، وقال العيني في شرح الهداية معزياً للواقعات: ويمنع القارى للدنيا والأخذ والمعطى اثمان. (شامي ۹/۷۷ زكريا، تنقيح الفتاوى الحامدية ۲/۱۳۸، بحواله تعليقات: محموديه ۱۷/۷۸ ڈابھیل)

ولاتصح الإجارة لأجل الطاعات مثل الأذان والحج والإمامة وتعليم القرآن والفقه ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان. (الدر المختار مع الشامي ۹/۷۶ زكريا)

وقال العلامة فخر الدين الزيلعي: والفتوى اليوم على جواز الاستيجار لتعليم القرآن وهو مذهب المتأخرين من مشائخ بلخ، استحسنوا ذلک، وقالوا بنى أصحابنا المتقدمون الجواب على ما شاهدوا من قلة الحفاظ ورغبة الناس فيهم وكان لهم عطيات في بيت المال وأما اليوم فذهب ذلک كله واشتغل الحفاظ بمعاشهم وقل من يعلّم حسبة ولا يتفرغون له أيضاً فإن حاجتهم تمنعهم من ذالک، فلو لم يفتتح لهم باب التعلم بالأجر لذهب القرآن فأفتوا بجواز ذالک (تبين الحقائق ٦/ ١٧١، هداية ٣/ ٣٠٣)

عدمِ جوازِ اجرت بر دیگر عبادات:

وقد اتفقت كلمتهم جميعًا على التصريح بأصل المذهب من عدم الجواز ثم استثنوا بعده ما علمته فهذا دليل قاطع وبرهان ساطع على أن المفتى به ليس هو جواز الاستيجار على كل طاعة بل على ما ذكره فقط مما فيه ضرورة ظاهرة تبيح الخروج عن أصل المذهب. (شامي ٩/ ٧٧ زكريا)

والمعروف عرفا كا لمشروط نصاً. (شامي ٦٧/٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۱۱/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مستقل امام کا رمضان کی تنخواہ میں اضافہ کرانا

سوال (۱۰۲۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص مسجد میں مستقل پنج وقتہ نماز کا امام ہو تو اسے رمضان میں تنخواہ سے زائد رقم لینا درست ہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو امام مستقل ہو اور وہ یہ شرط لگائے کہ میں رمضان

میں تنخواہ زائد لوں گا، اور وہ اضافہ بھی متعین ہو یا یہ کہے کہ سال بھر ہر مہینہ میری تنخواہ میں اتنا اضافہ کردیا جائے اور مسجد کی منتظمہ کمیٹی اسے قبول کرلے اور اس اضافے میں ختم قرآن کی کوئی شرط نہ ہو تو یہ معاملہ شرعاً درست ہے، ایسی صورت میں وہ امام خود قرآن سنائے یا دوسرا کوئی حافظ قرآن پڑھے بہرحال امام اضافے کا مستحق ہوگا، اور اگر منتظمہ کمیٹی نے ختم قرآن کی شرط کے ساتھ اضافہ منظور کیا ہے تو اس معاوضہ کا لین دین بہرحال ناجائز ہوگا۔

ویفتی الیوم بصحتها أي الإجارة لتعلیم القرآن والفقه والإمامة والأذان. (درمختار مع الشامي ۹/۷۶ زکریا)

وبعضهم استثنی تعلیم الفقه والإمامة. (رسائل ابن عابدین ۱/۱۶۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۱۱/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تفسیر قرآن پر معاوضہ

سوال (۱۰۲۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص کسی مسجد میں تراویح پڑھاتا ہے اور کسی نماز کے بعد کچھ دیر تفسیر بھی کرتا ہے تو اس کے لئے تفسیر کرنے کے عوض ہدیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: اگر کوئی شخص تراویح میں قرآن سنانے کے ساتھ ساتھ تفسیر بھی کرتا ہے اور اس کا واقعی مقصد تفسیر ہی ہے ختم قرآن مقصود نہیں ہے، تو تفسیری بیان کے عوض رقم لینا درست ہے؛ کیوں کہ یہ بھی تعلیم کی ایک شکل ہے، تاہم یہ اجرت متعین ہونی چاہیے اور اس کی ادائیگی ختم قرآن کے موقع پر نہ ہونی چاہئے؛ تاکہ اشتباہ نہ ہو۔

وزاد بعضهم الأذان والإقامة والوعظ. (شامي ۹/۷٦ زکریا)

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۱۱/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمع شدہ رقم میں سے مستقل امام یا مؤذن کو ہدیہ دینا

سوال (۱۰۲۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض مساجد میں رمضان میں جمع شدہ رقم تراویح پڑھانے والے حافظ کو الگ سے دی جاتی ہے اور اسی رقم میں سے کچھ حصہ مستقل امام یا مؤذن کو بھی ہدیہ کے طور پر دیدیتے ہیں تو یہ ہدیہ مذکورہ امام اور مؤذن کے لئے لینا جائز ہے یا ناجائز؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جمع شدہ رقم ہدیہ یا اضافے کے طور پر مستقل امام یا مؤذن کو دینے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن اگر حافظ قرآن امام ومؤذن کے علاوہ ہو تو ختم قرآن کے بدلے حافظ کو دینا درست نہیں۔

ویفتی الیوم بصحتها لتعلیم القرآن والفقه والإمامة. (الدرالمختار مع الشامي ۷٦/۹ زکریا)

وبعضهم استثنی تعلیم الفقه والإمامة. (رسائل ابن عابدین ۱٦۳/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/۱۱/۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سورہ تراویح پر معاوضہ

سوال (۱۰۲۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی مسجد میں بلا معاوضہ سورہ تراویح پڑھانے والا کوئی شخص دستیاب نہ ہو تو کسی شخص سے عوض دے کر ''الم ترکیف'' سے تراویح پڑھوائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کسی جگہ سورہ تراویح پڑھانے کے لئے بلا معاوضہ

امام دستیاب نہ ہوسکے، تو ایسی صورت میں تراویح کو فرائض کے ساتھ ملحق اور تابع بنا کر اس کی امامت کا معاوضہ دینے کی گنجائش ہوگی۔

ویفتی الیوم بصحتها لتعلیم القرآن و الفقه و الإمامة. (الدرالمختار مع الشامي ۷٦/۹ زکریا)

وبعضهم استثنی تعلیم الفقه و الإمامة. (رسائل ابن عابدین ۱٦۳/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/۱۱/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سامع کے لئے بھی اجرت درست نہیں

سوال (۱۰۳۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تراویح میں سماعت کرنے والے سامع کو سماعت پر ہدیہ لینا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس طرح قرآن سنانے والے کے لئے معاوضہ جائز نہیں ہے اسی طرح سامع کے لئے بھی معاوضہ لینا جائز نہیں ہے، اس مسئلہ میں پہلے حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے تعلیم قرآن پر قیاس کرکے جواز کا قول ارشاد فرمایا تھا، پھر بعد میں اس سے رجوع کرکے عدم جواز کا فتویٰ صادر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو: (التذکیر والتہذیب ۸۳/۳، احسن الفتاوی ۵۱٦/۳)

ہمارے نزدیک یہی رائے احوط ہے؛ کیوں کہ سماع میں تعلیم کا پہلو مغلوب اور عبادت کا پہلو غالب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/۱۱/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حافظ سامع کا ختم تراویح پر نذرانہ یا ہدیہ لینا

سوال (۱۰۳۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: رمضان شریف میں تراویح کے اندر جو حافظ صاحب قرآن سناتے ہیں اور سامع کی حیثیت سے جو حافظ صاحب قرآن سنتے ہیں ان کے بارے میں ختم قرآن شریف کے موقع پر لینا دینا کیسا ہے؟ اگر حافظ صاحب نے سنانے کا کچھ طے نہیں کیا اور بلا طلب ان کو ہدیہ کے طور پر دیا جائے تو اس کا لینا کیسا ہے، اور اس طرح دینا کیسا ہے، اسی طرح سامع کا طے کر کے یا بلا طے کئے ہوئے لینا دینا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حافظ یا سامع کسی کے لئے تراویح میں قرآن کریم سنا کر ہدیہ یا نذرانہ کے نام پر اجرت لینا درست نہیں ہے، اگر پہلے سے طے نہیں کیا تو بھی نہ لیا جائے، اس لئے کہ المعروف کالمشروط کے ضابطہ سے یہ بھی ممنوع ہے، سامع کے بارے میں بعض اکابر مثلاً حضرت تھانویؒ، نے اولاً لینے کے جواز کا فتویٰ دیا تھا، لیکن بعد میں اس فتویٰ سے رجوع کرلیا۔ (فتاویٰ رشیدیہ ۲۴۰، التذکیر والتہذیب ۱۸۳/۲، جواہر الفقہ ۳۸۲/۱، فتاویٰ دار العلوم ۳۶۳/۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۹/۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حافظ کو آنے جانے کا کرایہ دینا

سوال (۱۰۳۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دیگر شہروں سے بلائے ہوئے حافظ کے آنے جانے کے خرچ کے لئے رقم نذرانہ دینے کے متعلق کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر حافظ کو باقاعدہ دعوت دی گئی ہے تو آمد ورفت کا واقعی خرچ بذمہ داعی ہوگا، اور واقعی خرچ سے زیادہ لینا حافظ کے لئے درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۲۹۵/۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۱۱/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تراویح میں ختم قرآن پر حافظ کا کپڑے اور نقدی لینا؟

سوال (۱۰۳۳۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تراویح میں قرآنِ پاک مکمل ہونے کے موقع پر مقتدی حضرات حافظ کو کپڑے اور کچھ نقد دونوں چیزیں پیش کرتے ہیں، کیا یہ لینا اور دینا دونوں شرعاً حلال ہے یا حرام؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح میں ختم قرآن پر پر یہ لین دین طے شدہ ہو یا معروف ہو، دونوں صورتوں میں درست نہیں ہے، لینے والے اور دینے والے دونوں فریق گنہگار ہیں، اور اس بارے میں کوئی حیلہ کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

ویمنع القاري للدنیا والاٰخذ والمعطي اٰثمان. (شامی ٦/٥٦ کراچی)

نیز اس مسئلہ کو امامت، تدریس اور دیگر دین کے ضروری شعبوں پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے؛ اس لئے کہ متأخرین فقہاء نے جس علت کی بناء پر امامت وغیرہ کی اجرت جائز قرار دی ہے وہ یہاں نہیں پائی جاتی؛ کیوں کہ تراویح میں ختم قرآن نہ ہونے سے ضیاع دین وقرآن کا اندیشہ نہیں ہے اور نفس سنت تراویح الم ترکیف سے پڑھنے سے بھی ادا ہوجاتی ہے، چناں چہ الم ترکیف سے تراویح پڑھنا بدرجہا بہتر ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم قدیم ۴/۱۱۰، کفایۃ المفتی ۳/۳۶۲، فتاویٰ رشیدیہ مبوب جدید ۳۹۱، امداد الفتاویٰ ۱/۴۸۵، فتاویٰ محمودیہ ۲/۳۶۰، احسن الفتاویٰ ۳/۵۱۵)

قال في الشامي: وقد اتفقت کلهم جمیعاً في الشروح والفتاویٰ علی التعلیل بالضرورة وهي خشیة ضیاع القرآن......، وفیه لایصح الاستجار علی القراءة وإهدائها إلی المیت لأنه لم ینقل أحد من الأئمة الإذن في ذلک. (شامی کراچی ٦/٥٦-٥٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۱/۱۱/۱۲ھ

شبینہ میں ختم پر اجرت لینا؟

سوال (۱۰۳۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی حافظ تراویح میں قرآنِ مجید سنائے یا کسی کے مکان پر شبینہ ختم کرے یا کسی جگہ جا کر قرآنِ مجید برکۃً پڑھے تو کیا اس طرح قرآنِ مجید پڑھ کر معاوضہ لینا یا دینا یا ہدیہ کو اس موقع پر قبول کرنا یا کھانا کھانا یا کھلانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی جواز کی صورت ہو تو مہربانی فرما کر اس کو تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اصل یہ ہے کہ طاعات پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، اور جن طاعتوں پر متأخرین نے اجارہ کی اجازت دی ہے ان میں تراویح اور ختم قرآن داخل نہیں ہیں، بریں بناء تراویح شبینہ اسی طرح مطلق تلاوت پر اجارہ کی اجازت نہیں دی جاسکتی، حتی کہ اگر کسی جگہ تراویح میں قرآن سنانے پر ہدیہ وغیرہ دینا معروف ہو اور حافظ ابتداء میں شرط وغیرہ نہ لگائے تو بھی المعروف کالمشروط کے قاعدہ سے اسے ہدیہ اور نذرانہ لینا درست نہ ہوگا۔

ویمنع القاري للدنیا والآخذ والمعطي آثمان. (شامي ٦/٥٦ کراچی، مستفاد: فتاویٰ رشیدیه ۳۹۲/۱، امداد الفتاویٰ ۳۲۲/۱، احسن الفتاویٰ ۵۱٤/۳)

البتہ بیرونی حافظ کی مہمان داری کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۲۹۴/۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۲/۸/۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تراویح میں جواز اجرت کے لئے حیلہ کرنا؟

سوال (۱۰۳۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آپ کا ماہ مارچ کا ندائے شاہی پڑھا، بعد مطالعہ کے معلومات میں اضافہ ہوا اور بہت خوشی

بھی ہوئی؛ لیکن ایک مسئلہ میں کچھ الجھن سی ہورہی ہے، وہ یہ کہ آپ نے اجرت تراویح کو بالکل ناجائز وحرام قرار دیا ہے، حالاں کہ ہمارے مہاراشٹر میں حافظ صاحب کوتراویح کا معاوضہ دینا معروف ہے، یہ رسم بالکل عام ہوچکی ہے۔

آپ سے درخواست ہے کہ اجرتِ تراویح کے جواز کی کوئی صورت ہے یانہیں؟ حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب نے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب قدس سرہ کے حوالہ سے جواز کی صورت تحریر فرمائی ہے، یہ کہاں تک صحیح ہے؟ نیز حرام ہونے کی عبارت کے ساتھ دلیل اور حوالہ زیادہ تحریر فرمائیں، عین کرم ہوگا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہمارے علم میں اجرت ختم تراویح کے جواز کی کوئی صورت اور حیلہ نہیں ہے، جہاں تراویح پر لین دین معروف ہے وہاں پہلے سے شرط کئے بغیر بھی اس طرح کا لین دین ممنوع ہے، اسی طرح ختم قرآن اصل مقصود ہوتے ہوئے امام تراویح کو نائب امام بنانے کا حیلہ کرنا بھی درست معلوم نہیں ہوتا، اس لئے کہ حضرت اقدس تھانویؒ نے مذکورہ حیلہ کے جواب میں لکھا ہے کہ:

’’یہ جواز کا فتویٰ اس وقت ہے جب کہ امامت ہی مقصود ہو حالاں کہ یہاں مقصود ختم تراویح ہے اور یہ محض ایک حیلہ ہے، دیانات میں جوکہ معاملہ فیما بین العبد وبین اللہ ہے حیل مفید جواز واقعی کو نہیں ہوتے، لہٰذا یہ ناجائز ہوگا‘‘۔ (امداد الفتاویٰ ۱/۳۲۲)

لہٰذا ذی اثر اور خواص مسلمانوں کو قرآن فروشی کی اس مذموم رسم کو ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، نہ یہ کہ اس کے جواز کے لئے حیلے تلاش کرنے کی سعی کریں، اجارۂ ختم تراویح کے ممنوع ہونے سے متعلق چند حوالے درج ذیل ہیں۔

الأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم لايجوز الاستيجار عليها عندنا لقوله عليه السلام: اقرؤا القراٰن ولاتأكلوا به. (شامي ٦/٥٥ کراچی، ۹/۷۸ زکریا)

وفيه: ويمنع القارئ للدنيا الأخذ والمعطي اٰثمان. (شامي ٥٦/٦ كراچی، ۷۸/۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۹/۱۷ ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تراویح میں ختم قرآن پر معاوضہ کو جائز کرنے کی مختلف شکلیں؟

سوال (۱۰۳۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے علاقہ میں عام رواج حافظوں کو ختم قرآن کے موقع پر ہدیہ وتحفہ دینے کا ہے باوجود منع کرنے کے بھی حیلہ بہانہ کرکے لوگ دے دیتے ہیں، بعض لوگ جو دینے میں مخلص ہیں وہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ اگر اس طرح دینا ناجائز ہے تو جائز صورت کیا ہے بتائیے؟ تاکہ ہم حافظ صاحب کی خدمت جائز طریقہ پر کرسکیں، اس بناء پر چند صورتیں جو درج ذیل ہیں اس کو لکھ رہے ہیں اس کا حکم شرعی بیان فرمادیں تاکہ ادارہ صحیح صورت حال سے لوگوں کو آگاہ کرسکے۔

(۱) اگر کوئی کمیٹی والے رقم کو رمضان کے شروع میں حافظ صاحب سے یہ کہہ کر دیدیں کہ حافظ صاحب آپ یہ رقم رکھیں کھانا وغیرہ تو ہمارے طرف سے رہے گا بقیہ جو آپ کو ضرورت پیش آئے گی اور جو آپ کھانا چاہیں کھاسکتے ہیں یہ آپ کے خرچ کے لئے ہے، آیا یہ صورت درست نہیں ہے؟

(۲) اگر کوئی مسجد والے کچھ رقم جمع کرکے حافظ صاحب کے حوالہ کردیں، آپ یہ رقم رکھیں اور اس میں کھانے کا آپ خود نظم کرلیں اب امام کو انتظام خود کرنا ہے اب ایسی صورت میں حافظ صاحب کے لیے یہ رقم لینا درست ہے یا نہیں اور لینے کے بعد کوئی صاحب خیر اپنی جانب سے کھانا وغیرہ کا نظم فرمادیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا لیا ہوا پیسہ جائز ہوگا یا نہیں یا واپس کرنی ہوگی؟

(۳) اگر کوئی شخص کسی مجبوری کی وجہ سے اپنے گھر میں حافظ صاحب کو تراویح پڑھانے کے واسطے لے جاتا ہے تو اگر وہ شخص مذکور بھی اسی طریقہ سے حافظ صاحب کے ذاتی خرچ کے واسطے کچھ رقم رمضان کے شروع میں دیدے تو اس کا کیا حکم ہے؟

(۴) بعض حضرات حافظ صاحب کو اپنے گھر تراویح کے لیے لے جاتے ہیں پھر ان کے گھر میں مستقلاً حافظ صاحب کو دو تین وقت کی نماز بھی پڑھانی پڑتی ہے جس کی بنا پر وہ وہاں مقید ہو کر رہ جاتے ہیں، ایسی صورت میں صاحب خانہ کو خود رمضان کے شروع یا درمیان یا اخیر میں تعاون کرنا یا مشترکہ طور پر تعاون کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟

(۵) لوگ حافظ صاحب کو کرایہ کے واسطے رقم، اعلیٰ سواری کے اعتبار سے دیتے ہیں اگر حافظ صاحب راستہ کی مشقت کو برداشت کر کے ادنیٰ سواری سے سفر کر لیں اور اس سے کچھ رقم بچا لیں تو کیا ان رقوم کا لینا جائز ہوگا؟

(٦) اگر کوئی شخص حافظ صاحب کا تعاون کرنا چاہے ادارہ کے توسط سے جس ادارہ سے حافظ صاحب آئے ہیں اور کسی دوسرے پر ظاہر نہ کرے تو کیا بتوسط ادارہ تعاون کرنا درست ہے؟ مثلاً شخص موصوف نے ادارہ کو ایک ہزار روپئے دیدیا اور ادارہ کو مختار بنادیا کہ ادارہ کو اختیار رہے کہ یہ رقم حافظ صاحب کو دے یا جہاں چاہے صرف کرے؟

(۷) ایک شخص کسی جگہ ملازم ہے اب تراویح پڑھانے کی غرض سے اس کو ادارہ بھیجتا ہے تو سوال طلب امر یہ ہے کہ ادارہ اس ملازم کی تنخواہ کا مطالبہ کمیٹی سے کر سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۷) سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ حافظ صاحب کو تراویح میں ختم قرآن کریم کی بنیاد پر معاوضہ دینے کی فکر کی جارہی ہے اور اس کو دائرہ جواز میں لانے کے لیے مختلف حیلے کیے گئے ہیں، تو اس بارے میں واضح رہنا چاہیے کہ عبادات میں اس قسم کے حیلے دیانۃً یعنی فیما بینہ وبین اللہ کسی امر ناجائز کو جائز بنانے کے لیے کافی نہیں ہیں، بریں بنا ان حیلوں کی بنیاد پر ختم قرآن کے عوض کوئی بھی رقم پہلے یا بعد میں لینا جائز نہ ہوگا۔

البتہ دوران قیام حافظ صاحب کی ضروریات کا خیال رکھنا اور اگر حافظ صاحب کو باہر سے بلایا گیا ہو تو ان کے لیے آمد ورفت کا کرایہ دینا منع نہیں ہے، نیز حافظ صاحب جس ادارے سے آئے ہیں

اس ادارے کا اپنے طور پر تعاون کرنے میں بھی شرعاً کوئی حرج نہیں ہے لیکن اس کو ختم قرآن سے مشروط نہ کیا جائے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/۴۷۵-۴۸۵، دینی مسائل اوران کاحل ۱۱۶، فتاویٰ رحیمیہ ۴/۴۲۲)

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِآيَاتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ [البقرة: ٤١]

قال أبو العاليه: لا تأخذوا عليه أجرا. (تفسير ابن كثير ٢٢/١ زكريا)

وقال عليه السلام: اقرؤوا لقرآن ولا تأكلوا به ولا تستكثروا به ولا تجفوا عنه ولا تغلوا فيه. (المصنف لابن أبي شيبة ٤٠١/٢ رقم: ٧٨٢٥)

وقال عليه السلام: من قرأ القرآن يتأكل به الناس جاء يوم القيامة وجهه عظم ليس عليه لحم (رواه البيهقي في شعب الإيمان ٥٣/٢ رقم: ٢٦٢٥)

وقال عليه الصلاة والسلام: من قرأ القرآن فليسأل اللّٰه به فإنه سيجئ أقوام يقرؤون القرآن يسألون به الناس. (سنن الترمذي ١١٩/٢)

وقال عبد اللّٰه ابن مسعود رضي اللّٰه عنه إنه سيجئ زمان يسئل فيه بالقرآن فإذا سألوكم فلا تعطوهم. (رواه البيهقي ٥٣٤/٢ رقم: ٢٦٣١)

عن عبد اللّٰه ابن معقل رضي اللّٰه عنه أنه صلى بالناس في شهر رمضان فلما كان يوم الفطر بعث إليه عبيد اللّٰه ابن زياد بحلة وبخمس مأة درهم فردها، وقال إنا لا نأخذ على القرآن أجراً. (المصنف لابن أبي شيبة ٤٠٠/٢ رقم: ٧٨٢١)

الآخذ والمعطى أثمان ...... فالحاصل أن ماشاء فى زماننا من قراءته الأجزاء بالأجرة لا يجوز لأن فيه الأمر بالقراءة و إعطاء الثواب للآمر، والقرأة لأجل المال فإذا لم يكن ثواب للقارى لعدم النية الصحيحة فأين يصل الثواب إلى المستأجر؟ ولولا الأجرة ما قرأ أحد لأحد فى هذاا لزمان بل جعلوا القرآن العظيم مكسبا و وسيلة إلى جمع الدنيا إنا للّٰه وإنا إليه راجعون. (شامي ٧٧/٩ زكريا، رسائل ابن عابدين ١٧١/١، البحر الرائق ١٩/٨، الفتاوىٰ الهندية ٣٩٠/٦)

إن ما أجازه المتأخرون إنما أجازوه للضرورة ولا ضرورة في الإستئجار على التلاوة فلا يجوز. (رسائل ابن عابدين ١٦٨/١)

والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم و إلا فإن علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه. (شامي ٩٩/٥ كراچی، فتاویٰ محمودیہ ٢٢٨/٢٥ میرٹھ، فتاویٰ عثمانی ٣٩٠/٣) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۱۰/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تعلیم قرآن پر قیاس کرکے تراویح میں ختم قرآن پر اجرت لینا

سوال (۱۰۳۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آپ کے اس ماہ کے شمارہ کا مطالعہ کیا، جس میں دو حضرات کا ذکر ہے جو تراویح سنانے کے بعد اجرت نہیں لیتے ہیں، کیا وہ دو حضرات اپنے زمانے میں قرآن کی تعلیم دے کر اجرت لیتے تھے جو آج کل آپ حضرات قرآن کی تعلیم میں اجرت لیتے ہیں، کیا آپ لئے لئے اجرت لینا درست ہے؟

(۲) اس پر آپ علماء کرام فرمائیں گے کہ ہم اپنے وقت کو قربان کرکے قرآن کی تعلیم دیتے ہیں، اس پر میں سوال کرتا ہوں کہ کیا حفاظ دن بھر پڑھتے نہیں اور وہ اسی پر اپنا وقت قربان نہیں کرتے؟ آپ حضرات جیسے حفاظ تو مجھے معلوم ہوا بہت کم ہوں گے جو قرآن کو یاد کئے بغیر تراویح سنانے کی ہمت رکھتے ہوں، دوسرے یہ بات کہ ہر حافظ تراویح میں ایک یا ڈیڑھ گھنٹہ لگاتا ہی ہے، کیا اس میں وقت نہیں لگتا؟

(۳) اگر کوئی یہ کہے کہ ختم قرآن کی اجرت نہیں لیتا ہوں؛ بلکہ اپنے وقت کی اجرت لے رہا ہوں تو کیسا ہے؟

(۴) کوئی شخص تراویح سناتا ہے اور وہاں کے کچھ احباب اسے تحفہ میں کچھ دیتے ہیں، جن کا اس سے پہلے کچھ لینا دینا نہیں تھا، اس صورت میں کیا ان لوگوں کا اسے تحفہ دینا قرآن سنانے کے عوض میں تو نہیں ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قرآن کریم کی تلاوت ایک عبادت مقصودہ ہے، جس کا معاوضہ لینا قرآن وحدیث کی رو سے منع ہے، ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِآيَاتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ [البقرة: ٤١] اورمت خریدو میری آیتوں کے عوض تھوڑا مول۔

اورارشاد نبوی ہے: **اقرؤا القرآن ولا تأكلوا به.** (ألأمصنف لأبن أبي شيبة ٧٧٤٢/٢ دار الكتب العلمية بيروت) یعنی قرآن پڑھو مگر اسے کمائی کا ذریعہ نہ بناؤ۔

بریں بنا تراویح میں ختم قرآن پر عوض ومعاوضہ لینے کی شرعاً اجازت نہیں دی جاسکتی، اور تعلیم وامامت میں بھی اصل حکم اور بہتر بات یہی ہے کہ اس پر معاوضہ نہ لیا جائے۔ اور حکومت اسلامی کا یہ فریضہ ہے کہ وہ ان ذمہ داریوں کو انجام دینے والوں کا وظیفہ مقرر کرے؛ لیکن جب اسلامی حکومتیں ختم ہوئیں، یا انہوں نے اپنے فرض سے غفلت برتی اور علمائے متاخرین نے یہ محسوس کیا کہ اگر معلمین وائمہ کی مالی کفالت کی راہ نہ کھولی گئی، تو دنیا سے دینی تعلیم وتعلم کا خاتمہ ہوجائے گا، تو انہوں نے باتنخواہ تعلیم دین کی اجازت دی۔ خلاصہ یہ کہ یہ اجازت ضرورۃً ہے، اس کے برخلاف تراویح میں ختم قرآن میں ایسی کوئی ضرورت نہیں؛ اسلئے کہ تراویح میں ختم قرآن محض سنت ہے کوئی واجب یا فرض نہیں، دوسرے یہ کہ معاوضہ نہ ہونے سے قرآن پر کوئی اثر پڑنے والا نہیں ہے، بلکہ مخلص سنانے والوں میں اوراضافہ ہوجائے گا۔

وعللوا ذلک بالضرورة، وهي خوف ضياع الدين، وصرحوا بذلک التعليل، فكيف يصح أن يقال: إن مذهب المتأخرين صحة الاستئجار على التلاوة المجردة مع عدم الضرورة المذكورة، فإنه لو مضى الدهر ولم يستأجر أحد أحدا على ذلک لم يحصل به ضرر، بل الضرر صار في الاستيجار عليه، حيث صار القرآن مكسبا وحرفة يتجر بها، وصار القارئ منهم لايقرأ شيئا لوجه الله. (شرح عقود رسم المفتى ٣٨، مجموعة رسائل ابن عابدين ١٤ پاكستان)

يظهر لک إن العلة في جواز الاستيجار على تعليم القرآن و الفقه والأذان والإمامة هى الضرورة دون ماعداها فما لاضروره إلى الاستيجار عليه

(رسائل ابن عابدين ١٦١/١)

إن ما اجازه المتأخرون إنما أجازوه للضرورة ولاضرورة في الاستيجار على التلاوة فلايجوز. (رسائل ابن عابدين ١٦٨/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۱۰/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اُجرت تراویح کے حیلہ جواز کے لئے حافظ کو نائب امام بنانا؟

سوال (۱۰۳۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حفاظ کرام تراویح کے لئے روپیہ متعین کر دیتے ہیں، یا متولی صاحب کہتے ہیں کہ ہم اپنی خوشی سے جو چاہیں گے دیں گے، تو اس طرح کی تعیین جائز ہے؟

اس سلسلہ میں مفتی اعظم حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب اور فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہما کے دو فتوے بھی پیش خدمت ہے:

جواب:- بے شک تراویح میں اجرت لینا دینا نا جائز ہے، لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہوتے ہیں، اس سے اچھا یہ ہے کہ الم ترکیف سے تراویح پڑھی جائے، لوجہ اللہ پڑھنا اور لوجہ اللہ امداد کرنا جائز ہے، مگر اس زمانہ میں یہ کہاں ہے؟ ایک مرتبہ پیسے نہ دئے جائیں تو حافظ صاحب دوسری دفعہ نہیں آئیں گے، تو اب للہ کہاں رہا، اصل مسئلہ یہی ہے مگر وہ مشکلات بھی نظر نہیں ہونی چاہئیں، جو ہر سال اور تقریباً ہر مسجد کے نمازیوں کو پیش آتی ہے، اس بنا پر ایک قابل عمل شکل یہ ہے کہ جہاں لوجہ اللہ تراویح خواہ حافظ نہ ملے وہاں تراویح پڑھنانے والے کو رمضان کے لئے نائب امام بنایا جائے اور اس کے ذمہ ایک دو وقت کی نماز سپرد کر دی جائے تو اس مذکورہ حیلہ سے تنخواہ لینا دینا جائز ہو جائے گا؛ کیوں کہ امامت کی اجرت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے۔ اگر رمضان المبارک کے مہینہ کے لئے حافظ

کوتنخواہ پر رکھ لیا جائے اور ایک دو نمازوں میں اس کی امامت متعین ومقرر کردی جائے تو صورت جواز کی ہے، کیوں کہ امامت کی اجرت تنخواہ کی فقہاء نے اجازت دی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی ۲۷ ؍شعبان ۱۳۷۰ھ

حضرت مفتی صاحب گنگوہیؒ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور فرماتے ہیں کہ اصل صورت تو عدم جواز ہی ہے؛ لیکن حالت مذکورہ میں حیلہ مذکورہ کی گنجائش ہے۔

محمود گنگوہی خادم مظاہر العلوم سہارنپور ۱۵ ؍شعبان ۱۳۷۰ھ

نوٹ:- جس مسجد میں امام صاحب حافظ قرآن ہے، وہاں کوئی بھی فی سبیل اللہ سنانے والا نہیں ملتا، اور امام صاحب سنانا چاہتے ہیں تو کوئی فی سبیل اللہ حافظ قرآن رمضان میں تاروتح میں سننے کو بھی نہیں ملتا تو ایسی حالت میں امام صاحب کیا کریں؟ کیوں کہ یادداشت کے لئے سننا یا سنانا ضرور معلوم ہوتا ہے، اور میں بہت ہی ضروری سمجھتا ہوں، حضرات علماء کرام گاؤں میں لوگوں نے بہت زیادہ کم کردیا ہے، اپنے بچوں کو حفظ کرانا، اکثر حضرات زیادہ تر ہندی انگریزی پڑھانے کی طرف زیادہ لگ گئے اور آپ حضرات اس بارے میں سوال وجواب کو ملاحظہ فرما کر آج کے دور کے مطابق جو شریعت اجازت دیتی ہو، جواب ارسال فرماتے ہوئے کرم فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام صاحب اگر سنانا چاہتے ہیں تو بس اپنی امامت کی ماہانہ تنخواہ لے لیں، قرآن سنانے کی وجہ سے کوئی زیادہ رقم نہ طے کریں، اور حضرت تھانویؒ نے عبادات میں حیلہ کو ممنوع قرار دیا ہے، اس لئے اگر مقصود قرآن پڑھنا ہو تو نائب امام کا حیلہ بھی چنداں مفید نہ ہوگا۔ (امداد الفتاویٰ ۱؍۴۸۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۷/۸ ۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تنخواہ کے تعین کے ساتھ امام یا نائب امام بن کر تراویح پڑھانا

سوال (۱۰۳۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: آج کل جو حفاظ کرام تراویح میں قرآن کریم سنانے کے لئے باہر جاتے ہیں وہ اگر تنخواہ کے تعین کے ساتھ امام یا نائب امام ہو جائیں اور اس طرح قرآنِ کریم تراویح میں سنائیں تو ان کے لئے اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جہاں امامت یا نیابت امامت مقصود نہ ہو؛ بلکہ اصل مقصد تراویح میں ختم قرآن ہو اور محض دکھاوے کے لئے امامت ساتھ میں لگائی جائے تو یہ حیلہ دیانۃً جواز اجرت کا سبب نہیں بن سکتا، اور مسئولہ صورت میں امامت کے بجائے ختم قرآن اصل مقصود ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر باہر سے آنے والے کسی کو امام بنالیا گیا اور پھر اس نے تراویح میں قرآن ختم نہیں کیا، تو اسے کوئی معاوضہ نہیں دیا جاتا، اگرچہ وہ پورے مہینہ امامت کرتا رہا ہو۔

(امداد الفتاویٰ ۱/۴۸۵، ایضاح المسائل ۲۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۷/۷/۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

امام تراویح کے ذمہ دو تین وقت کی نمازیں طے کر کے اجرت کو حلال کرنے کا حیلہ؟

سوال (۱۰۴۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فتاوی کی کتابوں میں مذکور ہے کہ تراویح میں قرآن کریم سنانے والے حفاظ کرام کو اجرت دینا اور ان کا اجرت لینا حرام ہے، نیز یہ بھی فرماتے ہیں اجرۃ وہدیۃ دونوں حرام ہے، اب سوال یہ ہے کہ امام تراویح کو عارضی امام بنا کر ان کے ذمہ دو تین وقت کی ایک ماہ تک امامت سونپ دی جائے تو اجرت لے سکتا ہے یا نہیں اور اس طرح کا حیلہ کہاں تک درست ہے؟

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے اس طرح کے حیلے کو باطل قرار دیا ہے کہ یہ محض حیلہ ہی حیلہ ہے ورنہ مقصود امامت نہیں بلکہ مقصود تراویح میں قرآن کریم سنانا ہے؛ اسلئے یہ بھی جائز نہیں،

حاشیہ میں مفتی سعید صاحب پالنپوری مدظلہ نے اس طرح کے حیلے کو باطل قرار دینے کو ہی صحیح فرمایا ہے۔(امداد الفتاوی ۱/۴۸۴)

نیز مفتی صاحب موصوف نے اس حیلہ کو دو شرطوں کے ساتھ جائز قرار دیا ہے (۱) تنخواہ طے کی جائے ورنہ اجارہ فاسد ہوگا۔

(۲) تراویح میں قرآن سنانا معروف ومشروط نہ ہو، اگر تراویح میں قرآن نہ بھی سنائے تب بھی مقررہ تنخواہ ملے ورنہ ''**المعروف کالمشروط**''قاعدہ کے تحت ناجائز وحرام ہوجائیگا، ظاہر ہے کہ مذکورہ حیلہ میں یہ دونوں باتیں نہیں پائی جاتیں، اسلئے یہ حیلہ بھی درست نہیں۔(آپ فتوی کیسے دیں ۴۸)

لیکن بعض معتبر کتابوں سے حیلہ کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے، جیسا کہ فتاویٰ محمودیہ ۷/۱۷۰، ۱۷۱-۱۷۶، فتاویٰ رحیمیہ ۱/۳۴۹، ۴/۳۸۴، ۴/۳۹۱، ۷/۲۹۵-۲۹۶۔

ہمارے یہاں حفاظ کو پیسہ دینے اور لینے کا رواج عام ہو چکا ہے اور حیلہ وہی کرتے ہیں جو اوپر مذکور ہے، اب ان دو طرح کے فتوی کو سامنے رکھتے ہوئے ہم جیسے متوسط درجہ کے علماء کرام کیلئے فیصلہ کرنا بہت ہی دشوار ہو چکا ہے، بعض علماء کرام حیلہ کے ساتھ جواز پر فتوی دیتے ہیں اور بعض علماء کرام حیلہ کے ساتھ بھی حرام اور ناجائز کا فتوی دیتے؛ لہٰذا اس مسئلہ میں علماء کرام کے درمیان تنازع چل رہا ہے، اب دوٹوک فیصلہ آپ حضرات کے ہاتھ میں ہے، جو بھی فیصلہ فرمائیں وہی ہم ماننے کیلئے تیار ہیں، اور اگر فی الحال جواز یا عدم جواز کی کوئی صورت آپ حضرات نے طے کی ہے تو وہ بھی درج فرمائیں، نیز اگر کسی شرط کے ساتھ جواز کا فتوی ہو تو وہ بھی درج فرمائیں، لیکن فیصلہ بالکل دوٹوک ہونا چاہئے، تاکہ ہمارے علماء کرام کے درمیان تنازع بالکل ختم ہوجائے اور آپ حضرات کے فتوی سے دوسرا کوئی حیلہ نہ نکال سکے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہمارا فتویٰ وہی ہے جو آپ نے حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے۔ اور بظاہر اکابر کے فتاویٰ

میں بھی وہی شرطیں ملحوظ ہیں جو حضرت مفتی صاحب موصوف نے ذکر فرمائی ہیں، جہاں یہ دونوں شرطیں نہ پائی جائیں وہاں جواز کا حکم نہ ہوگا، اوراس بارے میں ایک تفصیلی فتویٰ مفتی شبیر احمد صاحب مفتی مدرسہ شاہی مرادآباد نے تحریر فرمایا ہے، جو موصوف کی کتاب ''انوار رحمت ۴۸۳'' پر شائع شدہ ہے، اسے بھی ملاحظہ فرمائیں؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/۱۰/۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رمضان کے مہینہ میں امامت کرنے پر اُجرت لینا؟

سوال (۱۰۴۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا تراویح پڑھا کر رقم لی جاسکتی ہے؟ اور اگر نہیں لی جاسکتی تو ایک ماہ امامت کر کے رقم لینا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مطلقاً امام پر اجرت لینے کی گنجائش ہے، لیکن ختم قرآن پر اجرت لینے کی گنجائش نہیں۔

ویمنع القاری للدنیا والآخذ والمعطی آثمان. (شامي ۱/ ۱۶۱ زکریا، مستفاد: انوار رحمت ۴۹۶، فتاوی رشیدیه ۳۹۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۳/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مستقل امام کا تراویح سنا کر زائد پیسہ لینا؟

سوال (۱۰۴۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید مستقل امام مسجد ہے اگر زید ہی تراویح بھی پڑھائے تو زید کو روپیہ لینا دینا کیسا ہے؟ مستقل امام اور مؤذن کو ختم شریف کے روز بطور امداد چندہ کر کے روپیہ لینا دینا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مستقل امام ختم قرآن کے عوض کچھ لیتا ہے تو جائز نہیں، البتہ اگر اسے رمضان میں کوئی رقم اس کی امامت کے عوض دی جاتی ہے خواہ وہ تراویح میں ختم قرآن کرے یا نہ کرے تو اس رقم کو لینے کی گنجائش ہے، یہی حکم مؤذن کا بھی ہے، اور بہر صورت یہ لین دین ختم کے دن نہیں ہونا چاہئے، کیوں کہ اس سے ختم قرآن پر لین دین کا ایہام ہوتا ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۷/۱۷۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۱۰/۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چندہ کے روپیوں کا امام کو مالک بنا کر حافظ قرآن کو دینا؟

سوال (۱۰۴۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حافظ قرآن رمضان المبارک کے مہینہ میں کلام پاک تراویح میں سناتا ہے اور مقتدیان حضرات اس کے لئے چندہ اس طرح اکٹھا کرتے ہیں کہ ختم تراویح ختم قرآنِ پاک کے لئے چندہ دیجئے، لوگ اس طرح چندہ اکٹھا کرتے ہیں، پھر اس روپیہ کو امام مسجد کو دے کر مالک بنا دیتے ہیں کہ تم اس کے مالک ہوگئے ہو، اب تمہاری مرضی جو کچھ اس حافظ قرآن جس نے تراویح میں قرآن سنایا ہے اس کو روپیہ اپنے ہاتھ سے دے دو، اس کے تم مالک ہو، تو جواب طلب امر یہ ہے کہ کیا اس طرح چندہ قرآن کے ختم پر کر کے کسی امام کو مالک بنا کر جواز نکال کر حافظ قرآن کو دینا صحیح ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح میں قرآنِ کریم سنانے والے حافظ کے لئے چندہ جمع کرنا اور پھر ان روپیوں کا مسجد کے امام کو مالک بنا کر حافظ قرآن کو دینا المعروف کالمشروط کے تحت داخل ہوکر ممنوع ہے، اور ختم قرآن پر لین دین کی رسم جائز نہیں ہے۔

في الشامیة: المفتی به جواز الأخذ استحساناً علی تعلیم القرآن لا علی

قراءة المجردة. (شامي ٥٦/٦ كراچی، شامي ٧٧/٩ زکریا، مستفاد: فتاویٰ محمودیه ٨٣/١٣، ایضاح المسائل ٢٧، فتاویٰ دارالعلوم ٢٦٣/٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۷/۲/۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اگر نفس تراویح پڑھانے والا بلا اُجرت نہ ملے تو اُجرت پر امامِ تراویح مقرر کرنا؟

سوال (۱۰۴۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ختم تراویح کے بدلہ میں اجرت لینا دینا جائز نہیں ہے، یہ تو ہم کو معلوم ہے، لیکن سورۂ تراویح کے بارے میں ہمارے مابین اختلاف ہوگیا ہے، بعض کا کہنا یہ ہے کہ ختم تراویح میں چونکہ اجرت لینا حرام ہے، لہٰذا سورۂ تراویح میں بھی حرام ہونا چاہئے، کیوں کہ دونوں میں تلاوت قرآن پائی جاتی ہے، اور اجرت علی تلاوت القرآن حرام ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ تراویح کی نماز فی نفسہ سنت مؤکدہ ہے، اس کے لئے روپیہ لینا دینا کیسے جائز ہوگا، جو اجرت علی تلاوت القرآن کی وجہ سے حرام ہے، لہٰذا اجرت کے بغیر تراویح پڑھانے کے لئے اگر کوئی امام نہ ملے، تو بغیر جماعت انفرادی طور پر نماز تراویح ادا کی جائے گی، اور بعض کا کہنا ہے کہ فرض نماز کی جماعت سنت مؤکدہ اشدتاکید ہے، اور نماز تراویح کی جماعت بھی سنت مؤکدہ ہے، فرض نماز کی جماعت کے لئے چونکہ آئمہ اور فقہاء نے روپیہ دے کر امام رکھنا جائز اور ضروری قرار دیا ہے، لہٰذا نماز تراویح کے لئے بھی روپیہ دے کر امام رکھنا جائز اور ضروری ہونا چاہئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ختم تراویح کی متبادل صورت ہے؛ لہٰذا اس کے لئے اجرت علی القرآن جیسے حرام کو جائز قرار دینے کی ضرورت نہیں، لیکن سورۃ تراویح مع الجماعت کی کوئی متبادل صورت نہیں ہے، لہٰذا ضرورت کے وقت روپیہ دے کر بھی نماز تراویح کی جماعت کو قائم رکھنا جائز اور ضروری ہونا چاہئے، ورنہ تراویح کی جماعت مٹ جائے گی؟

اب حضرت والا کی خدمت میں انتہائی مؤدبانہ گذارش ہے کہ مذکورہ بالا خیالوں میں سے کون سا خیال صحیح ہے، اور کون سا غلط اس کو نشاندہی فرما کر شریعت کا حکم تحریر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: رمضان المبارک میں تراویح کو جماعت سے پڑھنا سنت مؤکدہ ہے اور تراویح میں پورا قرآن ختم کرنا یہ محض مستحب ہے، اگر نفس تراویح پڑھانے والا بلا اجرت نہ ملے تو اجرت پر امام تراویح مقرر کیا جاسکتا ہے، کیوں کہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں سنت مؤکدہ کے فوت ہونے کا اندیشہ ہے، اس کے برخلاف تراویح میں اگر ختم قرآن کریم نہ ہو تو اس سے کوئی سنت ترک نہیں ہوتی، لہٰذا ختم قرآن کے لئے اجرت لینا کسی شرعی ضرورت کے اندر داخل نہیں۔

إن ماأجازه المتأخرون، إنما أجازه للضرورة ولا ضرورة في الاستيجار على التلاوة، فلا يجوز. (رسائل بن عابدين ۱/۱٦۸)

يظهر لک أن العلة في جواز الاستيجار على تعليم القراءة والفقه والأذان والإمامة هى الضرورة واحتياج الناس إلى ذلک، وإن هذا مقصود على هذه الأشياء دون مما عداها مما لاضرورة إلى الاستيجار عليه. (رسائل ابن عابدين ۱/۱٦۱، مستفاد: انوار رحمت ٤۹۰-٤۹۲، امداد الفتاوی ٤۸۵) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۵/۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غریب طالب علم کا دینی تعلیم پر خرچ کرنے کے لئے تراویح پر اُجرت لینا؟

سوال (۱۰۴۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں ایک غریب گھرانے کا لڑکا ہوں اور پڑھنے کا جی چاہتا ہے؛ لیکن گھر میں وسعت نہیں کہ

میری پڑھائی کے اخراجات برداشت کرسکیں؛ لہٰذا رمضان میں قرآن سنا کر جو مسجد کی طرف سے انعام ملتاہے وہ میں لے سکتا ہوں یا نہیں اوراس غرض سے باہر جا سکتا ہوں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح میں کلام پاک سنانے پر اجرت لینے کی شرعاً اجازت نہیں ہے، آپ کسی اور طریقہ پر حلال روزی حاصل کرکے علم دین کے حصول کی سعی فرمائیں۔ (شامی ۶/۵۶ وغیرہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۱/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا غریب حافظ کے لئے تراویح پر اجرت جائز ہے؟

سوال (۱۰۴۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حافظ کرام کے لئے کیا غرباء طلبہ کے لئے اختتام قرآن پر کیا لینا جائز ہے کسی کے لئے کچھ گنجائش ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآنِ کریم پڑھنے پر معاوضہ لینا غریب ہو یا امیر، کسی کے لئے جائز نہیں ہے، غریبوں کی مدد کرنی ہے تو کسی اور عنوان سے مدد کی جائے۔

یحرم القاري للدنیا والأخذ والمعطي آثمان. (شامي ٦/٥٦ کراچی، ۹/۷۷ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۹/۲ھ

جو شخص معاشی طور پر پریشان ہو اس کا ختم تراویح پر پیسہ لینا

سوال (۱۰۴۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے شہر میں رمضان المبارک کے موقعہ پر کچھ مسائل علماء کے درمیان مختلف فیہ رہے،

جس کی بنیاد پر عوام تذبذب کا شکار رہیں، استفتاء کا مقصد یہ ہے کہ آپ ان مسائل کا جو ذیل میں ذکر کئے جائیں گے۔

(۲) جو حافظ قرآن رمضان المبارک میں تراویح پڑھائے اور ختم قرآن پر لوگوں سے روپیہ پیسہ لے، یا لوگ اسے خوشی سے ہدیہ یا نذرانہ کے طور پر کچھ رقم دیں، تو اس رقم کے لین دین کا شرعاً کیا حکم، کیا معاشی پریشانی کو بنیاد بنا کر یا کسی اور حکمت و مصلحت یا ضرورت شدیدہ کی بنا پر اس لین دین کے جواز کی گنجائش ہے؟ نیز ایسے معاشی طور پر پریشان حال حافظ صاحب کے لئے اس رقم یعنی اجرت تراویح کے علاوہ اپنے گھریلو اخراجات پورے کرنے کے لئے کوئی چارہ کار نہ ہو، تو شریعت اسلامیہ کا ایسے حافظ کو کیا مشورہ ہے، اور ایسے حافظ کے پیچھے نماز پڑھنے والے مقتدی حضرات عنداللہ ثواب پاسکیں گے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح میں قرآن پاک سنانے پر اجرت یا نذرانہ لینا کسی بھی طرح اور کسی بھی شخص کے لئے جائز نہیں ہے، جو شخص معاشی طور پر پریشان ہو اسے چاہئے کہ کمائی کے لئے حلال راستہ اختیار کرے، قرآن کریم کی تلاوت کو کمائی کا ذریعہ نہ بنائے معاشی تنگی کی وجہ سے مسئلہ شرعی کو نہیں بدلہ جاسکتا۔

وقال العيني في شرح الهداية: ويمنع القارى للدنيا و الأخذ والمعطى آثمان الخ. (شامي ۷۷/۹ زكريا)

إن ما أجازه المتاخرون، إنما أجازوه للضرورة، ولا ضرورة فى استئجار القرآن فلا يجوز. (رسائل ابن عابدين ١٦٨) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۱۱/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حافظ قرآن نہ ملنے پر اجرت دے کر سورہ تراویح پڑھوانا؟

سوال (۱۰۴۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: کیا سورۂ تراویح میں یعنی الم تر سے پڑھانے والے کو روپیہ دے سکتے ہیں، اگر حافظ کو ختم قرآن سنانے کے بعد روپیہ نہیں ملتا ہے، تو پھر دوسرے سال اس مسجد میں قرآن ختم یعنی تراویح نہیں پڑھاتے ہیں، اور مقتدی ختم قرآن سے محروم ہوجاتے ہیں، بغیر روپیہ دئے الم تر سے تراویح پڑھنا ان مسجدوں میں جن میں حافظ کو روپیہ دے کر قرآن کراتے ہیں، کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہتر تو یہی ہے کہ جہاں بلا اجرت حافظ قرآن نہ ملے وہاں بلا کچھ لئے دئے الم ترکیف سے سورۂ تراویح پڑھ لی جائے۔ (امداد الفتاویٰ ۱؍۴۸۴)

گوکہ محض سورۂ تراویح پڑھنانے والے کو امامت کی اجرت دینے کی گنجائش نکل سکتی ہے؛ کیوں کہ اس کی امامت سے مقصود ختم قرآن نہیں ہوتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲؍۱۱؍۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سورۂ الم ترکیف کی تراویح کے ختم پر اُجرت دینا؟

سوال (۱۰۴۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض جگہوں پر تراویح سورۂ الم ترکیف سے ہوتی ہے، اور اس کے اختتام پر محلّہ والے امام صاحب کو روپیہ وغیرہ دیتے ہوں، تو محلّہ والوں کا روپیہ دینا اور سورۂ تراویح پڑھانے والے امام کا روپیہ وغیرہ لینا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں چوں کہ ختم قرآن پر اجرت لینا دینا نہیں ہے؛ بلکہ محض امامت تراویح پر اجرت ہے لہٰذا الم ترکیف سے تراویح پڑھانے کی صورت میں محلّہ والوں کا کچھ رقم امام صاحب کو دینا جائز ہے۔

ویفتی الیوم بصحته لتعلیم القرآن والفقه والإمامة والأذان الخ. (شامي

٥٥/٦ كراچي، شامي ٧٧/٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۵/۶/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حافظ قرآن کو ختم تراویح پر ایک دو آدمی کا اپنی طرف سے ہدیہ دینا؟

سوال (۱۰۵۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک حافظ صاحب رمضان میں تراویح سناتے ہیں، ہدیہ وغیرہ ابھی تک نہیں لیا ہے لوگ دینا چاہتے ہیں، لیکن وہ انکار کرتے ہیں، اب ہماری مسجد میں تراویح سنا یا مسجد کی کمیٹی کے دو حضرات اپنی مرضی سے امام صاحب وحافظ صاحب کے لئے کپڑے لائے وہ ہدیہ دینا چاہتے ہیں، اس میں چندہ وغیرہ کا پیسہ نہیں ہوتا ہے، ہم دو صاحب اپنی مرضی سے دیتے ہیں، حافظ صاحب نے لینے سے انکار کیا امام صاحب نے لے لیا ہے، تو کیا حافظ صاحب کو شوال میں یا بقرعید میں دے سکتے ہیں؟ اس کے لئے دینے لینے کی کیا شکلیں ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح میں قرآن سنانے کے عوض کوئی بھی چیز دینا لینا ممنوع ہے؛ البتہ اگر قرآن پاک سنانے سے قطع نظر کرتے ہوئے کسی اور موقع پر اپنی خوشی سے کسی امام یا حافظ کو کوئی شخص ہدیہ یا تحفہ دے، تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں، بلکہ ایسا خوش دلی والا ہدیہ پسندیدہ ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۷/۳۱۷ ڈابھیل، فتاوی رحیمیہ ۴/۳۸۸)

ولا يلحق بالقاضي فيما ذكر المفتي والواعظ ومعلم القرآن والعلم؛ لأنهم ليس لهم أهلية الإلزام، والأولى في حقهم إن كانت الهدية لأجل مايحصل منهم من الإفتاء الوعظ والتعليم عدم القبول ليكون عملهم خالصاً لله تعالى، وإن أهدى إليهم تحبباً وتودداً لعلمهم وصلاحهم، فالأولى القبول، وهذا

إذا لم يكن بطريق الأجرة؛ بل مجرد هدية؛ لأن أخذ الأجرة على بيان الحكم الشرعي لايحل عندنا. (شامي ٨/٥٠ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۱۱/۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تراویح میں ختم قرآن پر حافظ صاحب کو تول کر پیسہ دینا

سوال (۱۰۵۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں پر قاری صاحب کے ایک صاحبزادے ہیں، انہوں نے رمضان المبارک کے مہینہ میں قرآن شریف سنایا تھا، قرآنِ کریم پورا ہونے پر عوام نے حافظ صاحب کو تولا اوران کے وزن کے موافق ان کو روپیہ پیش کئے، حافظ صاحب نے اس روپیہ کو قبول کرلیا، جب کہ حافظ صاحب اپنے گھر کے اعتبار سے خوش حال ہیں، اوران کے والد صاحب مالی اعتبار سے خوش حال ہیں، تو کیا عوام کا یہ عمل اور حافظ صاحب کا اس رقم کو قبول کرنا شرعی اعتبار سے درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ طریقہ بالکل غلط اور قابل ترک ہے، قرآن سنانے پر روپیہ لینا جائز نہیں ہے، اوراس طرح دینے والے بھی گنہگار ہیں۔

يمنع القاري للدنيا فالآخذ والمعطي اٰثمان. (شامي ٦/٥٦ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۱۱/۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

روپیہ زیادہ ملنے کے لالچ میں مال دار شہروں میں جانا اور کئی ختم سنانا؟

سوال (۱۰۵۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رمضان المبارک میں حفاظ کرام کو چندہ کرکے روپیہ دئے جاتے ہیں اور چندہ نہ دینے

والے شخص کو لعن طعن کیا جاتا ہے، اور روپیہ کے لالچ میں حافظ صاحب تین چار ختم قرآن سناتے ہیں اور مال دار شہر میں جاتے ہیں، تو اس طرح سے چندہ کرنے والے حفاظ کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے حفاظ بلا شبہ گنہگار ہیں، اور جبراً چندہ لینے والے بھی گناہ میں شریک ہیں۔

والاٰخذ والمعطي اٰثمان. (شامي ٦/٥٦ كراچي، شامي ٩/٧٧ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۹/۱۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک عرصہ تک تراویح پر اجرت لیتا رہا، بعد میں احساس ہوا، کیا حکم ہے؟

سوال (۱۰۵۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تراویح پر بسبب لاعلمی ایک عرصہ تک روپیہ لیتا رہا، پھر مسئلہ دریافت ہونے کے بعد خلاصی کی کیا صورت ہوگی؟ جب کہ پیسہ اپنے صرفہ میں لا چکا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر باقاعدہ معاملہ پہلے سے طے کرکے روپیہ لیا ہے، تو اتنی رقم معطین کو لوٹانی چاہئے، اور اگر بلا طے کئے ہوئے لوگوں نے اپنی خوشی سے دیا ہے اور آپ کی طرف سے صراحۃً یا دلالۃً کوئی مطالبہ نہیں ہوا، تو اب آپ پر کوئی ضمان نہیں ہے، اور آئندہ لینے سے احتیاط کی جائے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۳/۳۵۰، فتاویٰ رحیمیہ ۴/۳۹۱)

اكتسبت مالاً ردته على أربابه إن علموا وإلا تتصدق به وإن من غير شرط فهو لها. (شامي ٦/٥٥ كراچى، ٩/٧٦ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۷/۶/۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تراویح میں ختم قرآن پر ملی ہوئی اُجرت کو کیسے واپس کرے؟

سوال (۱۰۵۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے ایک بستی میں کئی سال پہلے تراویح کی نماز پڑھائی ساتھ ہی ساتھ ایک دو نمازوں کی امامت بھی کرائی قرآن شریف کے پورا ہونے کے وقت اہل بستی نے چندہ کرکے ایک شخص کو اپنا نمائندہ بنا کر اس کے توسط سے زید کو کچھ رقم دی، بعض حضرات نے فرداً فرداً نذرانہ بطور سلامی کے دیا، المعروف کالمشروط کے تحت چونکہ یہ رقم لینا حرام ہے، اس لئے زید اب چاہتا ہے کہ اس رقم کو واپس کرے اس کی ادائے گی کی کیا شکل ہے؟

(۲) زید چندہ کی رقم جو اس کو بطور نذرانہ کے ملی ہے کی ادائے گی کرنا چاہتا ہے، لیکن وہ اس بستی والوں کے نمائندے کو بھول چکا ہے، یا متولی بدل چکا ہے، تو کیا موجودہ متولی کو دینے سے وہ بری الذمہ ہو جائے گا؟

(۳) فرداً فرداً نذرانہ دینے والوں میں کچھ کا انتقال ہوگیا اور کچھ کو زید بھول گیا، تو ادائے گی کی کیا شکل ہے، میت کے ورثاء کو وہ رقم دینا ضروری ہے یا مستحق کو دینے سے ادا ہو جائے گی؟ اسی طرح فرداً فرداً بطور سلامی کے روپیوں کا اعادہ واجب ہے؟

(۴) فرداً فرداً نذرانہ دینے والوں کو ان کی رقم کے بقدر کوئی شئی خرید کر ہبہ کرنے سے وہ بری الذمہ ہو جائے گا؟ فرداً فرداً نذرانہ دینے والوں کی رقم کسی مستحق کو دی جائے، تو کیا وہ حافظ بری الذمہ ہو جائے گا؟

(۵) زید نے جس محلّہ میں تراویح کی نماز پڑھائی تھی اس وقت ایک ہی مسجد تھی، اب اس محلّہ میں تین مسجد ہیں، تو وہ اس رقم کو اسی مسجد میں جمع کرائے جہاں تراویح کی نماز پڑھائی تھی، یا تینوں مسجدوں میں بقدر حصص اندازے سے جمع کرائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآنِ کریم پر نذرانہ وغیرہ لینے کی ممانعت حق العباد

کی وجہ سے نہیں، بلکہ حق اللہ کی وجہ سے ہے، قرآنِ کریم پر اجرت لینے والا دراصل قرآن پاک کی ناقدری کا مرتکب ہوتا ہے، اس اجرت کے لینے سے کسی بندے کی حق تلفی نہیں ہوتی؛ کیوں کہ دینے والے عموماً اپنی مرضی اور خوشی سے نذرانہ پیش کرتے ہیں؛ لہٰذا مسئولہ تمام صورتوں میں زید پر صدق دل سے توبہ واستغفار لازم ہے، اور جو نذرانہ میں لی ہوئی رقم خرچ ہو چکی ہے، اس کو دینے والوں پر واپس کرنا لازم نہیں ہے، ہاں اگر بعینہٖ وہی نذرانہ کی رقم ابھی تک موجود ہو تو احتیاط یہ ہے کہ اس دینے والے پر لوٹا دیا جائے، یہ ممکن نہ ہو تو اس کی طرف سے صدقہ کردیا جائے۔

ولا لأجل الطاعات: الأصل عندنا أن كل طاعة يختص بها المسلم لايجوز الاستيجار عليها عندنا لقوله عليه الصلوة والسلام اقرؤا القرآن ولا تأكلوا به. (شامي ٧٦/٩ زكريا)

وبالجملة الممنوع بيع الثواب، وبنية القراءة لأجل المال غير صحيحة بل هو رياء لقصده أخذ العوض في الدنيا. (رسائل ابن عابدین ۱۸۰/۱، مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳۱۵/۱، انوار رحمت ۴۸۳، کفایت المفتی ۳۶۳/۳، فتاویٰ محمودیہ ۱۷۱/۷) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۷/۶/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تراویح میں پیسہ لے کر مدرسہ میں دینا؟

سوال (۱۰۵۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک مدرسہ میں مدرس ہے، زید نے رمضان المبارک میں قرآنِ پاک سنانے کی رخصت ارباب اہتمام سے لی، اور قرآنِ پاک سنانے کے لئے دوسری بستی میں چلا گیا، قرآن پاک جب پورا ہوا تو ان لوگوں نے کچھ رقم بطور ہدیہ پیش کی، زید نے وہ تمام رقم مدرسہ میں ارباب اہتمام کے سپرد کردی، زید کا یہ رقم اس طرح سپرد کرنا درست ہوا یا نہیں؟ اور ماہ رمضان المبارک کی تنخواہ ارباب اہتمام نے زید کو دی تو اس طرح یہ تنخواہ لینا جائز ہوا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح میں مشروط یا معروف طریقہ پر اجرت یا نذرانہ لینا درست نہیں ہے، اس لئے صورتِ مسئولہ میں زید کا اپنے لئے تراویح کے ختم پر ہدیہ لینا صحیح نہ ہوا، اب جو اس نے یہ رقم مدرسہ میں جمع کی ہے وہ دراصل رقم دینے والوں کی طرف سے سمجھی جائے گی، اور مدرسہ میں اس کا جمع کرنا درست ہوگا۔ مدرسہ والے اگر اس رقم سے اس مدرس کو اس کی مقررہ تنخواہ دیں تو کوئی حرج نہ ہوگا، اور بہتر یہ ہے کہ رقم دینے والوں کو اس کی اطلاع کردے کہ میں نے تمہاری دی ہوئی رقم مدرسہ میں دے دی ہے؛ تاکہ کسی طرح سے کوئی شرعی گنجلک نہ رہے۔

لقوله عليه الصلاة والسلام: اقرأ القرآن ولاتأكلوا به. (شامي ٦/٥٥ كراچی)

واستفيد المسألة من عبارة الدر الآتية: فينتفع الرافع بها لو فقيراً وإلا تصدق بها على فقير. (درمختار) فإن جاء مالكها بعد التصدق خير بين إجازة فعله ولو بعد هلاكها وله ثوابها. (درمختار مع الشامي ٤/٢٧٩ كراچی، ٦/٤٣٨ زكريا) **فقط** واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱۱/۱۸ ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

تراویح کا چندہ مسجد کے دیگر کارِ خیر میں صرف کرنا؟

سوال (۱۰۵۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تراویح کے لئے چندہ کرکے پھر اس کو مسجد یا دوسرے کارِ خیر میں صرف کرنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چندہ دہندگان اگر اجازت دے دیں تو اس رقم کو مسجد اور دیگر کارِ خیر میں صرف کیا جاسکتا ہے۔

وهو مالک فله أن يجعل ما له حيث شاء ما لم يكن معصية. (شامي ٤/٣٤٣

کراچی، ٦/٢٧٥ زکریا)

باقی چوں کہ تراویح میں اجرت دینا جائز نہیں؛ لہٰذا اس مقصد سے چندہ کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۶/۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اَحکام جمعہ

فضائل جمعہ سے متعلق ایک روایت کا صحیح مطلب

سوال (۱۰۵۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فضائل جمعۃ المبارک سے متعلق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے غسل کیا پھر نماز جمعہ کے لئے آیا اور جتنی نمازیں اس کے ذمہ تھیں وہ پڑھیں، پھر خاموش بیٹھا رہا، حتی کہ امام خطبہ سے فارغ ہوگیا پھر اس نے امام کے ساتھ نماز پڑھی، تو اس کے جمعہ سے لے کر گذشتہ جمعہ تک اور تین زائد دنوں کے گناہ معاف کردئے جاتے ہیں''۔ (مسلم شریف ۱/۲۸۳، مشکوٰۃ المصابیح)

تو سوال یہ ہے کہ: (۱) جتنی نمازیں اس کے ذمہ تھیں اس سے کونسی نمازیں مراد ہیں؟ (۲) تین زائدراتوں سے کون سی مراد ہیں، جمعہ سے اگلے تین یا گذشتہ جمعہ سے پہلے کے تین دن؟

میری ناقص سوچ میں جتنی نمازوں سے مراد اگر خطبہ جمعہ سے قبل کی چار سنتیں ہیں تو لفظ رکعتین ہوتا، اور اگر گذشتہ ہفتہ کی ضائع شدہ نمازیں ہیں تو ایسی صورت میں کیا ایک مؤمن سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ مسلسل نمازیں ضائع کردے، جب کہ ایک مؤمن اذان سنے اور نماز کو مسجد میں جماعت کے لئے نہ آئے، تو اس تساہل پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کس قدر لرزہ خیز وعید ہے کہ اس کے گھر میں آگ لگادوں، آپ کے زمانے میں تو کسی منافق کو بھی نماز باجماعت چھوڑنے کی جرأت نہ تھی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلم شریف کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: من

اغتسل ثم أتی الجمعة فصلی ما قدر له. (صحیح مسلم ۲۸۳/۱) (جس شخص نے غسل کیا پھر جمعہ کے لئے مسجد میں حاضر ہوا پھر حسب توفیق نماز پڑھی) یہ ترجمہ نہیں ہے کہ: ’’جتنی نمازیں اس کے ذمہ تھیں وہ پڑھیں‘‘۔

اب صحیح ترجمہ کے موافق حسبِ توفیق نمازوں سے مراد مطلق نوافل ہیں، جن میں سنتیں بھی داخل ہیں، اسی لئے امام نوویؒ شارح مسلم شریف لکھتے ہیں:

وفیه أن النوافل المطلقة لاحد لها لقوله علیه السلام فصلی ما قدر له.

(نووي علی صحیح مسلم ۲۸۳/۱)

قال الحافظ في الفتح: وفیه مشروعیة النافلة قبل صلوة الجمعة لقوله علیه السلام: صلی ما کتب له. (فتح الملهم ۳۹۹/۲)

فذلک مطلق نافله لا صلوة راتبة. (فتح الملهم ۳۹۹/۲)

اور تین زائد دنوں سے بظاہر گذشتہ کے تین زائد دن مراد ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۱۱/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

روایت میں تین زائد دنوں سے کیا مراد ہے؟

سوال (۱۰۵۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حدیث میں آتا ہے کہ جمعہ کی نماز سے ایک ہفتہ کے ساتھ مزید تین دن کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، تو ان مزید تین دنوں سے کون سے تین دن مراد ہیں، اور کیا اس سے مراد یہ ہے کہ تین دن گناہ کی چھوٹ حاصل ہو جاتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تین زائد دنوں سے کوئی متعین زائد دن مراد نہیں؛ بلکہ مطلقاً تین دنوں کا ثواب مراد ہے، اور اصل میں اس حدیث میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا ملتا ہے؛ لہٰذا جمعہ کا ثواب بھی دس گنا اس طریقہ پر ہوگا کہ گذشتہ ہفتہ کے سات دن کے

ثواب کے ساتھ دس کے عدد کی تکمیل کے لئے تین دن کا ثواب بھی جوڑ دیا جائے گا، اور مغفرت کی جو بات اس حدیث میں کہی گئی ہے اس سے صغیرہ گناہوں کی معافی مراد ہے، جو نیکیوں سے خود بخود ختم ہو جاتے ہیں، کبیرہ گناہوں کی معافی محض ان نیک اعمال سے نہیں ہو سکتی، ان کے لئے توبہ اور ندامت اور استغفار ضروری ہے؛ لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حدیث سے گناہ کی چھوٹ مل گئی ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من توضأ فأحسن الوضوء ثم أتى الجمعة فاستمع و انصت غفرله ما بينه و بين الجمعة و زيادة ثلاثة أيام. (صحيح مسلم ۲۸۳/۱)

قال العلماء: معنى المغفرة له ما بين الجمعتين و ثلاثة أيام أن الحسنة بعشر أمثالها، وصار به يوم الجمعة الذي جعل فيه هٰذه الأفعال الجميلة في معنى الحسنة التي تجعل بعشر أمثالها. (نووي على صحيح مسلم ۲۸۳/۱، مرقاة المفاتيح لملا علي القاري ۳۲۹/۳-۳۲۸ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۱۱/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس نے فجر کی نماز ادا نہیں کی کیا اس کا جمعہ نہ ہوگا؟

سوال (۱۰۵۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی شخص نے فجر کی نماز ادا نہیں کی تو کیا اس کے جمعہ کی نماز ہوگئی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس شخص نے فجر کی نماز ادا نہیں کی، اس کی نماز جمعہ بلاشبہ صحیح ہے، اگرچہ وہ شخص بڑا گنہگار ہو؛ البتہ اگر صاحب ترتیب ہے (جس کے ذمہ اس سے پہلے کوئی بھی قضا نماز نہ ہو) تو پہلے فجر کی نماز پڑھے پھر جمعہ کی نماز ادا کرے، ورنہ جمعہ صحیح نہ ہوگا۔

وإن فاتته أكثر من صلوات يوم وليلة أجزأته التى بدأ بها. (هداية ۱۳۸/۱)

ومن صلى العصر وهو ذاكر أنه لم يصل الظهر فهي فاسدة إلا إذا كان

فـی اٰخر الوقت وهي مسألة الترتيب. (هـداية ۱/ ۱۵٦، فتاویٰ دارالعلوم ٥/ ٧٥، ٤/ ٣٤٠)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۷/۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز جمعہ فرض ہے یا واجب؟

سـوال (۱۰٦۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز جمعہ فرض ہے یا واجب؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وبـالـلّٰـه الـتـوفـيـق: عاقل، بالغ، آزاد، مقیم شخص پر نماز جمعہ فرض ہے، بلا عذر شرعی اس کا ترک جائز نہیں۔

قـال الـلّٰـه تـعـالـیٰ: ﴿يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوْا الْبَيْعَ، ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ [الجمعة: ٩]

عـن جـابـر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنهما قال: خطبنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عـليه وسلم فقال: يا أيها الناس! توبوا إلى اللّٰه قبل أن تموتوا، وبادروا، بالأعمال الـصـالـحة قبـل أن تشـغـلـوا، وصلوا الذي بينكم وبين ربكم بكثرة ذكركم له، وكثرة الـصـدقة فـي السر والعلانية، ترزقوا وتنصروا وتجبَروا، واعلموا أن اللّٰه قـد افتـرض عـلـكـم الـجـمعة في مقامي هذا، في يومي هذا، في شهري هذا، من عـامـى هـذا إلـى يـوم الـقيـامة، فـمن تركها فى حياتي أو بعدي، استخفافا بها أو جـحـودا لها، فلا جمع اللّٰه شمله، ولا بارک له في أمره ...... الخ. (سنن ابن ماجة / باب في فرض الجمعة والصلاة والسنة وإقامه ٧٥ رقم: ١٠٨١)

فـنقول صلاة الـجـمـعـة فـريـضة لا يسع تركها ويكفر جاحدها. (الـفتاویٰ

التاتارخانية ٥٤٤/٢ رقم: ٣٢٥٧ زكريا، البحر الرائق ١٥٢/٢، فتح القدير ٦٣/٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۲/۶/۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اگر جمعہ فرض ہے تو چھوٹ جانے پر اس کی قضا کیوں واجب نہیں ہے؟

سوال (۱۰۶۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جمعہ فرض عین ہے یا واجب؟

اگر جمعہ فرض عین ہے تو جمعہ کی نماز جماعت سے چھوٹ جانے پر اس کی قضا کیوں نہیں ہے؟ جبکہ فرض عین وہ ہوتا ہے جس کی ادائیگی ہر حال میں ضروری ہو، چھوٹ جانے پر اس کی قضا ہوتی ہے، جیسے کہ پانچوں وقت کی نمازیں، ایسے ہی رمضان کے روزے وغیرہ، اگر یہ چھوٹ جائیں تو اس کی قضا کرنی پڑے گی جب کہ جمعہ میں ایسا نہیں ہے، تو کیا جمعہ، عیدین کی طرح واجب تو نہیں ہے؟ جس سے مقصد مسلمانوں کی اجتماعیت اور اتحاد نیز ان کے اجتماع سے مسلمانوں کی شان وشوکت کا رعب ڈالنا یعنی جس طرح عیدین میں مسلمانوں کا ایک ساتھ جمع ہوکر اجتماعیت اور اتحاد کا ثبوت دینا ہوتا ہے ایسے ہی جمعہ سے بھی اجتماعیت اور اتحاد کا اظہار مقصود ہو؟ اور جس طرح عیدین کی نماز جماعت سے چھوٹ جانے پر ان کی قضا نہیں ہوتی ہے ایسے ہی جمعہ کی بھی قضا نہیں ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ فرض نہیں بلکہ واجب ہے، اور صرف اجتماعیت اور اتحاد کے اظہار کے لئے ہے۔

فرض قضا:- ہر حال میں قضا پڑھنی پڑے گی۔

واجب وتر:- قضا ہونے پر پڑھنی پڑے گی۔

جمعہ واجب:- اگر چھوٹ جائے تو وتر واجب کی طرح جمعہ نہیں پڑھنا پڑے گا، اس سے یہ ثابت ہوا کہ وتر کی اہمیت زیادہ ہے اور جمعہ کی کم ہے؛ کیوں کہ وتر جیسی اہمیت ہوتی تو جمعہ بھی قضاء پڑھنے کا حکم ہوتا۔

عیدین واجب:- اسی طرح عیدین واجب سے مقصد جمعہ وعیدین کی نمازوں میں مسلمانوں کا مجمع، ازدہام، اجتماعیت کا حکم دیا گیا ہو، یہ شاید اس لئے ہے کہ غیر مسلمانوں پر شان وشوکت اتحاد واجتماعیت دبدبہ رعب ڈالنے کا مقصد ہے، مگر انفرادی طور پر جمعہ وعیدین کی نمازیں نہیں پڑھی جاسکتی اور نہ ہی پڑھنے کا حکم ہے، وضاحت کے ساتھ بتلانے کی زحمت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جس جگہ شرائط جمعہ پائی جائیں وہاں ظہر کے بجائے جمعہ کی نماز فرض عین کا درجہ رکھتی ہے قرآنِ کریم کی آیت: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ [الجمعة: ۹] سے بطور دلالت النص یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ نیز احادیثِ شریفہ سے بھی جمعہ کی فرضیت کا ثبوت ملتا ہے، اور دور نبوت سے آج تک امت کا جمعہ کی فرضیت پر اجماع وتعامل پورے عالم میں جاری ہے، جو بجائے خود جمعہ کی فرضیت کی روشن دلیل ہے، جمعہ ایسی نماز ہے جس کا قائم کرنا کچھ شرائط پر موقوف ہے پس جہاں ان شرائط میں سے کوئی شرط بھی مفقود ہوگی وہاں اصلی فرض وقت یعنی ظہر عود کر آئے گا۔

بریں بنا جب جمعہ کا وقت نکل جائے تو وقت کی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے اب جمعہ نہیں پڑھا جائے گا؛ بلکہ اصلی فرض وقت یعنی ظہر ادا کی جائے گی، اور جمعہ کو عید یا وتر پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ:

(۲) **الف:**- عید ووتر کا ثبوت دلیل قطعی سے نہیں؛ بلکہ اخبارِ آحاد سے ہے۔

ب:- جمعہ اور جمعہ کی نماز کو ظہر کے بدلہ میں فرض قرار دیا گیا ہے، جب کہ وتر وعید کی نمازیں مستقل طور پر واجب ہیں کسی اور نماز کا بدل نہیں ہیں۔

ج:- وتر کی نماز کی قضا کا حکم اس لیے ہے کہ اس کا وجوب مطلق ہے؛ لہٰذا ادائیگی بھی مطلقاً واجب ہے، وقت میں ہو یا وقت کے بعد۔

(۳) **د:**- اور عید کی نماز کا بعد میں قضا نہ کرنے کا حکم اس لئے ہے کہ وہ وتر کی طرح

مطلقاً واجب نہیں؛ بلکہ کچھ شرائط پر اس کا وجوب موقوف ہے، جہاں یہ شرائط نہیں پائی جائیں گی، وہاں عید واجب نہ ہوگی، اور چوں کہ عید کسی اور نماز کا بدل نہیں ہے اس لئے وقت گذرنے کے بعد اس کی ادائیگی کی کوئی صورت نہیں، اور جمعہ چوں کہ فرض ظہر کے قائم مقام فرض ہے؛ لہٰذا جہاں شرط نہیں پائی جائے گی، تو اصل فرض کا حکم لوٹ آئے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ شرائط کے تحقق کے وقت جمعہ کے دن جمعہ کی نماز فرض عین ہے اس کو واجب یا سنت وغیرہ کہنا درست نہیں۔

(۱) **قال الله تعالیٰ: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيۡنَ آمَنُوۡا اِذَا نُوۡدِیَ لِلصَّلَاةِ مِنۡ يَوۡمِ الۡجُمُعَةِ فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِكۡرِ اللّٰه.** [الجمعة: ۹]

إعلم أن الجمعة فريضة محكمة بالكتاب والسنة والإجماع يكفر جاحدها، أما الكتاب فهذه الآية أمر في السعي، ورتب الأمر بالسعي للذكر على النداء للصلاة، فالظاهر أن المراد بالذكر الصلاة. (تفسير مظهري ۹/ ۲۷۸، فتح القدير ۲/ ۴۷)

فرض الله الجمعة على كل مسلم رداً على من يقول: إنه فرض على الكفاية، وجمهور الأمة والأئمة أنها فرض على الأعيان لقوله تعالىٰ: إذا نودي للصلاة. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي ۹/جزء ۱۸/ ۱۰۵)

وثبت عن النبي عليه السلام أنه قال: واعلموا أن الله قد افترض عليكم الجمعة في مقامي هٰذا في يومي هٰذا في شهري هٰذا من عامي هٰذا إلى يوم القيامة فمن تركها في حياتي أو بعدي وله إمام عادل أو جائر استخفافا بها أو جحودًا لها، فلا جمع الله له شمله ولا بارک له في أمره ألا ولا صلاة له ولا زكوٰة له ولا حج له ولا صوم له ولا بر له حتى يتوب، فمن تاب تاب الله عليه. (سنن ابن ماجة ۱/ ۷۵ رقم ۱۰۸۱)

وقال عليه السلام: نحن الآخرون السابقون يوم القيامة بيد أنهم أوتوا الكتاب من قبلنا وأوتينا من بعدهم ثم هٰذا يومهم الذي فرض الله عليهم يعني الجمعة فاختلفوا فيه فهدانا الله له، والناس لنا فيه تبع اليهود غداً والنصارىٰ بعد

غد. (صحيح البخاري ١/ ١٢٠ رقم ٨٧٦، صحيح مسلم ١/ ٢٨٢ رقم: ٨٥٥، سنن أبي داؤد ١/ ١٥١ رقم: ١٠٥٢، سنن الترمذي ١/ ١١٢ رقم: ٤٩٨، سنن النسائي ١/ ١٥٤ رقم: ١٣٦٥)

وفي الفتاوىٰ التاتارخانية: صلاة الجمعة فريضة، وفي السغناقي: محكمة لا يسع تركها ويكفر جاحدها، وفي الحديث: من ترك ثلاث جمع تهاونا بها طبع الله على قلبه. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٢/ ٥٤٤ رقم: ٣٢٥٧ زكريا)

وأما الإجماع فلأن الأمة قد اجتمعت على فرضيتها، وأما المعقول فلأنا أمرنا بترك الظهر لإقامة الجمعة، والظهر فريضة لا محالة، ولا يجوز ترك الفريضة إلا لفرض هو أكد منه. (عناية مع فتح القدير لابن الهمام ٢/ ٥٠)

وفي الجمعة: واختيار المشائخ أنه إذا وجدت شرائط الجمعة فالفرض هو الجمعة إن أدرك وصلى، و إن لم يدرك ففرضه الظهر، ألا ترى أنه إذا أدركها ينوي فرض الجمعة، وإن فاتته ينوي قضاء فرض الجمعة. وأما بيان أصل الفرض في هٰذا الوقت فقد اختلف المشائخ فيه، قال بعضهم: أصل الفرض الظهر، إلا أنه إذا أدى الجمعة يسقط الظهر عنه، وقال بعضهم: أصل الفرض الجمعة، وقال بعضهم: الفرض إحداهما إلا أن الجمعة أفرضهما. وفي الظهيرية: الواجب كلاهما. وقال بعضهم على قول أبي حنيفة وأبي يوسف: أصل الفرض في هٰذا الوقت الظهر وقد أمرنا بإسقاطه بالجمعة، وفي الظهيرية: وهو المشهور. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٢/ ٥٤٥ رقم: ٣٢٥٨ زكريا)

(٢) وأما الوتر: فثبوتة بأخبار الآحاد، قال عليه السلام: الوتر حق فمن لم يوتر فليس منا، الوتر حق فمن لم يوتر فليس منا، الوتر حق فمن لم يوتر فليس منا. (سنن أبي داؤد ١/ ٢٠١ رقم: ١٤١٩)

وفي التاتارخانية: أنه سنة عند أبي يوسف ومحمد، وعن أبي حنيفة فيه

ثلاث روايات: واجب، وسنة، وفرض. والصحيح أنه واجب عنده، ومعناه أنه فرض عملا لا اعتقاداً حتى أن جاحدها لا يكفر. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳۳۸/۲ رقم: ۲۵۹۵ زکریا)

ولو ترک الوتر حتى طلع الفجر فعليه قضاءه في ظاهر رواية أصحابنا.

(الفتاویٰ التاتارخانية ۳۳۹/۲ رقم: ۲۵۹۹ زکریا)

وفي الحديث: من نام عن الوتر أو نسيه فليصل إذا ذكرها إذا استيقظ.

(سنن الترمذي ۱۰٦/۱ رقم: ٤٦٤)

(۳) وأما صلاة العيدين: فمن مشائخنا من قال في المسئلة روايتان: في إحدى الروايتين أنها واجبة، وفي إحدى الروايتين، هي سنة وعامة المشائخ على أن المذهب أنها واجبة. وفي الخلاصة: هو المختار. وفي الذخيرة: هو الأصح، وفي الزاد والأوجه: أنه واجبة. (الفتاویٰ التاتارخانية ٦۰۱/۲ رقم: ٤۳۰۹ زکریا)

فإن ترک في اليوم الأول في عيد الفطر بغير عذر حتى زالت الشمس من الغد. وفي الحجة: فوقتها من الغد كوقتها من اليوم الأول، فإن ترک من الغد لم يصل بعده، والقياس أنها إذا فاتت عن وقتها لا تقضي كما في الجمعة وإنما ترک القياس، والنص ورد في التاخير إلى اليوم الثاني بسبب العذر فما عداه يرد إلى ما يقضيه، فإن لم يفعل ففي اليوم الثالث، وفي جامع الجوامع قبل الزوال، وبعده لا، فإن لم يفعل فقد فاتت ولا يفعل بعد ذلک. (الفتاویٰ التاتارخانية ٦۰۳/۲ رقم: ۳٤۱۲ زکریا)

قال الزيد بن المنير: كأنهم قاسوها على الجمعة لكن الفرق ظاهر لأن من فاتته الجمعة يعود لفرضه من الظهر بخلاف العيد انتهى. وقال أبو حنيفة: يتخير بين القضاء والترک وبين الإثنتين والأربع. (فتح الباري ٤۷٥/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۲/۱۱/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ کی فرضیت کب ہوئی؟ اور پہلے جمعہ میں کتنے آدمی شریک تھے؟

سوال (۱۰۶۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز جمعہ کی فرضیت کب اور کہاں ہوئی؟ اور پہلے جمعہ میں کتنے آدمی شریک تھے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جمعہ مکہ معظّمہ میں فرض ہوچکی تھی؛ لیکن اس کی سب سے پہلے ادائیگی مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے فرمائی، اس پہلے جمعہ میں ۴۰؍حضرات شریک تھے، پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرماکر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے پہلا جمعہ محلّہ بنوسالم بن عوف میں ادا فرمایا۔

تتمة أولی: احتج بعض أکابرنا للمسألة بأن فرض الجمعة کان بمکة، ولکن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم لم یتمکن من إقامته هناک؛ وأقامها بالمدینة حین هاجر إلیها، ولم یقمها بقباء مع إقامته بها أربعة عشر یوماً، وهذا دلیل لما ذهبنا إلیه من عدم صحة الجمعة بالقری. أما أن فرض الجمعة کان بمکة، فبدلیل ما أخرجه الدارقطني من طریق المغیرة بن عبد الرحمٰن عن مالک عن الزهري عن عبید اللّٰه عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: أذن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم الجمعة قبل أن یهاجر ولم یستطع أن یجمع بمکة، فکتب إلی مصعب بن عمیر: أما بعد! فانظر الیوم الذي تجهر فیه الیهود بالزبور، فأجمعوا نساء کم وأبناء کم فإذا مال النهار عن شطره عن الزوال من یوم الجمعة فتقربوا إلی اللّٰه برکعتین قال: فهو أول من جمع حتی قدم النبي صلی اللّٰه علیه وسلم المدینة فجمع عند الزوال من الظهر وأظهر ذلک، ذکره الحافظ في "التلخیص الحبیر" ۱:۱۳۳، وسکت عنه. (إعلاء السنن ۳۳/۸-۳۴ دار الکتب العلمیة بیروت، فتاوی دارالعلوم ۶۸/۵ – ۷۱)

وأول جـمعة أقيمت في الإسلام الجمعة التي اقامها أسعد بن زرارة رضي اللّٰـه عـنـه أحـد النقباء الاثنى عشر فصلاها بالمدينة بأمره صلى اللّٰه عليه وسلم قبـل قـدومه المدينة ...... وأما أول جمعة جمعها رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فهو أنه لما قدم المدينة مهاجرا أنزل قباء على بني عمرو بن عوف، وأقام بها يوم الاثـنين والثلاثاء، والأربعاء، والخميس، وأسس مسجدهم ثم خرج يوم الجمعة عـامـداً الـمـدينة فأدركته صلاة الجمعة في بني سالم بن عوف في بطن وادٍ لهم، فـخطب، وصلى الجمعة بهم. (حـاشية رد الـمـحتار ۳/۳ زكريا، فتح القدير ۲/ ۵۱، المستدرك على الصحيحين ۳/ ۲۰٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۳/۱۲/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حضور ﷺ نے سب سے پہلا جمعہ کہاں پڑھایا؟

سوال (۱۰٦۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں پڑھا جانے والا پہلا جمعہ کونسا تھا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں سب سے پہلا جمعہ مدینہ منورہ کے قریب قبیلہ بنوسالم میں پڑھا گیا۔

قـال الإمـام أبـو جـعـفـر مـحـمـد بن جرير الطبري حدثني يونس بن عبد الأعـلـى قـال: أخبـرنـا ابنا وهب قال: حدثني سعيد بن عبد الرحمن الجمعي أنه بـلـغـه عـن خطبة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في أول جمعة صلاها بالمدينة في بني سالم بن عوف، الحمد للّٰه، أحمده واستعينه الخ. (تاريخ الطبري ۲ ۷)

وأمـا أول جـمـعة جمعها رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فهو أنه لما قدم

المدينة مهاجراً نزل في قباء على بني عمرو بن عوف، وأقام بها يوم الاثنين والثلاثاء، والأربعاء، والخميس، وأسس مسجدهم ثم خرج يوم الجمعة عامداً المدينة فأدركته صلاة الجمعة في بنى سالم بن عوف في بطن وادٍ لهم، فخطب، وصلى الجمعة بهم. (حاشية الرد المحتار ۳/۳ زكريا، فتح القدير ۱/۲ ٥، المستدرك على الصحيحين ۳/٦ ۲۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۵/۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ وعیدین کے لئے کیا کیا شرائط ہیں؟

سوال (۱۰۶۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جمعہ وعیدین کی ادائیگی کے لئے کیا کیا شرائط ہیں؟ یعنی کس گاؤں میں یا قصبہ یا شہر میں صحیح ہے اور کس میں نہیں؟ گاؤں کے تحت پوری پنچایت کا شمار ہوگا، یا صرف تنہا ایک گاؤں کا؟ نیز شہر قصبہ اور دیہات کی وضاحت فرمادیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ وعیدین کے قیام کے شرائط کتبِ فقہ میں مذکور ہیں، سب کا خلاصہ یہ ہے کہ اتنی بڑی آبادی ہونی چاہئے، جہاں عام ضروریات مہیا ہوسکیں اور ہمارے ملک میں کم وبیش تین ہزار کی آبادی میں یہ ضرورتیں مہیا ہوجاتی ہیں۔ اور یہ آبادی یکجا ہونی چاہئے، پوری پنچایت کا اعتبار نہیں ہے؛ البتہ اگر چند آبادیاں آپس میں ایسی مل جائیں کہ بیچ میں فاصلہ نہ رہے، تو ان سب کو ایک شمار کیا جائے گا۔

عن حذيفة قال: ليس على أهل القرى جمعة إنما الجمع على أهل الأمصار مثل المدائن. (المصنف لابن أبي شيبة ٤/ ٤٦ رقم: ٥١٠٠ المجلس العلمي)

إن الجمعة كانت واجبة على أهل القرى القريبة بالمدينة، وكانوا كلهم

يشهدون الجمعة بها. (إعلاء السنن ۳/۸ بيروت)

عن أبي حنيفة رحمه اللّٰه أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق، وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه، أو علم غيره يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهٰذا هو الأصح. (شامي ۳/ ۵-٦ زكريا)

وفي التاتارخانية: ثم ظاهر رواية أصحابنا لا تجب إلا على من يسكن المصر أو ما يتصل به، فلاتجب على السواد ...... وهذا أصح ما قيل فيه، وبه جزم في التجنيس. (شامي ۳/ ۲۷ زكريا)

ومن كان مقيماً في عمران المصر وأطرافه، وليس بين ذلك الموضع، وبين عمران المصر فرجة، فعليه الجمعة. (البحر الرائق ۲/ ۱٤۱، فتاوی خانية ۱/ ۱۷٤ بيروت، الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱٤٥ بيروت، كتاب المسائل ۱/ ٤۲۲، إمداد الأحكام ۲/ ۳٦۳، فتاوی دارالعلوم ۵/ ۳۵، فتاوی عثمانی ۱/ ۵٦۵، فتاوی محمودیه ۸/ ۱۳٤-۱٤۵ ڈابھیل) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۴/۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ کی نماز کے شرائط کیا ہیں؟

سوال (۱۰٦۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جمعہ کی نماز کی شرائط کیا کیا ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کے قیام کی بہت سی شرائط ہیں، جس کی تفصیل کتبِ فقہ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے، ان میں سے ایک بنیادی شرط بڑی آبادی کا ہونا ہے، جس میں عام ضروریات زندگی بآسانی مہیا ہوں، آج کل عموماً ڈھائی تین ہزار کی آبادی میں ایسی ضروریات مہیا ہوجاتی ہیں؛ لہٰذا ایسی آبادی میں جمعہ کا قیام جائز ہے۔

ويشرط لصحتها سبعة أشياء: الأوّل: المصر، الثاني: السلطان، والثالث:

وقت الظهر، الرابع: الخطبة فيه، الخامس: كونها قبلها، السادس: الجماعة، السابع: الإذن العام. (شامي ۲/٤ ۲کراچی، ۳/ ٥ زکریا)

عن علي رضي الله تعالى عنه أنه قال: لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع، وكان يعد الأمصار: البصرة والكوفة والمدينة والبحرين. (المصنف لعبد الرزاق، الصلاة / باب القرى الصغار ۳/ ۷۰ رقم: ٥١٩١، المصنف لابن أبي شيبة ۱/ ٤٣٩ رقم: ٥٠٥٩، إعلاالسنن، أبواب الجمعة / باب عدم جواز الجمعة في القرى ۸/ ۱، ادارة القرآن کراچی)

وهو ما حوله اتصل به أولا، وفي الشامية: فقد نص الأئمة على أن الفناء ما أعد لدفن الموتى وحوائج المصر كركض الخيل والدواب وجمع العساكر والخروج للرمي وغير ذلك. (شامي ۳/ ۷-۸ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۴/ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ میں کم از کم کتنے افراد کا شریک ہونا ضروری ہے؟

سوال (۱۰٦٦):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جمعہ کی نماز کی صحت کے لئے کتنے مقتدیوں کا ہونا ضروری ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کے قیام کے لئے کم از کم امام کے علاوہ تین مقتدیوں کا ہونا ضروری ہے جو خطبہ و جماعت میں شامل رہیں۔

السادس الجماعة: وأقلها ثلاثة رجال، ولو غير الثلاثة الذين حضروا الخطبة سوى الإمام بالنص؛ لأنه لابد من الذكر وهو الخطيب وثلاثة سواه بنص فاسعوا إلى ذكر الله. (شامي ۳/ ۲٤ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/۲/ ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا عورت پر بھی جمعہ فرض ہے؟

سوال (۱۰٦۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عورت جمعہ کی نماز پڑھ سکتی ہے یا نہیں، یا ظہر کی نماز پڑھے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عورتوں پر جمعہ فرض نہیں ہیں وہ ظہر کی نماز ادا کریں گی۔

عن طارق بن شهاب عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الجمعة حق واجب على كل مسلم في جماعة إلا على أربعة: عبد مملوك أو امرأة، أو صبي. (سنن أبي داؤد، الصلاة / باب الجمعة للمملوك والمرأة رقم: ١٠٦٧)

حتى لا تجب الجمعة على العبيد والنسوان. (الفتاویٰ الهندية ١٤٤/١)

وشرط وجوبها الإقامة والذكورة. (البحر الرائق ٢٦٤/٢)

وشرط لافتراضها ...... وذكورة محققة. (الدر المختار مع الشامي ١٥٣/٢ کراچی، ٢٨/٣ زكريا، شرح هدايه مع الفتح ٦٢/٢، الكنز المتواري في معادن لامع الدراري وصحيح البخاري ١٠/٦ موسسة الخليل پاكستان) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۹/۲۵ھ

عورت اگر نماز جمعہ میں شریک ہو جائے تو فریضہ ظہر اس سے ساقط ہو جائے گا

سوال (۱۰٦۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بہشتی زیور اختری ۱۱/۹۷-۸۰ / پر ایک مسئلہ درج ہے کہ عورت پر جمعہ کے دن نماز جمعہ واجب نہیں، اس کو ظہر کی نماز پڑھنی چاہئے؛ لیکن اس نے اگر ظہر کی نماز کے بجائے نماز جمعہ پڑھ لی تو اس کی نماز ادا ہو جائے گی اور اس کے سر سے نماز ظہر ساقط ہو جائے گی، تو دریافت طلب امر یہ

ہے کہ حکم کس صورت میں ہے، یعنی اس کی دو صورتیں ہیں: (۱) یہ کہ عورت نے مسجد میں آ کر پردے کے ساتھ امام کے پیچھے نماز جمعہ پڑھی؟ (۲) یہ کہ عورت نے اپنے گھر ہی میں نماز جمعہ کی نیت سے نماز جمعہ پڑھی، بہشتی زیور کے مسئلہ کا مصداق پہلی صورت ہے یا دوسری یا دونوں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بہشتی زیور کے مسئلہ کا مصداق پہلی صورت ہے، یعنی اگر عورت جمعہ کی جماعت میں شریک ہوجائے، تو اس کا فریضہ ادا ہوجائے گا، دوسری صورت یعنی گھر میں جمعہ پڑھنے سے فرض ادا نہ ہوگا۔

عن عبد الله يعني ابن مسعود رضي الله عنه قال: ماكان لنا عيد إلا في صدر النهار، ولقد رأيتنا نجمع مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في ظل الحطيم.

(رواه الطبراني في الكبير ١٠ رقم: ٩٦ ١٢٩، إعلاء السنن ٧٩/٨ رقم: ٢٠٦٠ دار الكتب العلمية بيروت)

ولا تجب الجمعة على مسافر ولا امرأة ولا مريض ولا صبي ولا عبد ولا أعمىٰ فإن حضروا وصلوا مع الناس أجزأهم عن فرض الوقت لأنهم تحملون فصاروا كالمسافر إذا صام. (هداية مع الفتح ٦٢/٢)

ومن لا جمعة عليه إن أدىٰ، جاز عن فرض الوقت الخ. كنز: من كان أهلا للوجوب كالمريض والمسافر والمرأة يجزئهم، ويسقط عنهم الظهر الخ. (البحر الرائق ٢٦٤/٢، الدر المختار كتاب الصلاة / باب الجمعة ١٥٥/٢ كراچی، ٣٩/٣ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ١٤٤/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۷/۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نمازِ جمعہ کہاں جائز ہے اور کہاں ناجائز؟

سوال (۱۰۶۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: آج کے دور میں نماز جمعہ کے لئے کیا کیا شرائط ہیں؟ یعنی کس جگہ جمعہ کی نماز جائز اور کہاں نا جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کسی گاؤں میں تین ہزار یا اس سے زائد آبادی ہو تو وہاں جمعہ درست ہوسکتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۸؍۱۳۷ ڈابھیل)

عن أبي حنيفةؒ أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها أساتيق وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث وهذا هو الأصح. (شامي، الصلاة / باب الجمعة ٣/٦-٥ زكريا، بدائع الصنائع ١/٥٨٤-٥٨٥ كراچی، البحر الرائق ٢/٢٤٦ كوئٹه، حلبي كبير ٥٠٠ لاهور)

وأعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لاتكا. تنضبط بحال وإن نص ولذاترك الفقهاء تعريف المصر على العرف. (فيض الباري / باب الجمعة في القرى ٢/٣٢٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷؍۲؍۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قریۂ کبیرہ اور شہر میں جمعہ

فناءِ شہر میں جمعہ قائم کرنا

سوال (۱۰۷۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ اخلاق العلوم شہر سے متصل محلّہ چکر کی ملک میں واقع ہے، اس محلّہ کی زیادہ تر آبادی اہل بدعت پر مشتمل ہے، مدرسہ ہٰذا کی کوئی مسجد نہیں ہے، مدرسہ کے ایک کمرہ میں پنج وقتہ باجماعت نماز ہوتی ہے، ویسے تو محلّہ کے اندرہ بہت سی مسجدیں ہیں؛ لیکن وہ بدعتیوں کی ہیں، اور کافی دور ہیں، اس لئے جمعہ کی نماز کے لئے شہر جانا دشوار ہوتا ہے، ایسے حالات کے پیش نظر جمعہ کی نماز پڑھ لی جائے تو جائز ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ محلّہ شہر سے بالکل متصل ہے؛ لہٰذا وہاں کے باشندوں پر جمعہ کی ادائیگی فرض ہے، پھر چوں کہ ادائیگی جمعہ کے لئے مسجد کا ہونا ضروری نہیں، اس لئے مدرسہ کے مذکورہ کمرہ میں بھی جمعہ کی نماز ادا کی جاسکتی ہے، گو کہ مسجد کا ثواب نہ ملے گا۔

وكما يجوز أداء الجمعة في المصر يجوز أدائها في فناء المصر. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱٤٥)

بخلاف الجمعة فتصح إقامتها في الفناء ولو منفصلا بمزارع؛ لأن الجمعة من مصالح البلد. (شامی ۲/ ٦٠ زکریا)

عن نافع عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما أنه قال: الجمعة على من أواه المراح،

وفي رواية عن إبراهيم قال: تؤتي الجمعة من فرسخين. (المصنف لابن أبي شيبة ٤/ ٤٩ رقم: ٥١١٣-٥١١٤، المجلس العلمي، الفقه الإسلامي وأدلته ٢/ ٢٤٠ سهارنپور) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۵/۲/۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

آدھا کلومیٹر کی آبادی فناءِ شہر میں داخل ہے

سوال (۱۰۷۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے گاؤں ''بوردا'' میں کل آبادی تقریباً ۶۰۰/ افراد کی ہے، ہمارے گاؤں میں دو تین کرانہ کی چھوٹی دوکانیں ہیں، اس کے علاوہ عام ضروریات کی چیزوں کے لئے ہمارا گاؤں قریبی گاؤں ''گوپال پور'' سے جڑا ہوا ہے، اور ساری ضرورتیں وہیں سے پوری ہوتی ہیں، ہمارے گاؤں میں اب تک جمعہ نہیں ہوتا تھا، اور لوگ نصف کلومیٹر دور گوپال پور میں جمعہ ادا کرنے جاتے تھے، لیکن کچھ دنوں سے ایک مفتی صاحب نے ہمارے گاؤں میں جمعہ شروع کرادیا ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہمارے گاؤں میں جمعہ قائم ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہوسکتا اور پھر بھی قائم کرایا جائے تو ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسبِ تحریر سوال جب آپ کی بستی اور گوپال پور کی آبادی میں صرف آدھا کلومیٹر کا فاصلہ ہے تو یہ بستی گوپال پور کی فنا میں داخل ہے، اور یہاں جمعہ قائم کرنا درست ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: تؤتى الجمعة من فرسخين. (المصنف لابن أبي شيبة ٤/ ٥٣ رقم: ٥١٣١)

عن الزهري: أنهم كانوا يشهدون الجمعة مع النبي صلى الله عليه وسلم من ذي الحليفة. (المصنف لابن أبي شيبة ٤/ ٥٢ رقم: ٥١٢٧)

أنها تصح إقامتها في الفناء ولو منفصلاً بمزارع، فإذا صحت في الفناء؛ لأنه ملحق بالمصر يجب على من كان فيه أن يصليها؛ لأنه من أهل المصر. (شامي ۲۷/۳ زكريا)

قال الكمال: وفناءه هو المكان المعد لمصالح متصلاً به أو فصل بغلوة، كذا قدّره محمد في النوادر، هو المختار ...... فإن الإمام لم يقدر الفناء بمسافةٍ وكذا جمع من المحققين، وهو الذي لا يُعدل عنه، فإن الفناء بحسب كبر المصر وصغره ...... وبعضهم قدره بفرسخ وبثلاثة فرسخ، ثم قال الكمال: بميل، وقيل : بميلين، وقيل: بثلاثة اميال، وقيل: إنما تجوز فى الفناء إذا لم يكن بينه وبين المصر مزرعة، ...... وبعضهم قدره بستة أميال......، وعن ابي يوسف أن المعتبر فيه سماع النداء......، وعن الحسن البصري رحمه الله تعالى: إنما تجب فى أربع فراسخ....... (كذا في رد المحتار ۱۳۹/۲ كراچی، بدائع الصنائع / وأما شرائط الجمعة ۵۸۵/۱ رشيديه، فتاوی محموديه ۶۱/۸ ڈابھیل، فتاویٰ محموديه ۲ ۲۸۷/۱ میرٹھ)

وأما تفسير توابع المصر فقد اختلفوا فيها ...... وقال بعضهم : أن أمكنه أن يحضر الجمعة ويبيت بأهله من غير تكلف، تجب عليه الجمعة، وإلا لا، وهذا أحسن. (بدائع الصنائع / شرائط الجمعة ۵۸۵/۱ رشيديه) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۷/۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قریہ کبیرہ میں نماز جمعہ

سوال (۱۰۷۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک دیہات جس کی آبادی ساڑھے تین ہزار افراد کی ہے، زندگی کی تمام ضرورتیں بآسانی مہیا ہوجاتی ہیں، اور اب تک گاؤں کے لوگ سٹھلہ جو گاؤں سے تقریباً ایک کلومیٹر دوری پر واقع ہے وہاں جاکر نماز جمعہ ادا کرتے ہیں، گذشتہ ماہ رمضان سے ایک امام نے اپنی ذمہ داری لیتے ہوئے نماز جمعہ شروع کردی ہے، کیا اس صورت میں نماز جمعہ جاری رکھا جائے یا ختم کردیا جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعۃً مذکورہ بستی کی آبادی ۳؍۴؍ ہزار کے درمیان ہے اور وہاں ضروریاتِ زندگی بآسانی مہیا ہو جاتی ہیں تو ایسی جگہ نماز جمعہ پڑھنے میں شرعاً مضائقہ نہیں ہے، یہ بستی قریہ کبیرہ کے حکم میں ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۸؍۶۴-۶۷ ڈابھیل، بہشتی زیور اختری ۱۱؍۸۰، فتاویٰ دارالعلوم ۵؍۶۶، امداد الفتاویٰ ۱؍۶۷۲)

عن الحسن ومحمد رحمهما اللّٰه أنهما قالا: الجمعة في الأمصار.

(المصنف لابن أبي شيبة ٤/ ٤٦ رقم: ٥١٠١)

ويشترط لصحتها سبعة أشياء الأول: المصر، ما لايسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها وعليه فتوىٰ أكثر (در مختار) عن أبي حنيفة أنه بلدة كبيرة فيها سكك و أسواق، ولها رساتيق، وفيها وال يقدرعلى انصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه أو علم غيره يرجع الناس إليه فمما يقع من الحادث وهذا هو الأصح. (شامي / باب الجمعة ٢/ ١٣٧ كراچی، ٣/ ٦-٥ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲؍۱۰؍۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چھوٹی دو بستیوں کو قریہ کبیرہ کے درجے میں رکھ کر جمعہ قائم کرنا؟

سوال (۱۰۷۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرا تعلق ایک ایسے ادارہ سے ہے جو دو گاؤں کے بیچ میں واقع ہے، دونوں گاؤں کی آبادی ووٹر لسٹ کے اعتبار سے ۳۴؍سو سے زائد ہے، اور مختلف انداز کی دوکانیں بھی موجود ہیں، اور ضرورت کی تمام چیزیں ملتی ہیں، دونوں گاؤں میں دو دو مسجدیں ہیں، اور ان میں سے ایک ایک مسجد اہل بدعت کی ہے، ایک پانچویں مسجد دونوں بستیوں کے بیچ میں واقع ہے، جس کی بنیاد جامع مسجد کے نام پر پڑی تھی، اور اب تک اس جامع مسجد میں عیدین کی نماز ہوتی چلی آرہی ہے، اور بقیہ

دو گاؤں کی مسجد میں اہل بدعت جمعہ پڑھتے ہیں، اپنے لوگ شروع ہی سے دیہات میں جمعہ کے قائل نہ ہونے کی وجہ سے جمعہ نہیں پڑھتے ہیں، اب اہلِ بدعت کے جمعہ پڑھنے کی وجہ سے اپنے لوگ بھی اصرار کر رہے ہیں کہ اس جامع مسجد میں بھی جمعہ قائم کیا جائے، جو ادارے سے متعلق ہے، تو اس بارے میں کیا کیا جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دونوں بستیوں کی آبادی اتنی مل گئی کہ دونوں دیکھنے میں ایک ہی معلوم ہوتی ہیں، اور وہاں سب ضروریاتِ زندگی بھی مہیا ہوجاتی ہوں تو اس مجموعی آبادی کو قریہ کبیرہ قرار دے کر وہاں جمعہ کے قیام کی گنجائش ہے؛ لیکن اس بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے علاقہ کے معتبر علماء ومفتیان کو آبادی کا معائنہ کرا کر ان سے رائے لی جائے؛ تاکہ صحیح نتیجہ تک پہنچا جاسکے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/۶۱۴-۶۱۶، ۱/۶۶۷-۶۶۹، فتاویٰ محمودیہ ۱۴/۲۳۳)

والمختار للفتویٰ: أن من كان على قدر فرسخ من المصر يجب عليه حضور الجمعة، وفي الحجة: وقال الشيخ الإمام حسام الدين: يجب على أهل البلد و على أهل المواضع القريبة إلى البلدة التي هي من توابع العمران الذين يسمعون الأذان بأعلى الصوت وهو الصحيح لزوما وإيجابا. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/۵۵٤ رقم: ۳۲۷٦ زكريا)

لأنها متحدان حكماً. (شامي ۲/٦۰۷ كراچی)

ومن كان مقيماً فى اطراف المصر ليس بينه وبين المصر فرجة؛ بل الأبنية متصلة إليه، فعليه الجمعة، وإن كان بينه وبين المصر فرجة من المزارع والمراعى، فلا جمعة عليه وإن كان يسمع النداء. (حلبی كبير ۵۵۲ لاهور، وكذا في الفتاویٰ الهندية ۱/۱٤۵، البحر الرائق ۲/۲٤۸ رشيدية، فتاوی محموديه ۸/۱٦۱ ڈابهيل)

عن عائشة زوج النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنها قالت: كان الناس ينتاوبون الجمعة من منازلهم ومن العوالي. (سنن أبي داؤد ۱/۱۵۸ امداديه ملتان)

ومن لا جمعة عليه إن أداها، جاز عن فرض الوقت. (الفتاوى الهندية ۱/۱٤٤-۱٤٥ رشيدية)

عن أبي حنيفةؒ أنه بلدة كبيرة فيها سلك وأسواق ولها أساتيق وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته بعلمه أو علم غيره يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث وهذا هو الأصح. (شامي ٦/٣-٥ زكريا، بدائع الصنائع ۱/٥٨٤-٥٨٥ كراچی، البحر الرائق ۲/۲٤٦ كوئٹه، حلبي كبير ٥٠٠ لاهور)

وأعلم ان القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لاتكاد تنضبط رجال وإن نص ولذاترك الفقهاء تعريف المصر على العرف. (فيض الباري ۲/۳۲۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۲۱/۲/۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قریہ کبیرہ کے حکم میں آنے والی بستیوں میں جمعہ کا حکم؟

سوال (۱۰۷۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک بستی جو کہ کوتوالی دیہات کے قریب واقع ہے، بستی کی شکل یہ ہے کہ تھے پور اور گانوڑی کے نام سے موسوم ہے، اور دونوں بستیاں بلا حد فاصل متصل ہے، اور یہ بستیاں اعداد وشمار کے مطابق ۳۱۵۰/ افراد پر مشتمل ہے، بستی میں چند پرچون کی دکانیں ہیں، جن میں بعض ضرورت کا سامان دستیاب ہوتا ہے، اور بعض سامان نہیں ہوتا، گاؤں میں مستقل ہسپتال تو نہیں البتہ ایک ڈاکٹر اور حکیم مستقل رہتا ہے، گاؤں میں فی الحال تو تجہیز وتکفین کا سامان نہیں ہے؛ البتہ ایک معتبر شخص مستقل رکھنے کے لئے تیار ہے، گاؤں میں جونیر ہائی اسکول وپنچایت گھر موجود ہیں، ان کے علاوہ گاؤں میں ہفتہ واری بازار لگتا ہے، بستی میں ایک مدرسہ اور تین مساجد وعیدگاہ ہیں، جواب طلب امر یہ ہے کہ کیا اس بستی میں شرعی نقطہ نظر سے جمعہ درست ہوگا یا نہیں؟ نیز اگر مذکورہ بستی میں جمعہ درست ہوگا تو کیا تینوں مسجدوں میں جمعہ پڑھا جائے گا یا صرف کسی ایک مسجد میں؟ اس کی بھی وضاحت فرمادیں۔ مندرجہ بالا مسئلہ کا مفصل ومدلل جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکر کردہ دونوں بستیاں جو آپس میں متصل ہیں، ان کی مجموعی آبادی بھی حسبِ تحریر سوال تین ہزار سے زائد ہے، تو ایسی آبادی قریہ کبیرہ کے حکم میں ہے، اور وہاں جمعہ کا قیام جائز ہے، اور بہتر ہے کہ سب لوگ متفق ہوکر کسی ایک مسجد کو جامع مسجد قرار دیں، اور وہیں جمعہ پڑھا جایا کرے، ہر مسجد میں جمعہ کا قیام لازم نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۱۷ ۶، بہشتی زیور ۱۱/ ۸۱، ایضاح المسائل ۶۴ - ۶۵، کتاب المسائل ۱/ ۴۲۲-۴۲۳)

عن عمر رضي اللّٰہ عنه أنه كتب إلى أبي موسىٰ، و إلى عمرو بن العاص، وإلى سعد بن أبي وقاص رضي اللّٰہ عنهم أن يتخذ مسجد جامعا و مسجد للقبائل، فإذا كان يوم الجمعة انضموا إلى المسجد الجامع فشهدوا الجمعة. (أخرجه ابن عساكر فى مقدمة تاريخ دمشق، كذا في تلخيص الحبير، إعلاء السنن ۸/ ۰ ۹ رقم: ۸ ۰ ۲ دارالكتب العلمية)

وتقع فرضاً في القصبات والقرى. (شامي ۳/ ۶ زكريا)

تؤدى في مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقًا على المذهب، وعليه الفتوى. (شامي ۳/ ۱۵ زكريا، شامي ۲/ ۱٤٤ كراچی، كذا في البحر الرائق ۲/ ۲٤۹، فتح القدير ۲/ ۵۳، الفتاوىٰ التاتارخانية ۲/ ۰ ۵۵ زكريا، كذا في البدائع الصنائع ۱/ ۵۸۶)

ومن كان مقيماً فى اطراف المصر ليس بينه وبين المصر فرجة بل الأبنية متصلة إليه، فعليه الجمعة. (حلبى كبير لاهور ۲ ۵۵، وكذا في الفتاوى الهندية ۱/ ۱٤۵ رشيدية، البحر الرائق ۲/ ۲٤۸ رشيدية)

عن عائشة زوج النبي صلى اللّٰہ عليه وسلم أنها قالت: كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم ومن العوالى. (سنن أبي داؤد ۱/ ۱۵۸ ملتان) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۵/ ۳/ ۱۴۳۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دس ہزار والی بستی میں جمعہ کا حکم

سوال (۱۰۷۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری بستی میں ۱۰ ہزار سے زائد آبادی ہے، روزمرہ کی ضروریات ہماری ہی بستی سے پوری ہوجاتی ہے، اور اس مرتبہ مردم شماری میں باون فیصد مسلمان ہیں، لیکن ہمارے گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا ہے، تو اب جمعہ کی شرائط کے لیے کتنی چیزوں کا ہونا ضروری ہے، ندائے شاہی اگست کے مضمون کے بعد ہمارے یہاں بہت سے ساتھی جمعہ کے قائل ہیں، تفصیلی جواب سے مطلع کریں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دس ہزار والی بستی شہر کے حکم میں ہے، وہاں کے رہنے والوں پر جمعہ پڑھنا ضروری ہے، لہٰذا سوال میں مذکورہ بستی میں جمعہ ضرور قائم کرنا چاہئے۔

لا تصح الجمعة إلا في مصر جامع أو في مصلی المصر عن علي رضي اللّٰه عنه قال: لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع أو في مدينة عظيمة، رواه ابن أبي شيبة في مصنفه موقوفا عليه، وصححه ابن حزم، وقال أبو حنيفة رحمه اللّٰه: المصر كل بلدةفيها سكک وأسواق وبها رساتيق ووال ينصف المظلوم من الظالم وعالم يرجع إليه في الحوادث. (فتح القدير مع الهداية ۲/۵۲-۵۱ دار الفكر بيروت، شامي ۳/۵-۶ زكريا، بدائع الصنائع ۱/۵۸۴-۵۸۵ كراچى، البحر الرائق ۲/۱۴۰ كوئٹه، حلبي كبير ۵۵۰ لاهور) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۶/۱۱/۲۵ھ

ساڑھے تین ہزار کی آبادی میں جمعہ

سوال (۱۰۷۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بندہ ایک دیہات کا رہنے والا ہے، جس کی آبادی تقریباً ۳۵/سو افراد پر مشتمل ہے، جس میں ۹۸ فیصد مسلم آبادی ہے، گاؤں میں تین مسجدیں ہیں اور ایک مدرسہ بھی بفضلہٖ تعالیٰ قائم ہے، جس

میں تقریباً ۲۵۰ بچے پڑھتے ہیں، جن کا مکمل خرچ مدرسہ ہی برداشت کرتا ہے، ایک چوتھی مسجد کی بنیاد مدرسہ میں پڑ چکی ہے، مگر مالی فقدان کی وجہ سے اس کی تعمیر تک مکمل نہ ہوسکی اور نہ نماز شروع ہوئی، اس لئے بچے مدرسہ کے درجہ حفظ کے ہال میں ہی پنج وقتہ نمازیں ادا کرتے ہیں، گاؤں کے بیچ میں کوئی بڑا میڈیکل وغیرہ بھی نہیں ہے، البتہ گاؤں سے دو کلومیٹر کی دوری پر ایک چوراہہ ہے جہاں پر ضرورت کی تمام چیزیں مہیا ہیں، مگر راستہ صحیح ہونے کی وجہ سے اس چوراہہ پر جاکر اپنی ضرورت پوری کرنے میں پریشانی نہیں ہوتی، البتہ گاؤں میں ۵ پرچون کی دوکانیں ہیں، جن سے روزمرہ کی ضروریات پوری کی جاتی ہیں، چوں کہ مدرسہ کے قیام سے پہلے سے ہی جمعہ کی نماز ہورہی ہے، اس لئے مدرسہ کے اساتذہ انتشار کے پیش نظر منع نہیں کرتے؛ لیکن چوں کہ نماز انہیں کو پڑھانی پڑتی ہے اس لئے اندر سے دل مطمئن نہ ہونے کی وجہ سے پریشان ہوتے ہیں، جب کہ کچھ لوگ اپنی ظہر کی نماز بھی پڑھتے ہیں، تو کیا ایسے مذکورہ گاؤں میں جمعہ کی نماز جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسبِ تحریر سوال چوں کہ مذکورہ بستی کی آبادی ساڑھے تین ہزار نفوس پر مشتمل ہے، اور وہاں روزمرہ کی ضروریات دستیاب ہیں، اس لئے اس آبادی میں جمعہ قائم کرنا درست ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/۶۷۵، فتاوی محمودیہ ۸/۳۸ ڈابھیل، کفایت المفتی ۳/۱۸۲)

عن أبي حنيفة رحمه اللّٰه أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق، ولها أساتيق وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته بعلمه أو علم غيره يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث وهذا هو الأصح. (شامي ٣/٦-٥ زكريا، بدائع الصنائع ١/٥٨٤-٥٨٥ كراچی، البحر الرائق ٢/٢٤٦ كوئٹه، حلبي كبير ٥٥٠ لاهور)

وأعلم ان القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لاتكام تعضبط رجال وإن نص ولذاترك الفقهاء تعريف المصر على العرف. (فيض الباري ٢/٣٢٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/۲/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ساڑھے تین ہزار والی بستی میں جمعہ پڑھنا واجب ہے اوراس کی مخالفت جائز نہیں

سوال (۱۰۷۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک بستی دھنو پورہ جس کی آبادی تقریباً ساڑھے تین ہزار ہے، اوراس کے بالکل متصل ایک بستی چاند بہٹ ہے، اس کی آبادی تقریباً چھ ہزار ہے، اور دیکھنے سے دونوں بستیوں کے درمیان کوئی فرق بھی معلوم نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ دونوں بستیاں ایک ہی معلوم ہوتی ہیں، دھنو پورہ میں کپڑے کی دوکان، سلائی کی دوکان، ڈاکٹر اور پرچون کی دوکانیں ہیں۔ درجہ آٹھ تک سرکاری اسکول بھی ہے، اور قبرستان بھی ہے، دھنو پورہ جانے کے لئے شہر ہردوئی سے دوراستے ہیں، ایک راستہ مشرق کی جانب سے اور ایک راستہ اتر - دکھن کے درمیان سے، مگر اتر دکھن کے درمیانی راستہ میں دھنو پورہ کی آبادی کے درمیان اتنا فصل ہے کہ پیدل چلنے پر درمیانی رفتار سے تقریباً پانچ منٹ لگتے ہیں، جس کا تجربہ گاؤں کے ایک صاحب نے کیا ہے، اور مشرق کی جانب کے راستہ سے دھنو پورہ چاند بہٹہ اور ہردوئی شہر کی آبادی کے درمیان بالکل اتصال ہے، تینوں بستیاں ایک معلوم ہوتی ہیں، نیز دومفتیانِ کرام نے دھنو پورہ جاکر دونوں راستوں کا بالتفصیل معائنہ کیا ہے، اور دھنو پورہ کی آبادی وغیرہ کا اور دھنو پورہ میں جواز جمعہ کا حکم لگایا؛ البتہ ایک دوسرے مفتی صاحب کا کہنا ہے کہ دھنو پورہ میں جمعہ جائز نہیں، نیز دھنو پورہ میں بعض بدعتی بھی ہیں، جن کا کہنا ہے کہ اگر یہاں جمعہ نہیں ہوگا تو ہم بریلوی امام کو رکھیں گے اور دونوں مفتیان کے معائنہ کرنے کے بعد کچھ دن سے دھنو پورہ میں نماز جمعہ ادا بھی کی جارہی ہے، برائے مہربانی حکم شرعی سے مطلع فرمائیں کہ دھنو پورہ جس کی کیفیت تفصیل کے ساتھ اوپر تحریر ہے کیا اس میں نماز جمعہ جائز ہے؟ دونوں مفتیانِ کرام جنہوں نے باقاعدہ معائنہ کیا ہے اور جواز جمعہ کا حکم لگایا ان کی بات شریعت کے مطابق ہے؟ یا ان مفتی صاحب کی جو عدم جواز جمعہ کے قائل ہیں؟ واضح فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ موضع دھنو پورہ قریہ کبیرہ ہے اس لئے کہ اس کی آبادی ساڑھے تین ہزار کے قریب ہے، اوراشیاءضروریہ بھی مہیا ہیں؛ لہٰذا وہاں جمعہ پڑھنا نہ صرف جائز؛ بلکہ واجب ہے، اور وہاں ظہر پڑھنا کافی نہیں ہے؛ لہٰذا جن حضراتِ مفتیان نے معائنہ کے بعد اس بستی میں نماز جمعہ قائم کرنے کا فتویٰ دیا ہے، ان کا موقف درست ہے، اس کی مخالفت کرنے والوں کی رائے صحیح نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ٦٦/٥، امداد الفتاویٰ ٦٢١/١، فتاویٰ محمودیہ ١٣٦/٩ ڈابھیل، امداد الاحکام ٣٦٣/٢)

عن علي رضي اللّٰه عنه قال: لا جمعة ...... إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة. (المصنف لابن أبي شيبة ٤٦/٤ رقم: ٥٠٩٩)

وقيل ما فيه أربعة آلاف رجال إلى غير ذٰلک، وليس هذا كله تحديد له، وحاصله: ادارة الأمر على رأي أهل كل زمان في عدهم المعمورة مصرا، فما هو مصر في عرفهم، جازت الجمعة فيه، وماليس بمصر لم يجز فيه إلا أن يكون فناء المصر. (الكوكب الدري / باب ما جاء في ترك الجمعة من غير عذر ٤١٣/١ ادارة القرآن كراچی)

وتقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق إلى أن قال: وفيما ذكرنا إشارة إلى أنها لا تجوز في الصغيرة. (شامي ٦/٣-٧ زكريا، شامي ١٣٨/٢ كراچی، البحر الرائق ١٤٨/٢ كوئٹه، الفتاویٰ التاتارخانية ٥٥٤/٢ رقم: ٣٢٧٨ زكريا، بذل المجهود ٧٠/٢ قديم، حلبي كبير ٥٥٠ لاهور، عنايه مع الفتح ٥٣/٢ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ١٦/٣/١٤٢٣ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تین ہزار کی آبادی میں جمعہ پڑھنا؟

سوال (١٠٧٨): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: موضع ’’کرواں‘‘ کی آبادی تقریباً تین ہزار یا اس سے کچھ زیادہ ہوگی، جس میں دو مکان مسلمانوں کے ہیں۔ اور ایک محلّہ مہوبہ چند پورہ جس میں چھ مکان مسلمانوں کے ہیں اور ضرورت کی تقریباً سبھی چیزیں دستیاب ہیں، مگر مسجد نہیں ہے، کچھ باہر سے آئے ہوئے دوکاندار اور کچھ مقامی حضرات مل کر ایک مخصوص جگہ پر نماز ادا کرتے ہیں، وہ جگہ مسجد کے طور پر استعمال ہوتی ہے، ہر کسی کو وہاں آکر نماز پڑھنے کی اجازت ہے، دن میں دو وقت اذان کے ساتھ نماز ہوتی ہے، مغرب اور اور عشاء اور فجر کی نماز نہیں ہوتی؛ کیونکہ باہر کے آئے ہوئے دوکاندار واپس چلے جاتے ہیں، آپ سے گزارش ہے کہ فتوی دیں کیا ایسے گاؤں میں نماز جمعہ ہوسکتی ہے؟ اگر وہاں نماز جمعہ نہیں ہوسکتی تو کیا انگنے پور میں نماز جمعہ پڑھی جاسکتی ہے؟ جو اس گاؤں سے متصل آدھا کلومیٹر ایک موضع ہے، جس میں مسلم آبادی تقریباً ۴۰۰/ یا ۵۰۰/ کے بیچ میں ہے اور اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ شرعی حکم واضح فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس گاؤں کی آبادی تین ہزار سے زائد ہو اور وہاں ضرورت کی اشیاء بآسانی دستیاب ہوں جیسا کہ سوال میں موضع ’’کراواں‘‘ کے بارے میں لکھا گیا ہے تو وہاں جمعہ قائم کرنا درست ہے؛ تاہم بہتر یہ ہے کہ قریب کے کسی معتبر عالم سے اس آبادی کا معائنہ کرالیا جائے اور ان کی تائید کے بعد جمعہ شروع کیا جائے، اور جس مزرعہ کی آبادی صرف ۵۰۰/ گھروں پر مشتمل ہے ہندو مسلم ملاکر تین ہزار تک نہیں پہنچتی، وہاں جمعہ قائم کرنا درست نہ ہوگا۔

(مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/۶۲۲، فتاویٰ محمودیہ ۶/۸ ۱۳ ڈابھیل)

وشرط أدائها المصر وهو كل موضع له أمير وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود أو مصلاه. (كنز الدقائق ۷۳ مكتبه تهانوى ديوبند)

وقال العلامة رشيد أحمد الكنكوهي: إن شرط المصر فمسلم لكنهم اختلفوا في ما يتحقق به المصرية فقيل: ما فيه أمير يقيم الحدود وليس فيه تصريح

بإقامة الحدود؛ بل المراد بذلک قدرة الأمير على ذٰلک إذ لو لم يرد ذٰلک لما صحت الجمعة فی شیٔ من الأمصار في وقتنا هٰذا إذ لا يجري الحدود أحد.

قال العلامة الكنكوهي: إن شرط المصر فمسلم لكنهم اختلفوا في ما يتحقق به المصرية: فقيل: ما فيه أربعة آلاف رجال إلى غير ذٰلک وليس هذا كله تحديدا له بل إشارة إلى تعيينه و تقريب له إلى الأذهان. (الكوكب الدري ٤١٣/١ إدارة القرآن كراچی)

ومن كان مقيماً في أطراف المصر ليس بينه وبين المصر فرجة؛ بل الأبنية متصلة إليه، فعليه الجمعة، وإن كان بينه وبين المصر فرجة من المزارع والمراعي، فلا جمعة عليه وإن كان يسمع النداء. (حلبي كبير٢ ٥٥ لاهور، وكذا في الفتاوى الهندية ١٤٥/١ رشيدية، البحر الرائق ٢٤٨/٢ رشيدية)

عن عائشة زوج النبي صلى اللّٰه تعالى عليه وسلم أنها قالت: كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم ومن العوالى. (سنن أبي داؤد ١٥٨/١ امداديه ملتان)

وأعلم ان القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لاتكام تنضبط رجال وإن نص ولذاترک الفقهاء تعريف المصر على العرف. (فيض الباري ٣٢٩/٢) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۶/۱۱/۱۹ھ

اٹھائیس سو کی آبادی میں جمعہ قائم کرنا؟

سوال (۱۰۷۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارا گاؤں شہر جالنہ سے تقریباً سات کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے، جس کی کل آبادی مسلم وغیر مسلم ملا کر تقریباً اٹھائیس سو ہے، ضروریات زندگی کی چھوٹی بڑی تقریباً بیس دوکانیں ہیں، نیز ڈاکخانہ بھی موجود ہے، دو مسجدیں، دو پرائمری اسکول اور مکتب بھی قائم ہیں؛ لیکن مستقل طور پر بازار نہیں لگتا

اور نہ ہی کپڑے کی مستقل دکان ہے؛ البتہ شہر سے پھیری والے ایک دو روز کے ناغہ سے آتے رہتے ہیں، نیز ایک دو روز میں ڈاکٹر بھی آتے رہتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ گاؤں میں جمعہ قائم کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اٹھائیس سو کی آبادی میں عموماً ضروریات کی چیزیں دستیاب ہو جاتی ہیں؛ اس لئے وہاں جمعہ قائم کرنا درست ہے۔ (مستفاد محمودیہ ٣٢/٨ ڈابھیل، فتاویٰ دار العلوم ٤٤/٥، امداد الفتاویٰ ٦٢٢/١)

عن علي رضي اللّٰه عنه قال: لا جمعة ...... إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة. (المصنف لابن أبي شيبة ٤٦/٤ رقم: ٥٠٩٩)

تقع فرضا في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق. (شامي ٦/٣ زكريا)

عن أبي حنيفةؒ أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها أساتيق وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث وهذا هو الأصح. (شامي ٦/٣-٥ زكريا، بدائع الصنائع ٥٨٤/١-٥٨٥ كراچی، البحر الرائق ٢٤٦/٢ كوئٹه، حلبي كبير ٥٥٠ لاهور) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ٢٤/٧/١٤٢٦ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ڈھائی ہزار آبادی والی بستی میں جمعہ کا حکم

سوال (١٠٨٠):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی گاؤں میں کافی دنوں سے جمعہ کی نماز ہوتی ہے، اور لوگ بڑی دلچسپی سے نماز جمعہ ادا کرتے ہیں، اور وہاں پڑھنے والوں کی تعداد تقریباً ڈھائی ہزار ہے، اور ان میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں داخل ہیں؛ لیکن غیر مسلم کی تعداد صرف ٥٠/ ہے، اور جو شرائط جمعہ کی ہیں اس میں نہیں پائی

جارہی ہے، مثلاً ان کی آبادی منیٰ کے برابر یا وہاں پر ہرایک ضرورت کی چیزیں مل جاتی ہوں، تو کیا ایسے گاؤں میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر لوگوں کو روکا جائے تو انتشار لازم آئے گا، حالاں کہ اس میں کئی اکابر نے نماز جمعہ ادا کی ہے۔ شریعت کی روشنی میں جواب سے مطلع فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں اگر اس قریہ میں عام ضرورت کی چیزیں مل جاتی ہیں، تو اگر چہ وہ باقاعدہ بازار نہ ہو، اور آبادی ڈھائی ہزار ہے، تو قریہ کبیرہ کے حکم میں ہے، وہاں جمعہ بند نہ کیا جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۵/۵۸، کفایۃ المفتی ۳/۱۹۲)

وقال ابن نجيم: وشرط أدائها المصر أي شرط صحتها أن تؤدي في مصر حتى لا تصح في قرية و لا مفازة. (البحر الرائق / باب صلاة الجمعة ٢/ ٢٤٥ رشيدية، البناية شرح الهداية / باب الجمعة ٣/ ٢٨٦)

تقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق. (شامي ٣/ ٦-٧ زكريا، البحر الرائق ٢/ ١٤٨، ٢/ ١٤١ كوئٹه، الفتاویٰ التاتارخانية ٢/ ٥٥٤ رقم: ٣٢٧٨ زكريا، حلبي كبير لاهور ٥٥٠) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/۷/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تعددِ جمعہ

جامع مسجد میں جمعہ پڑھنا دشوار ہو تو قریبی بڑی مسجد میں جمعہ قائم کر سکتے ہیں؟

سوال (۱۰۸۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نواح امروہہ بجنور روڈ پر عبدالکریم خاں انٹر کالج کی مسجد واقع ہے، جو جامع مسجد سے براہِ راست تقریباً پون کلومیٹر دور ہے، اور برسات کے موسم میں ۴؍ ماہ تک اس مسجد سے جامع مسجد تک راستے مسدود ہو جاتے ہیں، شمال کی طرف اتنی ہی دوری پر ایک اور مسجد ہے جس پر ایسے لوگوں کا اختیار وتسلط ہے جو ہمیں کافر کہتے ہیں، جن کے پیچھے نماز پڑھنے میں کراہت ہوتی ہے، مسجد مذکورہ لب سڑک ہے، اور اس سڑک پر اسپتال، دوکانیں، ورک شاپ، بینک اور صنعتی ٹھکانے ہیں، جن میں کام کرنے والے لوگوں کی خواہش تھی کہ مسجد مذکورہ میں نماز جمعہ قائم کیا جائے، اور ان کی اس خواہش کے احترام میں اس مسجد میں دو بار نماز جمعہ ہو چکی ہے؛ لیکن اب کچھ لوگوں کو اس پر اعتراض ہے اور نماز جمعہ بند کرانا چاہتے ہیں، جب کہ مسجد مذکورہ کے پنج وقتہ نمازیوں کی کثرت رائے نماز جمعہ جاری رکھنے کی ہے، ایک خود ساختہ متولی صاحب کو زیادہ اعتراض ہے جو یہاں نہ تو نماز پڑھتے ہیں اور نہ اخراجات میں ساتھ رہتے ہیں، مصروف روڈ پر واقع ہونے کی وجہ سے آتے جاتے مسافر نماز میں شریک ہو جاتے ہیں، اور ان کے نماز جمعہ میں بھی شریک ہونے کے امکانات روشن ہیں، نیز یہ کہ مسجد کافی کشادہ ہے، جس میں کئی سو آدمی بیک وقت نماز پڑھ سکتے ہیں، مسجد میں پانچوں وقت کی نماز ہو رہی ہے، اور دن بدن نمازیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، مسجد مذکورہ میں نماز جمعہ نہ ہونے کی صورت میں دو چار لوگوں کی نماز جمعہ بالکل چھوٹ جانے کا بھی احتمال ہے، مسجد کے

سامنے بعد سڑک ایک کشادہ تالاب کے آس پاس آبادی بڑھتی جارہی ہے، جہاں سے لوگ نماز پڑھنے آتے ہیں۔ مندرجہ بالا امور کو دھیان میں رکھ کر حسب ذیل مسائل کے بارے میں شرعی احکامات سے آگاہ فرمائیں، کیا مسجد مذکورہ میں نماز جمعہ جاری رکھی جاسکتی ہے؟ کیا معترض کا خیال صحیح ہے؟ خودساختہ متولی کی رائے قابل ترجیح ہے یا سب نمازیوں کی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کی نماز میں اجتماعیت مطلوب ہے، ہر چھوٹی بڑی مسجد میں جمعہ کے قیام سے شریعت کا منشاء فوت ہوجاتا ہے، اس لئے معمولی ضرورتوں کی بناپر ہر مسجد میں جمعہ قائم کرنے کی کوشش نہ کرنی چاہئے، باقی اگر قائم کرلیا جائے تو نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی، جمعہ شہر کی ہر مسجد میں درست ہوجاتا ہے۔

عن عمر رضي اللّٰه عنه أنه كتب إلى أبي موسىٰ، وإلى عمرو بن العاص، وإلى سعد بن أبي وقاص أن يتخذ مسجد جامعا ومسجد للقبائل، فإذا كان يوم الجمعة انضموا إلى المسجد الجامع فشهدوا الجمعة. (أخرجه ابن عساكر في مقدمة تاريخ دمشق، كذا في تلخيص الحبير، إعلاء السنن ٨/ ٩٠ رقم: ٢٠٨ دار الكتب العلمية)

وتؤدى الجمعة في مصر واحد في مواضع كثيرة، وهو قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما اللّٰه تعالىٰ وهو الأصح. (الفتاویٰ الهندية ١/ ١٤٥، شامي ٢/ ١٤٤ كراچی، ٣/ ١٥ زكريا، حلبي كبير ٥١١ لاهور، تنوير الأبصار مع الدر المختار ٣/ ١٥ زكريا، ٢/ ١٤٤ كراچی، فتح القدير ٢/ ٥٣، البحر الرائق ٢/ ١٤٢ كوئٹه) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۹/ ۷/ ۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

جامع مسجد سے پہلے جمعہ پڑھنا کیسا ہے؟

سوال (۱۰۸۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جامع مسجد سے قبل نماز پڑھنا کیسا ہے؟ آیا اس میں شرعاً کوئی قباحت تو نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب و باللّٰہ التوفیق: فقہاء نے جہاں تعدد کی اجازت دی ہے، وہاں جامع مسجد سے پہلے یا بعد میں ہونے کی کوئی قید نہیں لگائی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دیگر مساجد میں جامع مسجد سے قبل بھی جمعہ پڑھ لیا جائے تو کوئی قباحت نہ ہوگی۔

وتؤدی الجمعة في مصر واحد في مواضع كثيرة، وهو قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ وهو الأصح. (الفتاویٰ الهندية ۱۴۵/۱، شامي ۱۴۴/۲ كراچی، ۱۵/۳ زكريا، حلبي كبير ۵۱۱ لاهور، تنوير الأبصار مع الدر المختار ۱۵/۳ زكريا، ۱۴۴/۲ كراچی، فتح القدير ۵۳/۲، البحر الرائق ۱۴۲/۲ كوئٹه) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۹/۲۲ھ

کیا جامع مسجد سے پہلے کسی مسجد میں جمعہ پڑھ سکتے ہیں؟

سوال (۱۰۸۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جن جگہوں پر ایک بستی میں مختلف مساجد میں نماز جمعہ ہوتی ہے، کیا کوئی قول فقہاء کا ایسا ملتا ہے کہ پہلے نماز جامع مسجد میں ہو اس کے بعد دیگر مساجد میں؟ تحریر فرمادیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کی اول نماز جامع مسجد میں ہونے سے متعلق کوئی قول احقر کی نظر میں نہیں ہے، البتہ درمختار میں ایک مرجوح قول یہ نقل کیا ہے کہ شہر میں جس جگہ بھی اول جمعہ کی نماز ہوگی، وہی معتبر ہوگی بقیہ معتبر نہ ہوگی، مگر یہ مرجوح اور ضعیف اور ناقابل عمل ہے۔

وعلى المرجوح فالجمعة لمن سبق تحريمة الخ. (درمختار زكريا ديوبند ۱۶/۳)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۱۰/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک شہر کی متعدد مسجدوں میں نماز جمعہ

سوال (۱۰۸۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے شہر میں جامع مسجد کے علاوہ بہت سی مساجد میں نماز جمعہ ہوتی ہے، یہاں تک کہ بعض چھوٹی مساجد میں بھی نماز جمعہ قائم ہوگئی ہے، بعض مسجد میں جامع مسجد کے مقررہ وقت سے پہلے نماز ادا کی جاتی ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان مساجد میں جامع مسجد کے علاوہ نماز جمعہ پڑھنے سے نماز ادا ہوجاتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کی نماز میں اجتماع کی زیادتی شریعت میں مطلوب ہے، اس لئے اس کا قیام بڑی مساجد ہی میں مناسب ہے؛ لیکن فقہاء نے ضرورت کے پیش نظر ایک شہر میں حسب ضرورت متعدد مقامات اور مساجد میں جمعہ کے قیام کی اجازت دی ہے؛ لہٰذا شہر کی جس مسجد میں بھی جمعہ قائم کیا جائے گا، شرعاً وہ صحیح ہوجائے گا۔

عن أبي اسحاق عليا أمر رجلا فصلى بضعفة الناس يوم العيد في المسجد ركعتين. (كنز العمال ٣٣٧/٤)

فيه دلالة على جواز تعدد الجمعة في لمصر، قياسا على تعدد العيد، قال في البدائع: روي محمد عن أبى حنيفة أنه يجوز الجمع في موضعين أو ثلاثة أو أكثر من ذٰلك. (بدائع الصنائع ٩١/٨ - ٩٠ دار الكتب العلمية بيروت)

وتؤدى الجمعة في مصر واحد في مواضع كثيرة، وهو قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما اللّٰه تعالىٰ وهو الأصح. (الفتاوىٰ الهندية ١٤٥/١، حلبي كبير لاهور/٥١١ تنوير الابصار مع الدالمختار زكريا١٥/٣، كراچى ١٤٤/٢، فتح القدير ٥٣/٢، البحر الرائق كوئٹه ٤٤٩/٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۷/۹/۲۲ھ

شہر کے اندر چھوٹی مسجد میں جمعہ قائم کرنا

سوال (۱۰۸۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دہلی کینٹ پر بیس اسپتال کے نزدیک ایک چھوٹی مسجد ہے جس میں حسب معمول سابق نماز پنج گانہ ادا کی جاتی ہے، مسجد ہٰذا میں بمشکل تمام چالیس یا پچاس اشخاص کے نماز ادا کرنے کی گنجائش ہے، مسجد میں تین صف اندر اور دو باہر ہیں، ہر صف میں دس آدمی آرام سے کھڑے ہوسکتے ہیں، اندرونِ مسجد تین صف اس صورت میں ممکن ہے کہ امام محراب کے اندر کھڑے ہوں، ورنہ آرام سے اندر بھی دو ہی صف ہوسکتی ہیں یعنی صرف بیس نمازی، اور اس مسجد کے قرب وجوار میں مسلم آبادی بالکل نہیں ہے صرف دو گھر مسلمانوں کے ہیں، جو مسجد مذکور کی دیکھ بھال اور حفاظت کرتے ہیں، چند مسلمان فوجی ملازم اور راہ گیر نماز میں آجاتے ہیں، تعمیر شدہ ممبر بھی نہیں ہے؛ البتہ ایک لکڑی کی کرسی رکھ کر ممبر کا کام لیا جاتا ہے، اس مسجد کے نزدیک ہی آدھا کلومیٹر کی دوری سے کم صدر بازار دہلی کینٹ میں ایک طویل وعریض جامع مسجد ہے، جو اپنی وسعت کے اعتبار سے یقیناً جامع مسجد ہے، اس جامع مسجد میں کئی ہزار نمازی نماز ادا کرسکتے ہیں، جمعہ وعیدین کے اجتماعات میں اطراف وجوانب کے لوگ بڑی تعداد میں شریک ہوتے ہیں، نیز مسجد کے چاروں طرف بھی مسلمانوں کی خاصی آبادی ہے اور بازار بھی نزدیک ہے؛ بلکہ قلب بازار میں واقع ہے۔

یکم جولائی ۱۹۹۳ء سے اس چھوٹی سی مسجد میں ایک امام صاحب کا جو کہ حافظ قرآن ہیں، بورڈ نے تقرر کردیا ہے، سابق امام صاحب کے انتقال ہونے پر امام صاحب موصوف نے اس چھوٹی مسجد میں نہ صرف یہ کہ نماز جمعہ شروع کرادی؛ بلکہ امسال عیدالفطر کی نماز بھی پڑھائی ہے، جس میں صرف ۵-۶-۷ نمازیوں نے شرکت کی، امام صاحب نے کئی دن پہلے سے ہی لوگوں سے خاص طور سے اس مسجد میں نماز میں شرکت کی اپنے طور پر دعوت دی، اس کے برعکس جامع مسجد صدر بازار دہلی کینٹ میں کئی ہزار نمازی جمع ہوئے اور نماز ادا کی، مذکورہ بالا صورت حال کے پیش نظر کیا اس چھوٹی مسجد میں جمعہ وعیدین کی نماز کے اجتماعات کرانا شرعاً درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب و باللّٰہ التوفیق: ضرورت کی بنا پر ایک شہر کی متعدد مساجد میں نماز جمعہ وعیدین قائم کی جاسکتی ہے، بریں بنا اس چھوٹی مسجد میں جمعہ اور عیدین کی نمازیں پڑھنے میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

وتؤدى الجمعة في مصر واحد في مواضع كثيرة، وهو قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ وهو الأصح. (الفتاویٰ الهندية ١/١٤٥، حلبي كبيری لاهور ١/٥١١ تنوير الابصار مع الدالمختار زكريا ٣/١٥، فتح القدير ٢/٥٣، البحرالرائق كوئٹه ٢/١٤٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۲/۱۱/۱۴۱۴ھ

مسجد بھر جانے کی وجہ سے دوسری مسجد میں جمعہ قائم کرنا؟

سوال (۱۰۸۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ضرورت کے پیش نظر نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے جب کہ قرب وجوار کی مساجد میں جہاں جمعہ ہوتا ہے جگہ نہیں ملتی، مساجد بھر جاتی ہیں، سڑک پر نماز کا انتظام نہیں ہوسکتا، اس صورت میں کس ایسی مسجد میں جہاں ابھی تک جمعہ نہیں ہوتا ہے، نماز جمعہ قائم کرسکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ضرورۃً ایسا کرنا بھی جائز ہے۔

وتؤدى في مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقا كان التعدد في مسجدين أو أكثر. (شامی ٣/١٥ كراچی)

وتؤدى الجمعة في مصر واحد في مواضع كثيرة، وهو قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ وهو الأصح. (الفتاویٰ الهندية ١/١٤٥، حلبي كبير لاهور ٥١١، فتح القدير ٢/٥٣، البحرالرائق كوئٹه ٢/١٤٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۲/۹/۱۴۱۷ھ

نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے قصبہ میں دوجگہ جمعہ قائم کرنا؟

سوال (۱۰۸۷):-کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے قصبہ میں کافی سالوں سے صرف دوجگہ جمعہ ہوتا تھا، ایک حنفی امام کا اور دوسرا اہل حدیث امام کا، حنفی مسجد میں امام سابق مولانا قمر مرحوم کے زمانہ میں زید اور مولوی حبیب نائب امام تھے، مولانا قمر کے انتقال کے بعد مولوی محمد حبیب صاحب کو جمعہ کا امام بنایا گیا اور زید کو نائب امام، مولوی محمد حبیب کے امام بننے کے بعد ان کے کچھ طرز عمل اور دو تین بار جامع مسجد میں کچھ لوگوں کے خلاف انہیں ذلیل کرنے کے لئے جارحانہ تقریریں کرنے سے عوام میں کافی انتشار پیدا ہوگیا، یہ بدمزگی تو تھی ہی، اس کے علاوہ اب قصبہ کی آبادی پہلے سے کافی بڑھ چکی ہے، اس لئے قصبہ کے کچھ ذمہ داروں نے باہم رائے مشورہ کرکے ضرورۃً ایک تیسری مسجد میں جمعہ قائم کرادیا، اور اس کی امامت کے لئے زید کو تیار کرلیا، مولوی محمد حبیب صاحب کو اس جملہ سے بہت تکلیف ہوئی، اور انہوں نے اس کو عوامی مسئلہ بناکر اس جمعہ کی زبردست مخالفت شروع کردی، اور تحریک چلائی کہ چوں کہ سالوں سے ایک ہی مسجد میں جمعہ ہونے کی روایت چلی آرہی ہے؛ اس لئے ایسا کرنے سے اتحاد ٹوٹ جائے گا؛ لہٰذا اور کسی مسجد میں جمعہ نہ ہو، جب کہ امام سابق مولانا قمرؒ کے زمانہ میں اہل حدیث کا جمعہ حبیب صاحب نے ہی قائم کروایا تھا، اور خطبہ کی کتاب بھی اپنے پاس سے دی تھی، جہاں اس وقت قریب ایک ہزار حنفی نماز پڑھتے ہیں، اہل حدیث کے صرف دو چار لوگ ہیں۔ الغرض جمعہ روکنے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا گیا، مثلاً نماز نہ ہونے دینے کے لئے مسجد میں تالا لگوادینا، رات میں مسجد کے کھمبے گرادینا، جمعہ میں شامل لوگوں کو عوام سے بالکل الگ تھلگ کردینے کی بھرپور کوشش کرنا اور ہر طرح سے انہیں ذلیل کرنے کی پلاننگ کرنا، جمعہ ختم کرانے کے لئے دوکانیں بند کرانا، وغیرہ وغیرہ۔ مگر جمعہ ختم نہیں ہوا؛ بلکہ اور زیادہ کامیاب ہوتا چلا گیا، آج بھی مسجد کے باہر تک جمعہ میں صفیں لگتی ہیں، اس لئے کہ اوقات کے فرق کے ساتھ کئی جگہ جمعہ ہونے میں عوام کو کافی سہولت ہے، جمعہ تو ختم نہیں ہوا، مگر اب اس بات کو لے کر زید اور مولوی حبیب صاحب میں زبردست تنازعہ ہے، جب کہ دونوں عالم ہم مسلک وہم عقیدہ ہیں......

چناں چہ اسی بنیاد پر ایک بار مولوی صاحب نے یہ کہا کہ یہاں علاقہ میں ایک موضع بھٹوا مئو کے جلسہ دستار بندی میں مسجد کے امام نے عشاء کی نماز کے لئے زید کو مصلیٰ پر بڑھا دیا تو مولوی محمد حبیب صاحب اگلی صف میں تھے، صفوں کو توڑتے ہوئے مسجد سے نکل کر بھاگ گئے، دوسری جگہ جا کر نماز پڑھی جب کہ ہمارے علماء اور عوام نے زید کے پیچھے نماز پڑھی، پوچھنے پر مولوی صاحب نے یہ کہا کہ چوں کہ زید نے دوسرا الگ جمعہ کر کے اتحاد توڑ دیا، اس لئے ہم اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے، ہم یہ اتحاد پیدا کرنے کے لئے کر رہے ہیں، شرعاً ان میں کوئی نقص نہیں ہے، اس لئے قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ ارشاد فرمائیں کہ مولوی صاحب کا یہ عمل شرعاً کیسا ہے، اور خود ایسے مولوی کے پیچھے نماز پڑھنے اور اس کو امامت کے لئے بڑھانا کیسا ہے، جو اس طرح کی حرکتیں کرتا ہو، کیا یہ سب اتحاد ہے؟

کیا کسی کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کے لئے مطلقاً یہ کہہ دینا کافی ہے کہ بس میرا دل نہیں چاہتا؛ اس لئے میں نہیں پڑھتا، ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کثرتِ آبادی کی بناء پر مساجد تنگ پڑ جانے کی وجہ سے ایک بستی میں متعدد جمعہ کا قیام شرعاً درست ہے؛ لہٰذا نئی مسجد میں جمعہ شروع کرنے کی وجہ سے اس مسجد کے امام یا ذمہ داران سے برملا مخاصمت کی کوئی شرعی وجہ نہیں، اور اس کی مخالفت میں سوال میں ذکر کردہ جن مولوی صاحب نے نامناسب حرکتیں کی ہیں، وہ ان کے مقام اور منصب سے گری ہوئی ہیں، اور ان کے یہ اعمال امت میں انتشار کا باعث ہیں؛ لہٰذا انہیں اپنی حرکتوں سے باز آجانا چاہئے، اور آپسی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر باہم میل جول سے رہنے کی فضا بنانی چاہئے۔

وتؤدی في مصر واحد بمواضع کثیرة مطلقاً علی المذهب وعلیه الفتویٰ. شرح المجمع العیني وإمامة فتح القدیر. دفعاً للحرج (در مختار) وتحته في الشامیة، وقوله: مطلقاً أي سواء کان المصر کبیرًا أولا، وسواء کان التعدد في مسجدین أو أکثر، قوله : دفعاً للحرج؛ لأن في إلزام اتحاد الموضع حرجاً بینا

لاستدعائه تطويل المسافة على أكثر الحاضرين ولم يوجد دليل عدم جواز التعدد.

(شامي ٣/١٦-١٥ زكريا، شامي ٢/١٤٤ كراچی، تبيين الحقائق ١/٥٢٦ كراچی، الفتاویٰ الهندية ١/١٤٥، حلبي كبير ٥١١ لاهور، فتح القدير ٢/٥٣، البحرالرائق ٢/١٤٢ كوئٹه) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۱/۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جگہ تنگ پڑ جانے کی وجہ سے دو مسجدوں میں جمعہ قائم کرنا

سوال (۱۰۸۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: محلّہ شکرواری کی مسجد شیخ گھسو منشی صاحب میں جمعہ کی نماز میں جگہ کی تنگی کی وجہ سے لوگوں کو بارش اور موسم گرما میں کھلے صحن میں سخت تکلیف ہوتی ہے، نیز جگہ کی کمی کے باعث اکثر لوگوں کی نماز جمعہ چلی بھی جاتی ہے، اس مسئلہ سے نمٹنے کے لئے مندرجہ ذیل تجویز یہ ہے کہ مسجد شیخ گھسو منشی صاحب سے کچھ فاصلہ پر اسی محلّہ میں درزیانہ کی مسجد میں جمعہ ادا کیا جائے، اس لئے آپ حضرات سے گذارش ہے کہ شرع کے مطابق اجازت عنایت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بوجہ ضرورت ایک شہر کی متعدد مسجدوں میں اقامت جمعہ کی فقہاء نے اجازت دی ہے؛ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مسجد درزیان میں جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

ولاباس بالجمعة فی موضعين أو ثلاثة فی مصر واحد الصحيح عند ابي حنيفة ومحمدؒ يجوز. (الفتاویٰ التاتارخانية ٢/٥٥٠ رقم: ٣٢٤٨ زکريا، الفتاویٰ الهندية ١/١٤٥، حلبي كبير لاهور ٥١١ تنوير الابصار مع الدالمختار ٣/١٥ زكريا، فتح القدير ٢/٥٣، البحرالرائق ٢/١٤٢ كوئٹه)

قيل: بل يجوز عند الحاجة أن نصلي جمعتان في المصر كما صلى عليؓ عيدين للحاجة. (إعلاء السنن / باب تعدد الجمعة فی مصر واحد ٨/٩١ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۹/۲/۱۴۱۲ھ

لوگوں کی کثرت اور مسجد کے تنگ ہونے کی وجہ سے شہر کی دوسری مسجد میں جمعہ قائم کرنا

سوال (۱۰۸۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی شہر میں روڈ پر جو کہ شمالاً وجنوباً واقع ہے، سوا سوا سوا اور ڈیڑھ ڈیڑھ سو گز کے فاصلہ پر پانچ مساجد ہیں، آخری مسجد سب مسجدوں سے جنوب میں واقع ہے، اس میں قدیم زمانہ سے جمعہ کی نماز ہوتی آرہی ہے، اس سے پہلے شمال میں جو مسجد ہے وہ چھوٹی ہے، اور وہاں جمعہ کی جماعت نہیں ہوتی، بیچ بازار میں جو مسجد ہے وہاں بھی جمعہ کی نماز پچاس سال پہلے سے جاری ہوئی ہے، اس سے پہلے نہیں ہوتی تھی۔ جب اس مسجد میں بھی سارے نمازی نہ سما سکے تو سب سے پہلے شمال میں واقع مسجد میں جمعہ کی نماز شروع کردی گئی، جسے تقریباً پندرہ بیس سال ہو چکے ہیں، اب ایک مسجد ان دونوں کے درمیان میں واقع ہے، جس میں آج تک جمعہ کی نماز نہیں ہوتی تھی، کچھ سالوں سے یہ محسوس کیا جارہا ہے کہ ان دونوں مسجدوں میں بھی اب نمازی پوری طرح نہیں سما سکتے ہیں، تو اب درمیان والی مسجد میں جمعہ شروع کرانے کا فیصلہ اہل محلّہ اور اہل بازار مسلمان کر چکے ہیں، یہ بھی بیچ بازار میں واقع ہے، اور آس پاس زیادہ تر دوکانیں مسلمانوں کی ہیں، اس مسجد کے آگے اور پیچھے جو محلے آباد ہیں، وہ بھی مسلم آبادی والے ہیں، ان سے بڑھ کر یہ کہ یہ مسجد ۲۰/۳۰ سال سے تبلیغی جماعت کا مرکز بھی بنی ہوئی ہے، اور یہ بھی اتنی بڑی ہے کہ پندرہ سترہ سو آدمی بیک وقت اس میں نماز ادا کر سکتے ہیں، اس مسجد کے نمازیوں اور مقتدیوں نے جو کہ دونوں محلوں کے باشندوں اور بازار کے کثیر التعداد افراد پر مشتمل ہیں، اس مسجد میں جمعہ جاری کرنے کا فیصلہ آس پاس کی دونوں مسجدوں کے پر ہو جانے اور بیشتر لوگوں کو نماز جمعہ ادا کرنے کی جگہ نہ ملنے کی وجہ سے کیا ہے، خدا شاہد ہے کہ کوئی اور وجہ جمعہ جاری کرانے کی نہیں ہے، مسلم آبادی اور نمازیوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ کی بنا پر یہ بھی قیاس کیا جارہا ہے کہ جمعہ جاری ہو جانے کی صورت میں کچھ مدت بعد اس مسجد میں بھی نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے جگہ نہیں ملے گی، یہ مسجد بھی مستقبل میں اتنی پر ہو جایا کرے گی۔

شرعی حکم سے مطلع فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضراتِ فقہاء نے ایک بستی میں متعدد جگہ جمعہ قائم کرنے کی اجازت دی ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں دوسری مسجد میں جمعہ شروع کرنا شرعاً جائز اور درست ہے۔

وتؤدي في مصر في مواضع أی یصح أداء الجمعة في مصر واحد بمواضع كثيرة وهوقول أبی حنيفة و محمد و هو الأصح؛ لأن في الاجتماع فيموضع واحد في مدينة كبيرة حرجابينا وهو مدفوع. (البحر الرائق ۲/ ۱٤۲ کوئٹہ)

وتؤدی فی مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقاً كان التعدد فی مسجدين أو أكثر. (شامي ۳/ ۱۵ زکریا، تبیین الحقائق ۱/ ۵۲٦ زکریا، الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱٤۵ ،شامي ۲/ ۱٤٤ کراچی، حلبي کبیر ۵۱۱ لاهور، فتح القدیر ۲/ ۵۳، البحرالرائق ۲/ ۱٤۲ کوئٹہ) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۶/۱۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مذہبی تعصب پسندوں کے شرور سے بچنے کے لئے علاحدہ جمعہ اور عیدین قائم کرنا

سوال (۱۰۹۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کا گھر ایک ایسے شہر میں واقع ہے جس کا نام پور بندر ہے، اور اس شہر کی موجودہ آبادی تقریباً ایک لاکھ ہے جس میں اسی فیصد غیر مسلم ہیں، صرف بیس فیصد مسلمان ہیں، فرقہ کے اعتبار سے ان بیس فیصد مسلمانوں میں کچھ شیعہ ہیں اور کچھ سنی ہیں، ان بیس فیصد مسلمانوں کے مابین کل آٹھ مسجدیں ہیں، ایک عیدگاہ ہے اور دو قبرستان، جس میں سے ایک شیعہ کا ہے اور ایک سنیوں کا، سات مسجدیں سنیوں کی ہیں اور ایک مسجد شیعہ کی ہے، ایک سو سالہ مدرسہ ہے جس میں سارے

شیعہ اورسنی کے بچے اور بچیاں تعلیم پاتے ہیں، ان حضرات نے بریلی سے ایک فتویٰ منگایا، اس فتویٰ کے اندر علماء بریلی نے نعوذ باللہ عموماً جملہ علماء دیوبند پر اور خصوصاً حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ و دیگر بڑے اور اہم اکابرین پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے، اسی شہر کے بہت سے بھولے بھالے مسلمانوں کو انہوں نے اس تکفیری فتویٰ پر دستخط کرنے پر مجبور کیا اور ان بھولے بھالے مسلمانوں نے ان کے پھندے میں آکر اس پر دستخط کردئے، اور آج یہ مسلمان انہیں کے قدم بہ قدم اور ان کے شانہ بشانہ چل رہے ہیں، اور ان کی باتوں پر مکمل طور پر عمل کررہے ہیں، ان بیس فیصد مسلمانوں میں تنہا زید کا گھر ایسا ہے جو دیوبندی مسلک کی ترجمانی کررہا ہے، اور اسی پر جما ہوا ہے، زید کو ہر طرح ان شرپسندوں نے بہکایا، اور اپنے تکفیری فتویٰ پر دستخط کرنے پر مجبور کیا مگر زید کسی طرح تیار نہ ہوا اور نہ ہے۔

اب صورتِ حال یہ ہے کہ زید کو نہ تو ان مساجد میں سے کسی مسجد میں آنے دیا جاتا ہے اور نہ عیدگاہ میں عیدین کی نماز کے لئے اجازت ہے اور نہ تو زید کے بچوں کا اس سو سالہ مدرسہ کے اندر داخلہ لیا جاتا ہے، مجبور ہوکر زید نے اپنے بچوں اور بچیوں کی تعلیم کا انتظام اپنے شہر سے دور دوسرے شہروں میں کردیا ہے، اور نہ ہی زید کی کسی میت کو قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت ہے، جیسا کہ آج سے چار سال قبل زید کے ایک بڑے بھائی کا انتقال ہوگیا تھا، زید کی اجازت لینے سے قبل ہی ان شرپسندوں نے جملہ مساجد کے اندر یہ اعلان کرادیا کہ ان کی نماز جنازہ نہ کوئی پڑھائے اور نہ ان کو اپنے قبرستان میں دفن کرنے دیا جائے، چناں چہ زید نے مجبور ہوکر اپنے شہر سے ۸۴؍ کلومیٹر دور ایک شہر مانگرول میں لے جاکر دفن کیا، نیز زید نے اس سو سالہ مدرسہ کے اندر گیارہ سال تعلیم حاصل کی، بعدہ ساڑھے سترہ سال معلم کی حیثیت سے رہا، اس کے بعد اس کو اس لئے نکال دیا گیا کہ اس نے اس تکفیری فتویٰ پر دستخط کرنے سے صراحۃً انکار کردیا، اب ان کا منشاء یہ ہے کہ یا تو یہ ہمارے اس تکفیری فتویٰ پر دستخط کرکے ہمارے قدم بہ قدم اور ہمارے شانہ بہ شانہ چلیں اور یا تو اس شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر کو اپنا وطن اصلی بنالیں، یہ ان حضرات کا ناپاک منصوبہ اور ناپاک ارادہ ہے،

نیز زید سے تعلق رکھنے والوں کو بھی اس تکفیری فتویٰ پر دستخط کرنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے، اب صورتِ حال یہ ہے کہ زید ان تمام (نماز عیدین، نماز جمعہ، پنج وقتہ نماز، تعلیم وتعلّم) چیزوں کی ادائیگی الگ سے کرنے پر مجبور ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی صورت میں زید کیا کرے؟ اگر مسجد وغیرہ میں جاتا ہے تو خون خرابہ کے سوا دوسرا کچھ نہیں، کیا زید اپنے گھر کے چند افراد کو لے کر عیدین اور جمعہ کی ادائیگی گھر پر ہی کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر انہیں وجوہات کی بنا پر عیدین اور جمعہ کی نماز ادا نہیں کرتا تو شرعاً مؤاخذہ تو نہ ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک شہر میں متعدد جگہ جمعہ وعیدین کی جماعت ہوسکتی ہے، لہٰذا اگر آپ شہر کی مساجد میں کسی طرح بھی جماعت میں شرکت نہیں کرسکتے تو آپ کے لئے گنجائش ہوگی کہ ایسی جگہ جمعہ وعیدین قائم کریں، جہاں ہر ایک کو آنے کی اجازت ہو، اسی طرح جماعت میں کم از کم تین مکلّف شرعی افراد شریک ہوں۔

وأما إقامة الجمعة في مصر واحج في موضعين فقد ذكر الكرخي أنه لا بأس بأن يجمع في موضعين أو ثلاثة عند محمد. (بدائع الصنائع ۵۸٦/۱ زکریا، الفتاویٰ الهندية ۱٤٥/۱، كذا في حلبي كبير ۵۱۱ لاهور، تنوير الأبصار مع الدالمختار ۱۵/۳ زكريا، ۱٤٤/۲ کراچی، فتح القدير ۵۳/۲، البحرالرائق ۱٤۲/۲ كوئٹه)

وفيه: ومن شرائطها الجماعة وأقلهم عند أبي حنيفة ثلاثة سوى الإمام ومنها الإذن العام. (هدايه ۱٦۹/۱، الفتاویٰ الهندية ۱٤۸/۱) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۲/۲۳ھ

ضرورت کی بنا پر شہر میں محلّہ کی مسجد میں جمعہ قائم کرنا؟

سوال (۱۰۹۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: زید کے شہر میں تین مسجدیں ہیں، جس میں سے دو مسجدوں میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے (۱) جامع مسجد (۲) محلّہ کی مسجد، فی الحال جامع مسجد مصلیان کی کثرت کے سبب تنگ ہورہی ہے، صورت حال یہ ہے کہ نمازی حضرات وضوخانہ کے حصہ اور مسجد کے اندرونی وبیرونی وصحن کے علاوہ خارجی حصہ میں مجبوراً نماز پڑھتے ہیں، یعنی جہاں لوگ چپل وغیرہ نکالتے ہیں، اس سے واضح رہے کہ دوسری مسجد جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہے، وہ آبادی سے قدرے دور ہے، نیز اس کے اطراف واکناف مسلمانوں کی آبادی بھی کم ہے، اور تیسری مسجد جہاں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی ہے وہ بس اسٹینڈ تحصیل اور دو تحصیلوں کے سب سے بڑے اسٹیٹ بینک سے متصل اور ٹاؤن ایریا آفس کے روبرو ہے، مزید اس مسجد کے اطراف میں تین انٹر کالج، منصف کورٹ، ایس ڈی ایم کورٹ، تھانہ ہاسپٹلس اور ڈاک بنگلہ کے علاوہ دیگر سرکاری دفاتر وسرکاری ملازمین کی رہائش گاہیں ہیں، مزید برآں اس محلّہ میں مسلمانوں کی کثرت ہے، تقریباً بالغ مرد مسلمانوں کی تعداد پانچ سو سے متجاوز ہے، اب جامع مسجد میں جگہ کی قلت، اس محلّہ میں مسلمانوں کی کثرت اور سرکاری دفاتر وکالج کے اوقات جامع مسجد کے اوقات سے عدم موافقت کی بنا پر اس تیسری مسجد کے اراکین لوگوں کی پریشانی دیکھ کر سہولت رساں متبادل صورت کے طور پر اس مسجد میں بھی جمعہ کی نماز کا اہتمام کرنا چاہتے ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا ان حالات کے پیش نظر اس تیسری مسجد میں جمعہ کا اہتمام درست ہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر آبادی کی کثرت کی وجہ سے ضرورت ہو تو اس تیسری مسجد میں بھی جمعہ قائم کرنا درست ہے۔

ثـم إقامة الجمعة في موضعين أو أكثر من مصر واحد في جوامع الفقه عن أبـي حنيـفة روايتان، والأظهر عنه عدم جوازها في موضعين، وقال شمس الأئمة السرخسي في المبسوط الصحيح من قول أبی حنيفة و محمد جوازها ولهما أن

الشرط المصر الجامع وهو موجود في كلفريق؛ ولأن تهييج الفتنة كأن يكون بين أهل مصر اختلاف بحيث تتور الفتنة باجتماعهم و قد أمرنا بتسكينها. (حلبي كبير ٥٥١-٥٥٢ لاهور، الفتاویٰ الهندية ١٤٥/١، شامي ١٤٤/٢ كراچی، ١٥/٣ زكريا، فتح القدير ٥٣/٢، البحرالرائق ١٤٢/٢ كوئٹه) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۸/۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۵۰/ ہزار کی آبادی میں ایک سے زائد مساجد میں جمعہ

سوال (۱۰۹۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قصبہ محمدی جس کی آبادی پچاس ہزار ہے اور ہر ضرورت کی چیز قصبہ محمدی میں دستیاب ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی صورت میں متفرق مسجدوں میں جمعہ ہوسکتا ہے کہ نہیں؟ ویسے قرب وجوار کے گاؤں کے لوگ بھی جمعہ کی نماز ادا کرنے قصبہ میں آتے ہیں، اس تفصیل کے بعد مفتیان کرام سے گذارش ہے کہ وضاحت فرمادیں کہ جمعہ کی نماز ایک مسجد کے علاوہ دیگر مساجد میں ادا کرنے میں شرعی نقطۂ نظر سے کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت کا منشاء یہی ہے کہ جمعہ کی نماز میں مسلمانوں کی اجتماعیت کا بھرپور مظاہرہ ہو اور یہ کامل طور پر اس وقت ہوسکتا ہے جب کہ پوری بستی میں ایک بڑی مسجد ہی میں جمعہ کی نماز کا اہتمام کیا جائے، حضرات فقہاء نے اگرچہ بڑھتی ہوئی آبادی اور دیگر ضروریات کے تحت ایک بستی میں متعدد جگہ جمعہ قائم کرنے کی اجازت دی ہے، مگر بہر حال اولی اور افضل یہی ہے کہ ایک ہی جگہ جمعہ قائم ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۸۸/۸ ڈابھیل، کفایت المفتی ۲۴۱/۳، فتاویٰ دار العلوم ۵۰/۵)

عن عمر رضي الله أنه كتب إلى أبي موسىٰ، وإلى عمرو بن العاص، وإلى سعد بن أبي وقاص رضي الله عنهم أن يتخذ مسجد جامعا و مسجد للقبائل، فإذا

كان يوم الجمعة انضموا إلى المسجد الجامع فشهدوا الجمعة. (أخرجه ابن عساكر في مقدمة تاريخ دمشق، كذا في تلخيص الحبير، إعلاء السنن ۸/ ۹۰ رقم: ۲۰۸ دار الكتب العلمية)

والأفضل هو الجامع الواحد إذا لم يكن عذر وضرورة. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/ ۵۵۰ رقم: ۳۲٦۸ زكريا)

تؤدى في مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقا على المذهب، وعليه الفتوى. (شامي ۳/ ۱۵ زكريا، ۲/ ۱٤٤ كراچی، كذا في البحر الرائق ۲/ ۲٤۹، فتح القدير ۲/ ۵۳، التاتارخانية ۲/ ۵۵۰ زكريا، كذا في البدائع الصنائع ۱/ ۵۸٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۶/۱۱/۱۹ھ

تین ہزار کی آبادی میں دوجگہ جمعہ قائم کرنا؟

سوال (۱۰۹۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے موضع کی آبادی قریب تین ہزار ہے، جس میں مسلمانوں کی آبادی قریب چھبیس سو کی ہے، ہمارے گاؤں میں دو مسجدیں ہیں، جس کی دوری قریب پون کیلومیٹر کی ہے، بڑی مسجد میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے، اب ہم لوگ چھوٹی مسجد میں نماز پڑھنا چاہتے ہیں، ہمارے گاؤں میں پکی سڑک اور بجلی کی سہولت ہے اور ضروریات زندگی کی چیزیں دستیاب ہیں، ایک تیسری مسجد بھی گاؤں سے ایک کلومیٹر کی دوری پر ہے، جہاں چوراہہ بھی ہے، وہاں بھی جمعہ کی نماز ہوتی ہے، ایسی صورت میں جس مسجد میں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی ہے اس میں جمعہ کی نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ آبادی قریۂ کبیرہ کے حکم میں ہے، اور وہاں جمعہ کا قیام جائز ہے، اور بہتر یہی ہے کہ اجتماعیت برقرار رکھنے کے لئے بستی میں ایک ہی جگہ سب سے بڑی مسجد میں جمعہ قائم کیا جائے، چھوٹی مسجد میں جمعہ کا قیام مناسب نہیں ہے، لیکن اگر وہاں جمعہ قائم کردیا جائے تو وہ بھی درست ہوجائے گا۔ (مستفاد فتاوی دارالعلوم ۵/ ۵۷)

وتؤدى في مصر بمواضع كثيرة مطلقاً على المذاهب، وعليه الفتوى.

(درمختار مع الشامي ١٦/٣ زكريا، ١٤٤/٢ كراچی، الفتاویٰ الهندية ١٤٥/١، حلبي كبير ٥١١ لاهور، فتح القدير ٥٣/٢، البحرالرائق ٢٤٩/٢ كوئٹه) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۲/۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بڑے گاؤں میں دو مسجدوں کے بجائے ایک مسجد میں جمعہ پڑھنا زیادہ بہتر ہے

سوال (۱۰۹۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک گاؤں میں ایک مسجد ہے، اس میں نماز جمعہ ہوتی تھی بعد میں کچھ اختلافات کی بناپر دو مسجدیں بن گئیں، اور دونوں میں نماز جمعہ ہونے لگی، پھر ایک ہوجاتی ہے، پہلی والی مسجد میں جمعہ کی نماز پورے گاؤں والے پڑھنے لگے اور بعد والی میں پنج گانہ، درانحالیکہ پہلی والی میں بھی پانچ وقت نماز ہوتی ہے، شریعت کی نظر میں کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جمعہ میں کثرتِ اجتماع مطلوب ہے، اس لئے اگر اس گاؤں میں جمعہ کے قیام کے شرائط پائے جاتے ہیں، تو کسی ایک مسجد میں ہی جمعہ کا قیام انسب اور بہتر ہے، دوسری مسجد میں صرف پنج گانہ نمازیں پڑھ لی جائیں، اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۱۲۳/۴)

وتؤدى الجمعة في مصر واحد في مواضع كثيرة، وهو قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ وهو الأصح. (الفتاویٰ الهندية ١٤٥/١، حلبي كبير ٥١١/ لاهور، تنوير الأبصار مع الدر المختار ١٥/٣ زكريا، ١٤٤/٢ كراچی، فتح القدير ٥٣/٢، البحرالرائق ٢٤٩/٢ كوئٹه) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۱۱/۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گاؤں میں جمعہ کا حکم

کیا حضور علیہ السلام سے گاؤں میں جمعہ پڑھنا ثابت ہے؟

سوال (۱۰۹۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گاؤں میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز جمعہ پڑھنے کا ثبوت ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کسی گاؤں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز جمعہ پڑھنا یا صحابہ کو نماز جمعہ پڑھنے کی اجازت دینا ثابت نہیں ہے، بلکہ روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی طرف سے چھوٹی آبادی میں جمعہ قائم کرنے کا حکم نہیں تھا، اسی وجہ سے جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے اور چودہ دن قبا میں قیام فرمایا جو اس وقت مدینہ کے قریب ایک گاؤں تھا، تو اگر چہ جمعہ کی فرضیت مکہ معظّمہ میں ہو چکی تھی، پھر بھی آپ نے قبا میں جمعہ کی نماز قائم نہیں فرمائی، حالاں کہ وہاں جمعہ قائم کرنے میں کوئی اور رکاوٹ نہیں تھی، بلکہ جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں جمعہ قائم کیا، اور روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کے ہجرت فرمانے کے پہلے ہی سے مدینہ منورہ میں رہنے والے صحابہ، صحابی جلیل حضرت اسعد بن زرارہؓ کی امامت میں نماز جمعہ ادا کیا کرتے تھے، اور مدینہ منورہ کے بعد سب سے پہلے جمعہ کا قیام بحرین کے شہر جواثی میں ہوا یہ کوئی چھوٹی آبادی نہیں تھی، بلکہ بڑا ساحلی شہر تھا جہاں مسلمانوں کو اجتماعیت حاصل تھی، اگر جمعہ چھوٹے چھوٹے گاؤں اور بستیوں میں جائز ہوتا تو کیا وجہ تھی کہ مدینہ کے اردگرد آبادیوں میں آپ نے جمعہ قائم نہیں کیا؟ ان آبادیوں میں جمعہ کا قائم نہ کرنا دلیل ہے کہ اقامت جمعہ کے لئے بڑی آبادی شرط ہے، اس سلسلے میں علماء احناف نے مستقل تصنیفات لکھی ہیں، ان کا مطالعہ مفید ہوگا۔ (مستفاد رسالہ: اوثق العریٰ فی تحقیق الجمعہ فی القری للعلامۃ رشید احمد گنگوہی ۲۲۹)

جـمع أهل المدينة قبل أن يقدمها رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل أن تنزل الجمعة وهم الذين سموها الجمعة – فاجتمعوا إلى أسعد بن زرارة، فصلى بهم يومئذ، وذكرهم وسموها الجمعة. (المصنف لعبد الرزاق ۱۵۹/۳، سنن ابن ماجة ۷٦)

إن أول جـمـعة جـمعت في الإسلام بعد جمعة جمعت في مسجد رسول الـلّـه صلى الله عليه وسلم بالمدينة لجمعة جمعت بجواثي من البحرين. (صحيح البخاري ۱۲۲/۱، سنن أبي داؤد ۱۵۳/۱)

وفـي الـصـحـاح: أن جـواثـا حصن بالبحرين فهي مصر. (فتح القدير ۵۱/۲ دارالفكر بيروت)

شرعت صلاة الـجـمعة بمكة ولم يصليها النبي صلى الله عليه وسلم بها لعدم تمكنه من ذلک، وأول جمعة أقيمت في الإسلام الجمعة التي أقامها أسعد بن زرارة أحـد الـنـقباء إثنا عشر، فصلها بالمدينة بأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل قدومه المدينة. (شامي ۳/۳ زكريا، فتاوى دارالعلوم ٦۸/۵) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۴/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موجودہ زمانے میں گاؤں میں جمعہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

سوال (۱۰۹٦):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اس زمانہ میں گاؤں میں نماز جمعہ پڑھنے کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس زمانہ میں بھی گاؤں اور چھوٹی بستی میں جن کی آبادی ڈھائی تین ہزار سے کم ہو جمعہ پڑھنا جائز نہیں۔

لا تـصـح الـجـمعة إلا في مصر جامع أو في مصلى المصر ولا تجوز في القرىٰ. (هدايه ۱٦۸/۱ شامى ۷/۳ زكريا، اعلاء السنن ۱/۸ مكه مكرمه)

عن حذيفة رضي الله عنه قال: ليس على أهل القرىٰ جمعة، إنما الجمعة على أهل الأمصار: مثل المدائن. (المصنف لابن أبي شيبة ٤/٦٤ رقم: ٥١٠٠ المجس العلمي)

إن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم لم يصل الجمعة في القرى ولم يأمر بها فيها، فعلم بهذا أن القرى ليست محل إقامة الجمعة. (بذل المجهود ٥/٦٣ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي)

ولاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاضي ومنبر وخطيب. (شامي ۲/۱۳۸ کراچی، ۳/۷ زکریا)

وأما القرىٰ فإن أراد الصلاة فيها فغير صحيحة على المذاهب. (البحر الرائق ۲/۱٤۱ کوئٹه) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۴/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ شروع کرنے سے پہلے کسی معتبر عالم دین سے گاؤں کا معائنہ کرانا؟

سوال (۱۰۹۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بندہ کا گھر ایک ایسے گاؤں میں ہے جس کی آبادی تین ہزار سے زائد ہے اور ضرورت کا سامان بھی بآسانی مل سکتا ہے، اور اس گاؤں میں پہلے سے جمعہ کی نماز نہیں ہوتی تھی، اور اب اس گاؤں کے لوگ جمعہ کی نماز پڑھنا چاہتے ہیں، اس گاؤں میں جمعہ کی نماز کی ادائیگی کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟

نوٹ: - گاؤں تک پختہ سڑک ہے، ۱۵/ دوکانیں ہیں، چھ سات ڈاکٹر بھی ہیں، پردھان ہیں، نیز نصف مکانات پختہ ہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ گاؤں میں اگر روزمرہ کی ضرورت کی چیزیں

بآسانی مل جاتی ہیں اور آس پاس کے علاقوں میں اسے بڑا گاؤں کہا جاتا ہے تو ایسی جگہ قریۂ کبیرہ قرار دی جاسکتی ہے اور وہاں اقامت جمعہ جائز ہوسکتا ہے؛ تاہم جمعہ شروع کرنے سے پہلے احتیاط اس میں ہے کہ کسی معتبر مفتی اور عالم دین کو گاؤں کا معائنہ کرادیا جائے اور اس کے فیصلہ پر عمل کیا جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۳۶/۹-۱۳۷ ڈابھیل)

وقد علم من هذا أن مذهب العامي فتوىٰ مفتيه من غير تقييد بمذهب ولهذا قال في الفتح الحكم في حق العامي فتوى مفتيه. (شامي ۴۱۱/۲ کراچی، شامي، الصوم / مطلب في جواز الإفطار بالتحري ۳۸۸/۳ زكريا، البحرالرائق ۵۱۳/۲ رشيدية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۹/۱۱/۱۴۱۳ھ

قریہ صغیرہ میں اقامت جمعہ کیلئے امام شافعیؒ کے مسلک پر عمل کرنا؟

سوال (۱۰۹۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک گاؤں میں سب چیزیں تو نہیں مل سکتیں، ہاں اتنا ضرور ہے کہ بعض بعض چیزیں مل جاتی ہیں، شہر کی طرح نہیں ملتی ہیں، اور اس بستی کی آبادی دو ڈھائی سو افراد پر مشتمل ہوگی، کیا اس بستی میں جمعہ کی نماز پڑھنا امام صاحبؒ کے نزدیک صحیح ہے یا نہیں؟ اور امام صاحبؒ کے نزدیک جمعہ کی نماز کے لئے کیا کیا شرائط ہیں؟ اور اگر ہم نے تمام مسلک کو مان لیا اور ایک بات امام شافعیؒ کی مان لی تو کوئی حرج تو نہیں، اگر ہے تو واضح فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں ذکر کردہ بستی قریہ صغیرہ ہے، حنفیہ کے نزدیک وہاں اقامت جمعہ جائز نہیں ہے، وہاں جمعہ پڑھنے سے ظہر کی نماز ذمہ سے ساقط نہ ہوگی اور اس مسئلہ میں کسی دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنا بھی کسی حنفی مقلد کے لئے جائز اور درست نہیں ہے۔

اختلف العلماء في المواضع الذي تقام فيه الجمعة ...... و مذهب أبى حنيفة لا تصح الجمعة إلا في مصر جامع أو مصلى المصر، ولا تجوز في القرىٰ ...... اتفق علماء الأمصار على أن الجمعة مخصوصة لا يجوز فعلها في غيرها؛ لأنهم مجتمعون على أنها لا تجوز في البوادي. (بذل المجهود، الصلاة / باب الجمعة في القرىٰ ٥/ ٦١ مركز الشيخ أبي الحسن علي الندوي)

وفي المسوى: اتفقوا على أن لا جمعة في العوالي ...... فقال أصحابنا: هي مخصوصة بالأمصار ولا تصح في السواد، وهو قول الثوري و عبيد الله بن الحسن. (أوجز المسالك / باب ما جاء في الإما ينزل بقرية يوم الجمعة في السفر ٢/ ٢٤٤ إداره تاليفات أشرفية)

ولو أن رجلا برئ من مذهبه باجتهاد و صح له كان محمود مأجورا، أما انتقال غيره من غير دليل بل لما يغب من عرض الدنيا و شهوتها فهو مذموم الأثم المستوجب للتأديب والتعزير، لإرتكابه المنكر في الدين واستخفافه بدينه و مذهبه. (شامي باب التعزيز / مطلب فيما إذا اتحل إلى غير مذهبه ٤/ ٨٠ كراچى)

وفيما ذكرنا إلى أنه لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض و خطيب، كما في المضمرات. والظاهر أنه أريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة إلا أن في الجواهر لو صلوا فى القرىٰ لزمهم أداء الظهر. (شامي ٢/ ١٣٨ كراچى، ٣/ ٧ زكريا)

شرط جواز أداء الجمعة المصر حتى لايجوز أداؤها في المفاخرة ولا في القرى ...... وما روينا من قول علي وحذيفة ليس على اهل القرى جمعة. (تبيين الحقائق ١/ ٢٢٣ ٥- ٥٣٤ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۵/۳/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس گاؤں میں ضروریات کی فراہمی نہ ہو وہاں جمعہ وعیدین کا قیام

سوال (۱۰۹۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک گاؤں ہے جہاں ضرورت کے پورے سامان نہیں ملتے ہیں، تین کلومیٹر پر ایک شہر ہے وہاں ڈاک خانہ ہسپتال وغیرہ بھی ہے؛ لیکن اس گاؤں میں یہ ساری چیزیں نہیں مل پاتی ہیں، گاؤں کی آبادی بھی ایک ہزار ہے، اس گاؤں میں عیدین کی نماز پہلے سے ہوتی چلی آرہی ہے، مگر نماز جمعہ نہیں ہورہی تھی، اب چھ سات سال سے ایک مولانا صاحب نے قائم کردیا ہے، گاؤں کے سارے حضرات نماز جمعہ نہیں پڑھتے ہیں، بعض حضرات نماز جمعہ پڑھتے ہیں، صحیح مسئلہ کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس گاؤں میں ضروریات کی چیزیں نہیں مل پاتیں، وہاں عیدین اور جمعہ کا قیام درست نہیں ہے، جولوگ نماز جمعہ نہیں پڑھتے؛ بلکہ نماز ظہر ادا کرتے ہیں وہ حق پر ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۴۸/۶ ڈابھیل)

عن علي رضی اللّٰہ عنه أنه قال: لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع.

(المصنف لا بن أبي شيبة ٤/ ٤٥ رقم: ٥٠٩٨ المجلس العلمي)

ويشترط لصحتها سبعة اشياء: الأول المصر. (شامي ١٣٧/٢ كراچی)

قال الكرخي: هو كل موضع يكون فيه كل محترف، و يوجد فيه جميع ما يحتاج الناس إليه مباحثهم، وفيه فقيه و مفت وقاض...... الخ. (تبيين الحقائق، الصلاة / باب صلاة الجمعة ٥٢٣/١ بيروت)

وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما في المضمرات. (شامي ٧/٣ زكريا، بدائع الصنائع ٥٨٥/١، البحرالرائق ١٤٠/٢، حلبي كبير ٥٥٠)

وفي التاتارخانية: ثم ظاهر رواية أصحابنا لاتجب إلا على من يسكن

المصر، أو ما يتصل به فلا تجب على السواد ...... وهذا أصح ما قيل فيه، وبه جزم في التجنيس. (شامي ۲۷/۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۱/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تین گاؤں والوں کا ایک ساتھ مل کر جمعہ قائم کرنا؟

سوال (۱۱۰۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک جامع مسجد میں تین گاؤں مل کر جمعہ کی نماز ادا کرتے تھے، جس میں تقریباً ساٹھ یا ستر افراد نماز جمعہ میں شریک ہوتے تھے، اب ان تین گاؤں میں سے ایک گاؤں میں جامع مسجد بن گئی ہے جس میں لوگ الگ سے جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں، اس صورت میں جمعہ کی نماز الگ سے ادا کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چھوٹے گاؤں، دیہات (جس میں ڈھائی تین ہزار سے کم آبادی ہو) میں جمعہ قائم کرنا درست نہیں ہے؛ لہٰذا سوال میں ذکر کردہ گاؤں اگر ایسے ہی چھوٹے دیہات ہوں تو ان میں کہیں بھی جمعہ پڑھنا درست نہ ہوگا، وہاں کے سب مسلمانوں پر جمعہ کے دن ظہر کی نماز پڑھنا ہی لازم ہے؛ البتہ اگر کوئی گاؤں بڑا ہو کہ وہاں آبادی بھی زیادہ ہو اور ضرورت کی چیزیں بآسانی دستیاب ہوں، تو وہاں جمعہ قائم کرنا درست ہوگا، اب اس تفصیل کے اعتبار سے آپ خود آبادیوں کا جائزہ لے کر فیصلہ کرلیں۔

عن ابن جريج قال: قلت لعطاء: ما القرية الجامعة؟ قال: ذات الجماعة والأمير والقصاص، والدور المجتمعة غير المتفرقة، الآخذ بعضها ببعض كهيئة جدة ...... قال: وإذا كنت في قرية جامعة فنؤدي الصلاة من يوم الجمعة فحق عليك أن تشهدها إن سمعت الأذان أو تسمعه. (المصنف لعبد الرزاق ۱۶۸/۳ رقم: ۵۱۷۹)

عن أبي حنيفةؒ أنه (المصر) بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها أساتيق

وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث وهذا هو الأصح. (شامي ٦/٣-٥ زكريا، بدائع الصنائع ٥٨٤/١-٥٨٥ كراچی، البحر الرائق ٢٤٦/٢ كوئٹه، حلبي كبير ٥٠٠ لاهور)

قال أصحابنا والنووي، و عبيد اللّٰه بن الحسن: لا جمعة إلا في مصر جامع، لا تصح الجمعة في السواد. (مختصر اختلاف العلماء ٣٢٩/١ دار البناء الإسلامية)

ولاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاضي ومنبر وخطيب. (شامي ١٣٨/٢ كراچی، ٧/٣ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۱۰/۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

لوگوں کی لعن طعن سے بچنے کیلئے چھوٹے گاؤں میں نفل کی نیت سے جمعہ میں شریک ہونا؟

سوال (۱۱۰۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے گاؤں میں ازروئے شرع نماز جمعہ جائز نہیں ہے؛ لیکن جمعہ ہوتا ہے، تو اب پوچھنا یہ ہے کہ اگر میں جمعہ پڑھنے نہیں جاتا تو لوگ طعنہ دیتے ہیں کہ دیکھو نئے نئے مولوی بن گئے اور نئے فتویٰ دیتے ہیں، جمعہ پڑھنے نہیں آتے، تو اس صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ آیا بنیت نفل نماز جمعہ میں شریک ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ یا تنہا ظہر پڑھنا لازم ہے؛ کیوں کہ دوسری جگہ جانا مشکل ہوتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جہاں اقامت جمعہ کی شرط نہ پائی جائے، وہاں کے رہنے والوں پر جمعہ کے دن ظہر پڑھنا لازم ہے، جمعہ پڑھنے سے فریضہ ادا نہ ہوگا۔ بریں بنا مذکورہ چھوٹی آبادی میں آپ کے لئے تنہا ظہر کی نماز پڑھنا ضروری ہے اور جو لوگ جمعہ پڑھتے ہیں، ان کو سنجیدگی اور نرمی سے مسئلہ سمجھا دینا چاہئے، اگر وہ پھر بھی نہ مانیں تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا

جائے، اوران کے ساتھ جمعہ میں شرکت نہ کی جائے، محض فتنہ کے ڈر سے شریعت کے خلاف عمل نہیں کرنا چاہئے ۔۔(فتاویٰ محمودیہ ۱۴۸/۸ ڈابھیل، فتاویٰ عثمانی ۵۶۴/۱)

لا تجوز في الصغيرة ليس فيها قاض و منبر و خطيب كما في المضمرات ...... ألا ترى أن في الجواهر: لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر. (شامي ٧/٣ زكريا)

إن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يصل الجمعة في القرى ولم يأمر بها فيها، فهلم بهذا أن القرى ليست محل إقامة الجمعة. (بذل المجهود ٦٣/٥، تحقيق: الشيخ تقى الدين الندوي، مركز الشيخ أبي الحسن الندوي)

وأما القرى فإن أرادوا الصلاة فيها فغير صحيحة على المذهب. (البحر الرائق ١٤١/٢ كوئٹه، هداية ١٦٨/١ رشيدية)

اتفق فقهاء الأمصار على أن الجمعة مخصوصة بموضع، لا يجوز فعلها في غيره، لأنهم مجمعون على أن الجمعة لا تجوز في البوادي و مناهل الأعراب. (أحكام القرآن للجصاص، سورة الجمعة ٦٦٦/٣)

عن الحسن أنه سئل: على أهل الأبلة جمعة قال: لا. (المصنف لابن أبي شيبة ٤٦/٤ رقم: ٥١٠٢ المجلس العلمي)

والأبلة: بلدة على شاطئ دجلة البصرة العظمى، في زاوية الخليج الذي يدخل إلى مدينة البصرة، وهي أقدم من البصرة. (قاله في معجم البلدان ٩٩/١ هامش المصنف لابن أبي شيبة، تحقيق: محمد عوامه ٤٧/٤-٤٦)

﴿أُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ [النحل: ١٢٥]

وأمره أن يدعو إلى دين الله وشرعه بتلطف ولين دون فحاشة وتعنيف. (تفسير قرطبي ٢٠٠/١٠ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۳/۶/۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایسے چھوٹے گاؤں میں جہاں انسانی ضرورتیں پوری نہ ہوسکیں، جمعہ کا قیام درست نہیں

سوال (۱۱۰۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: موضع گھنسور پور میں عرصۂ دراز سے نماز جمعہ ادا کی جارہی ہے، ساتھ میں عرصۂ دراز سے اس بارے میں اختلاف بھی جاری ہے، گاؤں کے کچھ حضرات یہاں پر نماز جمعہ کو جائز قرار دیتے ہیں، اور کچھ حضرات ناجائز قرار دیتے ہیں، جب کہ اس گاؤں کی آبادی تقریباً ساڑھے تین ہزار ہے، اور اس کے اندر ایک پرائمری اسکول، ایک عربی مدرسہ جس میں صرف گاؤں کے طالب علم پڑھتے ہیں، بیرونی کوئی طالب علم نہیں ہے، اور صرف ایک مسجد ہے جس میں پانچوں نمازیں باجماعت ہوتی ہیں، اور ایک امام صاحب ہیں، جو مسجد و مدرسہ دونوں میں کاموں کو انجام دیتے ہیں، اور گاؤں کے اندر چینی وتیل کا کوٹہ بھی ہے، بستی میں اکثر عمارتیں پختہ ہیں، اور گاؤں میں مندرجہ ذیل چیزوں میں سے ایک بھی موجود نہیں ہے:

(۱) ڈاک خانہ (۲) سرکاری شفاخانہ (۳) کالج (۴) کفن کی دوکان (۵) بازار (۶) چھاؤنی (۷) بس اڈا۔ نیز پختہ روڈ بھی گاؤں سے ایک کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، جہاں سے تمام شہروں کی سواری بآسانی مل جاتی ہے، اور ضروریات کی اکثر چیزیں یہاں دستیاب ہوجاتی ہیں، اس لئے آنجناب سے درخواست ہے کہ مذکورہ بالا مضمون کو مدنظر رکھتے ہوئے اور بستی کا آپسی اختلاف جو اس بارے میں ہے، اس کو مدنظر رکھتے ہوئے شرع متین کی روشنی میں واضح فرمائیں کہ کیا اس بستی میں نماز جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قریہ بڑے گاؤں کی تعریف میں نہیں آتا، کیوں کہ وہاں ضرورت کی اشیاء بآسانی مہیا نہیں ہیں، لہٰذا اگر سوال میں ذکر کردہ تفصیلات صحیح اور درست ہیں تو ایسے دیہات میں جمعہ پڑھنا از روئے فقہ حنفی درست نہ ہوگا

اوراس سے فریضہ ساقط نہ ہوگا اورانھیں ظہر کی نماز پڑھنی ہوگی۔

مذهب أبي حنيفة لا تصح الجمعة إلا في مصر جامع، أو فی مصلی المصر، ولا تجوز في القرى و استدل أبو حنيفة على أنها لا تجوز في القرىٰ بما رواه عبد الرزاق في مصنفه أخبرنا معمر عن أبی إسحاق عن الحارث عن علیؓ قال: لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع، زاد وفي رواية ابن أبي شيبة: أو مدينة عظيمة، و رويي أيضا بسند صحيح: حدثنا جرير، عن منصور، عن طلحة، عن سعد بن عبيد، عن أبي عبد الرحمن أنه قال: قال علي رضي الله عنه: فذكر نحوه. (بذل المجهود شرح سنن أبي داؤد ٥/ ٦١ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي)

قال في الشامي: لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر. (شامی ۲/ ۱۳۸ کراچی، ۳/ ۷ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۳/۳/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دو متصل گاؤں کو ملا کر ایک ساتھ جمعہ قائم کرنا؟

سوال (۱۱۰۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: احقر کے لئے تکلیف کا باعث یہ ہے کہ احقر محکمہ شرعیہ گجرات کا صدر ہے؛ لہٰذا آپ حضرات کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

عدم وجوب جمعہ کے متعلق مفتی صاحب کو سوال مرتب کرنے کے متعلق ذمہ داری حوالہ کی تھی انہوں نے برضاء ورغبت ذمہ داری قبول فرمائی تھی، مگر ۱۷/ ماہ ہوگئے باوجود توجہ دلانے کے ذمہ داری ادا نہیں کی، اس لئے وجوب جمعہ کے قائل حضرات کی طرف سے سوال لکھا جا رہا ہے، وجہ وجوب جمعہ کا فتویٰ نہ آجائے یا اختلاف فتاوی ہو عدم وجوب جمعہ، قریہ کبیرہ، دونوں ایک قریہ کے حکم میں ہیں۔

روہدارا گاؤں میں دس سال پہلے جمعہ ادا ہوتا تھا مگر شرعی مسئلہ معلوم ہونے کے بعد سے جمعہ کو ترک کردیا گیا، دس سال میں حالات تیزی سے بدلے، پچاس ساٹھ نئے مکان مزید مدرسہ کے ۲۵ رکرایہ کے مکان ایک دارالعلوم جس میں فی الحال تین سوطلبہ کی گنجائش ہے، مگر دوسوطلبہ پڑھتے ہیں، لڑکیوں کے لئے مدرسہ خیاطی کا انتظام دوکانوں کی تعداد میں اضافہ دیگر کاریگروں کا اضافہ وغیرہ امور کی وجہ سے اہل قریہ نے جمعہ کے متعلق سوال کیا، حالات بدلنے سے حکم بدلے گا، ایک مفتی صاحب نے وجوبِ جمعہ کا فتویٰ دیا، دوسرے مفتی صاحب جن کوسوال مرتب کرنے کی ذمہ داری حوالہ کی گئی تھی وہ عدم وجوب کے قائل ہیں، توانہوں نے نہیں مرتب کیا، وجہ وجوب جمعہ کا فتویٰ اصل مسئلہ حالات حاضرہ کی وجہ سے ہوجاوے یا اختلاف جواب ہو۔

روہدارا گاؤں میں تقریباً دوہزارآبادی ہے، سات کلاس تک اسکول ہے، ۴۵ رسال سے مشین ٹنکی سے پانی کانظم ہے، مکتب میں چھ یا سات مدرس پڑھاتے ہیں، دس گیارہ دوکانیں ہیں، ڈاک خانہ بھی موجود ہے، پچاس سال سے گورنمنٹ کی طرف سے منظورشدہ شرائط پر غلہ کی دوکان ہے، ۲۵ رکرایہ کے مکان وقف ہیں، ٹیلی فون بھی موجود ہیں، رکشہ ٹریکٹر اور ایک دارالعلوم جس میں دوسو طلبہ موجود ہیں، قیام وطعام کامکمل نظم ہے، طالبات کے لئے دینی تعلیم اور خیاطی کانظم ہے، اہل قریہ نے بھی خیاطی کانظم کیا ہے، ڈاکٹر بھی موجود ہے، ان حالات کے ساتھ روہدرا کے متصل ملحق ایک قریہ کرمالی ہے، دونوں میں دیہات کانظم علیحدہ ہے، مگر درمیان میں راستہ فقط بارہ پندرہ فٹ کا ہے، اجنبی آنے والے کو نہ بتلایا جائے تو مکمل اس قریہ کوروہدرا کا محلّہ تصور کرے گا، اس کی آبادی تقریباً ۹۰۰ رافراد ہوں گے، توحکیم الامتؒ کی تحریر کے مطابق دونوں دیہات کو نو وارد ایک ہی تصور کرے گا، لہٰذا دونوں کو ایک ہی کے حکم میں سمجھ کر قریہ کبیرہ کا حکم لگاکر وجوبِ جمعہ کا فتویٰ دیا ہے، نائی، لوہار جدید آلات کے ساتھ بڑھئی جدید مشین کے ساتھ موجود ہیں، چوتھی مسجد کی ضرورت کا احساس ہے، دومکتب میں دس اساتذہ، دارالعلوم میں تیرہ اساتذہ ہیں، مجموعی آبادی تین ہزار کے قریب ہے؛ لہٰذا جمعہ واجب ہے۔

عوام میں چہ میگوئیاں ہورہی ہیں جو موجب فتنہ نہ ہو، احقر نے عوام کو ساکت کردیا کہ مفتیانِ کرام کے فتاویٰ پر عمل ہوگا اس لئے امید ہے۔ جواب تحریر فرما کر ممنون فرمادیں گے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسبِ تحریر سوال جب کہ ''روپڑرا'' اور ''کرمالی'' دونوں گاؤں آپس میں بالکل متصل ہیں اور ان کی مجموعی آبادی تین ہزار تک پہنچ چکی ہے، نیز ضروریات کے سامان بھی مہیا ہیں، لہٰذا وہاں جمعہ قائم کرنا حنفیہ کے نزدیک درست ہے۔

وتقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق. (شامی کراچی ١٣٧/٢-١٣٨، شامي زكريا ٦/٣، بهشتي زيور ٨٠/١١، فتاویٰ دارالعلوم ٣٤/٥)

ومن كان مقيماً فى اطراف المصر ليس بينه وبين المصر فرجة بل الأبنية متصلة إليه، فعليه الجمعة، وإن كان بينه وبين المصر فرجعة من المزارع والمراعى، فلا جمعة عليه وإن كان يسمع النداء. (حلبي كبير ٥٥٢ لاهور، كذا في الفتاوى الهندية ١٤٥/١ رشيدية، البحر الرائق ٢٤٨/٢ رشيدية، فتاوى محموديه ١٦١/٨ ڈابھیل)

إن كان مقيماً فى عمران المصر وأطرافه وليس بين مكانه وبين المصر قرية فعليه الجمعة. (الفتاویٰ التاتارخانية ٥٥٣/٢) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٤/٦/١٤١٥ھ

دو بستیوں کی آبادی آپس میں مل جائے تو ان میں جمعہ کا حکم

سوال (١١٠٤): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میوات میں شاہ چوکھاؒ کے نام سے ایک بستی آباد ہے، جس کی اکثر آبادی ایک پہاڑی کے اوپر اور اب تقریباً اتنی ہی آبادی پہاڑی کے دامن میں ہے، پھلینڈی گاؤں اس پہاڑی کے دوسری جانب بالکل اسی طرح آباد ہے جس طرح شاہ چوکھاؒ آباد ہے، پہلے اگر تھوڑا فاصلہ تھا تو

پہاڑی کا ہی تھا، اب دونوں جانب آبادیاں توسیع ہوکر پہاڑی کے ایک سرے پر مل گئی ہیں۔ دونوں طرف کی آبادیاں پہاڑی کے اوپر اور دامن میں واقع ہیں، اور پہاڑی کے ایک سرے پر مل گئی ہیں، سوال یہ ہے کہ شاہ چوکھاؒ کی کئی مساجد میں جمعہ ہوتا ہے تو کیا اتصال آبادی کی وجہ سے پھلینڈی والے اپنی مساجد میں جمعہ پڑھ سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پھلینڈی کی آبادی چوں کہ پہلی آبادی سے متصل ہوچکی ہے، اور دونوں کے درمیان کوئی فصل نہیں رہا؛ اس لئے اس آبادی کا حکم بھی پہلی آبادی کے ساتھ ملحق ہوگا، اور اس میں بھی اب شرعاً جمعہ قائم کرنا جائز ہوجائے گا۔

ومن كان مقيماً في اطراف المصر ليس بينه وبين المصر فرجة بل الأبنية متصلة إليه، فعليه الجمعة، وإن كان بينه وبين المصر فرجة من المزارع والمراعي، فلا جمعة عليه وإن كان يسمع النداء. (حلبي كبير ٥٥٢ لاهور، كذا في الفتاوى الهندية ١٤٥/١ رشيدية، البحر الرائق ٢٤٨/٢ رشيدية، فتاوى محموديه ١٦١/٨ ڈابهيل)

إن كان مقيماً في عمران المصر وأطرافه وليس بين مكانه وبين المصر قرية فعليه الجمعة. (الفتاویٰ التاتارخانية ٥٣/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۱۱/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایسی تین بستیاں جن میں دو فرلانگ کا فاصلہ ہو ان میں جمعہ قائم کرنا؟

سوال (۱۱۰۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گاؤں کلیسر کی تین بستیاں ہیں، ہر ایک بستی میں ایک دو فرلانگ کا فاصلہ ہے، مگر نام تینوں کا ایک ہی ہے، گاؤں کی مردم شماری دو ہزار کے قریب ہے یا زیادہ ہے، ۱۶/دو کانیں ہیں، پرچون اور ڈاکٹر کی بھی ہے، ایک سرکاری ڈاک خانہ بھی ہے، آٹھویں تک کا سرکاری اسکول ہے، ایک موضع

فیض پور جس کی مردم شماری ۱۰۰۰ر کے قریب ہے، اس کی پنچایت بھی کلیسر میں ہے، مذکورہ گاؤں لب سڑک واقع ہے، ہر بس رکتی ہے، فیض پور دو کلو میٹر دور ہے، گاؤں کلیسر کو قدیم سے لوگ بڑا گاؤں مانتے ہیں، گورنمنٹ بھی اس کو اپنی فہرست میں بڑا لکھتی ہے، کیا شریعت مطہرہ بھی اس کو بڑا گاؤں شمار کرے گی یا نہیں؟ اگر نہیں کرتی تو بڑے گاؤں کی مکمل پہچان تفصیل سے لکھ دیں، اگر کلیسر مذکورہ حالات میں شریعت کی نظر میں بڑا گاؤں ہے، تو جمعہ اس میں درست ہوگا یا نہیں؟ بندہ نے جو حالات تحریر کئے ہیں یہ مکمل سچ اور درست ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: گاؤں کلیسر کی آبادیوں میں چوں کہ ایک دو فرلانگ کا فاصلہ ہے، اور دیکھنے سے وہ متصل معلوم نہیں ہوتیں؛ لہٰذا اگر چہ ان سب آبادیوں کا نام ایک ہو؛ لیکن شرعاً ان کو ایک موضع اور بستی کے حکم میں نہیں مانا جائے گا؛ بلکہ ہر آبادی الگ الگ شمار ہوگی، اور جب تک ایک آبادی میں ڈھائی تین ہزار کی مردم شماری نہ ہو جائے، اس وقت تک وہاں جمعہ کا قیام درست نہ ہوگا۔ سوال میں مذکور لب سڑک آبادی فیض پور بھی چھوٹی بستی کے حکم میں ہے، وہاں بھی جمعہ کا قیام درست نہیں ہے؛ لہٰذا ان جگہوں کے رہنے والے لوگ جمعہ کے دن باجماعت ظہر ادا کریں۔ (فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۸/۱۶۱، فتاویٰ دار العلوم ۵/۱۵۶، ایضاح المسائل ۶۴)

ولا تصح الجمعة إلا في مصر جامع أو في مصلى المصر ولا تجوز في القرىٰ. (هداية ١/١٦٨، كبيري ٥١٠)

ومن لا تجب عليه الجمعة من أهل المصر والبوادي لهم أن يصلوا الظهر بجماعة يوم الجمعة بأذان وإقامة. (الفتاوىٰ الهندية ١/١٤٥)

من لاتجب عليهم الجمعة لبعد الموضع صلوا الظهر بجماعة. (شامی زکریا ۳/۳۳)

ومن كان مقيماً في اطراف المصر ليس بينه وبين المصر فرجة بل الأبنية متصلة إليه، فعليه الجمعة، وإن كان بينه وبين المصر فرجة من المزارع

والـمـراعـى، فلا جمعة عليه وإن كان يسمع النداء. (حلبي كبير ۵۵۲ لاهور، وكذا في الفتاوى الهندية ۱/۱۴۵ رشيدية، البحر الرائق ۲/۲۴۸ رشيدية)

وفـي الـجـمعة: واختيار المشائخ أنه إذا وجدت شرائط الجمعة فالفرض هـو الجمعة إن أدرك وصلى، وإن لم يدرك ففرضه الظهر. (تاتارخانيه ۲/۵۴۵ رقم: ۳۲۵۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱۱/۱۹ھ

چھوٹی آبادی میں جمعہ کی امامت کرنا

سـوال (۱۱۰۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارا گاؤں قریہ صغیر ہے لیکن ہم گھر جاتے ہیں تو ہمیں نماز جمعہ وعیدین میں امام بننا پڑتا ہے، تو کیا ہم امامت کرسکتے ہیں یا انکار کردیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں آپ کے لئے گھر جاکر مذکورہ گاؤں میں جمعہ وعیدین کی امامت درست نہیں ہے، شرعی مسئلہ بتاکر صاف منع کردیں۔

ومن لاتجب عليهم الجمعة من أهل القرى والبوادى لهم أن يصلوا الظهر بجماعة يوم الجمعة بأذان وإقامة. (عالمگیری ۱/۱۴۵)

وشـرط صـحتهـا أن تـؤدى فـي مـصر حتى لاتصح في قرية ولا مفازة لـقـول علي رضي الله عنه: لاجمعة ولا تشريق ولا صلاة فطر ولا أضحى إلا فـي مـصر جامع، أو في مدينة عظيمة. رواه ابن أبي شيبة. (البحرالرائق ۲/۱۴۰ کوئٹہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۴/۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جہاں شرائط جمعہ نہ پائی جائیں وہاں پر جمعہ پڑھنا

سوال (۱۱۰۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عوام الناس کے ساتھ ساتھ علماء کرام اور مفتیان کرام بھی دیہات میں نماز جمعہ ادا کرتے ہیں، حالاں کہ اس جگہ مکمل طور پر جمعہ کی شرائط بھی نہیں پائی جاتی ہیں، نیز وہاں کے اکثر لوگ اپنی ضروریات فراہم کر کے رکھتے ہیں، تو ایسی جگہ جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر نماز جمعہ ادا کرلیں تو ادا ہوگی یا نہیں، اور ان پر ظہر پڑھنا فرض ہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس گاؤں میں جمعہ کی شرائط نہیں پائی جاتی ہیں، وہاں جمعہ قائم کرنا جائز نہیں، جو شخص اس جگہ جمعہ پڑھ لے تو اس سے وقت کا فریضہ ساقط نہیں ہوگا، اس کے ذمہ ظہر کی ادائیگی لازم رہے گی۔ (فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۲۳/۸، امداد الاحکام ۳۳۹/۲، امداد المفتیین ۳۹۴)

وتقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق وفيما ذكرنا إشارة إلى أنها لا تجوز في الصغيرة. (شامي زكريا ۷/۳)

ألا ترى أن في الجواهر لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر. (شامي زكريا ۷/۳)

عن حذيفة رضي الله تعالى عنه قال: ليس على اهل القرى جمعة، إنما الجمع على أهل الأمصار مثل المدائن. (المصنف لابن أبي شيبة ٤/٤٦ رقم: ٥١٠٠) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۴/۲/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شرائط کے تحقق کے بغیر جن دیہاتوں میں ایک زمانہ سے جمعہ ہورہا ہے ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

سوال (۱۱۰۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: جہاں جمعہ جائز نہیں ہے دیہات وغیرہ، اگر وہاں پہلے سے ہو رہا ہو تو اس کیلئے کیا حکم ہے؟ پڑھا جائے یا ختم کرا دیا جائے؛ حالانکہ شاید دیوبند کا فتویٰ یہی ہے کہ جہاں ہو رہا ہے وہاں ہونے دیں، ختم نہ کیا جائے، چاہے دیہات ہو یا گاؤں وغیرہ۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چھوٹے دیہاتوں میں جمعہ کا قیام حنفیہ کے نزدیک درست نہیں ہے، اگر وہاں پہلے سے جمعہ ہوتا آرہا ہے پھر بھی حکمت عملی کے ساتھ اسے ختم کر کے ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے، علماء دیوبند کا فتویٰ اسی پر ہے، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے مقامات پر جمعہ جاری رکھنے کا فتوی دیا تھا؛ لیکن دیگر حضرات مفتیان نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ (فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۸/۱۲۳، کفایت المفتی ۳/۲۰۵، امداد الاحکام ۲/۳۳۹، امداد المفتیین ۴/۳۹)

وتقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق وفيما ذكرنا إشارة إلى أنها لا تجوز في الصغيرة. (شامی زکریا ۳/۷)

ألا ترى أن في الجواهر لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر. (شامی زکریا ۳/۷)

عن حذيفة رضي الله تعالى عنه قال: ليس على اهل القرى جمعة، إنما الجمع على أهل الأمصار مثل المدائن. (المصنف لابن أبي شيبة ٤/٤٦ قم: المجلس العلمي)

من لاتجب عليهم الجمعة لبعد الموضع صلوا الظهر بجماعة. (شامی زکریا ۳/۳۳)

وفي الجمعة: واختيار المشائخ أنه إذا وجدت شرائط الجمعة فالفرض هو الجمعة إن أدرك وصلى، وإن لم يدرك ففرضه الظهر. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٢/٥٤٥ رقم: ٣٢٥٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۱۱/۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جہاں جمعہ جائز نہیں وہاں جمعہ بند کرنے میں کوئی قباحت نہیں

سوال (۱۱۰۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جہاں جمعہ جائز نہیں ہے، اور وہاں ہورہا ہے، تو وہاں ختم کردینے میں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جس مسجد میں جمعہ ہوتا ہے اسے بند کرکے وہاں بھی ظہر کی نماز ہونی چاہئے اور جس مسجد میں جمعہ نہیں ہوتا وہاں بدستور ظہر کی نماز باجماعت پڑھنی چاہئے۔

بخلاف القری؛ لأنه لاجمعة عليهم، فكان هذا اليوم في حقهم كغيره من الأيام. (شامی زکریا ۳/ ۳۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۱۱/۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پندرہ سو کی آبادی میں جمعہ قائم کرنا

سوال (۱۱۱۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری بستی میں تقریباً ۱۵/سو لوگوں کی آبادی ہے، جس میں ایک مسجد ہے اور ایک مدرسہ ہے، مسجد اور مدرسہ کے درمیان ایک عام راستہ ہے، بڑھتے ہوئے نمازیوں کو دیکھتے ہوئے نماز جمعہ میں پریشانی ہوتی ہے، دوسرے محلّہ میں ایک مسجد بنانے کا ارادہ ہے، اس جگہ کے پاس جہاں مسجد بنی ہے، تقریباً ایک ہفتہ سے ایک بیٹھک میں پنج وقتہ نماز باجماعت ہورہی ہے، نمازی حضرات کی پریشانی مدنظر رکھتے ہوئے اب نمازی پرانی مسجد کے امام صاحب کے پیچھے مدرسہ میں نماز جمعہ ادا کریں یا نہیں؟ یا اس بیٹھک پر نماز جمعہ ادا کریں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اس بستی کی آبادی صرف ۱۵/سو ہے اور وہاں

ضروریات، بازار، پولیس چوکی، ڈاک خانہ وغیرہ موجود نہیں ہے تو وہاں حنفیہ کے نزدیک نماز جمعہ پڑھنا ہی صحیح نہیں ہے، یہ بحث تو بعد میں ہوگی کہ کہاں پڑھی جائے گی۔

منها المصر هٰكذا في الكافي. (الفتاویٰ الهندية ١/ ١٤٥)

لا تجوز في الصغيرة ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما في المضمرات ...... ألا ترى أن في الجواهر: لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر. (شامي ٤/ ٧ زكريا)

وعن أبي حنيفة أنه بلدة كبيرة فيها سلك وأسواق ولها رساتيق، وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته، وعلمه أو علم غيره يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث. (شامی ٥/ ٣ زكريا، فتاوی محموديه ڈابهيل ٨/ ١٤٥، امداد الفتاوی ١/ ٦٧٥، كفايت المفتی ٣/ ٢١١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۹/۱۴۱۷ھ

پندرہ سو کی آبادی میں قیام جمعہ سے منع کرنا چاہئے

سوال (۱۱۱۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے گاؤں سے دو کلومیٹر کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے، جس کی آبادی تقریباً پندرہ سو ہے، اور تقریباً سو سال سے زائد سے نماز جمعہ ادا کی جارہی ہے، تو ایسی صورت میں ان کو نماز جمعہ سے روکنا چاہئے یا نہیں؟ جبکہ روکنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے۔ اور کفایت المفتی ۳/ ۱۸۷ کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ اگر فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو تو جمعہ کی نماز بند نہیں کرنا چاہئے، آپ فقہ وحدیث کی روشنی میں اس بارے میں حکم شرعی سے آگاہ فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کو چاہئے کہ صحیح مسئلہ بتادیں اور خود وہاں جمعہ ادا نہ کریں، کسی پر زور وزبردستی اور لڑائی جھگڑے کی ضرورت نہیں۔ (مستفاد محمودیہ ڈابھیل ۸/ ۱۴۶، رحیمیہ ۸/ ۱۰۲)

ان رسول اللّٰہ ﷺ لم يصلی الجمعة فی القری ولم يأمر بها فيها، فهلم بهذا أن القرى ليست محل إقامة الجمعة. (بذل المجهود ٥/ ٦٣ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي)

عن علی رضی اللّٰه عنه أنه قال: لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع.

(المصنف لابن أبي شيبة ٤/ ٤٥ رقم: ٥٠٩٨)

ويشترط لصحتها سبعة اشياء: الأول المصر. (شامي كراچی ٢/ ١٣٧) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۷/۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک ہزار کی آبادی میں جمعہ کا حکم؟

سوال (۱۱۱۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرا چھوٹا سا گاؤں ہے، جس کی تقریباً ایک ہزار آبادی ہے، وہاں پر جمعہ نہیں ہوتا ہے، لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر ہمارے گاؤں میں جمعہ ہونے لگے، تو نمازی بڑھ جائیں گے؛ لیکن گاؤں کے قرب وجوار میں کوئی قصبہ اور شہر بھی نہیں ہے، کیا وہاں پر جمعہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں کیا جاسکتا تو جمعہ کے شرائط کیا ہیں؟ اور جمعہ قائم کرنے کے لئے کتنی آبادی کا ہونا شرط ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کی صحت کے لئے بڑا قصبہ ہونا ضروری ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں آپ کے گاؤں میں جہاں صرف ایک ہزار کی آبادی ہے، جمعہ کا قیام شرعاً درست نہ ہوگا، کم از کم ڈھائی ہزار کی آبادی قریہ کبیرہ کے حکم میں ہوتی ہے۔

تقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق ...... لا تجوز في الصغيرة. (شامی کراچی ٢/ ١٣٨، شامی زکریا ٣/ ٦، البحر الرائق ٢/ ١٤١، فتاویٰ دارالعلوم ٥/ ١٧٣)

عن علی رضی اللّٰه عنه أنه قال: لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع.

(المصنف لابن أبي شيبة ٤/ ١٤٥ رقم: ٥٠٩٨ المجلس العلمي)

وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لاتجوز في الصغيرة التى ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما في المضمرات. (شامي زكريا ٣/ ٧، بدائع الصنائع ١/ ٥٨٥، البحرالرائق ٢/ ١٤٠، حلبی کبير ٥٥٠)

وفي التاتارخانية: ثم ظاهر رواية أصحابنا لاتجب إلا على من يسكن المصر، أو ما يتصل به فلا تجب على السواد ...... وهذا أصح ماقيل فيه، وبه جزم في التجنيس. (شامي ٣/ ٢٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۶/۸/۱۱ھ

۸۰/گھروں کی آبادی پر جمعہ وعیدین

سوال (۱۱۱۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارا گاؤں ۸۰ گھروں پر مشتمل ہے اور اس میں ایک پکی مسجد ہے، پورے گاؤں میں ایک بھی چھوٹی بڑی دوکان نہیں ہے؛ البتہ گاؤں کی ایک جانب چوک پر دو تین دوکانیں ہیں، اس گاؤں میں جمعہ کی نماز بہت سالوں پہلے سے ادا کی جاتی ہے اور نماز عیدین دوسرے قصبہ میں جا کر ادا کرتے ہیں؛ لیکن دس سال قبل عیدین کی نماز بھی اس گاؤں میں قائم کردی گئی ہے۔ منشاء سوال یہ ہے کہ اس گاؤں میں نماز جمعہ وعیدین جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۸۰ گھروں کی آبادی قریۂ صغیرہ ہے، اس میں جمعہ یا عیدین کا قیام جائز نہیں ہے۔

وقد تلقت الأمة تلقيا معنويا من غير تلقي لفظ أنه يشترط في الجمعة الجماعة و نوع من التمدن، وكان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم و خلفاءه رضي اللّٰه عنهم والأمة المجتهدون رحمهم اللّٰه يجمعون في البلدان ولا يؤاخذون أهل البدو، ولا يقام في عهدهم، وفهموا من ذٰلک قرنا بعد قرن و عصر بعد عصر أنه يشترط لها

الجماعة و التمدن. (حجة الله البالغة، الصلاة / تجب الجمعة في البلدان ۲/ ۹۸ مكتبه حجاز ديو بند)

عن حماد عن إبراهيم عن حذيفة قال: ليس على أهل القرى جمعة الجمعة على أهل الأمصار: مثل المدائن. (المصنف لابن أبي شيبة ٤/ ٤٦ رقم: ٥١٠٠)

وفي التاتارخانية: ثم ظاهر رواية أصحابنا لا تجب إلا على من يسكن المصر، أو ما يتصل به فلا تجب على السواد ...... وهذا أصح ماقيل فيه، وبه جزم في التجنيس. (شامي ۳/ ۲۷ زكريا)

ويشترط لصحتها سبعة أشياء: أول: المصر. (شامي ۳/ ٥ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/ ۴/ ۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۸۰-۹۰/ گھروں کی آبادی میں جمعہ

سوال (۱۱۱۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا ایسے گاؤں میں نماز جمعہ پڑھ سکتے ہیں جہاں کی آبادی میں سو گھر ہوں؟ اور ضرورت کا سامان بھی نہ ملتا ہو؟ اور وہاں ۸۰/۹۰ / سال سے جمعہ ہوتا ہے، ایسے گاؤں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس گاؤں میں قیام جمعہ کی شرائط (تین چار ہزار کی آبادی ضروریات کی فراہمی وغیرہ) نہیں پائی جاتی، لہٰذا وہاں کے باشندوں پر ظہر کی نماز فرض ہے، جمعہ پڑھنے سے ان کے ذمہ سے فرض ساقط نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲/ ۳۰ وغیرہ)

ولا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض. (شامی ۲/ ۱۳۸ کراچی، شامی ۳/ ۷ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/ ۲/ ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۵۰/ یا ۵۶/ گھروں کی آبادی میں جمعہ

سوال (۱۱۱۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک گاؤں میں سات آٹھ دوکانیں ہیں اور پچاس یا چھپن گھر مسلمانوں کے ہیں اور وہاں سے کم از کم سات آٹھ کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک قصبہ میں مسجد بنی ہے، اور لوگوں کو وہاں جانے میں پریشانی بھی ہوتی ہے، تو ایسے گاؤں کی مسجد میں جمعہ کی نماز جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح عید کی نماز بھی جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس گاؤں کی آبادی اگر ڈھائی ہزار لوگوں سے کم ہے (جن میں ہندو مسلمان سب شامل ہیں) تو اس گاؤں کے رہنے والوں پر جمعہ یا عیدین واجب نہیں ہوگا۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۱۱/۸۰، امداد الفتاویٰ ۱/۶۱۸، ۶۲۰، امداد الأحکام ۲/۴۱۶، ۴۱۷، فتاویٰ دار العلوم ۵/۴۵، ۵۴)

وممـا ذكـرنـا إشارة إلى أنه لا يجوز فى الصغيرة التى ليس فيها قاض ومنبر (إلى قوله) ألا ترى أن فى الجوهر لو صلوا القرىٰ لزمهم أداء الظهر. (شامی ۳/۷ زکریا)

وشرط صحتها أن تؤدى في مصر حتى لاتصح في قرية ولا مفازة لقول على رضى الله عنه: لاجمعة ولا تشريق ولا صلاة فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع، أو في مدينة عظيمة. رواه ابن أبي شيبة. (البحرالرائق ۲/ ۱٤۰ کوئٹہ)

وعبارة القهستانى: تقع فرضا فى القصبات والقرى الكبيرة التى فيها أسواق. (شامی زکریا ۳/۶) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۳/۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بڑی بستی سے دور ۵۰/ گھر کی آبادی میں جمعہ قائم کرنا

سوال (۱۱۱۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ایک بستی ہے جس کی آبادی تقریباً ۷/۸ ہزار نفوس پر مشتمل ہے، بستی میں ۴/ مساجد ہیں، جن میں سے تین میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے، بستی کی عیدگاہ بھی ہے جس میں عیدین کی نماز ادا کی جاتی ہے، اس بستی کا ایک خاندان بستی سے ایک ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلہ پر آباد ہے، اس کی آبادی پچاس مکانوں پر مشتمل ہے، یہاں ایک مسجد ہے جس میں امام صاحب اور پنج وقتہ جماعت کی نماز کا اہتمام ہے، یہ لوگ جمعہ وعیدین کی نماز ادا کرنے کے لئے اندر بستی ہی میں جاتے ہیں، جہاں یہ خاندان آباد ہے وہاں بلکہ اس سے بھی آگے تک بستی والوں کی ہی کاشت کاری کی زمین ہے، یہ خاندان اپنی ہی زمین پر بستی سے ایک ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلہ پر جاکر ایک چھوٹی بستی کی شکل میں آباد ہوگیا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ خاندان والے اپنی مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کر سکتے ہیں؟ کیا ان کے لئے اپنی بستی میں جمعہ اور عیدین کی نماز قائم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ ۵۰/ گھر کی آبادی چوں کہ بڑی بستی سے بالکل الگ اور منفصل ہے؛ اس لئے وہاں فقہ حنفی کی رو سے جمعہ کا قیام درست نہیں ہے، وہاں رہنے والے حضرات وہاں رہتے ہوئے صرف نماز ظہر ادا کرتے رہیں۔

والتعريف أحسن من التحديد لأنه لا يوجد ذلک في كل مصر. (شامی / باب الجمعة ۳/ ۸ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۵/۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۲۵/ گھروں پر مشتمل گاؤں میں جمعہ کا حکم؟

سوال (۱۱۱۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک گاؤں ہے جس کی آبادی پچیس گھروں پر مشتمل ہے، وہاں نہ کوئی مسجد تھی نہ عیدگاہ، عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ اور جمعہ کی نماز پڑھنے میں بہت پریشانی ہوتی تھی؛ کیونکہ اس گاؤں سے شہر یا قصبہ آٹھ کیلومیٹر کی دوری پر ہے، اس جگہ عیدالفطر یا عیدالاضحیٰ یا جمعہ کی نماز پڑھنے جانے میں اکثر لوگوں کی نماز نکل جاتی

ہے،شہر یا قصبہ جانے کے لئے سواری کی سہولت بھی نہیں ہے،نماز پڑھنے جانے کیلئے پیدل جانا ہوتا ہے،اور خاص کر بارش یا سیلاب کے موقع پر کوئی پہونچ نہیں پاتا ہے،اس گاؤں میں چار سال قبل مسجد کی تعمیر ہوگئی تھی،اور وہاں کے لوگ اس مسجد میں ہی عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ اور جمعہ کی نماز دو سال قبل سے ادا کرتے ہیں،اس مسجد میں عیدالفطر وعیدالاضحیٰ وجمعہ کی نماز ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برتقدیر صحت سوال مذکورہ گاؤں بہت چھوٹا ہے،وہاں جمعہ اور عیدین کی نمازیں ادا کرنا جائز نہیں ہے، وہاں کے لوگوں پر لازم ہے کہ جمعہ کے دن ظہر کی نماز ادا کیا کریں اور عیدین کی نماز پڑھنی ہو تو کسی بڑی آبادی میں جائیں۔

ويشترط لصحتها سبعةأشياء: الأول: المصر الخ (درمختار زکریا ۳/۵)

ان رسول الله ﷺ لم يصلى الجمعة فى القرى ولم يأمر بها فيها، فعلم بهذا أن القرى ليست محل إقامة الجمعة. (بذل المجهود ٦٣/٥ مركز الشيخ أبي الحسن الندوى)

عن على رضى اللّٰه عنه أنه قال: لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع.

(المصنف لابن أبي شيبة ٤٥/٤ رقم: ٥٠٩٨)

ويشترط لصحتها سبعة اشياء: الأول المصر. (شامي كراچی ١٣٧/٢)

واتفق فقهاء الأمصار على أن الجمعة مخصوصة بموضع لا يجوز فعلها في غيره: لأنهم جمعون على أن الجمعة لا تجوز في البوادي وفي أهل الأعراب. (أحكام القرآن ٦٦٦/٣ سورة الجمعة)

وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لاتجوز في الصغيرة التى ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما في المضمرات. (شامي زكريا ٣/ ٧، بدائع الصنائع ١/ ٥٨٥، البحرالرائق ٢/ ١٤٠، حلبى كبير ٥٥٠) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۸/۱۱/۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

عارضی مصلیٰ پر جمعہ پڑھنا؟

سوال (۱۱۱۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مسجد جدید تعمیر کرنے کی غرض سے شہید کی گئی، اس کے پڑوس میں ایک مسلمان شخص نے بغیر کسی اجرت کے عارضی طور پر روزانہ پنج وقتہ نماز ادا کرنے کی غرض سے زمین عطا کی، اس پر ٹین شیڈ ڈال کر پنج وقتہ نماز ادا کی جارہی ہے، اسی شیڈ کے نیچے جمعہ ادا کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس جگہ عارضی طور پر پنج وقتہ نماز ادا کی جارہی ہے، وہاں حسب شرائط جمعہ قائم کرنا بھی شرعاً درست ہے؛ اس لئے کہ جمعہ کی صحت کے لئے مسجد ہونا شرط نہیں ہے؛ بلکہ قریہ کبیرہ یا شہر ہونا کافی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۵۴/۸-۵۵)

وفي الفتاویٰ الغیاثیة: لو صلی الجمعة في قریة بغیر مسجد جامع والقریة کبیرة لها قریً، وفیها والٍ وحاکمٍ جازت الجمعة بنو المسجد أو لم یبنوا وهٰذا أقرب الأقاویل إلی الصواب، والمسجد الجامع لیس بشرط، ولهٰذا أجمعوا علی جوازها بالمصلی في فناء المصر الخ. (حلبي کبیر لاهور ۵۵۱، طحطاوي علی المراقي ۵۰۶)

وکذا السلطان إذا أراد أن یصلي بحشمه في داره فإن فتح بابها وأذن للناس إذناً عاماً جازت صلاته شهدتها العامة أو لا. (شامي زکریا ۲۶/۳، الفتاویٰ الهندیة ۱۴۸/۱)

قوله أو مصلاة: أي مصلی المصر؛ لأنه من توابه فکان في حکمه والحکم غیر مقصود علی المصلی؛ بل یجوز في جمیع أفنیة المصر؛ لأنها بمنزلة المصر في حوائج أهله، والفناء في اللغة: سعة أمام البیوت، وقیل: ما امتد من جوانبه کذا في المغرب. (البحر الرائق ۱۴۰/۲ کوئٹه) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۳/۵/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فیکٹری کے عارضی مخصوص مصلیٰ پر جمعہ کی نماز پڑھنا؟

سوال (۱۱۱۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں فیکٹری میں کام کرتا ہوں، فیکٹری شہر سے سات کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، جب کہ تقریباً دوکلومیٹر پر ایک قصبہ ہے، فیکٹری کے آس پاس کوئی آبادی نہیں ہے، فیکٹری کی مسجد میں صرف دو نمازیں ظہر اور عصر باجماعت ہوتی ہیں، جبکہ باقی اوقات میں ورکرز چونکہ فیکٹری میں نہیں ہوتے جس کی وجہ سے باقی نمازیں پڑھنا ممکن نہیں، فیکٹری کی مسجد میں جمعہ کی نماز بھی پڑھی جاتی ہے، حالانکہ یہاں پر ضروریات زندگی یا مارکیٹ نہیں ہے، اور ہر خاص وعام کو مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں سوائے فیکٹری ملازمین کے، ایک مفتی صاحب کہتے ہیں کہ: چونکہ نماز جمعہ سے روکنے سے انتشار پیدا ہونے کا خدشہ ہے اس لیے نماز جمعہ پڑھنے سے نہ روکا جائے، جبکہ ایک اور مفتی صاحب کہتے ہیں کہ آپ کی فیکٹری کی مسجد ایک جائے نماز ہے مسجد نہیں ہے، اور یہاں چونکہ جمعہ کی شرائط پوری نہیں ہوتی ہیں اس لیے آپ ظہر کی نماز باجماعت ادا کریں، ایک اور مولانا صاحب کہتے ہیں کہ: اگر باہر سے لوگوں کو مسجد میں آکر نماز پڑھنے کی اجازت دے دی جائے تو جمعہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں؟ اس لیے محترم مفتی صاحب ہماری رہنمائی فرمائیں کہ فیکٹری میں نماز جمعہ پڑھنا چاہیے یا ظہر کی نماز باجماعت ادا کی جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب تحریر سوال جبکہ مذکورہ فیکٹری شہری آبادی سے کافی دور میدان میں واقع ہے، اس لیے وہاں جمعہ قائم کرنا درست نہیں ہے، لہٰذا جمعہ کے دن ظہر کی نماز ہی پڑھنی چاہئے اور باہر کے لوگوں کو اجازت دینے کے باوجود بھی یہی حکم رہے گا کیونکہ یہاں اقامت جمعہ کی شرائط متحقق نہیں ہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/۶۳۴)

ویشترط لصحتها سبعة أشياء: المصر أو فناؤه...... وهو ما حوله، (إلى قوله) وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لا يجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ألا

تـرى أن فـي الـجـواهر لو صلوا في القرى لزمهم أداء الظهر. (رد المحتار على الدر المختار ۳/ ۵، ٦، ۳، ۷ زكريا ديو بند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاه: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۴/۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر رہائشی اور عارضی جگہ پر فیکٹری والوں کا جمعہ کی نماز پڑھنا

سوال (۱۱۲۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک غیر رہائشی علاقہ ہے، جہاں مسلمانوں اور غیر مسلموں کی فیکٹریاں ہیں، وہاں ایک عارضی جگہ یعنی ایک بلڈنگ کے ''ہال'' میں تین وقت کی نماز کا انتظام ہے، دور دور سے مسلمان کاروبار کو آتے ہیں، شام کو اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں، لیکن اس عارضی جگہ میں کئی مہینوں سے جمعہ ادا کیا جارہا ہے (جبکہ اس کے دو کلومیٹر کے آس پاس چار مسجدیں آباد ہیں، اور اس میں کثیر تعداد میں نماز جمعہ کے لئے مسلمان آتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ایک ایسا علاقہ جو رہائشی نہ ہو، نیز جگہ بھی عارضی ہو، کیا وہاں نماز جمعہ جائز ہے؟ مدلل جواب تحریر فرما کر عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور رہوں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر یہ فیکٹریاں شہری حدود میں واقع ہیں، اور نماز جمعہ کے وقت جس ہال میں نماز پڑھی جاتی ہے، وہاں کسی شخص کے داخلہ پر پابندی نہیں ہوتی، یعنی عام اجازت ہوتی ہے، تو اس جگہ نماز جمعہ پڑھنا جائز اور درست ہے، اور اگر یہ جگہ شہری حدود سے باہر ہے یا وہاں اذن عام کی شرط نہیں پائی جاتی ہے، تو اس جگہ جمعہ کا قیام جائز نہ ہوگا، بلکہ ظہر کی نماز پڑھنی ہوگی۔

السلطان إذا أراد أن يجمع بحشمه في داره، فإن فتح باب الدار وأذن إذنًا عاماً جازت صلاته شهدها العامة أو لم يشهدوها. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱٤۸ كوئٹه)

ولا يجب على من كان خارجه، ولو سمع النداء من المصر. (حاشية الطحطاوي على المراقي ٥٠٤)

والخامس: من شروط صحة الجمعة الأذن العام – إلى قوله – حتى لو غلق الإمام باب قصره، أو المحل الذى يصلى فيه بأصحابه لم يجز. (حاشية الطحطاوي ٥١٠) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۷/۸/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چبوترہ کی شکل میں بنی ہوئی مسجد میں جمعہ پڑھنا؟

سوال (۱۱۲۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شہر ہردوئی میں ایک محلّہ نبی پورہ ہے جس میں قدیم زمانہ سے ایک مسجد ہے، جس کی بنیاد بھری ہوئی ہے، (جو ابھی بشکل چبوترہ ہے تعمیر نہیں ہے) جو شیعہ کی ہے، ان کی طرف سے اور اس جگہ کا ان کی طرف سے جو وارث ہے ان کی طرف سے بھی نماز پڑھنے کی اجازت رہی ہے، اور نماز ہوتی بھی رہی ہے، مگر باضابطہ نماز کا سلسلہ نہ رہا؛ البتہ اِدھر کئی سالوں سے ٹین کا سایہ کر کے پنج وقتہ نماز باجماعت پابندی سے ہو رہی ہے، مستقل امام بھی ہے، ایسی مسجد میں نماز پڑھنے پر مسجد کا ثواب ہوگا یا نہیں؟ نیز جمعہ قائم کرنے میں کوئی مضائقہ تو نہیں ہے؟ یہ درمیان شہر میں ہے، اور اس کے دونوں طرف کی مسجدیں ذرا فاصلہ پر ہیں کہ ہر شخص جمعہ کے لئے وہاں نہیں پہنچ سکتا، اس لئے وہاں جمعہ قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب تحریر سوال کیوں کہ مذکورہ جگہ مسجد کے لئے عرصہ دراز سے متعین ہے، اور اس جگہ کے ذمہ داروں کی طرف سے وہاں پر نماز کی اجازت بھی دی گئی ہے، اس لئے وہاں پر نماز درست ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں ہے، اور وہاں جمعہ بھی قائم کیا جاسکتا

ہے؛ کیوں کہ وہ بیچ شہر میں ہے؛ البتہ وہ جگہ مسجد شرعی ہے یا نہیں؟ اور وہاں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ اس بارے میں حکم اس وقت واضح ہوگا جب یہ پتہ چل جائے کہ اس جگہ کو مالکین کی طرف سے وقف کیا گیا یا نہیں؟ پس اگر یہ جگہ باقاعدہ وقف شدہ ہے تو یہ مسجد شرعی بن جائے گی، اور وہاں نماز پڑھنے پر مسجد کا ثواب ملے گا، اور اگر یہ وقف شدہ نہیں ہے؛ بلکہ ملکیت ہے تو یہ مسجد شرعی نہیں بنے گی، اس کی تحقیق کرلی جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۲۱/۸۸)

من بنى مسجد لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه ويأذن بالصلاة فيه. (الفتاویٰ الهندية، الوقت/ الباب الحادي عشر في المسجد ۲/ ۳۴۷، فتح القدير ۶/ ۲۳۳ دار الفكر بيروت، البحر الرائق ۵/ ۲۴۵ كوئٹه)

يصح اداء الجمعه فی مصر واحد بمواضع كثيرة. (البحر الرائق ۲/ ۱۵۰ رشيديه، الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱۴۵، الدر المختار مع الشامي ۲/ ۱۴۴ کراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۲/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ایک بستی کے حالات اور اس میں قیام جمعہ کا حکم

سوال (۱۱۲۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: موضع احمد پور ٹانڈہ ضلع بلند شہر میں ایک عرصہ دراز تک نماز جمعہ ادا کی گئی، بستی میں ایک مقامی امام تھے جو تقریباً ۴۰ر سال تک عہدۂ امامت پر فائز رہے اور ان کے دور امامت میں بدستور نماز جمعہ ادا کی جاتی رہی، لیکن کم وبیش ۲۰ر سال قبل مقامی امام صاحب اپنے ہی خاندان کے عائد کردہ سنگین الزامات کی زد میں آگئے اور انہیں منصب امامت سے سبکدوش ہونا پڑا، ان کی برطرفی کے بعد نماز جمعہ کا سلسلہ بھی منقطع ہوگیا۔ اس وقت سے تاہنوز نماز جمعہ متروک ہے، اس کے بعد جو ائمہ حضرات بستی میں وارد ہوئے ان سے اہل بستی نے سابقہ طریقہ کے مطابق اقامت جمعہ کا مطالبہ کیا، موضع کی کنڈیشن چوں کہ ائمہ حضرات کے سامنے تھی، اس لئے انہوں نے اس ذمہ داری

کو اپنے سر نہ لیتے ہوئے یہ معاملہ علماء اور مفتیان کے سپرد کر دیا، چناں چہ جملہ اہل بستی کی آراء متفقہ کے مطابق ایک استفتاء دار العلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارن پور، جامع مسجد فتح پوری دہلی کو ارسال کیا گیا، جس کا تینوں جگہ سے منفی جواب حاصل ہوا، جواب کا ماحصل یہی تھا کہ آپ کی بستی چوں کہ قریہ صغیرہ ہے اس لئے اس میں جمعہ قائم کرنا درست نہیں ہے، یہاں سے بستی میں اختلاف کی فضا پیدا ہوگئی اور دو پارٹی وجود میں آ گئیں، ایک پارٹی مذکورہ فتاویٰ سے متفق نہیں ہے اور وہ بستی میں ہر قیمت پر جمعہ قائم کرنے کے حق میں ہے، یہ جماعت انہیں افراد پر مشتمل ہے جو سابق مقامی امام کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، تاہم بستی کے کچھ دیگر افراد بھی ان کے ہم خیال ہیں، یہ گروہ آج ۲۰ رسال کے بعد بھی اپنے نظریہ پر شدت سے قائم ہے، موضع کی کنڈیشن حسب ذیل ہے: بستی کی آبادی ۱۹۰۰ سو افراد پر مشتمل ہے، ایک کلومیٹر کے فاصلہ پر پکی سڑک واقع ہے، جس پر مکمل سواری کا نظم ہے، تاہم سڑک سے بستی تک آنے والا راستہ کچا ہے، بستی میں کوئی ایسا جنرل اسٹور نہیں ہے جس سے اہل بستی کی تمام ضروریات پوری کی جاسکیں، البتہ چند چھوٹی چھوٹی پرچون کی دکانیں موجود ہیں، اسی طرح بستی میں کوئی کپڑے اور برتنوں کی دکان بھی نہیں ہے؛ البتہ کچھ لوگ گھوم پھر کر کپڑا بیچنے والے موجود ہیں، بستی کے عام راستوں پر پختہ اینٹیں بچھی ہوئی ہیں، اور کچھ راستے کچے ہیں، گاؤں کے کچھ مکانات پختہ ہیں اور کچھ کچے ہیں، بستی میں کوئی ہسپتال نہیں ہے، البتہ چند غیر رجسٹرڈ چھوٹے چھوٹے ڈاکٹر موجود ہیں، بستی میں ڈاک خانہ بھی نہیں ہے؛ البتہ ایک غیر مستعمل قدیم لیٹر بکس موجود ہے، ضلع بلند شہر بستی سے ۱۳ رکلومیٹر کے فاصلہ پر ہے اور تمام ضروریات شہر ہی سے پوری کی جاتی ہیں، بستی میں دو مسجدیں ہیں، جن میں ایک مسجد دوبارہ نئی زیر تعمیر ہے جو قریہ کے لحاظ سے کافی وسیع ہے اور اہل بستی کو کفن اور بارات وغیرہ کی ضروریات کی تکمیل کے لئے بلند شہر کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے، قرب و نواح میں مذکورہ بستی چھوٹا گاؤں شمار کیا جاتا ہے، حتی کہ جمعہ کی حامی جماعت بھی اس گاؤں کو قریہ صغیر تسلیم کرتی ہے، بستی میں سرکاری طور پر بجلی کا کوئی انتظام نہیں ہے، تاہم غیر منظور شدہ طریقہ پر کچھ مکانات میں لائٹ موجود ہے۔ حضرت والا سے التماس ہے کہ

مذکورہ بستی کے ذکر کردہ حالات وکیفیات کی روشنی میں حنفی مسلک کے مطابق جمعہ کے جواز وعدم جواز کے متعلق واضح اور تفصیلی فیصلہ صادر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بستی قریہ صغیرہ میں داخل ہے، لہٰذا وہاں جمعہ قائم کرنا درست نہیں ہے، بستی والوں پر ظہر کی نماز پڑھنا فرض اور ضروری ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۲۳/۸، امداد الاحکام ۳۳۹/۲، امداد المفتیین ۳۹۴)

وتقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق، وفيما ذكرنا إشارة إلى أنها لا تجوز في الصغيرة. (شامي ۷/۳ زكريا)

ألا ترى أن في الجواهر لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر. (شامي ۷/۳ زكريا)

عن حذيفة رضي الله تعالى عنه قال: ليس على أهل القرى جمعة، إنما الجمع على أهل الأمصار مثل المدائن. (المصنف لابن أبي شيبة ٤٦/٤ رقم: ٥١٠٠) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۱۲/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

احتیاط الظہر کا بیان

چھوٹے گاؤں میں جمعہ پڑھنے سے فریضہ ساقط نہ ہوگا

سوال (۱۱۲۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر چھوٹے گاؤں میں نماز جمعہ پڑھ لی تو ذمہ فارغ ہوگا یا نہیں؟ یا ظہر کی قضا کرنی پڑ یگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے قریۂ صغیرہ میں نماز جمعہ پڑھ لی تو ذمہ سے فریضہ ساقط نہ ہوگا، ظہر کی نماز پڑھنی پڑے گی۔

لوصلوا في القرى لزمهم أداء الظهر. (شامي زكريا ٣/ ٧)

صلاة العيد في القرى تكره كراهة تحريماً ومثله الجمعة. (ردالمحتار، باب العيدين ٣/ ٤٦)

عن علي رضي اللّٰه عنه لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع. (بدائع الصنائع ١/ ٥٨٤، إعلاء السنن ٨/ ١)

ومن لاتجب عليهم الجمعة من أهل القرى والبوادي لهم أن يصلوا الظهر بجماعة يوم الجمعة بأذان وإقامة. (الفتاویٰ الهندية بيروت ١/ ١٤٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۴/۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ کے دن نماز جمعہ کے علاوہ احتیاط الظہر کی چار رکعت پڑھنا؟

سوال (۱۱۲۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: جمعہ کے دن نماز جمعہ سے قبل یا بعد بعض لوگ احتیاط الظہر کے عنوان سے چار رکعت فرض پڑھتے ہیں، ایسا کرنا کیا ان لوگوں کے لئے درست ہے؟ کیا احتیاط الظہر کا وجود اور اس اصطلاح کا عرف اہل علم کے یہاں متعارف ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقہاء کرام نے احتیاط الظہر پڑھنے کا حکم اس جگہ کے بارے میں لکھا ہے جہاں جمعہ کے شرائط پائے جانے اور نہ پائے جانے میں شک ہوا ور یہ حکم بھی صرف ان حضرات کے لئے ہے جو وہاں کے مقتدیٰ ہوں، عوام کے لئے یہ حکم نہیں ہے، اس لئے ایسی جگہ جہاں جمعہ کے تمام شرائط پائے جاتے ہیں، وہاں احتیاط الظہر پڑھنا بے اصل اور بدعت ہے۔

کل موضع وقع الشک فی کونه مصراً ینبغی لهم أن یصلوا بعد الجمعة أربعاً بنیة الظهر احتیاطاً حتی أنه لو لم تقع الجمعة موقعها یخرجون عن عهدة فرض الوقت بأداء الظهر ...... نعم إن أدی الی مفسدة لا تفعل جهاراً والکلام عند عدمها. ولذا قال المقدسی نحن لا نأمر بذٰلک أمثال هٰذه العوام بل ندل علیه الخواص ولو بالنسبة إلیهم. (شامی زکریا ۱۷/۳، الفتاوی التاتارخانیه ۵٤۹/۲ رقم: ۳۲٦۷ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۱۱/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چھوٹے گاؤں میں جمعہ پڑھ کر احتیاط الظہر پڑھنا؟

سوال (۱۱۲۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک گاؤں میں امام صاحب نے جمعہ پڑھانے کے بعد چار سنت کے بجائے چار فرض جماعت کے ساتھ پڑھائے، تو زید نے سوال کیا کہ امام صاحب آپ نے چار رکعات جماعت سے کیوں پڑھایا، امام صاحب نے کہا کہ گاؤں میں جمعہ ہوتا ہی نہیں، تو زید نے کہا: جب ہوتا ہی

نہیں تو آپ نے پڑھایا کیوں؟ اور جو لوگ نماز کا صحیح طریقہ جانتے ہیں، وہ ظہر کے چار فرض بھی اپنے پڑھ لیتے ہیں، اس طرح تو جو کبھی کبھی پڑھنے والے ہیں وہ بھی رک سکتے ہیں، جمعہ کا وقار ہی جاتا رہے گا، دو دفعہ جماعت نہیں پڑھانی تھی، تو زید سے امام صاحب لڑنے جھگڑنے کو تیار ہو گئے، تو کیا امام صاحب کا دو دفعہ جماعت پڑھانا صحیح ہے، یا زید کا منع کرنا صحیح ہے ؟

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس چھوٹی آبادی میں جمعہ جائز نہیں ہے، وہاں جمعہ کے دن صرف ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنی چاہئے، مسئولہ واقعہ میں امام صاحب کا اولاً جمعہ کی نماز پڑھانا اور پھر احتیاط الظہر پڑھانا جائز نہیں ہے، سوال میں ذکر کردہ واقعہ کے مطابق زید کا موقف درست ہے، امام مذکور کو زید کی بات تسلیم کر لینی چاہئے۔

وفیما ذکرنا إشارة إلی أنه لاتجوز من الصغیرة التي لیس فیها قاض وخطیب. (شامی زکریا ۳/ ۷، کتاب المسائل ۱/ ۲۲۳)

من لاتجب علیهم الجمعة لبعد الموضع صلوا الظهر بجماعة. (شامی زکریا ۳/۳۳)

وفی الجمعة: واختیار المشائخ أنه إذا وجدت شرائط الجمعة فالفرض هو الجمعة إن أدرک وصلی، وإن لم یدرک ففرضه الظهر. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۲/۵٤٥ رقم: ۳۲۵۸ زکریا)

ومن لا تجب علیهم الجمعة من أهل القریٰ والبوادی لهم أن یصلوا الظهر بجماعة یوم الجمعة بأذان وإقامة. (الفتاویٰ الهندیة ۱/ ۱٤٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۲/ ۱۱/ ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۲۰/۲۲ ہزار کی آبادی میں جمعہ کے بعد چار رکعت ظہر پڑھانا؟

سوال (۱۱۲۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: زید نے جمعہ کی نماز پڑھائی پھر وہاں بکر پہنچا اور بکر نے بھی جمعہ کی نماز زید کی اقتداء میں پڑھی، پھر جمعہ کی نماز ہوجانے کے بعد بکر نے ظہر کی چار رکعت نماز فرض با جماعت پڑھائی، آپس میں انتشار رہوا، کچھ لوگ کہنے لگے کہ بکر کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا، کیا زید اور بکر کا اس طرح سے نماز پڑھانا درست ہے یا نہیں، جب کہ پیپل سانہ کی آبادی ۲۰-۲۲ ر ہزار رہے، تو کیا ایسی صورت میں احتیاطاً ظہر جماعت کے ساتھ پڑھنے کی شرعاً اجازت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب کہ قصبہ پیپل سانہ کی آبادی ۲۰-۲۲ ر ہزار کی ہے، تو یہ آبادی یقیناً بڑے شہر کے حکم میں ہے، یہاں کے رہنے والوں پر حتمی طور پر جمعہ پڑھنا ہی لازم ہے، ایسی بڑی آبادی میں جمعہ کے بعد ظہر کی نماز پڑھنے کا کوئی حکم نہیں ہے، فقہاء کی جن عبارتوں سے جمعہ کے بعد احتیاطاً ظہر پڑھنے کا ثواب ملتا ہے وہ صرف ان مقامات کے لئے ہے جن کے شہر ہونے میں شک وشبہ ہوجائے، اور وہ بھی اس وقت جب کہ ظہر پڑھنے میں کسی انتشار کا اندیشہ نہ ہو، اور سوال کے مطابق جب کہ پیپل سانہ میں ظہر پڑھنے میں انتشار رہوا تو ایسی جگہ جمعہ پڑھنے کے بعد ظہر باجماعت پڑھانے کی مطلقاً اجازت نہ ہوگی۔ علامہ شامیؒ اس بحث کے آخر میں لکھتے ہیں:

نعم إن أدى إلى مفسدة لا تفعل جهاراً والكلام عند عدمها، ولذا قال المقدسي: نحن لا نأمر بذٰلك أمثال هٰذه العوام بل ندل عليه الخواص ولو بالنسبة إليهم. (شامی زکریا ۳/۱۷)

وإذا اشتبه على الإنسان ذلك، ينبغي أن يصلي أربعاً بعد الجمعة ينوي بها آخر فرضٍ أدركت وقته ولم أودّه بعد، فان لم تصح الجمعة وقعت ظهرة، وإن صحت كانت نفلاً. (فتح القدیر ۲/۵۳ دار الفکر بیروت)

ينبغي أن يصلي أربع ركعات وينوي بها الظهر، حتى لو لم تقع الجمعة موقعها يخرج عن عهدة فرض الوقت بيقين، كذا في الكافي. (حلبی کبیر ۵۵۲)

ونقل المقدسی عن المحیط : کل موضع وقع الشک فی کونه مصراً ینبغی لهم أن یصلوا بعد الجمعة أربعاً بنیة الظهر احتیاطاً الخ. (رد المحتار مطلب: في نية آخر ظهر بعد الصلاة ۱٤٥/۲-۱٤٦ کراچی، ۱۷/۳ زکریا)

ثم فی کل موضع وقع الشک فی جواز الجمعة لو قوع الشک فی المصر أو غیره وأقام أهله الجمعة، ینبغی أن یصلوا بعد الجمعة أربع رکعات الخ. (الفتاوی الهندية ۱٤٥/۱)

ولیس الاحتیاط فی فعلها، لإن الاحتیاط هو العمل بأقوی الدلیلین، وأقواهما إطلاق جواز تعدد الجمعة بفعل الأربع. مفسدة اعتقاد عدم فرض الجمعة أو تعدد المفروض فی وقتها، ولایفتی بالأربع إلا للخواص، ویکون فعلهم إیاها فی منازلهم. (حاشية الطحطاوي علی المراقی الفلاح/٥٠٦ قدیمی ، فتاوی محمودیه ڈابھیل ۳٤۸/۸-۳٤۷) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۶/۲۴ھ

جہاں جمعہ کے شرائط مہیا نہ ہوں وہاں ظہر پڑھنا لازم ہے

سوال (۱۱۲۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: **الف**:- ایک قریہ صغیرہ ہے، جمعہ کے دن اس میں جمعہ پڑھنا چاہئے یا ظہر کی نماز ادا کرنا چاہئے؟

ب:- اس بستی کے جملہ مسلم باشندگان کو اپنی بستی کی مسجد میں نماز ظہر باجماعت ادا نہ کرنا کسی گناہ یا وعید کا شرعاً مستوجب ہے یا نہیں؟

ج:- اس بستی کے کل یا بعض باشندگان کو اپنی بستی کی مسجد میں نماز ظہر جماعت کے ساتھ ادا کرنا چاہئے یا نماز جمعہ پڑھنے کے لئے دور یا نزدیک کی کسی بڑی بستی یا شہر جانا چاہئے؟ ان مسائل کا حکم شرعی فقہاء حنفیہ کے نزدیک مفتی بہ کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: الف:- قریہ صغیرہ یعنی جہاں اقامت جمعہ کے شرائط مہیا نہ ہوں وہاں جمعہ کے دن جمعہ پڑھنا جائز نہیں ہے بلکہ ظہر نماز پڑھنا لازم ہے۔(مستفاد: کتاب المسائل ۱/۴۵۶)

وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما في المضمرات. (شامي ۳/۷ زكريا)

ب:- ایسی بستی میں جمعہ کے دن مسلسل نماز ظہر با جماعت ادا نہ کرنا باعث گناہ ہے۔

فإذا تركها الكل مرة بلاعذر أتموا فتأم. (شامي ۱/۵۵۲ كراچى)

ج:- مذکورہ بستی کے لوگوں کو بستی میں رہ کر نماز ظہر با جماعت ادا کرنا چاہئے ان کے لئے قریب یا دور دوسری بڑی بستی میں جا کر جمعہ ادا کرنا ضروری نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص چلا جائے اور وہاں جمعہ کی نماز ادا کرلے تو اس کا فریضہ ادا ہو جائے گا اور وہ مزید ثواب کا مستحق ہوگا۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/۴۵۷)

من لا تجب عليهم الجمعة من أهل القرى والبوادي لهم أن يصلوا الظهر بجماعة يوم الجمعة بأذان وإقامة. (الفتاویٰ الهندية ۱/۱۴۵)

وفاقدها أي هٰذه الشروط وبعضها إن اختار العزيمة وصلاها وهو مكلف عاقل وقعت فرضًا عن الوقت. (شامی ۳/۲۹ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۶/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جہاں جمعہ جائز نہیں وہاں ظہر کی نماز با جماعت ادا کی جائے یا انفرادی طور پر؟

سوال (۱۱۲۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: جہاں جمعہ جائز نہیں ہے وہاں کے لوگ ظہر کی نماز عام دنوں کی طرح باجماعت ادا کریں گے یا انفرادی طور پر الگ الگ؟ اگر کسی دیہات میں دو مسجدیں ہوں، ایک میں جمعہ ہوتا ہو ایک میں نہیں، تو دوسری مسجد میں کیا ظہر کی نماز پڑھ سکتے ہیں؟ اگر پڑھ سکتے ہیں تو کیسے باجماعت یا فرداً فرداً؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جہاں جمعہ جائز نہیں ہے وہاں جمعہ کے دن عام دنوں کی طرح ظہر کی نماز باجماعت ادا کی جائیگی۔

من لاتجب عليهم الجمعة لبعد الموضع صلوا الظهر بجماعة. (شامی زکریا ۳/۳۳)

وفي الجمعة: واختيار المشائخ أنه إذا وجدت شرائط الجمعة فالفرض هو الجمعة إن أدرك وصلى، وإن لم يدرك ففرضه الظهر. (الفتاویٰ التاتارخانية ٥٤٥/٢ رقم: ٣٢٥٨)

ومن لا تجب عليهم الجمعة من أهل القرىٰ والبوادى لهم أن يصلوا الظهر بجماعة يوم الجمعة بأذان وإقامة. (الفتاوىٰ الهندية ١٤٥/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۱۱/۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرأت میں لحنِ جلی کی وجہ سے جمعہ چھوڑ کر اپنی ظہر پڑھنا؟

سوال (۱۱۲۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید عالم دین ہے اور وہ ایسی مسجد میں گیا جہاں پر نماز میں قرآن لحن جلی سے پڑھا جاتا ہے، اب کچھ آدمی زید کو خطبہ جمعہ پڑھنے کے لئے اور نماز پڑھانے کے لئے آگے پڑھاتے ہیں اور اس مسجد کا جو امام ہے جو لحن جلی سے قرآن پڑھتا ہے وہ زید کو نماز پڑھانے کے لئے آگے پڑھا دیتا ہے، لیکن ایک آدمی زید کا مخالف ہے جو اس وقت میں جب زید خطبہ جمعہ دینے کے لئے کھڑا ہوتا ہے وہ اٹھ کر مسجد سے جانے لگتا ہے، تو مسجد کا امام اور کچھ آدمی زید کو خطبہ جمعہ اور نماز پڑھانے سے

منع کر دیتے ہیں، تو وہ آدمی واپس آجاتا ہے تو اب ایسی صورت میں جب کہ لحن جلی سے قرآن پڑھا جارہا ہے، تو کیا زید اور جو آدمی اس وقت اس کے ساتھ ہیں جمعہ کی نماز کے عین وقت پر مسجد سے نکل کر اپنی ظہر کی نماز پڑھیں گے یا جمعہ ادا کریں گے؟ جب کہ اس مسجد کے علاوہ اور کہیں نماز جمعہ مل بھی نہیں سکتی ہے، تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قرأت میں مطلق غلطی مفسدِ صلاۃ نہیں ہے بلکہ ایسی غلطی ہی مفسدِ صلاۃ ہے جس میں معنی میں فحش تبدیلی آجائے، لہٰذا مسئولہ صورت میں اگر امام بقدر جواز صلاۃ قرأت کرسکتا ہے تو زید کو چاہئے کہ اس امام کے پیچھے نماز ادا کرے، اور مسجد سے باہر نہ جائے۔

ومنها: اللحن في الاعراب إذا لحن في الإعراب لحناً لايغير المعنى بأن قرأ لاترفعوا أصواتكم يرفع التاء لاتفسد صلاته بالإجماع، وإن غير المعنى تغيراً فاحشاً (إلى قوله) فسدت صلاته في قول المتقدمين إلى آخره. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۸۱، امداد الفتاوی ۱/ ۴۰۷) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۲/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گاؤں میں بدعتی کے پیچھے جمعہ پڑھیں یا ظہر ادا کریں؟

سوال (۱۱۳۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک ماسٹر صاحب جس دیہات میں نوکری کرتے ہیں وہاں تین مسجدیں ہیں، دو مسجدوں میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے اور دونوں مساجد کے امام صاحب بریلوی خیال کے ہیں، جو تمام بدعت کے کاموں میں شریک ہوتے ہیں، ماسٹر صاحب ان خیالات فاسدہ کو پسند نہیں کرتے اور ان اماموں کی تبدیلی کے لئے کہتے ہیں؛ لیکن بریلویوں کی کثرت کی وجہ سے کامیابی نہیں ہوتی، تو کیا ماسٹر صاحب جمعہ کی نماز ان کے پیچھے پڑھیں یا ظہر کی نماز ادا کریں یا تیسری مسجد میں الگ سے جمعہ قائم کرلیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دیہات اگر چھوٹا ہوتو بدعتی امام کی اقتداء کے بجائے الگ سے ظہر کی نماز پڑھیں، اور اگر اتنی بڑی آبادی ہو جہاں جمعہ جائز ہو سکے تو ایسی صورت میں قصبہ کی تیسری مسجد میں صحیح العقیدہ امام کو مقرر کر کے اس کی اقتداء میں نماز جمعہ ادا کریں اور جب تک اس کا اہتمام نہ ہو سکے تو بدعتی امام کے پیچھے ہی جمعہ کی نماز ادا کرلیا کریں۔

وتؤدی الجمعة في مصر واحد في مواضع كثيرةٍ. (الفتاویٰ الهندية ١٤٥/١)

ولو صلى خلف مبتدعٍ أو فاسق فهو محرز ثواب الجماعة لكن لا ينال مثل ما ينال خلف تقي. (الفتاویٰ الهندية ٨٤/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۳۰/۱۱/۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ کے بعد دعا سے قبل چندہ کرنا

خطبہ جمعہ سے پہلے غلق گھما کر چندہ کرنا؟

سوال (۱۱۳۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جمعہ کے دن مسجد کے اندر مسجد کے اخراجات کے لئے بغیر کسی زبردستی کے چندہ وصول کیا جائے اوراس کے لئے غلق کا استعمال کیا جائے تاکہ نمازیوں کوکوئی تکلیف نہ ہواورلوگوں کی گردن پھاندنے کی صورت پیش نہ آئے اور مسجد کی ضرورت کے لئے کچھ رقم جمع ہو جائے نیز ذمہ داران مسجد کی کوشش یہ ہوئی کہ غلق قبل از خطبہ استعمال کی جائے لیکن کبھی کبھی دوران خطبہ غلق کا استعمال ہو جاتا ہے اس لئے کہ عام طور پرلوگ خطبہ شروع ہونے کے قریب ہی آتے ہیں تو کیا غلق کا استعمال **اذا خرج الامام فلاصلاة ولا كلام**. (الفتاویٰ الهندية ۱/۱۴۷) کے تحت آتا ہے ؟ کیااس طرح چندہ وصول کرنا جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خطبہ سے پہلے غلق گھما کر مسجد میں نمازیوں سے زرِ تعاون جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن جب خطبہ شروع ہو جائے تو اس سلسلے کو بند کرنا لازم ہے؛ اس لئے کہ دوران خطبہ کوئی بھی ایسا عمل درست نہیں جس سے خطبہ سننے میں کسی طرح کا خلل پیدا ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۵/۱۲۱، کتاب المسائل ۱/۴۶۴، شامی ۳/۳۵ زکریا، ۲/۱۵۸ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۲/۵/۱۴۳۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز جمعہ کے بعد قبل الدعاء چندہ کرنا

سوال (۱۱۳۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض مساجد میں جمعہ کی نماز میں امام صاحب کے سلام پھیرنے کے بعد فوراً دعا مانگنے کے بجائے مسجد کے لیے چندہ وصول کرنے کے لیے لوگ کھڑے ہوجاتے ہیں، جس میں تقریباً ۲/ منٹ سے ۵/منٹ تک لگ جاتے ہیں اور اس طرح چندہ کرنے میں چندہ زیادہ ہوجاتا ہے، مسجد کا فائدہ ہے، دریافت امر یہ ہے کہ اس چندہ کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کی نماز کے فوراً بعد مختصر وقت میں مسجد کے لیے چندہ جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ یہ عمل مسجد کے لیے نفع بخش ہے، لیکن اس میں تاخیر نہیں ہونی چاہیے جلد از جلد یہ عمل پورا کرلیا جائے اور کوئی شور شرابہ نہ ہو، تاکہ نمازیوں کو ناگواری نہ ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۵/۶۸۰، ۶۸۱)

قال الحلواني: لا بأس بالفصل بالأوراد، واختاره الكمال، قال الحلبي: إن أريد بالكراهة التنزيهية ارتفع الخلاف، قلت: وفي حفظي حمله على القليلة.

(شامي زكريا ٢/ ٢٤٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۸/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نمازِ جمعہ کے بعد سنتوں سے پہلے مسجد میں چندہ کرنا؟

سوال (۱۱۳۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں جامع مسجد کی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، امام اور مؤذن کی تنخواہ گاؤں کی پینٹھ سے پوری ہوجاتی ہے، مسجد میں لائٹ پانی اور گرمیوں میں پنکھوں کے لئے جنریٹر کا انتظام ہے، اس کا خرچ جمعہ کے دن چندہ سے ہوتا ہے، پہلے خطبہ سے پہلے چندہ کیا کرتے تھے، اس میں بہت سے لوگ سنت پڑھتے ہوتے ہیں، چندہ کرنے میں بھی دشواری ہوتی ہے اور چندہ بھی کم ہوتا

ہے، اب ایسا کیا ہے کہ جمعہ کا سلام پھیرتے ہی فوراً چندلوگ خاموشی سے صفوں میں گھوم کر چندہ کر لیتے ہیں، وقت کم لگتا ہے چندہ زیادہ ہوجاتا ہے، اور مسجد کا خرچ سہولت سے پورا ہوجاتا ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ نماز کے فوراً بعد یہ چندہ کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس سے جو فرض اور سنت کے درمیان کچھ فصل ہوجاتا ہے اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں نماز جمعہ کے بعد سنتوں سے پہلے خاموشی کے ساتھ لوگوں کو تکلیف دئے بغیر مسجد کے اخراجات کے لئے مختصر وقت میں چندہ کرنا شرعاً جائز ہے، اور فرض اور سنتوں کے درمیان اتنا فصل کچھ باعث اعتراض نہیں۔ (کفایت المفتی ۳/۱۲۵-۱۲۶)

والمختار أن السائل إن كان لايمر بين يدى المصلى، ولا يتخطى رقاب الناس، ولا يسأل إلحافاً، بل لأمر لا بد منه، فلا بأس بالسوال والإعطاء. (شامی ۳/ ٤٢ زکریا)

والأصل في الرواية أن يأتي بها في بيته، والسر في ذلک كله أن يقع الفصل بين الفرض والنوافل بماليس من جنسها، وأن يكون فصلاً معتداً به يدرک به بادى الرأى الخ. (حجة الله البالغه ٢/ ٥١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۲/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چندہ کی وجہ سے جمعہ اور عیدین میں تاخیر کرنا اور کمیٹی کا حساب میں خرد برد کرنا

سوال (۱۱۳۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری مسجد کمیٹی کے ذمہ داران مسجد کی تعمیر کے نام پر کافی زرتعاون حاصل کررہے ہیں، اگر حساب پوچھا جائے تو چراغ پا ہوجاتے ہیں، تقریباً چار سال سے یہی سلسلہ جاری ہے عیدین اور

بعض اوقات جمعہ کے روز بھی تعاون کے لئے خطیب صاحب نمازیوں سے پرزور درخواست کرتے ہیں جس کے نتیجے میں کافی چندہ جمع ہوتا ہے، خاص کر عید کے روز نماز کے لئے مقرر کردہ وقت کی پرواہ کئے بغیر چندہ جمع کرنے کے لئے نمازیوں کو ترغیب دینے میں وقت صرف کردیتے ہیں، ان حالات کو دیکھتے ہوئے مصلیان مسجد نے جناب خطیب صاحب سے جو صرف جمعہ اور عیدین کے موقع پر بیان فرماتے ہیں اور نماز پڑھاتے ہیں، گذشتہ رمضان میں گذارش کی گئی کہ عیدین اور نماز جمعہ وقت پر شروع کریں؛ کیوں کہ ۸۰/سال کی عمر سے زیادہ کے مصلی بھی ہیں جو اذان کے ساتھ مسجد آجاتے ہیں، مزید یہ کہ جو حضرات وقت پر نماز شروع ہونے کی امید سے آتے ہیں انہیں مایوسی ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ ہم نے ان سے گذارش کی کہ اگر آپ چندہ کے لئے اپیل کرتے ہیں تو ہمیں اعتراض نہیں ہے؛ لیکن اس چندہ کی وصولی کے لئے آپ اپیل کرتے ہیں؛ لہٰذا آپ کا فرض بنتا ہے کہ آپ وصول کئے گئے چندہ کا حساب کمیٹی سے طلب کریں، ورنہ چندہ کے لئے اپیل نہ کریں؛ کیوں کہ آپ بھی چندہ کے غلط استعمال اور خرد برد کے ذمہ دار ہوں گے، آپ نے کوئی جواب نہیں دیا اور ابھی بھی آپ کمیٹی کی جانب سے چندہ کی اپیل کرتے ہیں، اور چندہ جمع کرتے ہیں، کیا جان بوجھ کر ایسا رویہ اختیار کرنا صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے ذمہ داران کو چاہئے کہ وہ مالیہ کا حساب صاف ستھرا رکھیں، تاکہ کسی کو اعتراض کا موقع نہ ہو، اور مصلیان کو چاہئے کہ وہ بلا کسی تحقیق کے کمیٹی والوں پر خیانت کا الزام نہ لگائیں؛ بلکہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان سے خوش گمانی رکھیں، اور خطیب صاحب کو چاہئے کہ وہ جمعہ وعیدین کے مقررہ وقت میں تاخیر نہ کیا کریں، تاکہ نمازیوں کو ناگواری نہ ہو

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾ [الحجرات ۱۲]

ولا یولی إلا أمین قادر بنفسه، أو بنائبه. (شامي زکریا ٦/ ٥٧٨، الفتاویٰ الهندية ٢/ ٤٠٨)

ینبغي للمؤذن مراعاة الجماعة، فإن رآهم اجتمعوا أقام. (البحر الرائق ٢٦١/١ رشيدية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۱/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ کے فرض اور سنتوں کے درمیان چندہ کی وجہ سے ہونے والی تاخیر کا حکم

سوال (۱۱۳۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید عالم دین اس طرح چندہ کرنے کو منع کرتے ہیں کہ اس سے فرض کے بعد سنتوں میں تاخیر لازم آتی ہے، جب کہ ہم میں سے بعض لوگ مدرسہ جا کر سنت وغیرہ پڑھتے ہیں، اور بعض اپنے گھروں پر جا کر سنت پڑھتے ہیں، تو کیا ہمارا یہ طریقہ بھی صحیح نہیں ہوگا؟ کیوں کہ اس سے بھی سنتوں میں تاخیر لازم آتی ہے، ہم پوری بستی والے دار الافتاء سے رجوع کر رہے ہیں آپ ہماری رہنمائی فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: فرض اور سنن کے درمیان اگر تاخیر کسی دینی وجہ سے ہو تو مضر نہیں، مثلاً تسبیحات دعائیں یا مسجد کے لئے چندہ وغیرہ؛ لیکن اگر دنیوی وجوہ سے تاخیر ہو، مثلاً فرض کے بعد کھانے میں لگ گئے یا دنیوی باتوں میں لگ گئے، تو یہ تاخیر مکروہ ہے؟ بریں بنا مسئولہ صورت میں چونکہ تاخیر دینی وجوہ سے ہو رہی ہے؛ اس لئے اس معمولی تاخیر کو مکروہ نہیں کہا جائے گا، اس موضوع سے متعلق صریح نصوص احادیث شریفہ سے یہی بات معلوم ہوتی ہے۔

والأصل في الرواتب أن یاتي بها في بیته، والسر في ذلک کله أن یقع الفصل بین الفرض والنوافل بما لیس من جنسها، وأن یکون فصلاً معتداً به یدرک بادی الرأی، وهو قول عمر لمن أراد أن یشفع بعد المکتوبة إجلس، فإنه لم یهلک أهل الکتاب إلاأنه لم یکن بین صلاتهم فصل، فقال النبي صلی

اللّٰـه عـليه وسلم: أصاب اللّٰه بک يا ابن الخطاب! وقوله صلى اللّٰه عليه وسلم: اجعلوها في بيوتكم. (حجة اللّٰه البالغة ۲/ ۵۲ مکتبہ حجاز دیوبند، **والحديث الأول** رواه أبوداؤد الصـلاة / باب في الرجل يتطوع في المكان الذي صلى فيه المكتوبة رقم: ۱۰۰۷، **والثاني** أخرجه الإمام أبو داؤد في سننه الصلاة / باب ركعتي المغرب أين تصليان؟ رقم: ۳۰۰)

والـقدر المتحقق أن كلا من السنن والأوراد له نسبة إلى الفرائض بالتبعية، والذي ثبت عنه أنه كان يؤخر السنة عنه من الأذكار. (فتح القدير ۱/ ۴۴۰ دار الفكر بيروت)

ولـو تكلم بين السنة والفرض لايسقطها؛ ولكن ينقص ثوابها، وقيل: يسقط، وكذا كل عمل ينافي التحريمة على الأصح. (شامی ۲/ ۲۶۱ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۲/۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ کی نماز کے بعد دعا سے قبل مختصراً دین کی بات کرنا؟

سوال (۱۱۳۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اس پرفتن دور میں جبکہ دین سے دن بدن دوری ہوتی جارہی ہے جمعہ کے دن جمعہ کی نماز میں امام کے سلام کے فوراً بعد دعاء سے پہلے ایک دو حدیثیں عوام الناس کی اصلاح اور اپنی بھی اصلاح کی نیت سے بیان کردی جائے (یعنی بہت ہی مختصر بیان ہوجائے) کیا اس میں کوئی شرعاً حرج ہے؟ واضح فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: دینی ضرورت سمجھتے ہوئے جمعہ کی نماز کے فوراً بعد دعا سے قبل مختصراً اصلاحی گفتگو کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے لیکن دو باتوں کا لحاظ رکھا جائے کہ گفتگو اتنی طویل نہ ہو کہ لوگ اکتانے لگیں یا سنت چھوڑ کر مسجد سے چلے جائیں اور دوسرے یہ کہ اتنی پابندی سے نہ ہو کہ لوگ اسے ضروری خیال کرنے لگیں۔

عـن ابـن مسـعودؓ قال كان النبى ﷺ يتـخـولـنـا بـالموعظة فى الأيام كراهة السـامة عـلـيـنـا...... أى يـطـيـب أحوالهم التى ينشطون فيها للموعظة، فيعظهم و لا يكثر عليهم فيملوا. (عمدة القاری بیروت ۲/۴۵)

وما يفعل عقيب الصلوا ة (الى قوله) لأن الجهال يعتقدونها سنة، أو واجبة، وكل مباح يؤدى إليه فمكروه. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱۹۰، بحواله باقیات فتاویٰ رشیدیه ۸۰) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۴/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ کے دن چندہ کے دوران تسبیحات اور دعاؤں میں مشغول رہنا؟

سوال (۱۱۳۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جب تک چندہ ہوتا ہے کچھ لوگ تسبیح فاطمی پڑھ لیتے ہیں، کچھ لوگ دعائیں مانگتے رہتے ہیں، کیا ہم لوگوں کے اس درمیان یہ معمولات صحیح ہیں؟

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: مسئولہ صورت میں چندہ کے دوران تسبیحات اور دعاؤں میں مشغول ہونے میں کوئی حرج نہیں، یہ سب معمولات درست ہیں۔

عـن كـعـب بـن عجرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: معقبات لايـخـيـب قـائـلهـن، أو فـاعـلهـن ثلاثا و ثلاثين تسبيحة، و ثلاثا و ثلاثين تحميدة، وأربعا و ثلاثين تكبيرة في دبر كل صلاة. (صحيح مسلم ۱/ ۲۱۹) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۲/۱۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خطبہ کے احکام

جمعہ سے قبل دو خطبوں کا ثبوت قرآن وحدیث سے

سوال (۱۱۳۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا نماز جمعہ سے قبل دو خطبوں کا ثبوت قرآن وحدیث سے ثابت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ سے پہلے دو خطبوں کا دینا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

عن نافع عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يخطب يوم الجمعة، ثم يجلس ثم يقوم، فيخطب قال: مثل ما يفعلون اليوم. (رواه الترمذي الصلاة / باب ما جاء في الجلوس بين الخطبتين ١١٣/١ أشرفى)

عن نافع عن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يخطب خطبتين يقعد بينهما. (صحيح البخاري، كتاب الجمعة / باب القعدة بين الخطبتين يوم الجمعة ١٢٧/١ رقم: ٩٢٨، أبوداؤد، الصلاة / باب الجلوس إذا صعد المنبر ١٥٦/١)

ثم إن السنة أن يخطب خطبتين، وفي الهداية: قائماً على الطهارة، م: ويجلس جلسة خفيفة بينهما. (الفتاوىٰ التاتارخانية، الصلاة / باب شرائط الجمعة ٥٦٤/٢ رقم: ٣٣٠٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۷/۸/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خطبۂ جمعہ وخطبۂ عیدین میں کیا فرق ہے؟

سوال (۱۱۳۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جمعہ کے خطبہ اور عید کے خطبہ میں کیا فرق ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خطبۂ جمعہ اور خطبۂ عید میں بنیادی طور پر دو فرق ہیں: (۱) خطبۂ جمعہ واجب ہے، اور خطبۂ عیدین سنت ہے۔ (۲) خطبۂ جمعہ نماز جمعہ سے پہلے ہونا ضروری ہے، جب کہ عیدین کا خطبہ نماز کے بعد ہوتا ہے۔

أخرج البخاري ومسلم عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وأبوبكر وعمر يصلون العيدين قبل الخطبة. (صحيح البخاري، باب الخطبة بعد العيد ۱/ ۱۳۱ رقم: ۹٦۳، صحيح مسلم / صلاة العيدين ۱/ ۲۹۰ رقم: ۸۸۸)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: شهدت العيد مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وأبي بكر وعمر وعثمان فكلهم كانوا يصلون قبل الخطبة. (صحيح البخاري / باب الخطبة بعد العيد ۱/ ۱۳۱ رقم: ۹٦۲)

الرابع الخطبة كونها قبلها. (درمختار على رد المحتار زكريا ۳/ ۱۹)

وقال القدوري: وتصح صلاة العيدين بما تصح به الجمعة إلا الخطبة فإنها في العيدين تفعل بعد الصلاة، وفي الجمعة قبل الصلاة. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/ ٦۹۸ رقم: ۳٤۱۹ زكريا، كذا في طحطاوي على مراقي الفلاح ۲۷۷، الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱٤٦، هدايه ۱/ ۱٦۸)

جميع شرائط الجمعة وجوباً وصحة شرائط للعيد إلا الخطبة، فإنها ليست بشرط، حتى لو لم يخطب أصلاً صح. (البحر الرائق / باب العيدين ۲/ ۲۷۷)

ويشترط للعيد ما يشترط للجمعة إلا الخطبة فإنها سنة بعد الصلاة. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱۵۰)

ويخطب بعدها خطبتين وهما سنة. (الدر المختار على رد المحتار / باب العيدين ۵۷/۳ زكريا، هدايه ۱۷٤/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۴/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خطیب کس سیڑھی پر کھڑا ہو؟

سوال (۱۱۳۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خطبہ دیتے وقت کون سے درجہ پر کھڑا ہونا چاہئے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تینوں سیڑھیوں میں سے جس پر چاہے کھڑے ہوں۔

ومنبره صلى الله عليه وسلم كان ثلاث درج غير المسماة بالمستراح، قال ابن حجر في التحفة: وبحث بعضهم أن ما اعتيد الآن من النزول في الخطبة الثانية إلى درجة سفلى ثم العود بدعة قبيحه شنيعة. (شامی الصلاة / باب الجمعة ۳۹/۳ زكريا، ۱٦۱/۲ كراچی)

وذكر فقهائنا أن منبره – صلى الله عليه وسلم– كان ثلاث درج غير الدرجة التي تسمى المستراح بالمقعد والمجلس، فكان صلى الله عليه وسلم يقف على الثالثة: أى بالنسبة للسفلىٰ، وإذا جلس يجلس على المستراح ويجعل رجليه محل وقوعه إذا أقام الخطبة، وكذا الخلفاء الثلاثة كل يجعل رجليه محل وقوعه. (السيرة الحلبية، إنسان العيون في سرة / باب تحويل القبلة ٤۹٦/۲ المكتبة الشاملة)

عن أنس بن مالك قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقوم مسندا ظهره إلى جذع منصوب في المسجد يوم الجمعة فخطب الناس فجاءه رومي فقال: يا رسول الله! ألا أضع لک شيئا تقعد عليه كأنک قائم فصنع له

منبرا درجتين، ويقعد على الثالثة. (دلائل النبوة / باب ذكر المنبر الذي أتخذ لرسول الله ﷺ ٢/ ٥٥٨ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۳/۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خطبہ سے پہلے سلام کرنا

سوال (۱۱۴۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اردو خطبہ یا عربی خطبہ سے پہلے سلام کرنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: خطبہ سے پہلے سلام کرنا مباح ہے، چاہے کرے یا نہ کرے، اسے مسنون نہیں کہا جاسکتا؛ کیونکہ جس روایت سے اس کا مسنون ہونا ثابت کیا جاتا ہے وہ حد درجہ ضعیف ہے۔

ومن السنة ...... وترك السلام من خروجه إلى دخوله في الصلاة (درمختار) وقال الشامي: ومن الغرائب ما في السراج: أنه يستحب للإمام إذا صعد المنبر وأقبل على الناس أن يسلم عليهم، قلت: ويرويٰ أنه لابأس به. (الدر المختار على الرد المحتار ٣/ ٢٣ زكريا، كذا في البحر الرائق ٢/ ٢٥٩ رشيدية)

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه تعالى عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم إذا صعد المنبر سلم. (سنن ابن ماجة ١/ ٧٨)

قال الشيخ عبد الغني المجددي في هامشه: والحديث الذي روى المؤلف ضعيف، لحال ابن لهيعة. (حاشية سنن ابن ماجة ١/ ٧٨) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۸/۱۱/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خطبہ میں اعوذ باللہ پڑھنے سے پہلے ”قال اللّٰہ تعالیٰ“ کہنا؟

سوال (۱۱۴۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خطبہ جمعہ خطیب کا اس طرح پڑھنا کیسا ہے: قال اللّٰہ تعالیٰ في القرآن: ”اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم، إن اللّٰہ وملٰئکتہ یصلون“۔ بظاہر ”قال“ کے بعد لفظ ”أعوذ“ ترکیباً مقدم ہے، جو سراسر غلط معلوم ہوتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں خطیب کے اس طرح پڑھنے سے یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ اعوذ باللّٰہ الخ قال اللّٰہ تعالیٰ کا مقولہ ہے؛ لہٰذا مناسب اور بہتر یہ ہے کہ قال اللّٰہ تعالیٰ نہ کہے؛ بلکہ أعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم کے بعد قرأت شروع کردے۔

وفیہ إیہام أن أعوذ باللّٰہ من مقول اللّٰہ تعالیٰ – إلی قولہ – فالأولیٰ أن لا یقول، قال اللّٰہ تعالیٰ. (شامی، الصلاۃ / باب الجمعۃ ۲۱/۱ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۷/۵/۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خطبہ میں زبانی آیاتِ قرآنیہ اور اَحادیث پڑھنا؟

سوال (۱۱۴۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نصف عالم ہے، اس نے خطبہ کی کتاب سے خطبہ حفظ کر رکھا تھا، تو کیا وہ شخص بعینہٖ وہی خطبہ پڑھے، اس نے کسی سے دو چار حدیثیں حفظ کر رکھی ہیں، تو خطبہ میں ان کو پڑھ دیا اور خلفاء راشدین کا نام لیا اور قرآن کریم کی کچھ آیتیں تلاوت کی، اور تمام مسلمین مسلمات کے لئے دعائیں کیں، تو کیا اس کے لئے مکمل عالم کا ہونا شرط ہے، اس کا جواب پوری وضاحت کے ساتھ حدیث وفقہ کی روشنی میں تحریر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دونوں صورتیں جائز ہیں، حفظ خطبہ پڑھے یا آیات

واحادیث پڑھ دے، خطبہ صحیح ہوجاتا ہے؛ اس لئے کہ بہت سی روایات میں ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ میں قرآن کی آیات تلاوت کرتے تھے۔

أخرج البخاري عن صفوان بن يعلى عن أبيه أنه سمع سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقرأ على المنبر: ﴿وَنَادَوْا يَا مَالِكُ﴾ (صحيح البخاري، بدأ الخلق / باب صفة النار وأنها مخلوقة ١٤٧٢/١ رقم: ٣٢٦٦)

وقد تواترت أن النبي عليه السلام كان يقرأ القرآن في خطبته لا تخلو عن سورة أو آية. (شامی الصلاة / باب الجمعة ١٤٨/٢ كراچی)

ويقرأ في الخطبة سورة من القرآن أو آية، فالأخبار قد تواترت أن النبي عليه السلام كان يقرأ القرآن في خطبته، وأن خطبته لاتخلو عن سورة أو آي من القرآن. وروي أنه عليه السلام قرأ في خطبته: ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ﴾ وروي أنه قرأ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِيْدًا﴾ وروي أنه قرأ: ﴿وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ﴾ وروي أنه قرأ: ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا﴾ وكان الشيخ الإمام أبوبكر محمد بن الفضل يقول: يستحب للإمام أن يقرأ في كل جمعة: ﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحْضَرًا﴾ (الفتاوىٰ التاتارخانية الصلاة / باب شرائط الجمعة ٥٦٦/٢ رقم: ٣٣١١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۷/۹/۲۰ھ

خطبۂ جمعہ میں صرف قرآنِ پاک کی چند آیات پڑھنا

سوال (۱۱۴۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض مرتبہ جمعہ کے دن مسجد میں ایسا ہوتا ہے کہ امام صاحب غیر حاضر ہوجاتے ہیں، اور خطبہ بھی ساتھ لے جاتے ہیں، بغیر کتاب کسی سے خطبہ پڑھا نہیں جاتا، تو کیا ایسے موقع پر کوئی حافظ

قرآنِ پاک کی چند آیات ایک خطبہ میں اور چند آیات دوسرے خطبہ میں پڑھ کر نماز جمعہ پڑھا دیں، تو کیا خطبہ اور نماز جمعہ درست ہوجائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خطبہ کی جگہ چند آیاتِ قرآنیہ کا پڑھ دینا کافی ہوجاتا ہے، تاہم افضل یہی ہے کہ خطبہ حمد وثناء کلماتِ شہادت، وعظ وتذکیر، درود شریف، خلفاءِ راشدین اور عامۃ المسلمین کے لئے دعاؤں پر مشتمل ہو، بلاضرورت ان چیزوں کو ترک نہیں کرنا چاہئے۔

(مستفاد: کتاب المسائل ۱؍۴۲۷)

الخطبة تشتمل على فرض وسنة، فالفرض شيئان: الوقت، والثاني: ذكر اللّٰه تعالى، وكفت تحميدة أو تهليلة أو تسبيحة، كذا في المتون. (الفتاویٰ الهندية ۱٤۱/۱)

وكفت تحميدة أو تهليلة أو تسبيحة للخطبة المفروضة مع الكراهة، وقالا: لا بد من ذكر طويل وأقله قدر التشهد الواجب. (الدر المختار / باب الجمعة ۱٤۸/۲ کراچی)

وصح الاقتصار في الخطبة على ذكر خالص للّٰه تعالىٰ. (مراقي الفلاح ۵۱۳)

وأما سننها:...... البداءة بحمد اللّٰه...... الثناء عليه بما هو أهله...... الشهادتان...... الصلاة على النبي عليه الصلاة والسلام العظمة، والتذكير قراءة القرآن. (الفتاویٰ الهندية ۱٤۷/۱)

روي عن أبي حنيفة أنه قال: ينبغي أنه يخطب خطبة خفيفة: أن يفتتح بحمد اللّٰه تعالىٰ، ويثني عليه ويتشهد، ويصلي على النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ويعظ ويذكر، ويقرأ سورة ويدعو للمؤمنين والمؤمنات. (البحر الرائق / باب الجمعة ۲۸۵/۲ رشيدية، كذا في البدائع / وأما سنن الخطبة ۵۹۱/۱ رشيدية)

أخرج مسلم عن جابر بن سمرة قال: كانت للنبي خطبتان يجلس بينهما يقرأ القرآن ويذكر للناس. (صحيح مسلم / باب ذكر الخطبتين قبل الصلاة ۲۸۳/۱ رقم: ۸٦۲)

وأخـرج التـرمـذي عـن أبـي هـريـرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل خطبة ليس فيها تشهد فهي كاليد الجذماء. (سنن الترمذي / باب ما جاء في خطبة النكاح ۱/ ۲۱۰) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۶/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہر جمعہ کو مختصر خطبہ دینے کا التزام کرنا

سـوال (۱۱۴۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام کا ہر جمعہ کو اتنا مختصر خطبہ دینا جیسے سورۂ قدر یا والضحیٰ، اس پر مداومت (پابندی) کرنا صحیح ہے؟ اور یہ فعل سنت کے موافق ہے یا مخالف؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس طرح خطبہ اگرچہ صحیح ہو جاتا ہے؛ لیکن سنت اور افضل یہ ہے کہ خطبہ طوال مفصل سورتوں (سورۂ احزاب، سورۂ بروج) کے بقدر ہونا چاہئے، اس کے خلاف کی پابندی سے اجتناب کیا جائے۔

عـن أبـي حـنيـفة أنه قال: ينبغي أن يخطب خطبة خفيفة يفتتح فيها بحمد اللّٰـه تـعـالـىٰ ويثـنـىٰ عليه ويشهد ويصلي على النبي صلى الله عليه وسلم يعظ و يـذكـر ويقرأ سورة ثم يجلس جلسة خفيفة ثم يقوم فيخطب خطبة أخرىٰ يحمد اللّٰـه تعالىٰ ويثنىٰ عليه ويصلي على النبي صلى الله عليه وسلم ويدعوا للمؤمنين والـمؤمنات ويكون قدر الخطبة قدر سورة من طوال المفصل لماروي عن جابر بـن سـمرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يخطب خطبتين قائما يجلس فيـما بينهما جلسة خفيفة و يتلوا آيات من القرآن. (بدائع الصنائع ۱/ ۵۹۱ دار الكتاب، والحديث آخرجه مسلم، الجمعة / باب ذكر الخطبتين رقم: ۸٦۲)

أخرج البزار في مسنده عن عبد اللّٰه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إن قصر الخطبة وطول الصلاة مئنة من فقه الرجل، فأطيلوا الصلاة وأقصر والخطب، وإن من البيان لسحراً، وإنه سيأتي بعدكم قوم يطيلون الخطب ويقصرون الصلاة. (البحر الزخار المعروف بمسند البزار ۲۸۹/۵ رقم: ۱۹۰۸)

قال القدوري: ويكون قدر الخطبتين مقدار سورة من طوال المفصل. (الفتاویٰ التاتارخانية ۶۸/۲ ۵ رقم: ۳۳۱۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۰/۳/۱۴۲۱ھ

ہر جمعہ کو صرف ایک خطبہ پڑھنا؟

سوال (۱۱۴۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید امام ہے اور وہ ہر جمعہ کو ایک ہی مرتبہ خطبہ پڑھتا ہے، کہنے سے بھی دوسرا خطبہ نہیں پڑھتا، ایسی حالت میں خطبہ کے ثواب میں کوئی کمی تو نہیں ہوتی ہے، تحریر فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جمعہ کی نماز کے صحیح ہونے کے لئے خطبہ کا ہونا شرط ہے۔ اور ۲ر خطبوں کا ہونا مسنون ہے، بریں بنا صورتِ مسئولہ میں خطبہ تو صحیح ہوجائے گا؛ لیکن سنت کے چھوڑنے کی وجہ سے ترکِ سنت کا گناہ ہوگا۔

عن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يخطب خطبتين يقعد بينهما. (صحيح البخاري / باب القعدة بين الخطبتين يوم الجمعة ۱۲۷/۱ رقم: ۹۲۸)

أخرج مسلم عن جابر بن سمرة قال: كانت للنبي خطبتان يجلس بينهما يقرأ القرآن ويذكر للناس. (صحيح مسلم / باب ذكر الخطبتين قبل الصلاة ۲۸۳/۱ رقم: ۸۶۲)

ويسن خطبتان، وفي الشامية: لا ينافي ما مر من أن الخطبة شرط؛ لأن

المسنون هو تکرار ها مرتین، والشرط إحداهما. (شامی زکریا ۳/ ۲۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۶/۸/۵ھ

مکتوبہ خطبہ میں الفاظ ومضامین کی زیادتی کرنا؟

سوال (۱۱۴۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص مکمل عالم نہیں؛ بلکہ نصف عالم ہے، اس نے کسی خطبہ کی کتاب سے خطبہ حفظ کررکھا ہے، تو کیا اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ شخص ترتیب کے ساتھ بعینہٖ اسی خطبہ کو پڑھے، نیز اگر اس نے کہیں سے کوئی حدیث یا قرآنِ کریم کی آیتیں پڑھ دیا، اور خلفاء راشدین کا نام بھی لیا، تو کیا یہ حق اس نصف عالم کے لئے نہیں ہے؟ اگر خطبہ دے بھی دیا تو کیا وہ خطبہ درست ہوا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خطبہ کے لئے کوئی متعین عبارت ضروری نہیں ہے؛ لہٰذا اگر مذکورہ نصف عالم اپنی یادداشت سے مفید مضامین کا عربی میں اضافہ کرے تو اس سے خطبہ میں کوئی کراہت نہ آئے گی۔

عن الحسن بن زیاد عن أبي حنیفة أنه قال: ینبغي أن یخطب خطبة خفیفة یفتتح فیها بحمد اللّٰہ تعالیٰ ویثني علیه ویتشهد ویصلي علی النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم ویعظ ویذکر ویقرأ سورة ثم یجلس جلسة خفیفة ثم یقوم فیخطب خطبة أخریٰ یحمد اللّٰہ تعالیٰ ویثني علیه ویصلي علی النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم ویدعو للمؤمنین والمؤمنات. (بدائع الصنائع ۱/ ۲۶۳، البحر الرائق ۲/ ۲۴۷، احسن الفتاویٰ ۴/ ۱۵۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۹/ ۱/ ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شیعہ اور بدعتی کے لکھے ہوئے خطبے پڑھنا؟

سوال (۱۱۴۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شیعہ اور بدعتی کے لکھے ہوئے خطباتِ جمعہ وعیدین پڑھنا کیسا ہے، اس کو پڑھنے سے ان کی اتباع لازم آئے گی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شیعہ اور بدعتی کے لکھے ہوئے خطبہ کو پڑھنا ممنوع ہے؛ اس لئے کہ اس میں باطل عقائد ونظریات موجود ہونے کا قوی احتمال ہے، نیز ان کا خطبہ پڑھنے سے ان کی تعظیم لازم آتی ہے جس سے ہمیں روکا گیا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

عن إبراهيم بن ميسرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من وقر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الإسلام. (رواه البيهقي في شعب الإيمان ٦١/٧ رقم: ٩٤٦٤، مشكوٰة شريف ٣١/١ رقم: ١٨٩)

یعنی جو شخص کسی بدعت والے کی تعظیم کرتا ہے وہ اسلام کی بنیاد مٹانے پر اعانت کرتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خطبہ علمی کا پڑھنا صحیح نہیں؟

سوال (۱۱۴۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خطبہ علمی پڑھنا کیسا ہے؟ کیا اس میں کوئی قباحت اور خلافِ شرع بات لکھی گئی ہے؟ اس کو پڑھنے سے خطبہ ادا ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خطبہ علمی کا ہم نے بغور مطالعہ کیا اس میں خطبات کے ذیل

میں حضرت نبی کریم ﷺ کے لئے ایسی صفات ثابت کی گئی ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں، مثلاً مختار اور مفرج الکرب وغیرہ، اس لئے ایسے خطبے پڑھنا صحیح نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خطبہ میں حضرت حمزہؓ اور حضرت فاطمہؓ کا نام لینے کی وجہ؟

سوال (۱۱۴۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خطبۂ ثانی میں چار خلفاء کا نام ہے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نام ہے، ان کا نام خطبہ میں کیوں رکھا ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا نام روافض کے جواب میں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نام خوارج کے جواب میں لیا جاتا ہے۔

وذکر الخلفاء الراشدین مستحسن بذٰلک جری التوارث وبذکر العمین.

(البحر الرائق / باب صلاۃ الجمعۃ ۲/ ۲۵۹ رشیدیۃ، کذا في الفتاویٰ الهندیة ۱/ ۱٤۷) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۳/۳/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خطبہ میں حضراتِ حسنین اور سیدہ فاطمہؓ کا نام لینا ضروری نہیں

سوال (۱۱۵۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی خطیب نے جمعہ کا خطبہ پڑھا، اس نے حضرت امام حسینؓ اور حضرت فاطمہؓ کا نام گرامی قصداً یا سہواً چھوڑ دیا، تو کیا خطبہ درست ہوا یا نہیں؟ یا کچھ کراہت پیدا ہوئی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہما کے ذکر پر خطبۂ جمعہ کی

صحت کا مدار نہیں ہے؛ لہٰذا اگر خطبہ میں قصداً یا سہواً ان دونوں حضرات کا نام نہ پڑھا گیا تو بھی خطبہ صحیح ہوگیا، اس میں کوئی کراہت نہیں آئی۔

وکفت تحميدة أو تهليلة أو تسبيحة……، ويسن خطبتان يجلسه بينهما. (درمختار کراچی ۱۴۸/۲، زکریا ۲۰/۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۹/۲۰ھ

کیا حضور ﷺ بھی خطبہ میں خلفاء اربعہ کا نام لیتے تھے؟

سوال (۱۱۵۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضور ﷺ پہلے سے نام خطبہ میں لیتے تھے یا چار خلیفہ بننے کے بعد؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ میں کسی کا نام نہیں لیتے تھے، بعد میں فرقِ باطلہ کی تردید کے لئے اہل سنت والجماعت نے حضراتِ خلفاء راشدین ودیگر صحابہؓ کے نام خطبہ میں لینے شروع کئے، جن پر آج تک امت کا عمل ہے۔

أخرج مسلم في صحيحه عن جابر قال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم يخطب الناس بحمد الله ويثني عليه بما هو أهله ثم يقول: من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وخير الحديث كتاب الله. (صحيح مسلم، باب تخفيف الصلاة والخطبة ۲۸۵/۱ رقم: ۸٦۷، صحيح بن خزيمة / باب صفة خطبة النبي صلى الله عليه وسلم ۸٦٤/۲ رقم: ۱۷۸۵) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۳/۳/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دورانِ خطبہ سامعین کو کس طرح بیٹھنا چاہئے؟

سوال (۱۱۵۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: خطبہ کے دوران مقتدی حضرات کس طرح بیٹھیں؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ پہلے خطبہ میں دونوں ہاتھ باندھ کر بیٹھیں، اور دوسرے خطبہ میں دونوں ہاتھ ران پر رکھے رہیں، اس کی اصل کیاہے؟ امام صاحب سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے تحقیق نہیں ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خطبہ کے دوران مقتدی جس طرح چاہیں بیٹھ سکتے ہیں، کسی خاص ہیئت کی پابندی لازم نہیں۔

عن نافع عن ابن عمر: أنه كان يحتبي والإمام يخطب. (المصنف لابن أبي شيبة ٤/ ٩١ رقم: ٥٢٨١ تحقيق: الشيخ محمد عوامه)

وإذا شهد الرجل عند الخطبة إن شاء جلس محتباً أو متربعاً أو كما تيسر لأنه ليس بصلاة حقيقة. (الفتاویٰ التاتارخانية ٢/ ٥٦٩ رقم: ٣٣١٥ زكريا، الفتاویٰ الهندية ١/ ١٤٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۵/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دورانِ خطبہ بات کرنا، سنت پڑھنا، اور چندہ کا بکس گھمانا؟

سوال (۱۱۵۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خطبہ کے وقت گفتگو کرنا سنت پڑھنا اور چندہ کا بکس اِدھر اُدھر لے جانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خطبہ کے وقت گفتگو کرنا، سنت پڑھنا اور چندہ کا بکس اِدھر اُدھر کرنا سب ممنوع اور مکروہ ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۶/ ۴۹۳، احسن الفتاویٰ ۴/ ۱۲۱، کفایت المفتی ۳/ ۲۳۳، فتاویٰ دارالعلوم ۵/ ۸۹-۵/ ۱۲۱، ایضاح المسائل ۶۵)

إن أبا هريرة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه أخبره أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة أنصت والإمام يخطب فقد لغوت.

(صحيح البخاري / باب الانصات يوم الجمعة ١٢٧/١)

عن مجاهد و علي وعطاء: أنهم كرهوا الصلاة و الإمام يخطب يوم الجمعة. (المصنف لابن أبي شيبة ٧١/٤ رقم: ٥٢١٠ المجلس العلمي)

إذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام إلى تمامها . و كل ما حرم في الصلاة حرم فيها أي في الخطبة فيحرم أكل وشرب و كلام ولو تسبيحاً أو رد سلام أو أمر بمعروف؛ بل يجب عليه أن يستمع ويسكت. (درمختار على هامش رد المحتار ٣٤/٣-٣٥ زكريا، هداية ١٧١/١، كذا في البحر الرائق / باب الجمعة ٢٥٩/٢ رشيدية، الفتاوىٰ الهندية / الباب السادس عشر في صلاة الجمعة ١٤٧/١)

و كره العبث و الالتفات فيجتنب وما يجتنبه في الصلاة. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح / باب أحكام الجمعة ٥٢٠)

ثم فرق بين القوم و الإمام فحرم على القوم التكلم و إن كان قليلاً وقت الخطبة...... و المفروض على القوم الاستماع و الإنصات...... ويكره التسبيح وقراء ة القرآن والصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم والكتابة إذا كان يسمع الخطبة. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٥٧٣/٢-٥٧٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۴/۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دورانِ خطبہ درود شریف کا جواب دینا؟

سوال (۱۱۵۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جمعہ کے خطبہ کے دوران ذکر، درود شریف اور نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ خطبہ میں قرآنِ کریم کی آیت: ﴿ان الله و ملٰئكته﴾ پڑھنے کے بعد درود شریف پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زبان سے نہ پڑھے دل میں کہہ لے۔

بل بالقلب وعليه الفتوىٰ. (شامی کراچی ۲/ ۱۵۸، زکریا ۳/ ۳۵)

وكـان الـطـحـاوي يـقـول: على القوم أن يستمعوا إلى أن يبلغ الخطيب إلى قـولـه تعالىٰ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ فحينئذ يجب عليهم أن يصلو على النبي عليه السلام ويسلموا، وفي الجامع الحسامي: ويصلي السامع في نـفسـه ويـخفي، وفي الأوزجندي: إذا قال الخطيب: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ﴾ الـخ، فـي الـخطبة فالأصح السكوت، وفي الحجة: ولو سكت فهو أفضل تحقيقاً للإنصات، والذي عليه عامة مشايخنا أن على القوم أن يستمعوا للخطبة من أولها إلى آخرها. (الفتاوىٰ التاتارخانية / الصلاة، شرائط الجمعة ۲/ ۵۷٤ رقم: ۳۳۳۲ زکریا)

وقال أبوحنيفة ومحمد: وإذا ذكر اللّٰه والرسول في الخطبة يجب عليهم أن يستـمعـوا ولم يذكروا اللّٰه تعالىٰ بالثناء عليه ولم يصلوا على النبي صلى اللّٰه عـليـه وسلم، وعن أبي يوسف رحمه اللّٰه أنه يصلي الناس عليه في نفوسهم، وفي الـخـانية: قـال شـمـس الأئمة الحلواني: الصحيح عندنا إن كان قريباً من الإمام يستـمـع ويسـكت من أول الخطبة إلى آخرها. (الـفتـاوىٰ التـاتـارخانية / الصلاة، شرائط الجمعة ۲/ ۵۷٤ رقم: ۳۳۳۳ زکریا)

والـصواب أن يصلي على النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عند سماع اسمه في نـفسـه أي بأن يسمع نفسه أو يصحح الحروف فإنهم فسروه به. (رد المحتار / باب الجمعة ۲/ ۱۵۹ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/ ۳/ ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خطبہ میں ’’جواد کریم‘‘ کیسے پڑھیں؟

سـوال (۱۱۵۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خطبہ جمعہ میں بعض لوگ ’’أنـه تـعـالـىٰ جواد كريم ملک برّ رؤف الرحيم‘‘ میں

''جواد'' کو بغیر تشدید کے پڑھتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ ''جواد'' تو غالباً مبالغہ کا صیغہ ہے ''جواد'' کا پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جواد (بلا تشدید) پڑھنا بھی درست ہے؛ کیوں کہ یہ صیغۂ صفت ہے، اور جواد (مع تشدید) بھی پڑھ سکتے ہیں، یہ مبالغہ کے معنی میں ہے۔ (مصباح اللغات ۱۲۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۶/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ﴾ پر خطبہ جمعہ ختم کرنا؟

سوال (۱۱۵۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مسجد کے خطیب نے جمعہ کے دوسرے خطبہ میں ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ﴾ بڑھا کر پڑھا، جب کہ سب ہی خطبوں میں اکبر پر ختم ہے، کیا اس طرح خطبہ ثانی ختم کرنا بھی مسنون ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: '' اکبر'' کے لفظ پر خطبہ کو ختم کرنا شرعاً لازم اور ضروری نہیں ہے؛ لہٰذا اگر کوئی امام اس سے آگے کوئی اور جملہ مفیدہ یا آیت کا ٹکڑا بڑھا دے تو سنت کے خلاف کرنے والا نہ کہلائے گا، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات میں ''اکبر'' پر اختتام کا التزام نہیں فرمایا گیا ہے۔

وكفت تحميدة أو تهليلة أو تسبيحة للخطبة المفروضة. (التنوير مع الدر المختار ۲/۱٤۸، شامي زكريا ۳/۲۰)

وذكر خطبات النبي صلى الله عليه وسلم في حياة الصحابة. (۳/۳۹۷-٤۲۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۵/۸ھ

خطبہ پورا ہونے سے پہلے کھڑا ہونا؟

سوال (۱۱۵۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسجد میں جمعہ کی نماز میں خطبہ کے ابھی کچھ الفاظ باقی ہیں، مگر مقتدی کھڑے ہونے لگتے ہیں، ان کا یہ عمل کیسا ہے، درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث میں حکم یہ ہے کہ جب امام خطبہ کے لئے آ جائے تو خطبہ سننے کے علاوہ کوئی اور مشغلہ اختیار نہ کیا جائے، اس عمومی حکم سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جب تک خطبہ جاری رہے نمازیوں کو اسے غور سے سنتے رہنا چاہئے، اور اٹھنے کا ماحول نہیں بنانا چاہئے؛ لہٰذا جو لوگ امام کے خطبہ ختم کرنے سے پہلے ہی کھڑے ہو جاتے ہیں، ان کا یہ عمل صحیح نہیں ہے، انہیں امام کے منبر سے اترنے کے بعد ہی کھڑا ہونا چاہئے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ [الأعراف: ٢٠٤]

ومن الناس من فسر القرآن بالخطبة والأمر بالاستماع إما للوجوب أو الندب، وعندنا الإنصات في الخطبة فرض على تفصيل في المسألة، وأخرج غير واحد عن مجاهد أن الآية في الصلاة والخطبة يوم الجمعة. (تفسير روح المعاني زكريا ٦/ ٢٢١)

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من قال يوم الجمعة والإمام يخطب أنصت فقد لغا. (ترمذي ١/ ١١٤)

عن الإمام الزهري أنه قال: إذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام. (نصب الراية مطبوعه دارالايمان سهارنپور ٢/ ٢١٠)

عن ابن عباس وابن عمر رضي الله عنهما كانا يكرهان الصلاة والكلام

بعد خروج الإمام. (مصنف ابن أبي شيبة بيروت ٤٤٨/١، رقم: ٥١٧٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/۷/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نابالغ کا خطبہ جمعہ پڑھنا؟

سوال (۱۱۵۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا خطبۂ جمعہ نابالغ پڑھ سکتا ہے، جب کہ جمعہ کی نماز بالغ پڑھائے؟ بعض مرتبہ مسجد میں کوئی ایسا نہیں ہوتا جو خطبہ جمعہ پڑھ دے، نماز پڑھا سکتے ہیں، مجبوراً طالب علم سے جو نابالغ ہے خطبہ پڑھوا سکتے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعۃً مسجد میں کوئی شخص ایسا نہ ہو جو خطبہ پڑھ سکے، تو اس مجبوری میں نابالغ طالبِ علم سے خطبہ پڑھوانے اور بالغ شخص سے جمعہ کی امامت کرانے کی شرعاً گنجائش ہے؛ لیکن نابالغ کی امامت بالغوں کے حق میں درست نہ ہوگی۔ (مستفاد فتاوی محمودیہ جدید ۲۱۶/۸)

لا ینبغي أن یصلي غیر الخطیب، فإن فعل بأن خطب صبي بإذن السلطان، وصلی بالغ جاز هو المختار. (درمختار مع الشامي زکریا ۳۹/۳، کذا في البحر الرائق کراچی ۱٤۷/۲، کذا في التاتارخانیة ٥٦۲/۲ رقم: ۳۳۰۳ زکریا)

وفي خلاصة الفتاویٰ: صبي خطب بإذن السلطان وصلی الجمعة رجل بالغ یجوز. (خلاصة الفتاویٰ / الفصل الثالث والعشرون في صلاة الجمعة ۲۰٥/۱ رشیدیة بحواله: فتاویٰ محمودیه ۲۱ ٦/۸ ڈابھیل) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۸/۶/۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سنت پڑھنے کے دوران خطبہ شروع ہوگیا؟

سوال (۱۱۵۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص جمعہ کے دن ظہر کے وقت بعد اذان مسجد میں سنتیں پڑھ رہا ہے اور سنتیں پڑھنے

کی حالت میں خطبہ کی اذان شروع ہوگئی، اب ایسے میں نماز دو رکعت سنتوں پر سلام پھیر دے یا اپنی چار رکعت سنت پوری کر لی جائیں، یا بعد فرض نماز ظہر اپنی بچی ہوئی دو رکعت سنت پوری کر لی جائے، یا دو رکعت پر سلام پھیرنے کے بعد بقیہ دو رکعت اس سے معاف ہو جائے گی؟ ان کو پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر جمعہ کے دن سنتیں پڑھتے ہوئے خطبہ کی اذان شروع ہوجائے، تو دو رکعت پر سلام پھیر دینا چاہئے، پھر نماز کے بعد وہ چار رکعت سنت دوبارہ پڑھے، اور اگر اذان سے پہلے تیسری رکعت شروع کر دی تھی تو اب مختصر قرأت واذکار کے ساتھ چار رکعت پوری کرے۔

وإذا خرج الإمام يوم الجمعة ترك الناس الصلاة والكلام حتى يفرغ من خطبته. (هداية ١٧١/١)

والشارع في نفل لا يقطع مطلقاً ويتمه ركعتين (درمختار) قال الشامي: ثم اعلم أن هذا كله حيث لم يقم إلى الثالثة، أما إن قام إليها – إلى قوله – وإن لم يقيدها بسجدة قال في الخانية: لم يذكر في النوادر، واختلف المشايخ فيه قيل: يتمها أربعا ويخفف القراءة. (شامي زكريا ٥٠٦/٢-٥٠٧)

وكذا سنة الظهر وسنة الجمعة إذا أقيمت أو خطب الإمام يتمها أربعا (درمختار) قال الشامي: وقيل: يقطع على رأس الركعتين وهو الراجح؛ لأنه يتمكن من قضائها بعد الفرض. (شامی زكريا ٥٠٦/٢)

عن ابن عباس وابن عمر رضي اللّٰه عنهما كانا يكرهان الصلاة والكلام بعد خروج الإمام. (المصنف لابن شيبة / باب من كان يقول: إذا خطب الإمام فلا تصل ٤٤٨/١ رقم: ٥١٧٥ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۵/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عارضی طور پر دوسرا منبر بنانا؟

سوال (۱۱۶۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مسجد ہے جو شہید ہوگئی، اس میں دو سال سے کوئی نماز نہیں ہوئی، آج ۴؍رمضان المبارک بروز جمعہ کو جمعہ کی تیاری کے لئے دوسرا منبر بھی بنایا گیا، اور وقت ہوجانے پر امام صاحب نے خطبہ شروع کیا، تو اچانک منبر ہلنے لگا، اور ایسا معلوم ہوا کہ جیسے طوفان آرہا ہے، اور امام صاحب کی آنکھ بند ہوگئی، اب وہ گرنے والے تھے، اتنے میں آدمیوں نے پکڑ لیا، مسجد ابھی بنی نہیں ہے، مسلمانوں کے صرف ۳۰؍گھر ہیں، ایک مسجد میں دو جگہ منبر بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مسجد زیر تعمیر ہے تو دوسری جگہ عارضی ممبر بنا کر اس پر خطبہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور ممبر ایسا بنایا جائے کہ اس پر سے گرنے کا خطرہ نہ ہو۔

عن جابر بن عبد اللّٰہ أن امرأۃ قالت یا رسول اللّٰہ! ألا أجعل لک شیئا تقعد علیہ، فإن لي غلاما نجارا قال: إن شئت، فعملت المنبر. (صحیح البخار، الصلاۃ / باب الاستعانۃ بالنجار في أعواد المنبر رقم: ۴۴۹)

ومن السنۃ أن یکون الخطیب علی منبر اقتداءً برسول اللّٰہ ﷺ. (الفتاویٰ الھندیۃ الصلاۃ / الباب السادس عشر في صلاۃ الجمعۃ ۱/۱۴۷ بیروت، شامی الصلاۃ / باب الجمعۃ ۳/۳۹ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۱۰/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خطبہ کی اَذان کا بیان

جمعہ کے دن کس وقت کاروبار منع ہے؟

سوال (۱۱۶۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا جمعہ کے مکمل دن کاروبار کرنا منع ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کے دن صرف اذان جمعہ کے بعد سے نماز جمعہ تک کاروبار کرنا منع ہے، بقیہ اوقات میں کاروبار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد کفایت المفتی ملتان ۳/ ۲۳۷)

عن برد قال: قلت للزهري متى يحرم البيع والشراء يوم الجمعة؟ فقال: كان الأذان عند خروج الإمام فأحدث أمير المؤمنين عثمان التأذينة الثالثة فأذن على الزوراء ليجتمع الناس، فأرى أن يترك البيع والشراء عند التأذينة.

(المصنف لابن أبي شيبة ٤/ ١٢١ رقم: ٥٤٣٢ المجلس العلمي)

ووجب السعى إليها وترك البيع ولو مع السعى، وفي المسجد أعظم وزرا بالاذان الأول في الأصح. (درمختار مع الشامی زکریا ۳/ ۳۸)

فإذا قضيت الصلوة أى أديت وفرغ منها فانتشروا في الأرض لإقامة مصالحكم. (روح المعانی زکریا ۱۵/ ۱۵۲)

الأذان المعتبر الذي يجب السعى عنده ويحرم البيع الأذان عند الخطبة لا الأذان قبله، لأن ذلك لم يكن فى زمن النبى صلى الله عليه وسلم وذكر شمس الأئمة الحلواني، وشمس الأئمة السرخسي أن الصحيح المعتبر هو الأذان

الأول بعد دخول الوقت، وفي المنافع : سواء كان بين يدى المنبر أو على الزوراء، وبه كان يفتى الفقيه أبو القاسم البلخى رحمة الله، وقال الحسن بن زياد رحمه الله : الأذان على المنارة هو الأصل. (الفتاوى التاتارخانية ٢/ ٥٩٣ رقم: ٣٣٩٤ زكريا)

عن سائب بن يزيد يقول : إن الأذان يوم الجمعة كأوّله حين يجلس الإمام يوم الجمعة على المنبر فى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابي بكر وعمر فلما كان فى خلافة عثمان وكثروا امر عثمان يوم الجمعة بالأذان الثالث فاذن به على الزور آء فثبت الامر على ذلك. (رواه البخاري الجمعة بال التاذين عند الخطبة ١/ ١٢٥رقم : ٩١٦، أبوداؤد الجمعة ، باب النداء يوم الجمعة ١/ ١٥٥، رقم: ١٠٨٧ ،والترمذي الجمعة، ماجاء فى أذان الجمعة ١/ ١١٥ رقم : ٥١٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۹/ ۱۲/ ۱۴۲۵ھ

جمعہ کے دن بیع وشراء کی ممانعت اذان اول کے بعد ہے یا اذان ثانی کے بعد؟

سوال (۱۱۶۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جمعہ کے دن بیع وشراء کی ممانعت اذان اول کے بعد ہے، یا اذان خطبہ کے بعد ہے، نزول آیت کے وقت تو صرف خطبہ والی اذان ہوتی تھی، تو پھر اس سے آدھا گھنٹہ پہلے والی اذان کے وقت بیع کو ممنوع قرار دینا کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کے دن بیع وشراء کی ممانعت اذانِ اول کے بعد سے ہے، اگر چہ نزول آیت کے وقت یہ اذان نہیں تھی، بعد میں اجماع صحابہ سے ثابت ہوئی؛ کیوں کہ اشتراک علت سے حکم میں اشتراک ہوجاتا ہے؛ البتہ اذانِ ثانی میں یہ حکم منصوص اور قطعی

ہوگا، اور اذانِ اول میں یہ حکم مجتہد فیہ اور ظنی ہوگا، پس ثابت ہوگیا کہ اذان اول سے بیع وشراء کی ممانعت کتاب اللہ سے ثابت ہے، یہ کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہے۔ (تفسیر بیان القرآن ۱۲/۷، بوادر النوادر ۱/۱۱۴، معارف القرآن ۸/۴۴۲)

اور صاحب اعلاء السنن فرماتے ہیں کہ: ﴿اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ﴾ سے دخول وقت کی طرف اشارہ ہے، نہ کہ مخصوص اذان کی طرف اس لئے کہ بالفرض اگر جمعہ کے لئے کوئی اذان ہی نہ ہوتو بھی زوال کے وقت سے بیع وشراء ممنوع ہوجائے گی اور اگر ممبر کے سامنے زوال سے پہلے اذان دینا شروع کردے تو اس سے بیع وشراء ممنوع نہ ہوگی۔ اب ثابت ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو اذان تھی وہ دخول وقت کے اعلان کے لئے تھی، اور اس وقت مسلمانوں کی قلت کی وجہ سے وہی اذان کافی تھی، بعد میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب مسلمان اور ان کی آبادی بڑھ گئی تو اس اذان سے اعلان کا اصل مقصد حاصل نہ ہونے کی وجہ سے باہر اذان دینے کو ایجاد فرمایا؛ لہٰذا اذان ثانی کا جو حکم ہے اذان اول کا بھی وہی حکم ہوگا؛ لہٰذا یہ نص پر زیادتی نہیں ہے؛ بلکہ اشارۃ النص سے ثابت ہے۔

ووجب السعي إليها وترك البيع بالأذان الأول في الأصح. (الدر المختار مع الشامي زكريا ۳/۳۸)

الأذان المعتبر الذي يجب السعي عنده ويحرم البيع الأذان عند الخطبة لا الأذان قبله، لأن ذلك لم يكن في زمن النبي صلى الله عليه وسلم وذكر شمس الأئمة الحلواني، وشمس الأئمة السرخسي أن الصحيح المعتبر هو الأذان الأول بعد دخول الوقت، وفي المنافع: سواء كان بين يدى المنبر أو على الزوراء، وبه كان يفتي الفقيه أبو القاسم البلخي رحمة الله، وقال الحسن بن زياد رحمه الله: الأذان على المنارة هو الأصل. (الفتاوى التاتارخانية زكريا ۲/۵۹۳ رقم: ۳۳۹٤)

عن سائب بن يزيد يقول: إن الاذان يوم الجمعة كأوّله حين يجلس الإمام يوم الجمعة على المنبر في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابي بكر

وعـمر فلما كان فی خلافة عثمان و كثروا أمر عثمان يوم الجمعة بالأذان الثالث فأذن به على الزورآء فثبت الأمر على ذلک. (رواه البخاري الجمعة باب التاذين عند الخطبة ۱۲۵/۱رقم : ۹۱٦، أبوداؤد الجمعة ، باب النداء يوم الجمعة ۱۵۵/۱، رقم: ۱۰۸۷ ، والترمذي الجمعة، باب ماجاء فی أذان الجمعة ۱۱۵/۱ رقم : ۵۱۵)

وقال الإمام ظفر أحمد التهانوي : فقوله تعالیٰ : إذا نودي للصلاة من يوم الجمعة. (الجمعة : ۹) كناية عن دخول الوقت، لاعن الأذان المخصوص، ألا ترى أنه لو لم يؤذن للجمعة أصلا، لا على الزوراء، ولا بين يدي المنبر، لكان البيع والشراء بعد الزوال منهيا عنه، ولم أذن بين يدي المنبر قبل الزوال لم يحرم به البيع وغيره وإذا ثبت أن الأذان بين يدي المنبر كان علما لدخول وقت الجمعة كان في حكمه الأذان الذي أحدثه عثمان على الزوراء، لكونه في وقت ذلک الأذان الذي كانت حرمة البيع منوطة به في عهد النبی ﷺ، بخلاف الأذان الثاني : فإنه صار متأخرا عن الوقت المعهود جداً. (اعلاء السنن البيوع، باب البيع عند الأذان ۲۳۵/۱٤-۲۳٦ بيروت ، ۱۹۹/۱٤ كراچی، كذا فی احكام القرآن ٤٤۸/۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

كتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۷/۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جب شہر میں متعدد مساجد ہوں تو کون سی مسجد کی اذان کے بعد بیع وشراء ممنوع ہوگی؟

سوال (۱۱٦۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جمعہ کی اذانِ اول کے بعد بیع وشراء کرنا حرام ہے، بسا اوقات ایک شہر میں متعدد جامع مسجد ہوتی ہیں، تو ایسی صورت میں کس مسجد کی اذان کا اعتبار کرکے بیع وشراء ترک کیا جائے ، جب کہ ایک مسجد میں ۲/ بجے اذان ہوتی ہے، اور دوسری مسجد میں ایک یا ڈیڑھ بجے ہوتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص کا جس مسجد میں نماز جمعہ پڑھنے کا ارادہ ہو اس پر اس مسجد کی پہلی اذان ہوجانے کے بعد بیع وشراء وغیرہ کرنا ممنوع ہوگا، دیگر مساجد کی اذانوں کا خیال کرنا اس پر لازم نہیں۔ (مستفاد: حاشیہ امداد الفتاویٰ ۱/۱۶۹)

والظاهر أن المامورين بترك البيع هم المأمورون بالسعي إلى الصلاة.

(روح المعانی ۲۸/ ۹۱)

وفى التاتارخانية : إنما يجيب أذان مسجده، وسأل الدين عمن سمعه في آن من جهات ماذا يجب عليه ؟ قال : إحابة مسجده بالفعل قال الشامي : قوله انما يجب أذان مسجده أى بالقدم. (الدر المختار مع شامي ۱/ ۴۰۰-۳۹۹ کراچی قبيل باب شروط الصلاة) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۴/۲/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دوالگ الگ مساجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے والے دوکاندار دوکان کب بند کریں؟

سوال (۱۱۶۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شہر نہٹور میں جمعہ کے دن بازار کے لوگ یعنی دکاندار مختلف مساجد میں نماز جمعہ پڑھتے ہیں۔

معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ دوکاندار کون سی مسجد کی کس اذان پر اپنی دوکانیں بند کردیا کریں جس سے وعید سے بچ جائیں۔ کیونکہ مارکیٹ میں 12:40 سے اذان شروع ہوتی ہیں اور دو بجے تک یہ سلسلہ رہتا ہے۔ بعض مرتبہ ایک دوکان پر دو بھائی رہتے ہیں ایک نماز جمعہ ایک بجے والی میں پڑھ لیتا ہے اس کے آنے کے بعد دوسرا ڈیڑھ بجے والی میں نماز جمعہ پڑھتا ہے اور دکان مستقل کھلی رہتی ہے۔ کیا یہ شکل بھی درست نہ ہوگی؟ وضاحت فرمادیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر الگ الگ مساجد میں مختلف اوقات میں دوکان پر بیٹھنے والے لوگ نماز جمعہ پڑھتے ہیں، تو سب کو اس بات کا اہتمام کرنا چاہئے کہ جس مسجد میں نماز پڑھنے کا ارادہ ہے، اس کی پہلی اذان ہوتے ہی دوکان سے اٹھ جائیں اور نماز کی تیاری شروع کردیں۔ پھر نماز سے فارغ ہوکر دوکان پر بیٹھ جائیں، اس دوران دوکان بند کرنا کوئی ضروری نہیں ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/۴۶۵، احسن الفتاویٰ ۴/۱۱۸)

ووجب سعي إليها وترک البیع بالأذان الأول، وفي الشامیة تحت قوله: وترک البیع أراد به کل عمل ینافي السعي إلیها ...... وعند الحنیفة بالأذان الأول عند الزوال. (الفقه الإسلامي وأدلته ۲/ ۲٦۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۶/۲/۱۴۳۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ کے بعد کی سنتیں چھوڑ کر کاروبار میں مشغول ہوجانا؟

سوال (۱۱۶۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جو لوگ جمعہ کے دن صرف امام کے ساتھ دو رکعت فرض کے بعد مسجد سے نکل کر اپنی دوکانوں میں یا کاروبار میں مشغول ہوجاتے ہیں، ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ جمعہ کی نماز فرض کے بعد فوراً دعا مانگنا چاہئے یا کہ مسجد کے لئے پیسے اکٹھے کرنا چاہئے؟ افضل اور اولی کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کے بعد کی سنتیں بلا عذر مستقل چھوڑنے کی عادت بنالینا جائز نہیں ہے، یہ سخت گناہ ہے۔

وسن مؤکدا أربع قبل الظهر، وأربع قبل الجمعة، وأربع بعدها بتسلیمة، وفي الشامیة: وسن مؤکدا، أي استنانا مؤکداً (إلی قوله) ویستوجب تارکها التضلیل واللوم، أي علی سبیل الإصرار بلاعذر. (درمختار مع الشامی ۲/ ۴۵۱ زکریا)

مسجد کی ضرورت کے لئے نماز کے بعد دعا میں قدرے تاخیر کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن زیادہ تاخیر نہیں ہونی چاہئے۔ (کفایت المفتی ۳/۱۲۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۷/۶/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خطبہ کی اذان کہاں پڑھیں؟

سوال (۱۱۶۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت سے خطبہ کی اذان ممبر امام کے سامنے سے ہوتی چلی آرہی ہے، یعنی تقریباً پونے چودہ سو سال سے، مگر چند ہفتوں سے جمعہ میں خطبہ کی اذان مسجد کے باہری حصہ (وضوخانہ) سے ہونے لگی ہے، اور مفتی مسجد فتح پوری دہلی، مفتی شہر متھرا اور بریلی شریف کے مفتیان کا فتویٰ ہے کہ خطبہ کی اذان مسجد کے باہر سے دینی چاہئے، مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ ہے، خطبہ کی اذان ایک اعلان ہے؛ لہٰذا باہر سے ہونا چاہئے، کتابوں کے حوالوں سے فتویٰ دیا ہے، جب کہ دورِ خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے خطبہ کی اذان کے اندر ممبر کے سامنے سے ہوتی چلی آرہی ہے (۱۳۷۵/سال سے) براہِ کرم مستند کتابوں سے وضاحت فرمائیں، بریلی اور دیوبند کے فرقہ بندی سے پہلے کی کتابوں سے حوالہ کے ساتھ کہ کیا مسجد کے اندر خطبہ کی اذان ہونا چاہئے یا باہری حصہ میں؟ ثواب کس میں زیادہ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خطبہ جمعہ کی اذان مسجد کے اندر خطیب کے سامنے دینا ہی افضل واولیٰ اور متوارث ہے، وجہ یہ ہے کہ یہ اذان غائبین میں اعلان کے لئے نہیں؛ بلکہ اقامت کے مانند اعلان حاضرین کے لئے ہے، اسی لئے اس اذان میں آواز کی بلندی مقصد ومستحب نہیں ہے، فقہ کی کتابوں میں ''بین یدي الخطیب'' کے الفاظ اسی حکم پر دال ہیں، نیز علامہ قہستانی کی مشہور کتاب جامع الرموز میں یہ وضاحت کی گئی ہے۔

بيـن يـديه أي بين الجهتين المستامنين بيمين المنبر والإمام ويساره قريباً منه ووسطهما بالسكون. (جامع الرموز ۱۸۰/۱، بحواله: بذل المجهود ۸۵/٦، امداد الفتاویٰ ۴۷۹/۲، اعلاء السنن ۸۷/۸ دار الکتب العلمیة بیروت)

لہٰذا خطبہ کی اذان مسجد کے اندر اور امام کے سامنے ہی دینی چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۳/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خطبہ کی اذانِ ثانیہ کا محل کیا ہے؟

سوال (۱۱۶۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کا کہنا ہے کہ جمعہ کے دن خطبہ کی اذان اندر پڑھنا درست ہے، کچھ لوگ باہر دیتے ہیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کہاں دی جاتی تھی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: خطبہ کی اذان خطیب کے سامنے اندر پڑھنا سنت ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی اذان اندر ہوتی تھی۔

ويؤذن ثانياً بين يديه أي الخطيب (تحت قوله) أي على سبيل السنية.

(درمختار مع الشامي کراچی ۱٦۱/۲، زکریا ۳۸/۳، هداية ۱۷۱/۱، البحر الرائق ۱۵۲/۲، حلبی کبیر ۵٦۱)

كان بلال يؤذن إذا جلس النبي صلى الله عليه وسلم على المنبر فإذا نزل أقام. (فتح الباری ۳۹٤/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۷/۳/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خطبہ کی اذان پہلی صف میں ہو یا مسجد کے صحن میں؟

سوال (۱۱٦۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: خطبہ کی اذان خطیب کے سامنے پہلی صف میں ہو یا مسجد کے باہر صحن میں ہو؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کے خطبہ کی اذان خطیب کے سامنے مسجد کے اندر اور ممبر کے قریب دینی چاہئے، کتبِ فقہ سے یہی مستفاد ہوتا ہے۔

ویؤذن ثانیاً بین یدي الخطیب علی سبیل السنة. (شامی / باب الجمعة ۲/۱۶۱ کراچی، کذا في الفتاویٰ الهندیة ۱/۱۴۹)

وفي البحر: فإذا جلس علی المنبر أذن بین یدیه بذٰلک جری التوارث، والضمیر في قوله "بین یدیه" عائد إلی الخطیب الجالس، وفي القدوري: بین یدي المنبر وهو مجاز إطلاقاً لاسم المحل علی الحال. (البحر الرائق / باب الجمعة ۲/۲۷۴ رشیدیة، کذا في الحلبي الکبیر/ فصل في صلاة الجمعة ۵۶۱ لاهور)

عن السائب بن یزید قال: کان یؤذن بین یدي رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علی باب المسجد وأبي بکر وعمر رضي اللّٰه عنهما. (سنن أبي داؤد / باب النداء یوم الجمعة ۱/۱۵۵)

ولا منافاة بین قوله: ''بین یدي رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم'' وبین "علی باب المسجد'' فإن باب المسجد هٰذا کان في جهة الشمال، فإذا جلس رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علی المنبر للخطبة یکون هٰذا الباب قدامه، فکونه بین یدیه عام شامل لما کان في محاذاته أو شیئاً منحرفاً إلی الیمین أو الشمال أو یکون علی الأرض أو الجدار. (بذل المجهود / باب النداء یوم الجمعة ۲/۱۸۰ ملتان)

وإذا جلس الإمام علی المنبر أذن أذاناً ثانیاً بین یدیه. (جامع الرموز للقهستاني / باب الجمعة ۱/۲۶۸ کریمیة)

وإذا صعد الإمام المنبر جلس وأذن المؤذنون بین یدي المنبر بذٰلک جری التوارث. (هدایة ۱/۱۷۱)

وقال العيني: (بذٰلک) أي الأذان بين يدي المنبر بعد الأذان الأول على المنارة (جرى التوارث) أي من زمان عثمان رضي اللّٰه تعالىٰ عنه إلى يومنا هٰذا.

(البناية شرح الهداية للعيني / باب الجمعة ٣/ ١٦٠ رشيدية)

وكان الطحاوي يقول: المعتبر هو الأذان عند المنبر بعد خروج الإمام.

(العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير / باب الجمعة ٢/ ٦٩)

وقال الشيخ محمود الحسن فقيه الأمة رحمه اللّٰه تعالى: قلت: وهو المتوارث في ديارنا إلى يومنا هٰذا ولا اعتبار لمن خالف هٰذا التوارث. (فتاوىٰ محمودية ٨/ ٣٢٤ ڈابھیل)

فحاصل الكلام: أن الأذان كان بين يدى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في باب المسجد داخله، فلم يلزم كون الأذان خارج المسجد. (اعلاء السنن ٨/ ٨٦ دار الكتب بيروت)

وفي فتح الباري: الحكمة فى جعل الأذان في هذا المحل (قريباً من المنبر) ليعرف الناس بجلوس الإمام فينصتون له إذا خطب ما نصه. (إعلاء السنن ٨/ ٨٦-٨٧ دار الكتب بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہٗ ۱۴۱۵/۲/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خطبہ کی اذان کا مسجد کے باہر پڑھنا؟

سوال (۱۱۶۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اذانِ ثانی جو ممبر کے سامنے عند الخطیب پڑھی جاتی ہے اور بعض مقامات پر چند سالوں سے باہر پڑھی جانے لگی ہے، حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک حدیث میں دیکھا جس سے اذان کا باہر پڑھنا ثابت ہوتا ہے، بہرحال آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح کریں کہ اذانِ ثانی کہاں پڑھی جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان خطیب کے سامنے دروازے پر ہوتی تھی، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اذان مسجد سے باہر ہوتی تھی؛ اس لئے کہ مسجدِ نبوی میں دروازہ شمال کی طرف تھا اور منبر کے بالکل سامنے تھا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرماتے تو یہ دروازہ بالکل سامنے پڑتا تھا، اس لئے راوی نے وضاحت کی غرض سے علی الباب کا اضافہ فرمایا ہے۔ نیز فقہ حنفی کے تمام متون اور معتبر کتابوں میں صاف لکھا ہے کہ اذان جمعہ خطیب کے سامنے یعنی قریب دی جائے؛ لہٰذا جمعہ کی اذانِ ثانی مسجد کے اندر خطیب کے سامنے ہی دینی چاہئے، اس اذان کو مسجد سے باہر دینے کو رائج کرنا فقہاء اور شارحین حدیث کی تصریحات کے خلاف ہے، اور اس زمانہ کے اہل بدعت کا شعار ہے؛ لہٰذا اس کا ترک لازم ہے۔

عن السائب بن يزيد رضي الله عنه قال: كان يؤذن بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد.

(أبوداؤد شريف ۱/ ۱۵۵)

قال في بذل المجهود: ولا منافاة بين قوله بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم وبين على باب المسجد؛ فإن باب المسجد هٰذا كان في جهة الشمال، فإذا جلس رسول الله صلى الله عليه وسلم على المنبر للخطبة يكون هٰذا الباب قدامه. (بذل المجهود مصری ٦/ ۸۵)

وقال في الدر المختار: ويؤذن ثانياً بين يديه أي الخطيب. (الدر المختار مع رد المحتار زكريا ۳/ ۳۸، احسن الفتاوىٰ ٤/ ۱۲٦)

فحاصل الكلام: أن الأذان كان بين يدى رسول الله صلى الله عليه وسلم في باب المسجد داخله، فلم يلزم كون الأذان خارج المسجد. (اعلاء السنن ۸/ ۸٦ دار الكتب بيروت)

وفي فتح الباري: الحكمة فى جعل الأذان في هذا المحل (قريباً من

المنبر) ليعرف الناس بجلوس الإمام فينصتون له إذا خطب ما نصه. (إعلاء السنن ۸۷/۸-۸٦ دار الكتب بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۱۱/۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اذانِ ثانی کون سی صف میں پڑھنا مسنون ہے؟

سوال (۱۱۷۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جمعہ کے روز اذانِ ثانی منبر کے سامنے ہونی چاہئے یا کہیں بھی؟ اگر منبر کے سامنے ہوتو پھر پہلی صف کے بعد دوسری تیسری یا کسی اور صف میں جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کے روز اذانِ ثانی خطیب کے سامنے پڑھنا مسنون ہے، خواہ کسی صف میں ہو؛ البتہ ایسی جگہ اذان پڑھنا مسنون ہے جہاں سے خطیب نظر آتا ہو۔

عن السائب بن يزيد كان يؤذن بين يدي رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد وأبي بكر وعمر رضي اللّٰه عنهما. (سنن أبي داؤد / باب النداء يوم الجمعة ۱۵۵/۱)

ويؤذن ثانياً بين يديه أي الخطيب. (درمختار ۱٦۱/۲ کراچی، ۳۸/۳ زکریا)

وإذا صعد الإمام المنبر جلس وأذن المؤذنون بين يدي المنبر بذٰلك جرى التوارث. (هداية باب الجمعة ۱۷۱/۱، البحر الرائق ۱۵۷/۲)

فإذا جلس على المنبر أذن بين يديه بذٰلك جرى التوارث والضمير في قوله: "بين يديه" عائد إلى الخطيب الجالس، وفي القدوري بين يدي المنبر وهومجاز إطلاقاً لاسم المحل على الحال. (حلبی کبیر لاهور ٥٦١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۱۱/۱۴۱٦ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ کی اذانِ ثانی خطیب کے سامنے دینا مسنون ہے

سوال(۱۱۷۱):-کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جمعہ کے خطبہ کی اذان مسجد کے صحن میں ضروری سمجھ کر پڑھنے کے متعلق شرعی حیثیت سے مفصل ومدلل تحریر فرمائیں، آیا شرعی اعتبار سے جائز ہے یانہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کی اذانِ ثانی خطیب کے سامنے مسجد کے اندر دینا مسنون ہے، احادیث اورآثار سے یہی امر مستفاد ہوتا ہے۔ اعلاء السنن میں ہے:

عن سائب بن يزيد يقول: إن الأذان يوم الجمعة كان أوله حين يجلس الإمام على المنبر على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم و أبي بكر و عمر رضي الله عنهما ...... الخ. (صحيح البخاري ١٢٥/١)

وفي رواية عنه قال: كان يؤذن بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد و أبي بكر و عمر.

(رواه أبو داؤد ١/٤٦٤ و سكت عنه رقم: ١٠٨٧)

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني التهانوي رحمه الله: معنى قوله "بين يديه" قال الأغب في مفرداته: يقال: هذا الشئ بين يديک أي قريبا منک. (١٤٢/١ مصرى)

وأما لفظ "على الباب" فعلى ههنا بمعنى "في" كما في "على جذوع النخل" فيكون معنى قوله: "على الباب" أى في الباب الذي في داخل المسجد، وهذا الباب كان قريبا من المنبر، فلا منافاة بين قوله "بين يدي" — و "على الباب" كما هو ظاهر. (إعلاء السنن ٨٦/٨، دار الكتب العلمية)

فدل على أن الأذان الثاني محله عند المنبر وهو المراد ببين يديه. (إعلاء السنن ٤٩/٨، بحواله احسن الفتاوىٰ ١٢٧/٤)

وكـان الـطحاوي يقول: المعتبر هو الاذان عند المنبر بعد خروج الإمام.

(العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير / باب الجمعة ٦٩/٢)

بریں بناجولوگ اذانِ ثانی مسجد سے باہر دینے پر اصرار کرتے ہیں وہ حق پر نہیں ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۳/۹/۲۷ھ

خطبہ کی اذان کا جواب دینا؟

سوال (۱۱۷۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خطبہ کی اذان کا جواب دینا چاہئے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: خطبہ کے دوران زبان سے جواب نہ دے، بس ادل سے جواب سوچ لے۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۳۸۹/۲)

وينبغي أن لا يجيب بلسانه اتفاقاً في الأذان بين يدي الخطيب. (درمختار ۳۹۹/۱ کراچی، ۷۰/۲ باب الأذان زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۹/۱۱/۱۴ھ

جمعہ کی اذان ثانی کا جواب؟

سوال (۱۱۷۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جمعہ کے خطبہ کی اذان کے جواب و دعا کا ثبوت ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: خطبۂ جمعہ کی اذان کا جواب زبان سے نہیں دیا جائے

گا؛ بلکہ دل دل میں اس کا خیال کرلیا جائے گا، یہی حکم اذانِ ثانی کے بعد کی دعا کا ہے؛ اس لئے کہ امام کے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد کسی قسم کی گفتگو جائز نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۲/۹ ۱۷ میرٹھ، امداد الاحکام ۲/۴۵، فتاویٰ رحیمیہ ۳/۶۸، کفایت المفتی ۳/۲۲۰، عزیز الفتاویٰ ۲۶۹)

وينبغي أن لا يجيب بلسانه اتفاقاً في الأذان بين يدي الخطيب. (درمختار على هامش رد المحتار زكريا ٢/ ٧٠، نعمانيه ١/ ٢٦٨) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۴/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ میں وعظ کہنا

جمعہ کے دن دورانِ خطبہ سنن قبلیہ ادا کرنا؟

سوال (۱۱۷۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سعودی عرب کی اکثر مساجد میں زوال کے معاً بعد اذان وخطبہ شروع ہو جاتا ہے، مقامی لوگ دورانِ خطبہ سنتیں بھی پڑھتے ہیں، ہمارے یہاں خطبہ کے آغاز کے بعد ہر عمل حتی کہ نماز بھی ممنوع ہے، ایسی صورت میں جمعہ کی سننِ قبلیہ کس وقت ادا کی جائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حنفیہ کے نزدیک دورانِ خطبہ نماز پڑھنا ممنوع ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں اگر خطبہ سے قبل جمعہ کی سنتیں ادا کرنے کا موقعہ نہ ملے تو ان سنتوں کو جمعہ کے بعد ادا کرنا چاہئے؛ اس لئے کہ یہ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ ظہر کی سننِ قبلیہ کو پہلے موقع نہ ملنے کی وجہ سے بعد میں بھی ادا فرمایا کرتے تھے۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ ۱/۳۴۱، فتاویٰ عثمانی ۱/۵۳۷، کتاب المسائل ۱/۴۱۹)

عن عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها أن النبي ﷺ کان إذا لم یصل أربعا قبل الظهر صلاهن بعدها. (ترمذی ۹۷/۱)

بخلاف سنة الظهر وکذا الجمعة، فإنه إن خاف فوت رکعات یترکها ویقتدی ثم یأتي بها علی أنها سنة في وقته أي الظهر قبل شفعه عند محمد وبه یفتی. (درمختار مع الشامي زکریا ۵۱۳/۲)

وسنة الجمعة إذا أقیمت أو خطب الإمام (درمختار) وتحته في الشامیة:

وقيل يقطع على رأس الركعتين وهو الراجح؛ لأنه يتمكن من قضائها بعد الفرض ولا إبطال في التسليم على الركعتين فلا يفوت فرض الاستماع والأداء على الوجه الأكمل. (شامی / باب إدراك الفريضة ٢/٥٠٦ زكريا)

إذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام إلى تمامها ولو خرج وهو في السنة أو بعد قيامه لثالثة النفل يتم في الأصح ويخفف القراءة، وقال الشامي: قوله فلا صلاة: شمل السنة وتحية المسجد. (الدر المختار على الرد المحتار / باب الجمعة ٢/١٥٨ كراچی، ٣/٣٥-٣٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ:احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۱۰/۳۰ھ
الجواب صحیح:شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ سے پہلے مسجد میں وعظ کہنا؟

سوال (۱۱۷۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جمعہ کے روز نماز جمعہ سے قبل جب کہ مسجد میں بعض حضرات نماز میں مشغول ہوتے ہیں، وعظ کہنا کیسا ہے؟ اگر یہ شکل درست نہیں ہے تو پھر درست شکل کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہتر طریقہ یہ ہے کہ اذان خطبہ سے ۵-۷؍منٹ قبل وعظ ختم کرنے کا معمول بنالیا جائے اور اعلان کردیا جائے کہ لوگ سنتیں اس وقت پڑھا کریں پہلے نہ پڑھیں؛ تاکہ وعظ بھی ہو جائے اور لوگوں کی سنتوں میں خلل بھی نہ واقع ہو۔

أخرج ابن عساكر عن بن حميد بن عبد الرحمٰن: ''أن تميماً الداري رضي اللّٰه عنه استأذن عمر رضي الله عنه في القصص سنين، فأبى أن يأذن له، فأستأذنه في يوم واحد، فلما أكثر عليه قال له: ''ما تقول''؟ قال: أقرأ عليهم القرآن، وآمرهم بالخير، وأنهاهم عن الشر، قال عمر رضي الله عنه: ''ذٰلک

الذبح''. ثم قال: ''عِظْ قبل أن أخرج في الجمعة''، فكان يفعل ذٰلک یوماً واحداً في الجمعة''. (لموضوعات الکبری، مقدمة، فصل: ولما کان أکثر القصاص والوعاظ ۲۰ نور محمد کراچی، بحواله: فتاوی محمودیه ۱۲/۳۹۱ میراٹھ)

عن أبي وائل قال: کان عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه یذکّر الناس في کل خمیس، فقال له رجل: یا أبا عبد الرحمٰن! لوددت أنک ذکّرتنا کل یوم، قال: أما أنه یمنعني من ذٰلک إني أکره أن أملکم، وأنی أتخولکم بالموعظة کما کان النبي صلی اللّٰه علیه وسلم یتخوّلنا بها مخافة السامّة علینا. (صحیح البخاري، کتاب العلم، باب من جعل لأهل العلم أیاماً معلومةً ۱/۱٦ قدیمي، فتاویٰ محمودیه ۱/۲۵۱-۲۵۲ ڈابھیل) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۱/۴ھ

خطبہ سے پہلے ممبر پر بیٹھ کر تقریر کرنا کیسا ہے؟

سوال (۱۱۷٦):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مسجد میں جمعہ کی نماز میں مسلمانوں کی کثیر تعداد نماز جمعہ ادا کرنے آتی ہے، جس میں گاؤں دیہات کے لوگ بھی ہوتے ہیں، اور دفتروں میں ملازمت کرنے والے حضرات بھی ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے مسجد کی کمیٹی کے لوگ شہر سے ایک عالم دین کو تقریر کرنے کے لئے بلاتے ہیں، جب کہ عالم دین باضابطہ عالم ہیں، اور ایک بڑے مدرسہ جو کہ ہندوستان کی مشہور دینی درس گاہ سے فارغ التحصیل ہیں، مولانا صاحب قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کرتے ہیں، اور جمعہ کے خطبہ سے پہلے اردو میں بیان کرتے ہیں، جمعہ کی اذان کے بعد پھر اس کے بعد خطبہ کی اذان ہوتی ہے، اور مسجد کے موجودہ امام صاحب عربی زبان میں خطبہ دیتے ہیں، اس کے بعد نماز ہوتی ہے، یہ بیان جو اردو میں مولانا صاحب خطبہ کی اذان سے قبل کرتے ہیں، وہ ممبر پر بیٹھ کر بیان کرتے ہیں، مسجد کے ممبر پر عالم صاحب کا بیان کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کے دن اذانِ اول کے بعد اذانِ ثانی سے پہلے اردو میں وعظ ونصیحت کرنا شرعاً جائز ہے؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ یہ وعظ ونصیحت منبر پر بیٹھنے کے بجائے الگ کرسی وغیرہ پر ہو؛ تاکہ خطبہ کی مشابہت لازم نہ آئے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/۶۴۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۷/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خطبہ جمعہ سے پہلے بیان سننا ضروری ہے یا سنت پڑھنا؟

سوال (۱۱۷۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے گاؤں میں بحمد اللہ تین مساجد ہیں، نماز جمعہ صرف بڑی مسجد (جامع مسجد) میں ہوتی ہے، آں محترم بخوبی واقف ہیں کہ خطبۂ جمعہ سے قبل تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں مسنون ہیں، جو مسجد شرعی (جماعت خانہ) میں داخل ہوکر فوراً ادا کرنا مسنون ہے، نیز جمعہ سے قبل چار رکعات سنتِ مؤکدہ بھی ہیں اور لوگ عموماً جمعہ کے دن ان سنن کے ادا کرنے کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔ اور کچھ لوگ خطبہ سے پہلے سورۂ کہف کی انفرادی تلاوت اور صلوٰۃ التسبیح بھی پڑھتے ہیں، اور یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ جمعہ کی پہلی اذان ہونے کے بعد سارے لوگ جلدی سے مسجد میں حاضر نہیں ہوتے؛ بلکہ یکے بعد دیگرے ان کی آمد کا سلسلہ خطبہ شروع ہونے تک باقی رہتا ہے۔

اب آج کل عموماً ایسا ہوتا ہے کہ خطبۂ جمعہ سے قبل کسی عالم صاحب کی تقریر ہوتی ہے اور وہ تقریر اگر لاؤڈ اسپیکر میں ہو تو نماز پڑھنے والوں کی نماز میں خللِ کثیر کا واقع ہونا یہ مجرب ومشاہد ہے، اور مسجد مذکور کے صحن سے متصل کمروں کے دروازے اور کھڑکیاں بند کرکے بھی سنتِ جمعہ خشوع واطمینان سے پڑھنا مائک کے شور کی وجہ سے مشکل ہوتا ہے، تو سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں خطبۂ جمعہ سے قبل جب کہ لوگ سنت تحیۃ المسجد وسنت جمعہ پڑھنے میں مشغول ہوتے ہیں، تقریر میں

مائک کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ بغیر مائک کے بھی مقرر کی آواز پوری مسجد میں سنائی دیتی ہے، اگر اس بات پر روشنی ڈالیں کہ جمعہ کے دن قبل الخطبہ مذکورہ اعمال فضیلت ادا کرنا یہ افضل واولی ہے، یا اس وقت کسی مقرر کا تقریر کرنا یہ افضل واولیٰ ہے تو بہت ہی بہتر ہوگا، آں محترم نماز کے خشوع وخضوع، نمازی کے احترام اور مسجد میں ضرورت سے زائد جہر کے گوشوں کو سامنے رکھ کر قرآن وحدیث کی روشنی میں حوالوں کے ساتھ مدلل تفصیلی جواب تحریر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جمعہ سے قبل سنتِ مؤکدہ ادا کرنا ضروری ہے۔ نیز اصلاح وتذکیر کے مقصد سے جمعہ سے قبل وعظ ونصیحت کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اس لئے مسجد کے ذمہ داروں کو چاہئے کہ وہ ایسی صورت اپنائیں کہ دونوں باتوں کا لحاظ ہو سکے، اور وہ صورت یہ ہے کہ ہر جمعہ کی اذانِ ثانی کے وقت سے پانچ منٹ پہلے بیان ختم کر دیا جائے اور اعلان کر دیا جائے کہ جنہوں نے سنتیں نہیں پڑھی ہیں وہ سنتیں ادا کر لیں اور اس سے پہلے جو نمازی آتے رہیں وہ مسجد کے باہری حصہ میں تحیۃ المسجد پڑھ کر بیان سننے میں مشغول ہو جائیں اور بیان ختم ہونے کے بعد سننِ مؤکدہ ادا کریں، اس طریقہ پر عمل کرنے سے دونوں تقاضے پورے ہو جائیں گے، اور کوئی انتشار بھی نہ ہوگا، چنانچہ بہت سی مساجد میں یہ سلسلہ جاری ہے۔ اور رہ گئی زائد جہر کی بات تو اس سے بہرحال اجتناب کرنا چاہئے، خواہ نماز ہو یا تقریر۔

﴿وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [الذٰریٰت آیت: ۵۵]

وسنّ مؤكدًا أربع قبل الظهر وأربع قبل الجمعة ويستوجب تاركها التضليل واللوم. (درمختار مع الشامي زكريا ۴۵۱/۲)

ويجهر الإمام وجوبًا بحسب الجماعة، فإن زاد عليه أساء. (درمختار مع الشامي زكريا ۲۴۹/۲، فتاویٰ محمودیه ۲۵۰/۱۴) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۵/۳/۱۴۲۶ھ

دو خطبوں کے درمیان وعظ کہنا؟

سوال (۱۱۷۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی امام جمعہ کے دن خطبہ کے درمیان یعنی اول خطبہ ختم ہونے کے بعد ثانی خطبہ شروع ہونے سے پہلے ممبر پر کھڑے ہوکر بنگلہ زبان میں تقریر کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئلہ بالا کے متعلق حضرت اقدس تھانویؒ فرماتے ہیں کہ: ’’ایسا کرنا گاہ بگاہ کسی ضرورت سے قلیل مقدار میں مضائقہ نہیں، باقی اس کی عادت کرلینا اور بلا ضرورت ایسا کرنا یا طویل وعظ کہنا اثنائے خطبہ خلافِ سنت ہے‘‘۔ (امداد الفتاویٰ ۱/۶۴۶)

نیز دیگر کتبِ فقہیہ سے بھی یہی امر مستفاد ہوتا ہے؛ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں امام کا بین الخطبتین بنگلہ زبان میں وعظ صحیح نہیں؛ بلکہ قابلِ ترک ہے، وعظ ہی کرنا ہے تو خطبہ سے قبل یا نماز کے بعد کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۲/۱۱/۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خطبہ سے پہلے تقریر کو خطبہ کہہ کر تین خطبے کہہ کر اس سے روکنا؟

سوال (۱۱۷۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص یہ کہتا ہے کہ خطبہ کی اذان سے پہلے جو بیان اردو میں ہوتا ہے ایک خطبہ تو یہ ہوگیا اور دو خطبہ عربی میں امام صاحب نے پڑھے تو یہ تین خطبے ہوگئے، اس لئے یہ جائز نہیں ہے، اس کا بھی جواب عنایت فرمائیں کہ اردو کے بیان کو خطبہ کہنا، اور تین خطبہ کی بات کہنا صحیح ہے یا نہیں؛ کیوں کہ اصل خطبہ تو عربی میں موجودہ امام صاحب ہی دیتے ہیں، وہ موجودہ امام صاحب ہی نماز جمعہ پڑھاتے ہیں، وہ عالم دین جن کو کمیٹی کے ذمہ داران بلاتے ہیں، وہ تو صرف اردو میں پندرہ بیس منٹ بیان کرتے ہیں، جب کہ یہ سب موجودہ امام صاحب کی مرضی اور اجازت سے ہوتا ہے،

تو اس شخص کا یہ کہنا کہ تین خطبے ہوگئے یہ کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اصطلاحی طور پر خطبہ اس کو کہا جاتا ہے جو دوسری اذان کے بعد امام منبر پر کھڑے ہوکر دیتا ہے، اور اذان سے پہلے جو تقریر کی جاتی ہے، اس کا خطبہ اصطلاحی سے کوئی تعلق نہیں ہے؛ لہٰذا مذکورہ شخص کا یہ کہنا کہ تقریر کی وجہ سے تین خطبے ہوگئے صحیح نہیں ہے۔

مستفاد: ویؤذن ثانیاً بین یدیه أي الخطیب إذا جلس علی المنبر فإذا تم أقیمت. (شامی زکریا ۳/۳۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۳/۷/۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ سے پہلے بیان کو سنن ونوافل میں مخل بتاکر ناجائز کہنا؟

سوال (۱۱۸۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دور حاضر کے مسلمانوں کی حالت بہت نازک ہوتی جارہی ہے، احکام دین اور مذہبی تعلیم سے ناواقفیت کی بنا پر لادینی کا زہر قاتل ایمان وعقائد کو تباہ وبرباد کررہا ہے، دیہات کی حالت تو خدا کی پناہ مہینوں؛ بلکہ سال بھر وعظ سننا نصیب نہیں ہوتا، جمعہ کے دن نماز کے بعد لوگ ٹھہرتے نہیں، اگر خطبہ سے پہلے دس پندرہ منٹ چند نصیحت بشکل بیان ہوجائے تو حاضرین کچھ نہ کچھ سیکھ سکیں گے؛ لیکن بعض حضرات اس کو ناجائز بتاتے ہیں اور اس کو نفل نماز اور تلاوت وغیرہ میں خلل سمجھ کر مخالفت کرتے ہیں، نیز ﴿فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ﴾ کے بھی خلاف بتاتے ہیں، ذکر سے مراد صرف نوافل وغیرہ ہیں، نہ کہ بیان؛ بلکہ کہتے ہیں کہ بیان اور تقریر سرے سے عبادت میں داخل نہیں ہے؛ اس لئے مؤدبانہ درخواست ہے کہ مع حوالہ جات جواب تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ میں خطبہ کی اذان سے پہلے عمومی فائدہ کی خاطر

وعظ ونصیحت اور بیان کرنا بلاشبہ جائز اور درست ہے؛ تاہم بہتر یہ ہے کہ اذان سے پانچ منٹ پہلے بیان بند کر دیا جائے؛ تاکہ لوگ بآسانی جمعہ سے پہلے کی سننِ مؤکدہ ادا کرسکیں اور یہ بیان بھی ذکرِ خداوندی کے مفہوم میں داخل ہے، اور اجتماعی ضرورت چوں کہ انفرادی ضرورت پر راجح ہوتی ہے؛ اس لئے اس بیان کو نوافل میں مخل قرار نہیں دیا جائے گا؛ لہٰذا اس مفید سلسلہ کی مخالفت نہیں کرنی چاہئے۔

وقيل: الذكر عام يشمل الخطبة المعروفة ونحو التسبيحة. (روح المعاني ۱۵/۱۵۰، الجمعة آيت: ۹، کفایت المفتی ۲۱۴/۳-۲۱۸) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۱۰/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

امام کا جمعہ وعیدین میں دیر تک تقریر کرنا؟

سوال (۱۱۸۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جمعہ وعیدین کی نماز وقتِ مقررہ سے پندرہ بیس منٹ زائد تک مقررین کا تقریر کرتے رہنا جس کی وجہ سے نماز میں تاخیر ہوتی ہو، یہ فعل مقررین کا شرعا درست ہے یا نہیں؟ اس تاخیر سے بعض بعض کو کراہت ہوتی ہے؛ کیونکہ اس کو نماز کے بعد اپنے کسی کام سے کہیں جانا ہے، تو اس میں تاخیر ہوتی ہے، جن حضرات کو تاخیر کی وجہ سے کراہت ہوتی ہے ان کی نماز کا شرعا کیا حکم ہے؟ اس کا جواب مع دلائل وحوالہ جات عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ وعیدین میں مقررہ وقت سے اتنی تاخیر کرنا کہ نمازیوں کو اکتاہٹ ہونے لگے درست نہیں ہے، ائمہ وخطباء کو اپنے مقتدیوں کا لحاظ رکھنا چاہئے، اور اپنے طرزِ عمل سے انہیں اکتاہٹ اور ناگواری میں مبتلا نہ کرنا چاہئے، اور خاص کر اس تاخیر کی عادت بنالینا تو بہت نقصان دہ ہے، اور جمعہ میں دستور یہ ہونا چاہئے کہ خطبہ سے ۵-۱۰ منٹ قبل تقریر ختم کردیں؛ تاکہ لوگ بآسانی سنتیں ادا کرسکیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲۵۱/۸-۲۵۲ ڈابھیل)

عن أبي وائل قال: كان عبد الله رضي الله عنه يذكّر الناس في كل خميس، فقال له رجل: يا أبا عبد الرحمٰن! لو ددت أنك ذكّرتنا كل يوم، قال: أما أنه يمنعني من ذٰلك إني أكره أن أملكم، وأنى أتخولكم بالموعظة كما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخوّلنا بها مخافة السامّة علينا. (صحيح البخاري، كتاب العلم / باب من جعل لأهل العلم أياماً معلومةً ١٦/١ قديمي) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۹/ ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

وعظ پورا کرنے کی وجہ سے خطبۂ جمعہ میں تاخیر کرنا؟

سوال (۱۱۸۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں مسجد میں جمعہ کا خطبہ ڈیڑھ بجے ہوتا ہے، اور خطبہ سے قبل با قاعدہ تقریر بھی ہوتی ہے، بعض دفعہ مضمون یا مقصد کلام پورا نہ ہونے کی وجہ سے خطبہ میں تاخیر ہوجاتی ہے، مثلاً ۱ر بج کر ۳۵ یا ۴۰ رمنٹ ہوجاتی ہے، تو بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ خطبہ ڈیڑھ بجے ہونا ضروری ہے، جب کہ امام صاحب کہتے ہیں کہ ۵ یا ۱۰ ر منٹ زیادہ ہوجانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے تو امام صاحب اپنے قول میں درست ہیں یا لوگوں کا خیال درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خطبہ ڈیڑھ بجے ہونا ضروری نہیں، پانچ دس منٹ تاخیر ہونے سے کچھ فرق نہیں پڑتا؛ البتہ مقتدی حضرات پر گرانی محسوس ہو تو وقت متعینہ سے تاخیر نہیں کرنا چاہئے؛ بلکہ وقت متعینہ کے اندر اندر اپنی بات پوری کرکے خطبہ شروع کردینا چاہئے۔

إن تاخير المؤذن وتطويل القرأة لإدراك بعض الناس حرام، هٰذا إذا مال لأهل الدنيا تطويلاً أو تاخيراً يشق على الناس، فالحاصل أن التاخير القليل لأعانة أهل الخير غير مكروه. (فتاویٰ تاتارخانية ٥٢٠/١، ١٤٥/٢ رقم: ١٩٨٥ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۷/۲/ ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تقریر کے بعد خطبہ سے پہلے سنتیں پڑھنے کا اعلان کرنا؟

سوال (۱۱۸۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جمعہ کے دن تقریر کے بعد اعلان کرنا کہ اب سنت پڑھ لیں اس کو معمول بنالینا، کیا خلافِ سنت ہے؟ جب کہ حکم ہے کہ جمعہ کی اذان سن کر کاروبار لین دین بند کردیں اور اللہ کے ذکر میں لگ جائیں، فرضوں سے پہلے کی سنتیں گھر سے پڑھ کر آئیں، اس کا ایک بار بھی اعلان نہ کرنا، معترض کا کہنا ہے کہ یہ خلافِ سنت ہے؟ آپ تفصیل سے جواب تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کی نماز سے قبل ۴؍ سنتیں مؤکدہ ہیں؛ لہٰذا وعظ وتقریر کے بعد خطبہ سے پہلے ان سنتوں کے لئے وقت دینا یا ضمناً یہ اعلان کرنا کہ جنہوں نے سنت نہ پڑھی ہو وہ سنت پڑھ لیں اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، اسے خلافِ سنت نہیں کہا جاسکتا؛ بلکہ یہ تو سنت کی تاکید کی ایک صورت ہے اور آج کے دین بیزاری کے دور میں مسجد کے بجائے گھروں میں سنن پڑھنے کی ترغیب دینے میں سنتوں کے چھوٹ جانے کے امکانات زیادہ ہیں؛ اس لئے عام لوگوں کو سننِ مؤکدہ مسجد ہی میں پڑھنے کی تلقین مناسب ہے، یہاں یہ بھی واضح رہنا چاہئے کہ خطبہ سے قبل وعظ وتقریر کا حکم خطبہ کے مانند نہیں ہے؛ لہٰذا وعظ کے دوران بھی کوئی سنت پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۳/۲۸۱-۱۸۲، کتاب الفتاویٰ ۳/۴۹-۵۰)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يركع قبل الجمعة أربعاً لا يفصل في شيء منهن. (رواه ابن ماجة ۱۱۵۷)

والتطوع قبل الجمعة أربع ركعات، وأخرج الترمذي تعليقاً عن ابن مسعود أنه كان يصلي قبل الجمعة أربعاً وبعدها أربعاً. (سنن الترمذي الصلاة قبل الجمعة وبعدها ۱/۱۱۸، الفتاویٰ التاتارخانية ۲/۳۰۰ رقم: ۲۴۹۰ زكريا)

وسن مؤكداً أربع قبل الظهر وأربع قبل الجمعة. (درمختار / باب الوتر والنوافل ۲/۴۵۱ زكريا)

أخـرج ابن عساكر عن بن حميد بن عبد الرحمٰن: "أن تميماً الداري رضي اللّٰـه عـنه استأذن عمر رضي اللّٰه عنه في القصص سنين، فأبى أن يأذن له، فأستأذنه في يوم واحد، فلما أكثر عليه قال له: ''ما تقول''؟ قال: أقرأ عليهم القرآن، وآمرهم بالخير، وأنهاهم عن الشر، قال عمر رضي اللّٰه عنه: ''ذٰلک الذبح''. ثم قال: "عِظْ قبل أن أخرج في الجمعة"، فكان يفعل ذٰلک يوماً واحداً في الجمعة". (لموضوعات الكبرى، مقدمة، فصل: ولما كان أكثر القصاص والوعاظ ۲۰ نور محمد كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۱/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خطبہ سے پہلے وعظ کہہ کر امام کا منبر پر بیٹھے رہنا؟

سوال (۱۱۸۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام جمعہ عوام کو وعظ ونصیحت کر کے بعد اختتام صف میں نہ بیٹھ کر عین منبر پر بیٹھ جاتے ہیں، زید کہتا ہے کہ ایسا کرنا حدیث: إذا خرج الإمام فلا صلاة و لا كلام کے خلاف ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تقریر ختم کر کے امام صاحب کو صف میں بیٹھ جانا چاہئے؛ تاکہ اشتباہ نہ ہو، اور إذا خرج الإمام الخ کا حکم اس وقت سے لاگو ہوگا جب مؤذن خطبہ کی اذان کے لئے کھڑا ہو جائے۔

وإذا خـرج الإمـام فـلا صـلاة ولا كلام حتى يفرغ الإمام من خطبته. (الدر المنتقى في شرح الملتقى بذيل مجمع الأنهر / باب الجمعة ۲۵۳/۱ كوئٹه)

عـن الزهري قال: أخبرني ثعلبة بن أبي مالک القرظي قال: قد كان عمر رضي اللّٰه عنه يـجيئ فيـجلـس على المنبر والمؤذن يؤذن ونحن نتحدث فإذا قضى المؤذن أذانه انقطع حديثنا. (المصنف لعبد الرزاق / باب جلوس الناس حين يخرج الإمام ۳ /۸ ۰ ۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۳/۱۱/۱۴۲۰ھ

خطبہ کے بعد امام کا مصلیٰ پر بیٹھنا؟

سوال (۱۱۸۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں شموکی ملک ضلع مرادآباد میں ایک مسئلہ کو لےکر اختلاف ہورہا ہے، وہ یہ کہ امام صاحب جمعہ کا خطبہ پڑھنے کے بعد مصلیٰ پر بیٹھتے ہیں اور جب تکبیر آدھی ہوتی ہے تو کھڑے ہوتے ہیں، پہلے سے امام صاحب کبھی بیٹھ جاتے اور کبھی کھڑے ہوجاتے ہیں؛ لیکن اب مستقل بیٹھنے لگے ہیں، اب ان کے اس عمل کو لےکر آپس میں اختلاف ہورہا ہے، ہم میں کے آدھے آدمی تو کہتے ہیں کہ بیٹھنا صحیح نہیں ہے، اور آدھے آدمی بیٹھنے کو ضروری سمجھتے ہیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں کئی سو مرتبہ جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمایا ہے، اور نماز پڑھائی ہے؛ لیکن کسی حدیث میں کہیں بھی یہ ثابت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے بعد مصلیٰ پر بیٹھ کر آدھی تکبیر کا انتظار کیا ہو، مذکورہ امام کا خطبہ کے بعد مصلیٰ پر عمل سنت کے خلاف ہے، اور حنفیہ کی کتابوں میں حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے کا جواز جو لکھا ہے اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ کھڑے ہونے میں حی علی الصلوٰۃ سے تاخیر نہ کی جائے، ورنہ شروع اقامت میں کھڑے ہونے میں کوئی حرج نہیں۔

إن كان المؤذن غير الإمام وكان القوم مع الإمام في المسجد فإنه يقوم الإمام والقوم إذا قال المؤذن حي على الفلاح عند علمائنا الثلاثة وهو الصحيح.

(الفتاویٰ الهندية ۱/ ۵۷، درمختار زكريا ۲/ ۱۷۷)

والظاهر أنه احتراز عن التاخير لا التقديم حتى لو قام أول الإقامة لا بأس. (طحاوی علی الدر بحوالہ احسن الفتاویٰ ۱/ ۳۰۶) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۹/۹/۷ھ

مسائلِ نماز کو جاننے والا علماء کی موجودگی میں نماز جمعہ پڑھا سکتا ہے

سوال (۱۱۸٦):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا علماء کی موجودگی میں ایک آدمی جو صرف نماز کے مسائل کو جانتا ہے، تو کیا ایسا شخص علماء کی موجودگی میں نماز جمعہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں پڑھا سکتا ہے تو جو نماز جمعہ اس کے ساتھ پڑھی گئی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص نماز کے مسائل جانتا ہو اور قرآنِ کریم صحیح پڑھنے پر قادر ہو تو وہ دیگر علماء کی موجودگی میں نماز جمعہ پڑھا سکتا ہے، بالخصوص اگر وہ اسی مسجد کا متعین امام ہے تو اسے ہی امامت کا زیادہ حق حاصل ہے، خواہ مقتدیوں میں اس سے زیادہ علم رکھنے والے لوگ کیوں نہ ہوں، اس متعین امام کی اجازت کے بغیر کسی بڑے سے بڑے عالم کو وہاں کوئی بھی نماز پڑھانے کا حق نہ ہوگا، امام کے لئے مقتدیوں سے افضل ہونا لازم نہیں ہے؛ البتہ ابتداءً امام کے تقرر کے وقت بہتر یہ ہے کہ عالم وفاضل کو ترجیح دی جائے۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليؤذن لكم خياركم وليؤمكم قراءكم. (بذل المجهود بيروت ٤٦٦/٣، حديث ٥٨٨)

وقال الشارح في شرح هذا الحديث: (وليؤمكم قراءكم) وكل ما يكون أقرأ فهو أفضل إذا كان عالماً بمسائل الصلاة. (بذل المجهود بيروت ٤٦٧/٣)

الأولى بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة، هذا إذا علم من القراءة قدر ما تقوم به سنة القراءة. (الفتاویٰ الهندية ٨٣/١)

دخل المسجد من هو أولى بالإمامة من إمام المحلة، فإمام المحلة أولى.

(الفتاویٰ الهندية ٨٣/١)

أما الذي لا يكتب ولا يقرأ، ولكنه يحفظ من القرآن ما تجوز به الصلاة فلا يراد به الأمي في الفقه؛ لأنه إذا قرأ الفاتحة والسورة من حفظ يجوز اقتداء القارئين وإن كان لايفهم الخط ولا يكتب. (تاتارخانية ٦٠٦/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۱/۱/۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خطبۂ عیدین کے بعد منبر پر بیٹھ کر سراً یا جہراً دعا کرنا؟

سوال (۱۱۸۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خطبۂ عیدین کے بعد امام کا منبر پر بیٹھ کر سراً یا جہراً دعا کرنا کیسا ہے؟ کیا یہ سنت ہے؟ جائز ہے یا ناجائز؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عیدین کے دوسرے خطبہ میں عربی میں دعائیہ کلمات پڑھنا بجائے خود متوارث ومنقول ہے؛ لہٰذا خطبہ ختم کرنے کے بعد الگ سے اجتماعی دعاء کرانا تکرار محض ہے، اور دورِ صحابہ یا دورِ نبوت سے ثابت نہیں ہے، اس لئے یہ عمل قابلِ ترک اور لائقِ نکیر ہے؛ البتہ نمازِ عیدین کے بعد دعاء ثابت ہے، اس کا اہتمام کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (امداد الفتاویٰ ۶۰۲/۱، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۴۶۵/۸، کتاب المسائل ۴۴۲/۱)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من حسن إسلام المرء تركه ما لا يعنيه. (ابن ماجة ٢٨٦)

عن أم عطية رضي اللّٰه عنها قالت: أمرنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن نخرجهن في الفطر والأضحى العواتق والحيض وذوات الخدور، فأما الحيض فيعتزلن الصلوٰة ويشهدن الخير ودعوة المسلمين. (مسلم شريف ٢٩١/١)

قال الطيبيؒ: وفيه من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال. (طيبي شرح المشكاة المصابيح ٣١/٣

رشیدیہ، بحوالہ: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۸/۴٦٥)

فکم من مباح یصیر بالتزام من غیر لزوم والتخصیص من غیر مخصص مکروهاً. (مجموعه رسائل اللکنوي، سباحة الفکر في الجهر بالذکر ۳/۳٤ إدارة القرآن کراتشي) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۱۱/۱۴۳۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر عربی میں خطبۂ جمعہ

خطبہ صرف عربی زبان میں ہونا چاہئے

سوال (۱۱۸۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کہتا ہے کہ خطبۂ جمعہ عربی اور اردو میں پڑھنا چاہئے، اور امام صاحب کہتے ہیں کہ خطبہ عربی میں نہیں ہونا چاہئے، جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خطبہ صرف عربی زبان میں دینا چاہئے، اس کے ساتھ اردو نہ ملائی جائے، اگر اردو میں بیان کی ضرورت ہو تو خطبہ کی اذان سے پہلے یا نماز سے فراغت کے بعد اردو میں تقریر کر سکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲/ ۲۸۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴/ ۹/ ۱۴۱۳ھ

جمعہ میں پہلا خطبہ اردو میں اور دوسرا عربی میں پڑھنا کیسا ہے؟

سوال (۱۱۸۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جمعہ میں پہلا خطبہ اردو میں ہوا اور دوسرا عربی میں، تو کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کے دن دونوں خطبوں کا عربی زبان میں ہونا لازم ہے، اردو زبان میں خطبہ پڑھنا یا دونوں خطبوں کے درمیان اردو تقریر کرنا سب خلافِ سنت ہے،

ایسا کرنا مکروہِ تحریمی اور ممنوع ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/۲۹۵، فتاویٰ دارالعلوم ۵/۵۲، احسن الفتاویٰ ۴/۱۵۰، امداد الفتاویٰ ۱/۶۴۲، ایضاح المسائل ۳۳)

فإنه لا شک في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى اللّٰه عليه وسلم والصحابة فيكون مكروهاً تحريماً. (عمدة الرعاية ديوبند ۱/۲٤۲، فتاوىٰ دار العلوم ۵/۱۲۹، جواهر الفقه ۱/۳۵۲، فتاوىٰ محموديه ۱۲/۳٦۰، كتاب المسائل ۱/٤٦۳، علم الفقه ۲/۱۸۸) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۸/۸/۱۴۱۷ھ

غیر عربی میں خطبہ جمعہ سے متعلق امام ابوحنیفہؒ کا قول

سوال (۱۱۹۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے علاقہ کے بعض علماء اس بات پر مصر ہیں کہ خطبہ غیر عربی زبان میں جائز ہے، دو چار روز قبل ایک مولوی صاحب جو کسی بڑے مدرسہ کے ناظر (ناظم) ہیں، ہمارے ایک قاسمی عالم سے ملاقات ہوئی، دو چار منٹ چائے کی مجلس تھی اس دوران بھی انہوں نے موقع کو غنیمت جان کر مسئلہ چھیڑتے ہوئے کہا امام صاحب کا جو رجوع ہے، صرف قرأت غیر عربی کے جواز سے ہے، اس کے علاوہ غیر عربی زبان میں خطبہ کے جواز سے رجوع ثابت نہیں ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عربی زبان کے علاوہ زبان میں خطبۂ جمعہ دینا مکروہ تحریمی ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کی طرف جو روایت منسوب ہے اس سے کراہت کی نفی ثابت نہیں ہوتی؛ بلکہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر عربی میں خطبہ سے وجوب ادا ہو جائے گا؛ لیکن یہ ادائیگی مع الکراہت ہوگی، جیسا کہ فقہی عبارات اس پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں۔ (امداد الاحکام ۲/۳۳۸، فتاوی رشیدیہ ۴۳۱، فتاوی دارالعلوم ۵/۳۸)

ولا يشترط كونها بالعربية فلو خطب بالفارسية أو بغيرها جاز، كذا قالوا: والمراد بالجواز هو الجواز في حق الصلوة بمعنى أنه يكفي لأداء الشرطية، وتصح بها الصلوة، لا الجواز بمعنى الإباحة المطلقة، فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى اللّٰه عليه وسلم والصحابة رضي اللّٰه عنهم أجمعين فيكون مكروهاً تحريماً. (شرح وقاية حاشيه ۱/۲۰۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۱/۱۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ کا خطبہ اردو زبان میں دینا؟

سوال (۱۱۹۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بہت سے علاقوں میں آج کل جمعہ کا خطبہ اردو میں دیا جاتا ہے، زمانۂ دراز سے یہ رواج چلا آرہا ہے، اب اس کو بند کرنا کیسا ہے؟ کیا اس قدیم رواج کو ختم کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جو غلط رواج زمانۂ قدیم سے چلا آرہا ہے، اسے حکمت کے ساتھ ختم کرنے کی کوش کرنی چاہئے، اگر سب ائمہ اور منتظمین مساجد اس سلسلہ میں متفقہ طور پر کوئی بات طے کریں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ یہ غلط طریقہ ختم نہ ہو، اس بارے میں مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ نے یہ مشورہ دیا ہے جو حضرت ہی کے الفاظ میں پیش ہے:

”اس اختلاف کو مٹانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ خطیب منبر پر جاکر پہلے اردو میں وعظ ونصیحت جو کچھ کرنا ہو کرے، پھر خطبہ کی اذان کہلوائے اور دونوں خطبے نہایت مختصر طور پر پڑھ دے کہ دونوں خطبوں میں پانچ منٹ صرف ہوں، اس طرح دونوں فریق مطمئن ہوجائیں گے“۔ (کفایت المفتی ۳/۲۱۸)

امید ہے کہ اس طریقہ پر عمل کرنے سے رفتہ رفتہ عوام کی ذہن سازی ہوگی اور مخلوط خطبہ کا

غلط رواج کسی فتنہ کے بغیر بآسانی ختم ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۵/۲/۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ کا خطبہ مخلوط طور پر دینا؟

سوال (۱۱۹۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جمعہ کا خطبہ مخلوط طور پر دینا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عربی کے علاوہ دیگر کسی بھی زبان میں جمعہ کا خطبہ دینا مکروہِ تحریمی ہے؛ اس لئے کہ:

الف: - خطبہ میں اصل مقصود وعظ ونصیحت نہیں؛ بلکہ ذکر خداوندی ہے، اور یہ مقصد عربی زبان سے حاصل ہے۔

ب: - خطبہ نماز کی دو رکعتوں کے قائم مقام ہے، تو جس طرح نماز میں دوسری زبان استعمال کرنا ممنوع ہے، اسی طرح خطبہ میں بھی دوسری کسی زبان کا استعمال ممنوع ہوگا۔

ج: - حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین جہاں بھی بلادِ عجم میں تشریف لے گئے، تو وہاں انہوں نے صرف عربی زبان ہی میں خطبے دئے، کسی سے یہ ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے مخاطبین کی رعایت کرتے ہوئے دوسری زبان میں خطبہ دیا ہو؛ لہٰذا عربی زبان کے علاوہ دیگر کسی زبان میں مخلوط طور پر خطبہ کی اجازت نہ ہوگی۔ (دیکھئے: جواہر الفقہ ۳۵۲/۱-۳۵۷، کفایت المفتی ۲۱۲/۳، احسن الفتاویٰ ۱۵۰/۴-۱۵۴)

چوں خطب آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفاء وہلم جراً ملاحظہ کردیم، تنقیح آں وجود چند چیز است: حمد وشہادتین، وصلوٰۃ برآں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، وامر بتقویٰ، وتلاوتِ قرآنِ پاک ودعائے مسلمین ومسلمات، وعربی بودن خطبہ، وعربی بودن نیز بجہت عملِ مستمرۂ مسلمین

درمشارق ومغارب باوجود آں کہ در بسیارے از اَقالیم مخاطبان عجمی بودند۔ (مصفی شرح مؤطا، باب التشدد یدعلی من ترک الجمعۃ من غیر عذر ۱۵۴، رحیمیہ سنہری مسجد دہلی بحوالہ: فتاوی محمودیہ ۲۳۶/۸-۲۳۷ ڈابھیل)

عن عمر بن الخطاب قال: إنما الخطبة مكان الركعتين. (المصنف لابن أبي شيبة ١٠٩/٤ رقم: ٥٣٦٧ تحقيق: الشيخ محمد عوامه)

قال في آكام النفائس: الخطبة بالفارسية التي أحدثوها واعتقدوا حسنها، ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، وهٰذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كانت في اشتباه فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين ومن تبعهم من الأئمة المجتهدين، حيث فُتحت الأمصار الشاسعة والديار الواسعة وأسلم أكثر الحبش والروم والعجم وغيرهم من الأعاجم، وحضروا مجالس الجُمُع والأعياد وغيرها من شعائر الإسلام، وقد كان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية، ومع ذٰلک لم يخطب أحد منهم بغير العربية. ولما ثبت وجود الباعث في تلک الأزمنة وفقد أن المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة، لم يبق إلا الكراهة التي هي أوفى درجات الضلالة. (مجموعة رسائل اللكنويؒ، رسالة آكام النفائس ٤٧/٤ إدارة القرآن كراچی)

لا شک أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى اللّٰه عليه وسلم والصحابة رضي اللّٰه عنهم، فيكون مكروهاً تحريماً. (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، الصلاة / باب الجمعة ٢٠٠/١ سعيد) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۲/۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

احکامِ عیدین

نمازِ عیدین کے شرائط

سوال (۱۱۹۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) عیدین کی نماز کے صحیح ہونے کے لئے کیا کیا شرائط ہیں؟ (۲) عیدین میں نماز کے بعد دعا کی جائے یا خطبے کے بعد؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس جگہ جمعہ کا قیام درست ہے وہاں عیدین کی نماز پڑھنی بھی جائز ہے، اور بقیہ سب شرائط وہی ہیں جو عام نمازوں کے لئے ہیں، جیسے طہارت، عقل وبلوغ وغیرہ۔

تجب صلوتها على من تجب عليه الجمعة بشرائطها المقدمة.

(درمختار مع الشامي ۳/ ۴۵-۴۶ زكريا)

وتصح صلاة العيدين بما يصح به الجمعة إلا الخطبة فإنها في العيدين تفعل بعد الصلاة وفي الجمعة قبل الصلاة. وقوله: وتصح صلاة العيدين بما تصح به الجمعة إشارة إلى المصر والسلطان والإذن العام. وأخرج عبد الرزاق والبيهقي عن علي رضي اللّٰه عنه قال: لا جمعة ولا تشريق ولا صلاة فطر والأضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة. (المصنف لعبد الرزاق / باب صلاة العيدين في القرى ۳/ ۳۰۱ رقم: ۵۷۱۹، السنن الكبرىٰ ۴/ ۴۰۰ رقم: ۵۷۱۳)

قال سليمان بن موسیٰ: لا جمعة ولا أضحی ولا فطر إلا من حضر الإمام.

(المصنف لعبد الرزاق ۱۷۰/۳ رقم: ۵۱۸۹، الفتاویٰ التاتارخانية ۶۰۸/۲ رقم: ۳۴۱۹)

بہتر ہے کہ عید کے نماز کے فوراً بعد دعا کی جائے؛ کیوں کہ خطبۂ عید کے بعد الگ سے دعا کی کہیں صراحت نہیں؛ البتہ خود خطبہ میں دعا شامل ہوتی ہے۔ (تحفۂ رمضان ۱۶۵)

عن عبد اللّٰہ بن زید بن أرقم عن أبیه عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: من قال في دبر کل صلاۃ: سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون. وسلام علی المرسلین. والحمد للّٰہ رب العالمین ثلاث مرات، فقد اکتال بالجریب الأوفیٰ من الأجر. (المعجم الکبیر للطبراني ۲۱۱/۵ رقم: ۵۱۲۴)

عن ثوبان قال: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم إذا انصرف من صلاته استغفر ثلاثاً، وقال: اللّٰهم أنت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والإکرام. (صحیح مسلم ۲۱۸/۱، مشکوۃ المصابیح ۸۸) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۸/۸/۱۴ھ

نمازِ عیدین کا مسنون طریقہ؟

سوال (۱۱۹۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عید کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عید کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ اولاً یہ نیت کریں کہ میں قبلہ رو ہوکر اس امام کے پیچھے دو رکعت واجب نماز ادا کررہا ہوں، جس میں چھ زائد واجب تکبیریں بھی ہیں، دل سے مذکورہ نیت کرنے کے بعد تکبیرِ تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھ لیں، ثنا پڑھیں، اس کے بعد دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے معمولی فصل سے تین مرتبہ تکبیر کہیں، پہلی دو تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑتے رہیں اور تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھیں اس کے بعد فاتحہ اور سورۃ ملائیں، پھر رکوع

سجدہ کرکے رکعت مکمل کرلیں۔ دوسری رکعت میں اولاً فاتحہ وسورۃ پڑھنے کے بعد رکوع میں نہ جائیں بلکہ تین مرتبہ ہاتھ اٹھاکر تین تکبیریں کہیں اور درمیان میں ہاتھ نہ باندھیں، اس کے بعد بغیر ہاتھ اٹھائے تکبیر کہہ کر رکوع میں چلے جائیں اور بقیہ نماز حسبِ معمول پوری کریں۔

عن القاسم أبی عبد الرحمن حدثه قال: حدثني بعض أصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: صلی بنا النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یوم عید فکبر أربعا و أربعاً ثم أقبل علینا بوجهه حین انصرف فقال: لا تنسوا کتکبیر الجنائز و أشار بأصابعه، وقبض إبهامه. (رواہ الإمام الطحاوي ٤/ ٣٤٥، إعلاء السنن ١٢٨/٨ دار الکتب العلمیة)

فیکبر تکبیرة الإحرام ثم یضع یدیه تحت سرته ویثني علی ما مر ثم ثلاث تکبیرات یفصل بین کل تکبیرتین بسکتة قدر ثلاث تسبیحات لئلا یؤدي الاتصال إلی اشتباه علی البعید ویرفع یدیه عند کل تکبیرة منهن ویرسلهما في أثنائهن ثم یضعهما بعد الثالثة ویتعوذ ویقرأ الفاتحة وسورة کما في الجمعة، ثم یکبر ویرکع، فإذا قام إلی الرکعة الثانیة یبتدئ بالقراء ة ثم یکبر بعدها ثلاث تکبیرات علی هیئة تکبیرة في الأولیٰ، ثم یکبر ویرکع فالزوائد في کل رکعة ثلاث، والقراء ة في الأولیٰ بعد التکبیر، وفي الثانیة قبله، هٰکذا کیفیة صلاة العید عند علمائنا وهو قول ابن مسعود وأکثر الصحابة. (حلبي کبیر ٥٦٧-٥٦٨، الفتاویٰ التاتارخانیة ٢/ ٦٠٤ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۸/۳/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نمازِ عیدین کی ادائیگی کا مسنون وقت کیا ہے؟

سوال (۱۱۹۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں ماہنامہ ندائے شاہی کا قاری ہوں، الحمد للہ اس قابل قدر پرچہ میں نماز عید کے

بارے میں مسئلہ آیا تھا؛ لیکن اس بات کی وضاحت نہیں تھی کہ گرمی اور سردی کے موسم میں عید اور بقرعید کی نماز کا وقت مستحب کیا ہے؟ اور شمائل کبریٰ ۸/۲۳ میں فتح القدیر ۲/۳۷ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بقرعید کی نماز کا وقت مسنون طلوعِ شمس کے دو گھنٹے سے پہلے پہلے ہے، چوں کہ اس وقت سورج میں تیزی نہیں آتی، اور ہدایہ میں بھی ہے کہ ایک نیزہ یا دو نیزہ سورج بلند ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے۔

اور مفتی عبدالکریم صاحبؒ مجاز بیعت حضرت تھانویؒ بارہ مہینوں کے فضائل و احکام ص: ۶۷ میں فرماتے ہیں کہ: ''بقرعید کی نماز چھوٹے دنوں میں طلوع آفتاب کے بعد ڈھائی گھنٹہ کے اندر اندر اور بڑے دنوں میں اس سے کچھ بعد تک پڑھ سکتے ہیں اور عیدالفطر کا مستحب وقت چھوٹے دنوں میں طلوع آفتاب سے ڈھائی گھنٹہ بعد اور بڑے دنوں میں ساڑھے تین گھنٹہ کے بعد شروع ہوتا ہے''۔ سوال یہ ہے کہ دونوں نمازوں کا وقت مسنون گرمی اور سردی میں کیا ہے؟ مدلل ندائے شاہی میں پھر کتاب المسائل میں ضرور بیان کریں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ جب سورج ایک نیزہ یا دو نیزہ بلند ہو جاتا تھا تو آپ عید کی نماز ادا فرماتے تھے، نیز یہ بھی ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدالاضحیٰ کی نماز میں جلدی کرنے اور عیدالفطر کی نماز میں قدرے تاخیر کرنے کا حکم دیا تھا، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ عیدالاضحیٰ میں لوگ جلدی نماز سے فارغ ہو کر قربانی وغیرہ انجام دیں گے، اور عیدالفطر میں قدرے تاخیر اس لئے کی گئی تھی؛ تاکہ صدقہ فطر ادا کرنے کے لئے کچھ وقت مل جائے، پس مستحب یہ ہے کہ سورج طلوع ہونے کے ایک دو گھنٹے کے اندر جس وقت بھی لوگوں کے لئے جمع ہونا آسان ہو، نماز عید پڑھ لی جائے، اور عیدالاضحیٰ کا وقت عیدالفطر کے مقابلہ میں کچھ پہلے رکھا جائے۔

اور حضرت مفتی عبدالکریم صاحبؒ کے حوالے سے آپ نے بقرعید کے وقت کے بارے

میں جو بات لکھی ہے کہ اس کا مستحب وقت چھوٹے دنوں میں طلوعِ آفتاب کے بعد ڈھائی گھنٹہ کے اندر اندر اور بڑے دنوں میں اس سے کچھ بعد تک ہے۔ اور عید الفطر کا مستحب وقت چھوٹے دنوں میں طلوع آفتاب سے ڈھائی گھنٹہ بعد اور بڑے دنوں میں ساڑھے تین گھنٹہ بعد شروع ہوتا ہے، یہ بات عام فقہی تصریحات کے خلاف ہے اور حضرت نے کس حوالہ سے نقل کیا ہے؟ یہ ہمارے علم میں نہیں۔

أما الابتداء فلأنه عليه الصلاة والسلام كان يصلي العيد والشمس على قيد رمح أو رمحين...... ويستحب تعجيل صلاة الأضحىٰ لتعجيل الأضاحي، وفي المجتبىٰ: ويستحب أن يكون خروجه بعد إرتفاع قدر رمح حتى لا يحتاج إلى انتظار القوم، وفي عيد الفطر يؤخر الخروج قليلا، كتب النبي صلى الله عليه وسلم إلى عمرو بن حزم عجل الأضحى وأخر الفطر. (البحر الرائق ۲/۱٦۰ كوئٹه)

عن أبي الحويرث أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كتب إلى عمرو بن حزم وهو بنجران: عجل الأضاحي وأخر الفطر وذكر الناس. (السنن الكبرىٰ للبيهقي / باب الغدوّ إلى العيدين ۵/۵۹ رقم: ٦۲٤۲)

عن جندب رضي الله عنه قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي بنا يوم الفطر والشمس على قيد رمحين، والأضحى على قيد رمح. (إعلاء السنن / باب ما جاء في وقت صلاة العيدين ۸/۱۲٤)

والسنة في صلاة الفطر التاخير إلى ارتفاع الشمس، والسنة في يوم النحر التعجيل في أداء الصلاة ليشتغل الناس بأمور القرابين ولكن تعجيلا لا يكون سببا لحرمان المسلمين. (الفتاوىٰ التاتارخانية ۲/٦۰۲ زكريا، شامي ۳/۵۳ زكريا، فتح القدير ۲/۷۳، تبيين الحقائق ۱/۵٤۰، حاشية الطحطاوي ۲۹۰) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۳/۱۴۳۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عیدگاہ میں اذان پڑھنا؟

سوال (۱۱۹۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عیدگاہ میں اذان کہنا جیسا کہ عرف عام میں اسے ''صلوٰۃ'' کہتے ہیں، جائز ہے یا ناجائز؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عیدگاہ میں عید کی نماز کے لئے اذان کہنا خلافِ سنت اور بدعت ہے، اس سلسلہ کو ختم کرنا ضروری ہے۔

قال محمد: وليس في العيدين أذان ولا إقامة. (الفتاویٰ التاتارخانية / باب شرائط صلاة العيد ٢/ ٦١٣ رقم: ٣٤٢٧ زكريا)

عن جابر بن سمرة رضي الله عنه قال: صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم غير مرة ولا مرتين بغير أذان ولا إقامة. (مسلم، العيدين / باب الصلاة قبل الخطبة بغير أذان ولا إقامة ١/ ٢٩٠ رقم: ٨٨٧)

عن ابن عباس وعن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما قالا: لم يكن يؤذّن يوم الفطر ولا يوم الأضحى. (رواه البخاري، العيدين / باب المشي والركوب إلى العيد بغير أذان ولا إقامة ١/ ١٣١ رقم: ٩٥٠ ف: ٩٦٠)

لا يسن لغيرها كعيد. (درمختار) فالمناسب التعليل بعدم وروده في السنة تأمل. (شامي ١/ ٣٨٥ كراچی، شامي ٢/ ٥٠ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

عیدالفطر کی نماز دیر سے اور عیدالاضحیٰ کی جلدی پڑھنے کا ثبوت

سوال (۱۱۹۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عیدالفطر کی نماز دیر سے اور عیدالاضحیٰ کی نماز جلدی سے پڑھنے کا ثبوت ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احادیثِ شریفہ اور حضراتِ فقہاء کی تصریحات میں عید

الفطر میں قدرے تاخیر کو مستحب کہا ہے؛ تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ بآسانی جماعت میں شرکت کرسکیں، اس کے بالمقابل عیدالاضحیٰ کی نماز جلدی پڑھنا افضل ہے؛ تاکہ قربانی کا عمل جلد از جلد انجام دیا جاسکے۔

عن یزید بن ضمیر الرجني قال خرج عبد اللّٰه بن بشر صاحب رسول اللّٰه ﷺ مع الناس في یوم عید فطر أو أضحی فأنکر إبطاء الإمام فقال إنا کنا قد فرغنا ساعتنا ھٰذه وذٰلک حین التسبیح. (سنن أبي داؤد ۱/۱٦۱، سنن ابن ماجة ۹۳)

أخرج البیهقي في السنن الکبریٰ وعبد الرزاق في مصنفه: عن أبي الحویرث أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کتب إلی عمرو بن حزم وهو بنجران: عجّل الأضحی وأخّر الفطر، وذکّر الناس. (سنن الکبریٰ للبیهقي، صلاة العیدین / باب الغدو إلی العیدین ٥۹/٥ رقم: ٦۲٤۲، المصنف لعبد الرزاق / باب خروج من مضی والخطبة وفي یده عصا ۲۸٦/۳ رقم: ٥٦٥۱)

عن محمد بن علي وعامر وعطاء قالوا: لا تخرج یوم العید حتی تطلع الشمس. (المصنف لابن أبي شیبة ۱۹۲/٤ رقم: ٥٦٦۲)

والسنة في صلاة الفطر التأخیر إلی ارتفاع الشمس، والسنة في یوم النحر التعجیل في أداء الصلاة لیشتغل الناس بأمور القرابین، ولکن تعجیلاً لا یکون سبباً لحرمان المسلمین. (الفتاویٰ التاتارخانیة / صلاة العیدین ۲/۲ ٦۰ رقم: ۳٤۱۱ زکریا)

یستحب تعجیل صلاة الضحی وفي العید یؤخر الخروج قلیلاً. (البحر الرائق ۱/۱٦۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۴/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مکہ معظّمہ میں عیدالاضحیٰ کی نماز؟

سوال (۱۱۹۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: حجاج کرام سے عیدالاضحیٰ کی نماز معاف ہے، کیا شہر مکہ میں عیدالاضحیٰ کی نماز ہوتی ہے اگر ہوتی ہے تو کیا عیدگاہ بنی ہوئی ہے یا حرم شریف میں ہوتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج کی مصروفیت کی وجہ سے حجاج کرام سے عیدالاضحیٰ کی نماز معاف کردی گئی ہے؛ لیکن مکہ معظّمہ میں حرم شریف اور دیگر بڑی مساجد میں عید کی نماز ہوتی ہے، اور اہل مکہ نماز پڑھتے ہیں مکہ معظّمہ میں کسی عیدگاہ کا ہمیں علم نہیں ہے۔

أنه لا يصليها بها اتفاقاً للاشتغال فيه بأمور الحج أي لأن وقت العيد وقت معظم أفعال الحج. (شامی ۵۱۹/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۶/۳/۲۳ھ

نمازعیدین میں تکبیراتِ زوائد کتنی ہیں؟

سوال (۱۱۹۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ عیدین میں زائد جو تکبیرات ہیں، اصل چھ تکبیریں ضروری ہیں، اور بعض کا کہنا یہ ہے کہ بارہ تکبیریں ضروری ہیں، دونوں میں تضاد ہے؛ لہٰذا حدیث سے ثابت کرکے مسئلہ ہٰذا کو حل فرمائیں اور اصل تکبیرات کے بارے میں وضاحت فرمائیں کہ چھ صحیح یعنی معتبر ہیں یا بارہ معتبر ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حنفیہ کے نزدیک عیدین میں صرف چھ زائد تکبیرات کہنا ہی واجب ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں مرفوع روایتیں زیادہ تر سند کے اعتبار سے کمزور ہیں اور جو روایتیں صحیح ہیں وہ مرفوع نہیں ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ہے: **ليس في تكبيرة العيدين عن النبي ﷺ**

حديث صحيح. (مرقاة المفاتيح ٢/ ٢٥٤) (یعنی تکبیراتِ عیدین کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ سے کوئی حدیث صحیح ثابت نہیں ہے)

اہلِ حدیث (غیر مقلدین) ۱۲/ تکبیرات کے سلسلہ میں ترمذی شریف کی جو مرفوع روایت پیش کرتے ہیں، اس میں ایک راوی کثیر بن عبداللہ انتہائی ساقط الاعتبار ہے، حضرت امام بخاریؒ اور دیگر ائمہ جرح وتعدیل نے نہایت سخت لفظوں میں اس کی تضعیف کی ہے۔ اور امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو اگرچہ حسن کہا ہے؛ لیکن دوسرے حضرات ان کی تحسین پر نکیر فرماتے ہیں۔ (معارف السنن ۴/ ۴۳۶)

بریں بناء حضرات ائمہ نے تکبیرات کے بارے میں آثار صحابہ پر اپنے مذاہب کی بنیاد رکھی ہے، حضرات شوافع وحنابلہ نے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے اثر کو لیا ہے، جس میں ۱۱/ مرتبہ کا ذکر ہے، اور حضراتِ حنفیہ نے اثر ابن مسعود کو لیا ہے، جس میں ۶/ زائد تکبیروں کا ذکر ہے، جس کی تائید بعض احادیث مرفوعہ اور دوسرے صحابہ کے عمل سے بھی ہوتی ہے، اور چوں کہ یہ مسئلہ عقلی نہیں، اس لئے اس سے متعلق اقوالِ صحابہ بھی احادیثِ مرفوعہ کے درجہ میں ہیں۔

عن علقمة والأسود أن ابن مسعود رضي الله عنه كان يكبر في العيدين تسعاً، أربع قبل القراءة ثم يكبر، فيركع، وفي الثانية يقرأ: فإذا فرغ كبر أربعاً ثم ركع. (رواه عبد الرزاق في مصنفه وإسناده حسن، كذا في الدراية ٢/ ٢٩٣ رقم: ٦٨٦ ٥، إعلاء السنن ٨/ ١٣١ بيروت)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

إن ابن مسعود كان يكبر في العيدين تسعاً أربعاً قبل القراءة، ثم يكبر فيركع، وفي الثانية: يقرأ، فإذا فرغ كبر أربعاً ثم ركع، وقد روي عن غير واحد من الصحابة نحو هٰذا، وهٰذا أثر صحيح، قاله بحضرة جماعة من الصحابة ومثل هٰذا يحمل على الرفع؛ لأنه مثل أعداد الركعات. (مرقاة المفاتيح ٢/ ٢٥٤)

یہ اثر درج ذیل کتابوں میں بھی مذکور ہے: (مصنف عبدالرزاق ۳/ ۲۹۴، مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۷۲، مجمع الزوائد ۲/ ۲۰۵، بدائع الصنائع ۱/ ۲۷۷)

عن النعمان بن منذر عن مكحول قال: حدثني رسول حذيفة وأبي موسىٰ رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يكبر في العيدين أربعاً أربعاً سوى تكبيرة الافتتاح. (رواه الطحاوي ٢/٠٠ ٤)

وقال المؤلف دلالته على الأربع سوى تكبيرة الإحرام ظاهرة، وقد نقلناه للاعتضاد فإن الحكم قد ثبت بالحديث الأول. (إعلاء السنن ٨/٠ ١٣، باب كيفية صلاة العيدين) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۱/۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عیدین میں تکبیراتِ زوائد کتنی ہیں؟

سوال (۱۲۰۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز عیدین کی تکبیرات زوائد کا گیارہ ہونا بایں طور کہ پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ اکثر کتبِ حدیث سے ثابت ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ احناف صرف چھ تکبیرات زوائد ہی پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اس سوال کا مدلل ومکمل جواب احادیث ہی سے مطلوب ہے، فقہ وغیرہ سے نہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بات یہ ہے کہ تکبیرات عیدین کی تعداد سے متعلق اکثر مرفوع حدیثیں حضرات محدثینؒ کے نزدیک مرجوح اور ناقابلِ استدلال ہیں، اس لئے حضراتِ ائمہ نے اس بارے میں آثار صحابہؓ پر اپنے اپنے مذہب کا مدار رکھا ہے، حضراتِ شوافع وحنابلہ نے اثرِ ابوہریرہؓ اور اثر ابن عباسؓ کو لیا ہے، جس میں ۱۱؍مرتبہ کا ذکر ہے، اور حضراتِ حنفیہ نے اثر ابن مسعودؓ کو بنیاد بنایا ہے جس میں ۶؍زائد تکبیروں کا ذکر ہے، جس کی تائید دیگر صحابہؓ کے عمل سے بھی ہوتی ہے اور جو درجہ میں مرفوع حدیث کے ہے۔

أخرج الطبراني في الكبير عن كردوس قال: كان عبد الله بن مسعود

يكبر في الأضحى والفطر تسعاً تسعاً يبدأ فيكبر أربعاً ثم يقرأ ثم يكبر واحدة فيركع بها ثم يقوم في الركعة الأخيرة، فيبدأ فيقرأ لم يكبر أربعاً يركع بإحداهن.
(المعجم الكبير للطبراني ٣٠٢/٩ رقم: ٩٥١٣، مجمع الزوائد ٢٠٤/٢)

إن ابن مسعود رضي الله عنه كان يكبر في العيدين تسعاً أربعاً قبل القراء ة ثم يكبر فيركع. وفي الثانية يقرأ فإذا فرغ كبر أربعاً ثم ركع وقد روي عن غير واحد من الصحابة نحو هٰذا وهٰذا أثر صحيح، قاله بحضرة جماعة من الصحابة، ومثل هٰذا يحمل على الرفع؛ لأنه مثل أعداد الركعات ...... وقال أحمد بن حنبل: ليس في تكبيرة العيدين عن النبي صلى الله عليه وسلم حديث صحيح وإنما أخذ بفعل أبي هريرة رضي الله عنه وقد تقدم أثر ابن مسعود رضي الله عنه والقول بصحته. وقال ابن الهمام: فإن قيل: روي عن أبي هريرة وابن عباس رضي الله عنهما ما يخالفه، فلذا غايته المعارضة ويترجح أثر ابن مسعود رضي الله عنه. (مرقاة ٢٥٤/٢-٢٥٥)

والآثار في هٰذا الباب عن عبد الله بن مسعود، و أبي مسعود و أبى موسى الأشعري، و حذيفة بن اليمان و عبد الله بن قيس والحسن، و محمد، و الشعبي، والمسيب من الصحابة والتابعين و أتباعهم كلهم يقولون أن التكبيرات في العيدين تسع. (أخرجها الإمام ابن أبي شيبة في مصنفه ٢١٣/٤-٢٢٩ المجلس العلمي) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۱۱/۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عیدالاضحیٰ کی طرح عیدالفطر میں بھی تکبیر تشریق کا حکم ہے؟

سوال (۱۲۰۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تکبیر تشریق کو جس طرح عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد پڑھنے کا حکم ہے، کیا اسی طرح عیدالفطر کی نماز کے بعد بھی تکبیر تشریق پڑھی جائے گی؟ اگر پڑھنے کا حکم ہے تو کیا اس کو آہستہ پڑھا جائے یا زور سے پڑھا جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عیدالفطر میں بھی تکبیر کی کثرت کا حکم ہے؛ لیکن اس کو آہستہ پڑھا جائے گا۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيْفَةً وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ [الاعراف: ۲۰۵]

أخرج الدار قطني عن عبد اللّٰه بن عمر: أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يكبر يوم الفطر من حين يخرج من بيته حتى يأتي المصلى. (سنن الدار قطني / كتاب العيدين ۲/ ۳٤ رقم: ۱٦۹۸)

أخرج ابن أبي شيبة عن شعبة قال: كنت أقود ابن عباس يوم العيد، فسمع الناس يكبرون، فقال: ما شأن الناس؟ قلت: يكبرون، قال: يكبرون؟ قال: يكبر الإمام؟ قلت: لا، قال: أمجانين الناس؟ (مصنف بن أبي شيبة / الصلاة، باب في التكبير إذا خرج إلى العيد ٤/ ۱۹٤ رقم: ٥٦۷٦)

المراد من نفي التكبير التكبير بصفة الجهر ولا خلاف في جوازه بصفة الإخفاء فأفاد أن الخلاف بين الإمام وصاحبه في الجهر والإخفاء لا في أصل التكبير، وقد ذكر الشيخ قاسم في تصحيحه أن المعتمد قول الإمام. (شامی زکریا ۳/ ٥۱)

ثم يتوجه إلى المصلى غير مكبر، أي لا يكبر جهراً عند أبي حنيفة في طريق المصلى، وقالا: يكبر كما في الأضحى، وفي الزاد: والصحيح قول أبي حنيفة. وفي النصاب: قال أكثر المشائخ: يكبر في الطريق في العيدين جميعاً خفية ولا يجهر بها، وهو المختار وبه نأخذ. (الفتاوىٰ التاتارخانية / باب من يجب عليه الخروج ۲/ ٦۱۷ رقم: ۳٤۳۲ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۴/۲/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تکبیرِ زوائد سے پہلے عید کی نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا؟

سوال (۱۲۰۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام صاحب اور خطیب صاحب نے عیدگاہ میں نماز عید الفطر کے لئے تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھ لیے، اور سہواً زور سے الحمد شریف شروع کردی، پیچھے سے کسی نے ٹوکا، اور کہا: ''اللہ اکبر نیت توڑ دیجئے'' امام مذکور نے ہاتھ چھوڑ کر دوبارہ اللہ اکبر کہہ کر تین زائد تکبیرات مکمل کیں، اور دوسری رکعت مع زائد تکبیرات بعد قرأت کہہ کر پھر رکوع اور سجود کیا؛ لیکن سلام پھیرتے ہی لوگوں نے شوروغل مچایا کہ نماز درست نہ ہوئی، مگر امام صاحب نے نہ اعادہ کیا نہ سجدۂ سہو، اس طرح نماز درست ہوئی کہ نہیں؟ مندرجہ بالا نماز میں جب امام صاحب نے نیت توڑ کر دوبارہ تکبیر کہہ کر نیت باندھی تو کچھ حضرات نے نیت نہیں توڑی؛ بلکہ ہاتھ باندھے رہے، ان کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں امام کو نیت نہیں توڑنی چاہئے تھی؛ لیکن نیت توڑ کر جب دوبارہ نماز شروع کی گئی، تو اس امام اور جن مقتدیوں نے امام کے ساتھ دوبارہ نیت باندھی ان سب کی نماز درست ہوگئی، مگر جن مقتدیوں نے پہلی ہی نیت سے نماز پڑھی تو ان کی نماز درست نہیں ہوئی؛ اس لئے کہ امام نیت توڑ چکا تھا اور اب چوں کہ نماز عید کا وقت نکل چکا ہے؛ لہٰذا جن مقتدیوں کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا انہیں مذکورہ نماز کی تلافی کی نیت سے دو رکعت پڑھ لینی چاہئے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۲۱۶/۵)

من فرائضها التي لاتصح بدونها التحريمة قائماً. (شامی ۱۲۸/۲ زکریا)

قال في شرح المنية: لا خلاف في لزوم المتابعة في الأركان الفعلية إذ هي موضع الاقتداء. (شامی ۱۶۵/۲ زکریا)

المخالفة فيما من الأركان أو الشرائط مفسدة لا في غيرها. (شامی ۱۶۸/۲ زکریا)

ولا يأتي الإمام بسجود السهو في......العيدين دفعاً للفتنة بكثرة الجماعة.

(مراقي الفلاح ۳۷۹، كذا في الطحطاوي ۳۷۹ باب سجود السهو مصر)

نسى التكبير في الأولى حتى قرأ بعض الفاتحة أو كلها ثم تذكر يكبر ويعيد الفاتحة وإذا تذكر بعد ما قرأ الفاتحة والسورة يكبر ولايعيد القراءة لأنها تمت وصحت بالكتاب والسنة. (كبيرى ۵۲۵، حلبى كبير ۵۷۲، شامى زكريا ۳/ ۵۵، رحيميه ۱/ ۲۷)

عن أبي جريج قال قلت لعطاء: أرأيت إذا نسيت بعض التكبير أن ألفظه بفيَّ؟ قال: لا تعد ولا تسجد سجدة السهو. (المصنف لبعد الرزاق ۲/ ۷۳ رقم: ۵۶۶۶) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۵/ ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

امام نے عیدین کی نماز میں بغیر تکبیر زوائد کے کہے قرأت شروع کردی؟

سوال (۱۲۰۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام صاحب عیدگاہ نے نماز ادا کرنے کے لئے ثنا پڑھی اور بغیر تکبیر کہے نماز کی قرأت شروع کی، پیچھے سے کسی نے اللہ اکبر کہا، تو امام صاحب نے تکبیراتِ زائدہ کہہ کر دوبارہ سورۂ فاتحہ پڑھی، اب مقتدی کہتے ہیں کہ نماز ادا ہوئی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں عید کی نماز میں یاد دلانے پر جب اور امام صاحب نے تکبیرات کہہ کر از سرِ نو سورۂ فاتحہ اور ضم سورت کرلیا ہے تو نماز ہوگئی، مقتدیوں کے کہنے کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/ ۴۷۴)

نسي التكبير في الأولىٰ حتى قرأ بعض الفاتحة أو كلها ثم تذكر، يكبر ويعيد الفاتحة وإذا كبر بعدما قرأ الفاتحة والسورة يكبر ولا يعيد القراءة؛ لأنها

تمت وصحت بالكتاب والسنة. (حلبی کبیر ۵۷۲، شامی زکریا ۳/ ۵۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۱۱/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز عید کی دوسری رکعت میں تکبیرات زوائد کے بعد رکوع میں تاخیر کرنا؟

سوال (۱۲۰۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک صاحب جو عیدگاہ میں عرصۂ دراز سے امامت کر رہے ہیں انہوں نے نماز عید الفطر ادا کرائی، پہلی رکعت میں مع تین زائد تکبیرات درست پڑھائیں، دوسری رکعت مع قراءت درست کرائی، تین تکبیرات درست، مگر چوتھی کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے تاخیر ہوگئی، پیچھے سے کسی مقتدی نے اللہ اکبر کہا، امام نے رکوع کردیا، اور سجدہ وغیرہ درست ادا کرایا، مگر بعد میں مقتدی لڑنے لگے کہ نماز نہیں ہوئی، نماز دہرائی جائے، کچھ کہنے لگے کہ درست ہوگئی، بہرحال نماز کسی دوسرے امام کے ذریعہ دوبارہ ادا کی گئی، کیا یہ نماز اول درست ہوئی یا نہیں؟ دوسری جو اعادہ کے طور پر پڑھی گئی وہ درست ہوئی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عام نمازوں میں کسی رکن میں تین تسبیح کے بقدر تاخیر موجب سجدۂ سہو ہوتی ہے؛ لیکن فقہاء لکھتے ہے کہ عید وغیرہ بڑے مجامع میں ایسی غلطی کی وجہ سے سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں رہتی؛ بلکہ اس کے بغیر نماز درست ہوجاتی ہے؛ تاکہ کثیر مجمع کی وجہ سے نمازیوں میں انتشار نہ ہو۔ بریں بنا مسئولہ صورت میں اگر بالفرض نماز عید میں ایسی کوئی غلطی ہوگئی تھی، تو اس نماز کو بعد میں دہرانے کی ضرورت نہیں تھی، جن لوگوں نے نماز کا اعادہ کرایا انہیں غالباً مسئلہ کا صحیح علم نہ ہوگا۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/ ۵۴۷، امداد المفتیین ۴۰۶)

والسهو في صلاة العيد والجمعة والمكتوبة والتطوع سواء والمختار

عند المتأخرين عدمه في الأولیین لدفع الفتنة. (شامی زکریا ۲/۵٦۰)

ولا یأتي الإمام بسجود السهو في الجمعة والعیدین دفعاً للفتنة بكثرة الجماعة. (مراقي الفلاح مع الطحطاوي ۳۷۹ / باب سجود السهو، کذا في الفتاویٰ الهندیة / باب سجود السهو ۱/۱۲۸) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۱۱/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورتوں پر عید کی نماز واجب نہیں

سوال (۱۲۰۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عورتیں عید کی نماز گھر میں کیوں ادا نہیں کرسکتی ہیں؟ جیسے جمعہ میں ظہر کی نماز ادا کرتی ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں پر جماعت ضروری نہیں، اسی وجہ سے جمعہ اور عیدین کی نماز اُن پر واجب نہیں، پھر چوں کہ جمعہ کے قائم مقام ظہر کی نماز ہے اس لئے جمعہ کی جگہ ظہر ان پر واجب ہوتی ہے، اور عیدین کا کوئی اور بدل نہیں ہے؛ لہٰذا عورتوں پر اس کے بدلہ کچھ واجب نہیں۔

عن نافع عن ابن عمر: أنه كان لا یخرج نساء ٗ في العیدین، وفي روایة عن هشام بن عروة عن أبیه: أنه كان لا یدع امرأة تخرج إلی فطر و لا أضحی. (المصنف لابن أبي شیبة ٤/۲۳٤ المجلس العلمي، تاتارخانیة ۲/۲۰۸ رقم: ۳٤۱۸)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: لو أدرک رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ما أحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني اسرائیل، فقالت لعمرة: أو منعن، قالت: نعم. (رواه البخاري / الأذان، باب خروج النساء إلی المساجد باللیل والغلس ۱/۱۲۰ رقم: ۸٦۱، ف: ۸٦۹، مسلم / الصلاة، باب خروج النساء إلی المساجد إذا لم یترتب علیه فتنة وأنها لا تخرج مطیبة ۱/۱۸۳ رقم: ٤٤٥)

أخرج الطبراني عن أبي عمرو الشيباني أنه رأى ابن مسعود يخرج النساء من المسجد يوم الجمعة ويقول: اخرجن إلى بيتكن خير لكن. (المعجم الكبير للطبراني ۲۹٤/۹ رقم: ۹٤۷٥، الفتاوىٰ التاتارخانية / من يجب عليه الخروج ٦۱/۲ رقم: ۳٤۲۹)

ولا تجب على المرأة الخ. (شامی کراچی ۱٥٤/۲، زکریا ۳۰٥/۲-۳۰۷)

وشرط وجوبها الإقامة والذكورة. (البحر الرائق ۱٥۱/۲، حلبی کبیر ٥٤۸، مراقی الفلاح مصری ٤۱۱)

وتجب صلاة العيد على من تجب عليه الجمعة. (منحة الخالق حاشيه البحر الرائق ۱٥۷/۲، حلبی کبیر ٥٦٥، مراقی الفلاح مصری ٤۳۳، کراچی ۲۸۸، شامی زکریا ٤٥/۳، فتاویٰ محمودیه میرٹھ ٥۳۸/۱۲) *فقط واللہ تعالیٰ اعلم*

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱۲/۲۳ھ

عورت پر عید کی نماز واجب نہیں

سوال (۱۲۰٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عورت عید کی نماز جماعت سے پڑھ سکتی ہے یا نہیں، اگر عید کی نماز پڑھے گی تو عورت امام بن سکتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عید کی نماز عورتوں پر واجب نہیں ہے۔

عن نافع عن ابن عمر: أنه كان لا يخرج نساءه في العيدين، وفي رواية عن هشام بن عروة عن أبيه: أنه كان لا يدع امرأة تخرج إلى فطر و لا أضحى. (المصنف لابن أبي شيبة ۲۳٤/٤ المجلس العلمي، تاتارخانية ۲۰۸/۲ رقم: ۳٤۱۸)

ولا تجب الجمعة على مسافر ولا امرأة ...... وتجب صلاة العيد على من

تجب عليه صلوٰة الجمعة. (هداية ١٦٩/١-١٧٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۹/۲۵ھ

عیدین کی نماز کے لئے سواری پر جانا؟

سوال (۱۲۰۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عیدین کی نماز کے لئے سواری پر جانا افضل ہے یا بغیر سواری کے؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی عیدین کی نماز کے لئے سواری پر تشریف لے گئے؟ مفصل ومدلل جواب سے نوازیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عیدین کے لئے پیدل جانا بہتر ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی ثابت ہے؛ لیکن اگر عیدگاہ دور ہو تو سواری سے جانا بھی منع نہیں۔

عن علي رضي الله عنه قال: من السنة أن تخرج إلى العيد ماشياً، وأن تأكل شيئاً قبل أن تخرج. (سنن الترمذي / أبواب العيدين، باب في المشي يوم العيدين ١١٩/١ رقم: ٥٢٨)

ثم يتوجه إلى المصلى ماشيًا بسكون ووقار وغض بصر، وروي أنه عليه السلام خرج ماشيًا. (حاشية الطحطاوي على المراقي ٥٣١ اشرفی)

هٰكذا روي عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، وقال بعض المشائخ: الأفضل للمشائخ الركوب، وللشبان المشي أفضل، ولو صلى بعض الأئمة الصلاة على قول ابن مسعود يجوز؛ لأنه مذهب أصحابنا. (الفتاوىٰ التاتارخانية / كتاب الصلاة، صلاة العيدين ٦٢٩/٢ رقم: ٣٤٦٣)

عن محمد بن أبي حفصة قال: رأيت الحسن يأتي العيد راكباً. (مصنف ابن أبي شيبة / الصلاة في الركوب إلى العيدين والمشي ١٩٠/٤ رقم: ٥٦٥٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۸/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عیدگاہ کی چھت پر عید کی نماز پڑھنا؟

سوال (۱۲۰۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا عیدگاہ کی چھت پاٹ کر دو حصوں میں کر لینے کے بعد دوسری منزل کی چھت پر بھی عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اصل تو یہی ہے کہ عیدگاہ کھلے میدان میں ہونی چاہئے؛ کیوں کہ عیدگاہ پر چھت ڈالنے کا دستور سلف صالحین کے زمانہ سے آج تک نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲۲/۴۵۱ میرٹھ)

لیکن اگر کسی جگہ واقعی ضرورت ہو تو اس پر چھت ڈال کر دوسری منزل میں نماز پڑھنے میں بھی شرعاً کوئی ممانعت نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲۲/۴۵۴ میرٹھ)

كذا تستفاد من العبارة الآتية: وإذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كانا وقفًا عليه صار مسجدًا. (شامي، كتاب الوقف / مطلب في أحكام المسجد ٣٥٧/٤ كراچی، ٥٤٧/٦ زكريا، مجمع الأنهر ٥٩٤/٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۰/۳/۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عیدگاہ اور قبرستان کے درمیان ۶؍ فٹ اونچی دیوار کرکے عید کی نماز پڑھنا؟

سوال (۱۲۰۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں ایک نئی عیدگاہ بنائی گئی، اس عیدگاہ کے سامنے ایک قبرستان ہے، قبرستان اور عیدگاہ کے درمیان ۵-۶؍ فٹ اونچی ایک دیوار ہے، اور عیدگاہ کے دائیں طرف ایک طرف مسجد

ہے، مسجد اور عیدگاہ کے بیچ میں ایک اور دیوار بھی ہے اور عیدگاہ کے پیچھے ایک راستہ ہے، ایسی عیدگاہ میں نماز عید جائز ہے یا نہیں؟ دوسری عیدگاہ بنانے کی مناسب جگہ نہیں ہے۔

ایک عالم کہتے ہیں ایسی عیدگاہ میں نماز پڑھنے سے ثواب نہیں ملے گا، مگر نماز تو صحیح ہوگی، یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟ ثواب ملے گا یا نہیں؟ شرائط عیدگاہ کیا کیا ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسبِ تحریر سوال جب کہ عیدگاہ اور قبرستان کے بیچ میں چھ فٹ اونچی دیوار حائل ہے، تو ایسی عیدگاہ میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ البتہ حقیقی شرعی عیدگاہ وہی ہوتی ہے جو آبادی سے باہر بنائی جائے، اس کے برخلاف جو عیدگاہ آبادی کے اندر ہو اس میں نماز گوکہ صحیح ہے؛ لیکن مسنون عیدگاہ کا ثواب اس سے حاصل نہیں ہوگا۔

عن علي رضي اللّٰه عنه قال: الخروج إل الجبان في العيدين من السنة.

(المعجم الأوسط للطبراني ۱۱٦/۳ رقم: ٤٠٤٠)

والخروج إليها وإلى الجبانة سنة. (درمختار ۱٦۸/۲)

لا تكره الصلاة في جهة قبر إلا إذا كان بين يديه بحيث لو صلى صلوة الخاشعين وقع بصره عليه. (كذا في الإمداد ٤۲٥/۲، شامي زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱٦/۱۱/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

بربناء عذر عید اور جمعہ کی نماز کے تعدد وتأخر سے متعلق سوالات

سوال (۱۲۱۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں عید کے دن بارش زیادہ ہونے کی وجہ سے شہر کے سب حضرات نے اور بڑے دیہات کے سب حضرات نے اپنی اپنی مسجدوں میں، مدرسوں میں نماز عید ادا کرلی عیدگاہ پر کوئی نہ جاسکا، اگلے دن موسم صاف تھا کافی لوگوں نے عیدگاہ جاکر پھر دوبارہ نماز ادا کی، جب ان

سے کہا گیا کہ بھائی آپ سب لوگوں نے تو کل عید کے دن اپنی اپنی مسجدوں میں نماز عید ادا کر لی تھی، اب دوبارہ کیوں عید گاہ نماز ادا کرنے جارہے ہو تو ان کا جواب تھا کہ یہ عید گاہ کا حق ہے کہ وہاں پر بھی نماز ضرور ادا کی جائے، اس سلسلے میں چندسوال ہیں:

(۱) جو ایک مرتبہ نماز عید ادا کرے کیا وہ قصداً دوبارہ نماز عید ادا کرسکتا ہے، جب کہ یہ نفل ہوسکتی ہے۔

(۲) کیا عید گاہ میں بہر صورت نماز عید ادا کرنا ضروری ہے، جب کہ سب لوگ پہلے دن ہی مسجد میں نماز ادا کر چکے ہوں۔

(۳) عید کے دن بارش زیادہ ہونے کی وجہ سے قاضی شہر یہ اعلان کرسکتا ہے کہ نماز عید اگلے دن ہوگی، جب کہ برسات کے موسم میں اگلے دن کا بھی کوئی بھروسہ نہیں ہے، جب کہ عید کے دن اپنی اپنی مسجدوں اور مدرسوں میں سب لوگ نماز عید ادا کر سکتے ہیں۔

(۴) جو لوگ پہلے دن نماز عید پڑھ چکے ہیں ان کو اگلے دن ان حضرات کے پیچھے جن کی قضا کی شکل میں ادا ہورہی ہے، کیا اقتداء درست ہے۔

(۵) عید کے دن بارش کی زیادتی کی وجہ سے اپنی مسجد یا مدرسہ میں نماز نہ پڑھنا اور اگلے دن عید گاہ ہی جا کر نماز ادا کرنا جو نماز قضا ہوگی کیا یہ عذر ہوسکتا ہے؟

(٦) کیا بارش کی زیادتی کی وجہ ایک مسجد میں دوبارہ نئے امام کی اقتداء میں نماز ادا کی جاسکتی ہے، جب کہ مسجد کے علاوہ نہ مدرسہ ہے نہ بستی میں کوئی اور ایسی جگہ ہے، جہاں نماز عید ادا کرسکیں اور سارے لوگ ایک مسجد میں آ نہیں سکتے، کیا اس عذر کی وجہ سے ایک جگہ دو بار نماز عید ادا کی جاسکتی ہے؟

(۷) بارش کی وجہ سے مسجد کے صحن میں لوگ کھڑے نہ ہونے کی وجہ سے کافی لوگ نماز جمعہ سے رہ گئے، کیا مدرسہ میں یا کسی بڑی بیٹھک پر جہاں اذن عام ہو دوبارہ نماز جمعہ پڑھی جاسکتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مسئولہ صورت میں جب کہ بارش کی وجہ سے

عیدگاہ کے بجائے مسجدوں میں عید کی نماز ادا کر لی گئی تو یہ نماز اپنے وقت پر شرعاً ادا ہو چکی ہے، اب جن لوگوں نے پہلے دن نماز نہیں پڑھی ان کی نماز قضاء ہوگئی اور ایسے لوگوں کے لیے جنہوں نے موقع ہونے کے باوجود پہلے دن قصداً عید کی نماز نہ پڑھی ہو انہیں بعد میں قضا کا کوئی حکم شریعت میں نہیں ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں اگلے دن عیدگاہ میں جماعت کے ساتھ جو نماز پڑھی گئی ہے وہ نفل ہوئی اور نفل کی جماعت شرعاً مکروہ ہے، پس جنہوں نے پہلے دن نماز نہ پڑھی ہو یا جنہوں نے پہلے دن نماز پڑھ لی ہو، دونوں طرح کے لوگوں کے لیے اگلے دن عیدگاہ میں نماز پڑھنا مکروہ ہوگا۔

قال: أصاب الناس مطر في يوم عيد على عهد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فصلى بهم في المسجد. (سنن ابن ماجه كتاب إقامة الصلاة و السنة / باب ما جاء في صلاة العيد في المسجد إذا كان مطر رقم: ١٣١٣)

الحنفية قالوا: الجماعة شرط لصحتها كالجمعة، فإن فاتته مع الإمام فلا يطالب بقضائها لا في الوقت ولا بعده (الفقه على المذاهب الأربعة مكمل: ١٩٦)

قال الحنفية والمالكية: من فاتته صلاة العيد مع الإمام لم يقضيها لفوات وقتها والنوافل لا تقضى. (الفقه الإسلامية و أدلته ٣٢٧/٢)

صلاة العيد مثله الجمعة قوله بما لا يصح أي على أنه عيد و إلا فهو نفل مكروه لأدائه بالجماعة. (شامي زكريا ٤٦/٣)

ومن فاته صلاة العيد صلى أربعا مثل صلاة الضحى إن شاء؛ لأن التنفل مثل صلاة العيد غير مشروع فإذا أحب أن يصلي مثل صلاة الضحىٰ إن شاء صلى ركعتين و إن شاء صلى أربعا. (تاتارخانية ٦٢٤/٢ زكريا)

والآثار في هذا الباب عن إبراهيم قال: من فاتته صلاة العيد مع الإمام فليس عليه تكبير. (المصنف لعبد الرزاق ٣٠٠/٣ رقم: ٥٧٢٥)

ذكر البخاري تعليقاً ...... وقال عطاء: إذا فاته العيد صلى ركعتين. (صحيح البخاري ١٣٥/١ / باب إذا فاته العيد صلى ركعتين)

عـن شريک قال: سألت أبا إسحاق عن الرجل يجيئ يوم العيد وقد فرغ الإمام؟ قال: يصلي ركعتين. (المصنف لابن أبي شيبة ٢٣٧/٤ رقم: ٥٨٠ المجلس العلمي)

عـن مسـروق قال: قال عبد اللّٰه: من فاته العيد فليصل أربعا. (المصنف لابن أبي شيبة ٢٣٥/٤ رقم: ٥٨٥٠)

(۲) عیدگاہ میں بہرصورت نماز عید ادا کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ اگر عذر ہو تو مسجدوں اور دیگر جگہوں پر بھی عید کی نماز ادا کی جاسکتی ہے لہٰذا جب پہلے دن عذر کی وجہ سے مساجد وغیرہ میں عید کی نماز پڑھ لی گئی تو دوسرے دن عیدگاہ میں نماز پڑھنا صحیح نہ ہوگا۔

عن أبي اسحاق: أن علياً أمر رجلا يصلي بضعفة الناس في المسجد ركعتين، وفـي رواية: عن عبد الرحمن بن أبي ليلیٰ: صلی بالناس في مسجد الكوفة ركعتين في أمارة مصعب بن الزبير. (المصنف لابن أبي شيبة ٢٣٨/٤ رقم: ٦٧- ٥٨٦٥ المجلس العلمي)

الـخروج إلى المصلى وإن صلاتها فى المسجد لا تكون الا عن ضرورة. (فتح البارى ٥٧٢/٢)

(۳) عید کے دن اگر مسلسل ایسی شدید بارش ہوتی رہے کہ نصف النہار تک کہیں بھی عید کی نماز پڑھنے کا موقع نہ ملے نہ عیدگاہ میں نہ مسجدوں میں، تو ایسی صورت میں فقہاء نے اجازت دی ہے کہ عید الفطر کی نماز اگلے دن پڑھ لی جائے؛ لیکن اگر پہلے دن اپنی اپنی مسجدوں اور مدرسوں میں نماز ادا کرلی گئی ہے تو اب عیدگاہ میں اگلے دن عید کی نماز پڑھنے کا اعلان شرعاً درست نہیں۔

وتؤخر بعذر كالمطر إلى الزوال من الغد فقط. (شامی ٥٩/٣ زكريا)

أخـرج أبـو داؤد الـصلاة / باب إذا لم يخرج الإمام للعيد من يومه يخرج مـن الغد ١٦٤/١ رقم: ١١٥٧، والـنسـائـي: صـلاة العيدين / باب الخروج إلى العيدين من من الغد ١٧٧/١ رقم: ١٥٥٣، و ابـن ماجه: الصيام / باب ما جاء في الشهادة على رؤية الهلال ١١٩/١ رقم: ١٦٥٣ كـلهم بأسانيدهم عن أبي عمير

بن أنس عن عمومة له من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم أن ركبا جاؤا إلى النبي صلى الله عليه وسلم يشهدون أنه رأوا الهلال بالأمس فأمرهم أن يفطروا و إذا أصبحوا أن يغدوا إلى مصلاهم)

وتؤخر صلاة عيد الفطر بعذر كأن غم الهلال ...... قال الطحطاوي: كأن غم الهلال و كالمطر و نحوه. (حاشية الطحطاوی علی المراقی الفلاح أشرفية ٥٣٦)

(۴) اگلے دن جولوگ عید کی نماز پڑھ رہے ہیں خواہ وہ، وہ لوگ ہوں جنہوں نے اب تک عید کی نماز نہیں پڑھی ہے یا وہ لوگ ہیں جنہوں نے نماز پڑھ لی ہے وہ سب گویا کہ نفل نماز پڑھنے والے ہیں، اس لئے اقتداء تو درست ہو جائے گی؛ البتہ نفل کی جماعت مکروہ ہونے کی وجہ سے نماز مع الکراہت ادا ہو گی۔

صلاة العيد مثل الجمعة قوله بما لا يصح أي على أنه عيد وإلا فهو نفل مكروه لأدائه بالجماعة. (شامی زکریا ٤٦/٣)

(۵) عید کے دن مسجد وغیرہ میں موقع ہونے کے باوجود قصداً عید کی نماز نہ پڑھنا صحیح نہیں ہے، ایسے لوگ جان بوجھ کر عید کی واجب نماز قضا کرنے کے گنہ گار ہوں گے، البتہ اگر کوئی ایسی آبادی ہو جہاں عید گاہ کے علاوہ کہیں عید کی نماز پڑھنے کا انتظام ہی نہ ہوسکتا ہو اور پہلے دن بارش اس تسلسل سے جاری ہو کہ لوگ عید گاہ نہ جاسکیں، تو انہیں اگلے دن عید کی نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی۔

وقال الشافعي: في الأم، بلغنا أن رسول الله ﷺ كان يخرج في العيدين إلى المصلى بالمدينة وكذا من بعده إلا عذر مطر أو نحوه. (إعلاء السنن ٩١/٨-٩٢)

وتؤخر بعذر كالمطر إلى الزوال من الغد فقط. (شامی زکریا ٥٩/٣، کراچی ١٧٦/٢، حاشية الطحطاوي أشرفيه ٥٣٦)

(٦) مذکورہ عذر کی وجہ سے جب کہ مسجد کے علاوہ نہ مدرسہ ہے اور نہ بستی میں کوئی اور ایسی جگہ ہے جہاں نماز عید ادا کرسکیں، تو ایسی صورت میں دوبارہ نئے امام کی اقتداء میں ایک ہی مسجد میں

متعدد بار عید کی نماز ادا کی جاسکتی ہے؛ اس لئے کہ دوبارہ جماعت کے ممانعت کی اصل علت متعین جماعت میں قلت کا ہونا ہے جو یہاں پر مفقود ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/۴۲۲، فتاویٰ عثمانی ۱/۵۵۲، مجموعۃ الفتاویٰ ۱/۳۴۹)

ولو قدر بعد الفوات مع الإمام على إدراكها مع غيره فعل للإتفاق على جواز تعددها. (طحطاوی أشرفیه: ٥٣٥)

إن في تكرار الجماعة تقليلها بأن كل واحد لا يخاف فوت الجماعة فيكون مكروها كذا في القطوف الدانية لشيخنا المحدث الكنكوهي، وإنما اختصت الكراهة بمسجد المحلة لانعدام علتها في مسجد الشارع والسوق ونحوها. (إعلاء السنن ٤/ ٢٦١)

إن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة فيستعلجون فتكثر الجماعة. (بدائع الصنائع ١/ ٣٨٠)

(۷) جب مسجد میں جمعہ کے لیے جگہ نہ مل سکے تو ایسے لوگ کسی مدرسہ یا ہال یا بیٹھک وغیرہ میں جمع ہوکر جمعہ کی نماز پڑھ سکتے ہیں، اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اذن عام ہو۔

وتؤدى في مصر بمواضع كثيرة. (شامی زکریا ٣/ ١٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۱۱/۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عیدگاہ کے اندر عید کی جماعتِ ثانیہ کرانا؟

سوال (۱۲۱۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عیدگاہ کے اندر ایک مرتبہ ایک نماز عید ہو جانے کے بعد کیا دوبارہ اسی جگہ عید کی نماز ادا کرنا جائز اور درست ہے؟ نیز اگر کچھ لوگوں کی نماز چھوٹ جانے کی وجہ سے دوبارہ نماز اسی جگہ ادا کر لی تو کیا ان کی یہ نماز ادا ہوگئی یا واجب الاعادہ رہی؟ کسی نے ایسا کیا تو اب اس کی تلافی کی کیا شکل ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عام حالات میں عیدگاہ میں دوبارہ جماعت کی اجازت نہیں ہے؛ ہاں البتہ اگر عیدگاہ میں جگہ کی تنگی وغیرہ کی وجہ سے کافی تعداد میں لوگ جماعت سے رہ گئے ہوں تو ایسے عذر کی بنا پر دوسری جماعت کی گنجائش ہے؛ لیکن اس جماعت کا امام بھی دوسرا ہونا چاہئے، اور اگر صرف دو چار آدمی ہوں یا کسی اور عذر کی وجہ سے دوسری جماعت کی جائے تو اس کی اجازت نہیں، ایسے لوگوں کو چاہئے کہ عیدگاہ کے علاوہ کسی دوسری مسجد میں جہاں ابھی نماز نہ ہوئی ہو وہاں جاکر شریک ہوجائیں۔ (احسن الفتاویٰ ۴/۱۲۵، فتاویٰ رحیمیہ ۵/۳۰)

وفي الحديث: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان خرج ليصلح بين قوم فعاد إلى المسجد وقد صلى أهل المسجد فرجع إلى منزله فجمع أهله وصلى. (مسند أحمد ٥/٤ ٢٥-٢٥٩، ابن ماجة رقم: ٣١٢، البيهقي ٦٩/١، مستدرك للحاكم ٣٣٤/٤، مجمع الزوائد ٤٥/٢)

المستفاد: ويكره تكرار الجماعة في مسجد محلة بأذان وإقامة. (شامي زكريا ٢٩٢/٢، البحر الرائق ٣٤٦/١، الفتاوىٰ الهندية ٨٣/١، منحة الخالق ٣٤٥/١)

ولو قدر بعد الفوات مع الإمام على إدراكها مع غيره فعل للإتفاق على جواز تعددها. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ٥٣٥ أشرفية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۱/۱۱/۲۹ھ

عیدگاہ بھر جانے کی وجہ سے قریبی مسجد میں نمازِ عید کی صفیں بنانا؟

سوال (۱۲۱۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہلدوانی شہر کی عیدگاہ درمیان شہر میں ہے جب عیدگاہ نمازیوں سے پر ہو جاتی ہے، تو نمازی دائیں بائیں سڑکوں پر پھیل جاتے ہیں، عیدگاہ ہی کے قریب ایک بڑی مسجد ہے مسجد کے دائیں

بائیں آ گے بھی لوگ نماز پڑھتے ہیں؛ لیکن مذکورہ مسجد میں لوگ داخل نہیں ہوتے، وہ مکمل طور پر خالی رہتی ہے، کیا عیدگاہ کے امام کی اقتداء مذکورہ مسجد میں نہیں کی جاسکتی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر عیدگاہ کی نماز کی صفیں مسجد کے اِردگرد تک پہنچ جاتی ہیں، تو اس مسجد میں بھی اس جماعت کی صفیں لگانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں، اور ایسی صورت میں مسجد میں نماز پڑھنے والے لوگ عیدگاہ کی جماعت میں شامل کہلائیں گے۔

ویجوز اقتداء جار المسجد بإمام المسجد، وهو في بيته إذا لم يكن بينه وبين المسجد طريق عام، وإن كان طريق عام ولكن سدته الصفوف جاز الإقتداء لمن في بيته بإمام المسجد. (الفتاویٰ الهندية ۸۸/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۱/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عیدگاہ سے پہلے عید کی نماز پڑھنا؟

سوال (۱۲۱۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کچھ مقامات پر عیدگاہ میں نماز عیدین ہونے سے قبل ادا کر لی جاتی ہے، یہ بات کہاں تک مناسب ہے؟ کیا عہد صحابہ میں ایسی نظیر پیش کی جاسکتی ہے، اگر نہیں تو اب ایسا کیوں کیا جارہا ہے؟ کیا یہ بات تفریق بین المسلمین نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شہر سے باہر بنی ہوئی عیدگاہ یا صحراء میں عیدین کی نماز پڑھنا مسنون ہے، اور بلا عذر اس کا ترک صحیح نہیں ہے؛ لیکن جہاں عیدگاہ آبادی کے اندر واقع ہو، وہاں عیدگاہ کی اولویت باقی نہیں رہتی، ایسے شہر کی مسجدوں اور میدانوں میں عیدگاہ سے پہلے یا بعد میں نماز عید کی ادائیگی بغیر کسی کراہت کے جائز اور درست ہے۔

عـن أبـي سعيد الخدري قال: كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يخرج يوم الفطر و الأضحىٰ إلى المصلى. (صحيح البخاري ۱۳۱/۱ رقم: ۹۵۶)

الجبانة: المصلى العام للمسلمين خارج المدينة. (معجم لغة الفقهاء ۱۵۹)

والخروج إليها أي الجبانة لصلاة العيد سنة وإن وسعهم المسجد الجامع هو الصحيح. (درمختار) وفيه: تؤدى بمصر واحد بمواضع كثيرة اتفاقاً.

(درمختار کراچی ۱۷۶/۲، شامی زکریا ۴۹/۳)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس عیدگاہ میں نماز عید ادا فرماتے تھے، وہ بھی اس وقت شہر سے باہر تھی۔

ولو ضحى بعدما صلى أهل المسجد ولم يصل أهل الجبانة أجزأه استحساناً؛ لأنها صلاة معتبرة. (شامی زکریا ۴۶۰/۹)

وقد كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يخرج في صلاة العيد إليه وهو موضع معروف بالمدينة بينه وبين باب المسجد الف ذراع كما في العيني على البخاري. (طحطاوی على المراقي کراچی ۲۹۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۸/۱۰/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

عیدگاہ سے پہلے مسجد میں عید کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟

سوال (۱۲۱۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز عیدین اکثر شہر کی دیگر مساجد میں عیدگاہ سے پہلے ہونے کا رواج سا بنتا چلا جارہا ہے، جب کہ کچھ شرائط کے ساتھ ہی عیدگاہ کی نماز کے بعد ہی مساجد میں نماز کی اجازت دی گئی ہے، اس کے لئے کیا حکم ہے؟ کیا افضل ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: یہ بات صحیح ہے کہ عیدین کی نماز عیدگاہ میں پڑھنا ہی

افضل اور مسنون ہے؛ لیکن جو عیدگاہ آبادی کے اندر آجائے تو اس کی ممتاز حیثیت باقی نہیں رہتی؛ لہٰذا اس سے پہلے یا بعد میں شہر کی دیگر مساجد میں نمازِ عیدین پڑھنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔ (فتاوی دارالعلوم ۵/۱۹۵)

يجوز إقامتها في المصر وفنائه في موضعين فأكثر. (غنية المستملي ٥٢٩، حلبي كبير ٥٧٢)

ولو ضحى بعدما صلى أهل المسجد ولم يصل أهل الجبانة أجزأه استحساناً؛ لأنها صلاة معتبرة. (شامي زكريا ٩/٤٦٠) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۶/۳/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

باہمی مشورہ سے جامع مسجد میں عیدین کی نماز پڑھنا؟

سوال (۱۲۱۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گذشتہ ۵/۷ برس سے چند مصلیانِ مسجد کا تقاضہ تھا کہ جامع مسجد انجن گاؤں میں بھی عیدین کی نماز ادا کی جائے، اس سال پھر یہی تقاضہ سامنے آیا؛ لہٰذا بحیثیت معتمد جامع مسجد میں نے ٹرسٹ کی میٹنگ قبل عید ۵/دن پہلے رکھی اور جمعہ کو ٹرسٹیان کو بعد نماز رکنے کا اعلان کیا؛ لیکن چند مصلیان کو بھی اس مشورہ میں حاضر رہنے کے لیے کہا؛ لہٰذا اسی وقت میں نے مصلیان اور ٹرسٹیان کو مشورہ کے لئے بعد نماز جمعہ رکنے کا اعلان کردیا، ہماری مسجد ایک بڑی مسجد ہے جس میں تقریباً ایک ہزار لوگ نماز ادا کرسکتے ہیں، تقریباً ۱۵/سال قبل ہمارے مسجد کے امام صاحب ہی بڑی عیدگاہ میں نماز پڑھایا کرتے تھے، اوران کے پہلے ہمارے آباء واجداد بھی، اس طرح ہماری مسجد میں کبھی بھی عید کی نماز نہیں پڑھی گئی، ایک دوبار صرف شدید بارش کی وجہ سے پڑھی گئی، ہماری مسجد سے بڑی عیدگاہ دوڈھائی کلومیٹر پر واقع ہے، جب کہ چھوٹی عیدگاہ ایک کلومیٹر دور ہے، شہر میں ۱۵/مساجد ہیں جن میں سے ۷-۸/مساجد میں عیدین کی نماز ادا کی جاتی ہے۔

میرے اعلان کے بعد ساٹھ ستر مصلیان اور ۷-۸/ٹرسٹیان بعد نماز جمعہ مشورہ کے لئے

ٹھہر گئے، میں نے نظامت کے فرائض انجام دیئے، ایک نوجوان محمد وسیم نے مشورہ کے آداب بیان کئے، اور سب کے مشورہ سے ہماری مسجد کے امام جو عالم ہیں، انہیں اس مجلس کا امیر بنایا گیا، امیر صاحب نے تمام لوگوں سے فرداً فرداً اور اجتماعی رائے مانگی، ایک دو کے علاوہ سب نے یہاں نماز ادا کرنے کی رائے دی، میری رائے یہ تھی کہ صرف بیمار معذور اور ضعیف حضرات ہی مسجد میں نماز ادا کریں؛ کیوں کہ میدان میں نماز ادا کرنا اور راستے سے تکبیریں کہتے ہوئے جانا آنا زیادہ ثواب کا باعث ہے، اور ملی اتحاد کا مظہر ہے، امیر صاحب نے مسجد میں عیدین کی نماز ادا کرنے کا فیصلہ سنادیا، عیدالفطر کی نماز یہاں ادا بھی ہوئی جس میں ۴-۵ سو نمازی حاضر تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ:

(۱) عیدین کی نماز جامع مسجد میں ادا کی جائے یا نہیں؟

(۲) اس سال عیدالاضحیٰ کی نماز ادا کریں یا نہیں؟

(۳) ایک جید عالم کہتے ہیں کہ تمہاری مسجد میں بہت پہلے سے عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی نمازیں پڑھنا شروع ہوجاتا تھا، دوسرے جید عالم کہتے ہیں تم لوگوں کو یہاں نماز نہیں پڑھنا تھا؟ کس کی سنیں؟ یعنی مسجد میں نماز پڑھنے کا اعلان نہیں کرنا تھا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جو عیدگاہ شہر سے باہر بنی ہوئی ہو، مسنون یہی ہے کہ سبھی غیر معذور لوگ اسی عیدگاہ میں عید کی نماز ادا کریں؛ تاکہ مسلمانوں کی شان وشوکت کا اظہار ہو؛ تاہم ضرورت کی بنا پر یا عیدگاہ آبادی کے اندر آجانے کی وجہ سے جامع مسجد یا دیگر بڑی مساجد میں بھی عید کی نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أنه أصابهم مطر في يوم عيد فصلى بهم النبي صلى اللّٰه عليه وسلم صلاة العيد في المسجد. (سنن أبي داؤد رقم: ۱۱۶۰)

والخروج إليها (أي الجبانة) لصلاة العيد سنة، وإن وسعهم المسجد الجامع. (درمختار مع الشامي زكريا ۴۹/۳)

(۲) ضرورت ہوتو عیدالاضحیٰ کی نماز جامع مسجد میں پڑھنے میں حرج نہیں ہے۔

وتؤدى بمصر واحد في مواضع كثيرة اتفاقاً. (درمختار مع الشامي زكريا ٥٩/٣)

(۳) جن عالم صاحب نے اعلان کی تائید کی انہوں نے ضرورت کا خیال فرمایا، اور جن عالم صاحب نے نفی فرمائی انہوں نے اَفضلیت کا لحاظ فرمایا؛ لہٰذا تطبیق کی شکل یہ ہے کہ اگر عیدگاہ آبادی سے باہر ہوتو قدرت رکھنے والے لوگ عیدگاہ ہی جایا کریں، اور کمزور ضعیف حضرات جامع مسجد میں نماز عید ادا کریں۔

عن إسحاق: أن علياً أمر رجلا يصلى بضعفة في المسجد ركعتين.

(المصنف لا بن أبي شيبة ٢٣٨/٤ رقم: ٥٨٦٥)

السنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة، ويستخلف غيره ليصلي في المصر بالضعفاء بناءاً على أن صلاة العيدين في موضعين جائزة بالاتفاق، وإن لم يستخلف فله ذلک. (شامی بیروت ٤٦/٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۱۱/۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا مسجد میں نماز عید پڑھنے والا عیدگاہ کی فضیلت سے محروم رہے گا؟

سوال (۱۲۱۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عید کی نماز عیدگاہ میں پڑھنا افضل ہے؛ لیکن اگر کوئی عیدگاہ کے علاوہ مسجد میں نمازِ عید کی امامت کراتا ہے یا وہ مسجد کا خادم ہے یا معذور ہے، کیا وہ اس فضیلت اور ثواب سے محروم کہلائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو عیدگاہ آبادی سے باہر ہو اس میں نماز عید پڑھنا

مسنون ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص کسی معقول عذر کی وجہ سے مثلاً کسی مسجد کی امامت یا مرض وغیرہ کی وجہ سے شہر سے باہر عیدگاہ میں نہ جاسکے، اس پر کوئی گناہ نہیں، اور جو عیدگاہ آبادی کے اندر آچکی ہو تو اس میں نماز پڑھنے اور عام بڑی مسجدوں میں نماز پڑھنے کے درمیان فضیلت میں کوئی فرق نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۴۱۶/۸، کتاب المسائل ۴۳۷/۱)

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم: يخرج يوم الفطر والأضحىٰ إلى المصلىٰ، فأول شيئ يبدأ به الصلوٰة ثم ينصرف. (بخاري شريف ١٣١/١)

عن أبي إسحق أن علياً رضي الله عنه أمر رجلاً فصلى بضعفة الناس يوم العيد في المسجد ركعتين. (إعلاء السنن كراچي ٨٢/٨)

والخروج إليها أي الجبانة لصلاة العيد سنة وإن وسعهم المسجد الجامع هو الصحيح. (درمختار زكريا ٤٩/٣)

وفيه الخروج إلى المصلىٰ في العيد وإن صلاتها في المسجد لا تكون إلا عن ضرورة. (فتح الباري أشرفية ٥٧٢/٢)

السنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة ويستخلف غيره ليصلي في المصر بالضعفاء بناء على أن صلاة العيدين في موضعين جائزة بالاتفاق. (شامي زكريا ٤٩/٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۱/۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر مسلموں کے شرور سے بچنے کے لئے محلّہ میں عید کی نماز پڑھنا؟

سوال (۱۲۱۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: یہاں کی مقامی آبادی تقریباً ۵۰-۶۰/ ہزار کی ہے، جس میں نصف سے زائد آبادی تقریباً غیر مسلموں کی ہے، اب تک عیدین کی نماز آبادی سے باہر عیدگاہ میں ہوتی تھی، اور اب بھی ہوتی

ہے؛ لیکن پچھلے چند سالوں سے عید کے مواقع پر یہ دیکھا جارہا ہے کہ مسلم محلوں کے مرد اور بچے چوں کہ عیدگاہ چلے جاتے ہیں، اس لئے خالی محلّہ میں گھروں میں صرف عورتیں ہی رہ جاتی ہیں، محلّہ کے اندر دیکھا گیا کہ غیر مسلم نوجوان لڑکے گھومتے دکھائی دیتے ہیں، جن کے ارادے کچھ اچھے نہیں لگتے بعض مرتبہ ان لوگوں سے پوچھا گیا کہ تم لوگ یہاں ان محلوں میں کیسے آئے، تو کہا کہ بس یوں ہی آئے تھے، ان کے ارادے ہمیں مخدوش معلوم ہوتے ہیں، جب کہ بسا اوقات ملک کی مسموم فضا ہندو مسلم کے تعلق سے یہاں بھی کشیدہ ہوجاتی ہے، اور بعض مقامی معاملات میں ہندو مسلم تعصب کھل کر سامنے آجاتا ہے، ایسی صورت میں یہ مناسب سمجھا جارہا ہے کہ عیدین کی نماز یہاں کچھ نوجوان لڑکوں کی جامع مسجد میں یا کسی اور جگہ محلّہ کے اندر ہوجایا کرے اور باقی لوگ عیدگاہ میں ہی حسبِ معمول نماز ادا کریں، تو کیا ان حالات میں شرعاً اس بات کی اجازت ہے کہ محلّہ کے اندر ایک جماعت عید کی نماز کی کرلی جائے اور ایسے حالات میں جب کہ غیر مسلموں سے اندیشہ ہے، ہمیں تحفظ کی کیا صورت کرنی چاہئے؟ شرعی حکم سے ایسے مواقع کے تعلق سے رہنمائی فرمائی جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ضرورت کی بناپر عیدگاہ کے علاوہ دیگر بڑی مساجد میں بھی عید کی نماز قائم کرنے کی اجازت ہے؛ البتہ بلاضرورت ایسا نہ کیا جائے۔

تؤدى بمصر واحد بمواضع كثيرة اتفاقاً. (درمختار مع الشامي ۳/۵۹ زكريا)

عن أبي اسحق أن علياً رضي الله عنه أمر رجلاً فصلى بضعفة الناس يوم العيد في المسجد ركعتين. (رواه الشافعي و ابن جرير و البيهقي كذا في كنز العمال ٤/۳۳۷)

قال الشيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله: "وإن نظرنا إلى أنه لم يثبت مانعٌ صريحٌ من التعدد، فالأظهر الجواز مطلقاً، والعيد فيه سواء، إلا أنه يستحب أن لا تؤدي بغير حاجة إلا في موضع واحد خروجاً من الخلاف". (إعلاء السنن / أبواب الجمعة، باب تعدد الجمة ۸/۷۲-۷۳ إدارة القرآن كراچی)

وتجوز إقامة صلاة العيد في موضعين، وأما إقامتها في ثلاثة مواضع فعند محمد رحمه الله تعالىٰ يجوز...... الخ. (الفتاوىٰ الهندية / كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين ١٤٩/١ رشيدية، وكذا في بدائع الصنائع / كتاب الصلاة، شرائط الجمعة ٥٨٧/١ رشيدية)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۱۱/۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کمزور اور ضعیف لوگوں کا شہر کی قریبی مسجد میں عید کی نماز پڑھنا؟

سوال (۱۲۱۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری تحصیل شکار پور میں دو عید گاہ ہیں، نماز دونوں پر ہوجاتی ہیں، کچھ لوگ شہر کے درمیان بڑی مسجد میں جن میں ناتواں ضعیف اور بعضے وہ جو عید گاہ تک پیدل نہیں جاسکتے، عیدین کی نماز ادا کرتے ہیں۔

(۱) آیا ان کا شہر کے اندر عیدین کی نماز ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا ان کی عیدین کی نماز ہوجائے گی؟

(۲) قوی اور تندرست لوگوں کی نماز میں تو کوئی فرق نہیں آئے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مسئولہ صورت میں شہر کی بڑی مسجد میں ناتواں اور ضعیف لوگوں کے لئے عید کی نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه أنه أصابهم مطر في يوم عيد فصلى بهم النبي صلى الله عليه وسلم صلاة العيد في المسجد. (سنن أبي داؤد رقم: ١١٦٠، سنن ابن ماجه رقم: ١٣١٣)

قال المؤلف: دلالة أحاديث الباب عليه ظاهرة، وأخرج الطبراني في الكبير عن علي قال: الخروج إلى الجبان في العيدين من السنة. (كذا في مجمع الزوائد ١٠٧/١)

وفي فتح القدير: والسنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة ويستخلف من يصلي الضعفاء في المصر ...... فقد نقل صاحب منهاج السنة عن علي رضي الله عنه أنه قيل له: إن بالبلد ضعفاء لا يستطيعون الخروج إلى المصلى فاستخلف عليهم رجلاً يصلي بهم بالمسجد. (إعلاء السنن / باب الخروج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى إلا بعذر ۱۱۳/۸ بيروت)

ويستخلف غيره ليصلي في المصر بالضعفاء بناء على أن صلاة العيد في موضعين جائزة بالاتفاق. (شامی زکریا ۴۹/۳)

(۲) قوی اور تندرست لوگوں کے لئے شہر سے باہر عیدگاہ میں جاکر عید کی نماز پڑھنا مسنون ہے، اگر وہ بلا عذر شہر کی مسجد میں عید کی نماز ادا کریں گے، تو سنت کی فضیلت کے تارک ہوں گے۔

والخروج في العيدين على أهل الأمصار والمدائن لا على أهل القرى والسواد، وتجب صلاة العيد على كل من تجب عليه صلاة الجمعة، حتى أنها لا تجب على المسافر والمريض. (الفتاویٰ التاتارخانية ۶۱۳/۲ رقم: ۳۴۲۸)

عن علي رضي الله عنه قال: الخروج إلى الحيان في العيد سنة. (المعجم الأوسط للطبراني ۱۱۶/۳ رقم: ۴۰۴۰)

ثم خروجه ليفيد تراخيه عن جميع مامر ماشياً إلى الجبانة، وهي المصلى العام، والواجب مطلق التوجه، والخروج إليها أي إلى الجبانة لصلاة العيد سنة، وإن وسعهم المسجد الجامع. (شامی زکریا ۴۹/۳)

لو صلى العيد في الجامع ولم يتوجه إلى المصلى فقد ترک السنة. (البحر الرائق / باب العيدين ۱۵۹/۲ کوئٹہ)

وإن صلاتها في المسجد لا تكون إلا عن ضرورة. (فتح الباري / باب الخروج إلى المصلى ۱۲۶/۳ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۷/۸/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

معذورین کی نماز عید کے لئے امام کا اپنا نائب امام بنا کر عیدگاہ میں نماز پڑھانا؟

سوال (۱۲۲۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک چھوٹی مسجد میں امام صاحب مقرر کئے گئے جوشہر کی عیدگاہ میں تیرہ سال سے نماز عیدین پڑھاتے ہیں، اب اس مسجد کے مصلیان عیدگاہ میں نماز پڑھانے سے روکتے ہیں کہ اس مسجد میں نماز پڑھاؤ، کیا اس طرح میدان میں جمع ہوکر عید کی نماز ادا کرنی چاہئے؟ امت کا فائدہ اور مصالح دینی ودنیوی کس میں ہیں؟ اور کیا مسجد کے امام صرف عید کی نماز کے لئے کسی اور مولوی کو نائب بنا کر عیدگاہ جاسکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہر ایسی مسجد جس میں نماز جمعہ ادا کرنا صحیح ہو وہاں عید کی نماز پڑھنا بھی جائز اور درست ہے؛ لیکن افضل اور سنت طریقہ یہ ہے کہ شہر کے تمام مسلمان شہر سے باہر کسی ایک میدان میں جمع ہوکر نماز عید ادا کریں؛ تاکہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی شان وشوکت کا اظہار ہوسکے، اسی میں مسلمانوں کا دینی اور دنیاوی فائدہ ہے، اور اگر محلّہ کے معذورین میدان جانے سے قاصر ہوں، اوران کے لئے جماعت کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو امام صاحب کا کسی کو اپنا نائب بنا کر عیدگاہ جانا جائز اور درست ہے۔

عن عبد اللّٰه الرحمن بن أبي ليلى قال: صلى بالناس في مسجد الكوفة ركعتين في امارة مصعب بن الزبير. (المصنف لابن أبي شيبة ٤/ ٢٣٨ قم: ٥٨٦٥)

والخروج إليها وإلى الجبانة لصلاة العيد سنة. وفي الخانية: السنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة ويستخلف غيره ليصلي في المصر بالضعفاء بناءً على أن صلاة العيدين في موضعين جائز بالاتفاق، وإن لم يستخلف فله ذٰلک. (الدر المختار مع الرد المحتار / باب صلاة العيدين ٢/ ١٦٨ كراچی، كذا في الفتاوىٰ الهندية / الباب السابع

عشر في العيدين ١٤٩/١ كوئٹه)

عن علي قيل له: إن بالبلاء ضعفاء لا يستطيعون الخروج إلى المصلى فاستخلف عليهم رجلا يصلي بالناس في المسجد قيل: إنه صلى ركعتنى بتكبير. (منهاج السنة بحواله: إعلاء السنن ٩١/٨ رقم: ٢٠٨٥)

والخروج إليه أي الجبانة وهي المصلي العام لصلاة العيد سنة وإن وسعهم المسجد الجامع هو الصحيح. (الدر المختار مع الشامی زکریا ٤٩/٣، الفتاویٰ الهندية ١٨٥/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴/۷/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک جگہ عید کی نماز پڑھانے کے بعد دوسری جگہ امامت کرنا؟

سوال (۱۲۲۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسجد ہٰذا کا امام ہمیشہ پنج وقتہ وجمعہ وعیدین کی نماز اسی مسجد میں پڑھائے اور یہ امام صاحب پہلے عیدین کی نماز کسی دوسری جگہ جا کر پڑھا دیتے ہیں، اور پھر محلّہ کی مسجد میں عیدین کی نماز پڑھاتے ہیں تو محلّہ والوں کی نماز عیدین ہوئی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام صاحب نے اپنی نماز عید پہلے پڑھنے کے بعد دوسری جگہ جو نماز عید کے نام سے پڑھائی ہے وہ عید کی نماز نہیں؛ بلکہ نفل نماز با جماعت ہوگئی ہے جو مکروہ ہے، وہ آئندہ ایسا نہ کریں؛ البتہ دوسرے مقتدیوں کی نماز ہوگئی، اب ان پر کوئی واجب نہیں۔

كذا تستفاد من العبارة الآتية: صلى العشاء والوتر والتراويح ثم أم قوماً اٰخرين في التراويح ونوىٰ الإمامة كره له ذٰلك ولا يكره للمأمين. (شامی کراچی ٤٩/٢، شامی ۳/ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۳/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جامع مسجد کے امام کے علاوہ دوسرے کو عیدین کا امام بنانا؟

سوال (۱۲۲۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عیدین کی امامت کے لئے امام جامع مسجد کے علاوہ اگر کسی کو امام مقرر کیا جائے (جو امام جامع مسجد سے علم وقرأتِ قرآن میں افضل ہو یا غیر افضل) تو اس کی امامت کا جواز وعدم جواز، افضلیت وغیر افضلیت کے اعتبار سے کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ضروری نہیں ہے کہ جامع مسجد ہی کا امام عیدگاہ کا امام ہو؛ بلکہ کمیٹی یا بااثر عوام جس پر متفق ہوں، اسی کو امامت کا حق ہوگا۔

وجب علی المسلمین تعیین والٍ وإمام الجمعة. (درمختار) وأما بلاد علیها ولاة کفار فیجوز للمسلمین إقامة الجمع والأعیاد یصیر القاضي قاضیاً بتراضي المسلمین فیجب علیهم أن یلتمسوا والیاً مسلماً منهم ...... وکذا ینصبوا إماماً یصلي بهم الجمعة. (شامي زکریا ۸/۴۳-۴۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۱/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عید کی نماز میں مسبوق کیا کرے؟

سوال (۱۲۲۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عید کی نماز میں مسبوق کیا کرے؟ اور تکبیراتِ واجبہ کب کہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسبوق شخص جس کی نماز عید میں پہلی رکعت چھوٹ گئی ہو، امام کے سلام پھیر دینے کے بعد جب کھڑا ہو تو اولاً ثناء، تعوذ، تسمیہ، سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھے، پھر زائد تکبیرات کہے، اس کے بعد رکوع سجدہ کر کے بقیہ نماز پوری کرے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۸/۳۷

ڈابھیل، احسن الفتاویٰ ۴/ ۱۵۳)

عن حماد قال: إذا فاتتک من صلاۃ العید رکعة فاقضها واصنع فیها مثال ما یصنع الإمام في الرکعة الأولیٰ، وعن الحسن قال: یکبر معه في هذه ما أدرک منها، و یقضي التي فاتته، ویکبر فیها مثل تکبیر الإمام في الرکعة الثانیة. (المصنف لابن أبي شیبة ٤/ ٢٣٧ رقم: ٦٣- ٥٨٦٢)

ولو سبق برکعة یقرأ ثم یکبر لئلا یتوالی التکبیر (درمختار) أي لأنه إذا کبر قبل القراءة وقد کبر مع الإمام بعد القراءة لزم توالی التکبیرات في الرکعتین، قال في البحر: ولم یقل به أحد من الصحابة ولو بدأ بالقراءة یصیر فعله موافقاً لقول علي رضي اللّٰه عنه فکان أولیٰ، کذا في المحیط، وهو مخصص لقولهم: إن المسبوق یقضي أول صلاته في حق الأذکار. (شامي زکریا ٣/ ٥٦، کراچی ٢/ ١٧٤، البحر الرائق کوئٹه ٢/ ١٦١، بدائع الصنائع زکریا ١/ ٦٢٣، حلبي کبیر أشرفي ٥٧٢، طحطاوي علی المراقي ٥٣٤)

ولو شرع الإمام في صلاۃ العید فجاء رجل واقتدیٰ به فإن کان قبل التکبیرات الزوائد یتابع الإمام علی مذهبه ویترک رأیه. (بدائع الصنائع زکریا ١/ ٦٢٢)

(۲) اور جو شخص امام کے ساتھ اس حال میں آ کر شریک ہوا کہ امام پہلی رکعت کی زائد تکبیرات کہہ کر قرأت شروع کر چکا تھا، تو یہ شخص تکبیر تحریمہ کہہ کر زائد تکبیرات کہے گا۔

وإن أدرکه بعد ما کبر الإمام الزوائد وشرع في القراءۃ فإنه یکبر تکبیرۃ الافتتاح ویأتي بالزوائد برأي نفسه لا برأي الإمام؛ لأنه مسبوق. (بدائع الصنائع زکریا ١/ ٦٢٢)

(۳) اور اگر امام کو رکوع میں پایا تو اگر امام کے ساتھ رکوع چھوٹ جانے کا اندیشہ نہ ہو تو ایسی صورت میں تکبیر تحریمہ کہہ کر کھڑے کھڑے زائد تکبیرات بھی کہے، پھر امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے۔

وإن أدرك الإمام في الركوع فإن لم يخف فوت الركوع مع الإمام يكبر للافتتاح قائماً ويأتي بالزوائد ثم يتابع الإمام في الركوع. (بدائع الصنائع زكريا ۶۲۲/۱، الفتاوىٰ التاتارخانية ۶۲۸/۲ رقم: ۳۵۵۹، ۶۱۸/۲ رقم: ۳۴۳۴)

(۴) اور اگر رکوع چھوٹ جانے کا خوف ہو تو تکبیر تحریمہ کہے اور رکوع کی تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا جائے، اور رکوع کی حالت میں ہی تکبیراتِ زوائد کہے، اور رکوع میں اگر زائد تکبیرات اور رکوع کی تسبیحات دونوں ادا کرسکتا ہو تو دونوں کو جمع کرے ورنہ تسبیحات کو چھوڑ کر صرف تکبیرات کہے گا۔

وإن خاف إن كبر يرفع الإمام رأسه من الركوع كبر للافتتاح وكبر للركوع وركع؛ لأنه لو لم يركع يفوته الركوع فتفوته الركعة بفوته فتبين أن التكبيرات أيضاً فاته فيصير بتحصيل التكبيرات مفوتا لها ولغيرها من أركان الركعة وهٰذا لا يجوز، ثم إذا ركع يكبر تكبيرات العيد في الركوع عند أبي حنيفةؒ ومحمد رحمهما اللّٰه تعالىٰ، ثم إن أمكنه الجمع بين التبكيرات والتسبيحات جمع بينهما وإن لم يمكنه الجمع بينهما، يأتي بالتكبيرات دون التسبيحات؛ لأن التكبيرات واجبة والتسبيحات سنة والاشتغال بالواجب أولىٰ. (بدائع الصنائع زكريا ۶۲۲/۱)

(۵) اور اگر رکوع میں تکبیرات پوری ہونے سے پہلے امام نے سر اٹھالیا تو جتنی تکبیرات باقی رہ گئی ہوں، وہ ساقط ہوجائیں گی۔

فإن رفع الإمام رأسه من الركوع قبل أن يتمها رفع رأسه؛ لأن متابعة الإمام واجبة وسقط عنه ما بقي من التكبيرات. (بدائع الصنائع زكريا ۶۲۲/۱، حلبي كبير أشرفي ۵۷۲، شامي زكريا ۵۶/۳) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۵/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

چند لوگوں کی نماز عید چھوٹ جائے تو کیا کرے؟

سوال (۱۲۲۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: **الف**:- کچھ لوگوں کی نماز عید چھوٹ گئی اب وہ ادا کرنی چاہتے ہیں تو عیدگاہ میں یا جس مسجد میں عید ہوتی ہو اس میں دوبارہ عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا کسی دوسری جگہ جہاں نماز نہ ہوتی ہو وہیں جا کر ادا کریں؟

ب: ان لوگوں میں ایسے لوگ تو ہیں جو عید کی نماز چھوٹی چھوٹی سورتوں سے پڑھا لیں گے مگر خطبہ ان کے بس کی بات نہیں، تو کیا عید کا خطبہ وہ امام یا شخص پڑھ دے جس نے نماز ادا کر لی ہے، اور خطبہ بھی پڑھ دیا ہے، یا سن لیا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو معتد بہ لوگ عید کی نماز سے رہ گئے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ کسی میدان، ہال یا اسی طرح مسجد میں نماز ادا کریں جہاں پہلے نماز نہ ہوئی ہے اور افضل یہ ہے کہ جو امامت کرے وہی خطبہ بھی دے، جو شخص پہلے خطبہ دے چکا ہے اس کا دوبارہ خطبہ پڑھنا درست نہ ہوگا، جیسے کہ دوسری مرتبہ ایک ہی شخص کا ایک ہی وقت میں اذان دینا درست نہیں ہوتا۔

المستفاد: ولو أمكنه الذهاب إلى إمام آخر فعل لأنها تؤدي بمصر واحد بمواضع كثيرة اتفاقاً. (درمختار کراچی ۱۷٦/۲، زکریا ۵۹/۳)

ولا ينبغي أن يصلي غير الخطيب لأنها كشئ واحد. (درمختار کراچی ۱٦۲/۲، زکریا ۳۹/۳)

يكره له أن يؤذن في مسجدين؛ لأنه إذا صلى في المسجد الأول يكون متنفلاً بالأذان في المسجد الثاني. (شامی ٤۰۰/۱ کراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۲/۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پرانے امام کو ہٹا کر نئے بدعتی امام کا عید کی نماز پڑھانا؟

سوال (۱۲۲۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ایک گاؤں میں تین مسجدیں ہیں، عید کی نماز عیدگاہ میں ہوتی ہے، ایک مسجد میں امام بدعتی ہے، ہمیشہ سے پرانی جامع مسجد کا امام عیدگاہ میں نماز پڑھاتا ہے، اب نئی مسجد بنی ہے جس میں بدعتی امام ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس مرتبہ ہمارا امام نماز پڑھائے گا، اب کیا اس کا حق ہے یا جامع مسجد کا امام ہی نماز پڑھائے، جب کہ محلّہ میں اس بات پر اختلاف بھی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو امام پہلے سے عید کی نماز پڑھاتا آرہا ہے، اسی کو عید کی نماز پڑھانے کا حق ہے، بلا کسی شرعی وجہ کے اسے تبدیل نہیں کیا جائے گا۔

سمعت أبا مسعود رضي اللّٰه عنه يقول عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : يؤم القوم أقرأهم لكتاب اللّٰه وأقرأهم قراءة، فإن كانت قراءتهم سواء فليؤمهم أقدمهم هجرة، فإن كانوا في الهجرة سواء فليؤمهم أكبرهم سنا. (رواه مسلم ٢٣٦/١ والنسائي ٢٦/١، والترمذي ٥٥/١)

الأولىٰ بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة. (الفتاوىٰ الهندية ٨٣/١، كذا في الدر المختار مع الشامي ٥٥٧/١ كراچی، النهر الفائق ٢٠٨/١، بدائع الصنائع للكاساني ٣٨٨/١ زكريا)

واعلم أن صاحب البيت ومثله الإمام الراتب أولى بالإمامة من غيره. (درمختار ٢٩٧/٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۱۰/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

صحیح العقیدہ مسلمانوں کا بدعتی امام کے پیچھے عید کی نماز پڑھنا؟

سوال (۱۲۲۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے شہر جلال پور ضلع فیض آباد میں صحیح العقیدہ مسلمانوں کی کثرت ہے، مگر زمانہ قدیم سے عیدگاہ کے امام اہل بدعت میں سے ہیں، عیدگاہ میں صحیح العقیدہ اور اہل بدعت دونوں ایک امام

کے پیچھے نماز ادا کرتے ہیں، کیا بدعتی امام کی اقتداء صحیح العقیدہ مسلمانوں کے لئے شرعاً درست ہے، ایسی پڑھی گئی نماز کا شرعی حکم کیا ہے؟ جب کہ امام عیدین کی قرأت مجہول بھی ہے، حالاں کہ شہر میں قراء موجود ہیں، کیا بر بنائے کثرت صحیح العقیدہ پر لازم ہوتا ہے کہ عیدگاہ میں اپنے امام کو کھڑا کریں اور اس صورت میں پیش آنے والی مخالفتوں اور موانعات کا مقابلہ کریں؟ اگر بر بناء فتنہ ایسا نہیں کیا جاسکتا تو کیا دوسری عیدگاہ بنائی جائے؟ دونوں صورتوں میں کونسی صورت اولیٰ ہے؟ آبادی کے اندر جامع مسجد میں معذورین کے لئے عیدین کی نماز ہوتی ہے، جس کا امام صحیح العقیدہ ہے، کیا عیدگاہ کے امام کا بدعتی ہونا یہ عذر بن سکتا ہے کہ صحیح العقیدہ مسلمان جامع مسجد میں اس کی وجہ سے عیدین کی نماز ادا کرلیں اور اگر عیدین کی نماز جامع مسجد میں پڑھی گئی تو اس سے عیدگاہ میں نماز کی ادائیگی کا اجر وثواب حاصل ہو جائے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اولاً کوشش کی جائے کہ موجودہ عیدگاہ میں صحیح العقیدہ شخص امامت کرے اور اگر ایسا نہ ہوسکے تو صحیح عقیدہ رکھنے والے حضرات آبادی کے باہر نئی عیدگاہ بھی تعمیر کرسکتے ہیں، اور جب تک اس کی تعمیر نہ ہو جامع مسجد میں صحیح عقیدہ اور عمل والے امام کے پیچھے نماز عید ادا کرسکتے ہیں، اور عیدگاہ کے امام کا بدعتی ہونا اور قرأت مجہول پڑھنا اس کے پیچھے ترک جماعت کے لئے معقول عذر بن سکتا ہے۔

المستفاد: أما في غير الجمعة من المکتوبات فهو بسبیل أن یتحول إلی مسجد اٰخر ولا یأثم بذلک؛ لأن قصده الصلاة خلف تقي. (الفتاویٰ الهندیة ۱/ ۹۲)

وتجوز إقامة صلاة العید في موضعین. (الفتاویٰ الهندیة ۱/ ۱۵۰)

الفاسق إذا کان یؤم و یعجز القوم عن منعه تکلموا: قال بعضهم في صلاة الجمعة یقتدیٰ به ولا یترک الجمعة بإمامته و أما في غیر الجمعة من المکتوبات لا بأس بأن یتحول إلی مسجد آخر، ولا یصلی خلفه، ولا یأثم

بذلک. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۲/ ۲۵۲ زکریا)

وقال أبو یوسف: لا تجوز الصلاة خلف المتکلم وإن تکلم بحق؛ لأنه بدعة، ولا تجوز الصلاة خلف المبتدع. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۲/ ۲۵۰ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۱۷/ ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عیدین میں دعا کب ہو؟

سوال (۱۲۲۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عیدین میں دعا نماز کے بعد کی جائے یا خطبہ کے بعد؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دعا نماز کے بعد کرنا اولیٰ ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۱/ ۶۰۲، احسن الفتاویٰ ۴/ ۱۲۵)

عن أنس بن مالک رضي اللّٰہ تعالیٰ عنه عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم أنه قال: ما من عبد بسط کفیه في دُبر کل صلاة، ثم یقول: اللّٰهم إلٰهي وإلٰه إبراهیم وإسحق ویعقوب وإلٰه جبرئیل ومیکائیل وإسرافیل علیهم السلام أسئلک أن تستجیب دعوتي فإني مضطر، وتعصمني في دیني فإني مبتلی، وتنالني برحمتک فإني مذنب، وتنفي عني الفقر فإني متمسک، إلا کان حقاً علی اللّٰہ عزوجل أن لا یرد یدیه خائبتین. (عمل الیوم واللیلة لابن السني رقم: ۱۳۸)

عن فضالة بن عبید رضي اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: إذا صلی أحدکم فلیبدأ بتحمید اللّٰہ والثناء علیه، ثم یصلي علی النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم ثم لیدع بما شاء. (عمل الیوم اللیلة رقم: ۱۱۳)

عن زید بن أرقم رضي اللّٰہ عنه قال: سمعت النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم

یدعو دبر الصلاة یقول: اللّٰهم ربنا ورب کل شيء. (رقم الحدیث ۱۱٤) (عمل الیوم واللیلة لابن السني، باب ما یقول في دبر صلاة الصبح ۱۰۲-۱۲۱ کراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۸/۳/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عیدین میں خطبہ کے بعد دعا مانگنا؟

سوال (۱۲۲۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اس کے بعد دعا مانگتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ خطبہ کے بعد مادری زبان میں خطبہ کا خلاصہ بیان کرنا کیسا ہے؟ نیز دعا کس وقت مانگی چاہئے، آیا نماز کے بعد فوراً یا خطبہ وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عیدین میں دعا نماز کے بعد ہونی چاہئے، خطبہ کے بعد باقاعدہ ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کا سلف سے ثبوت نہیں ہے۔

قالت أم عطیة: أمرنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أن نخرجهن في الفطر والأضحی والعواتق والحیض وذوات الخدور، فأما الحیض فیعتزلن الصلاة ویشهدن الخیر ودعوة المسلمین. (مسلم شریف ۲۹۰/۱)

إن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یتعوذ بهن دبر الصلاة: اللّٰهم إني أعوذ بک من الجبن وأعوذ بک من البخل وأعوذ بک من أرذل العمر وأعوذ بک من فتنة الدنیا وعذاب القبر. (ترمذي شریف ۱۹٦/۲)

فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: عجلت أیها المصلي إذا صلیت فاقعد فاحمد اللّٰہ بما هو أهله وصلی علي ثم ادعه. (ترمذی شریف ۱۸۵/۲، کتاب

المسائل ۲ ٤٤، فتاوی محمودیه ٤٦٥/٨) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۲/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خطبۂ عید کے بعد دعا کا کیا حکم ہے؟

سوال (۱۲۲۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عید کی نماز کے بعد خطبہ کے بعد دعا کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دیگر نمازوں کی طرح عیدین کی نماز کے بعد دعاء کرنا تو مشروع ہے؛ البتہ عیدین کے خطبہ کے بعد دعا مشروع نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی ثبوت ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم ۲۲۵/۵، احسن الفتاویٰ ۱۲۵/۴، فتاویٰ محمودیہ ۲۹۵/۲-۳۰۷/۲، فتاویٰ رحیمیہ ۷۵/۳)

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في دبر كل صلاة: اللّٰهم رب جبرئيل وميكائيل وإسرافيل أعذني من حر النار وعذاب القبر. (مجمع الزوائد ۱۱۰/۱۰) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۴/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عیدین کی نماز کے بعد دعا کرنا مسنون ہے خطبہ کے بعد نہیں

سوال (۱۲۳۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عیدین کی نماز کے بعد خطبہ پڑھا جاتا ہے اور نماز جمعہ میں پہلے پڑھا جاتا ہے جمعہ کے خطبہ کے بعد تو فوراً نماز ادا کی جاتی ہے اور تاخیر نہیں کی جاتی اور پھر نماز جمعہ کے بعد فوراً خطبہ پڑھا جاتا ہے، اگر نماز عید کے بعد دیر تک اجتماعی دعا مانگی جاتی ہے تو نماز عید الفطر اور خطبہ پندرہ بیس منٹ کا وقفہ ہوجاتا ہے اور بعض اوقات دعا اتنی لمبی ہوجاتی ہے کہ آدھا گھنٹہ کا بھی وقفہ ہوجاتا ہے، جب کہ

بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ بعد نماز عیدین کے اور بعد خطبہ عیدین کے دعاء مانگنا نبی اکرم ﷺ، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین سے منقول نہیں ہے؟ لہٰذا جو چیز منقول و مشروع نہیں ہے اس امر کی وجہ سے نماز اور خطبہ عیدین کے درمیان اتنی زیادہ تاخیر کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا، اگر ایسا کرلیں تو اچھا معلوم ہوتا ہے کہ نماز عید اور خطبہ عید تو مع الاتصال ادا کی جائے اور عیدین کے تمام امور سے فراغت کے بعد نمازی حضرات بیٹھ کر اجتماعی یا انفرادی دعا کرلیں، اب امام صاحب اور مقتدی حضرات چاہیں بیس منٹ کی دعا کرلیں یا آدھا گھنٹہ کی اجتماعی دعا کرلیں، ہمارے اطراف وعلاقہ میں کچھ جگہوں پر نماز عید کے فوراً بعد دعا کرتے ہیں اور کچھ جگہوں پر نماز عید کے خطبہ سے فراغت کے بعد سبھی نمازی اجتماعی دعا کر لیتے ہیں، آپ سے گذارش ہے کہ ہم کو بتائیں کہ نماز عید کے فوراً بعد دعا مانگیں اور پھر امام خطبہ پڑھے، یا نماز اور خطبہ کو مع الاتصال ادا کر کے پھر دعا مانگیں؟ جو قول بہتر ہو تحریر فرمادیں؟ یا دونوں درست ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عیدین میں خطبہ کے اخیر میں دعائیہ کلمات موجود ہیں؛ لہٰذا خطبہ ختم کرنے کے بعد الگ سے دعا کرنا بے ضرورت ہے اور دورِ نبوت یا دورِ صحابہ اور سلفِ صالحین سے ثابت نہیں ہے، اور عید کی نماز کے بعد مختصر دعا کا معمول امت میں رہا ہے اور دعاؤں کے قبول ہونے کے اوقات میں نمازوں کے بعد کا وقت بھی شامل ہے، اس اعتبار سے عید کی نماز کے بعد ہی دعا کرنی چاہئے اور خطبہ کے بعد الگ سے دعا نہیں کرنی چاہئے؛ البتہ نماز کے بعد اتنی لمبی دعا نہ ہو کہ لوگ اکتانے لگیں اور نماز اور خطبہ میں لمبا وقفہ ہوجائے؛ بلکہ زیادہ سے زیادہ پانچ چھ منٹ کی دعا کافی ہے۔

قالت حفصة: فلما قدمت أم عطية رضي الله تعالىٰ عنها أتيتها فسألتها أسمعت في كذا، وكذا فقالت نعم – إلى قولها – قالت: لتخرج العواتق، وذوات الخدور ...... والحيض فيعتزلن الحيض المصلى ويشهدن الخير ودعوة

المسلمين. (بخاری شریف ۱/ ۱۳٤)

ونحوه في الصحيح للامام مسلم رقم الحديث ۱۲، كتاب صلاة العيدين

عن أبي أمامة قال: قيل لرسول اللّٰه أي الدعاء أسمع؟ قال جوف الليل الأخير ودبر الصلوات المكتوبة. (ترمذی شریف ۱۷۸/۲)

عن معاذ رضي اللّٰه عنه قال: لقيت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فقال لي يا معاذ! إني أحبک فلا تدع أن تقول في دبر كل صلاة ''اللّٰهم أعني على ذكرک وشكرک وحسن عبادتک''. (عمل اليوم والليلة ۱۱٦، مستفاد فتاویٰ دار العلوم ۱۹۰/۵، امداد الفتاویٰ ۶۰٤/۱، عزیز الفتاویٰ ۳۰۷/۱، فتاویٰ محمودیہ ٤۵۹/۸، فتاویٰ عثمانی ۵۵۲/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۴/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ وعیدین میں دعا سراً کریں یا جہراً؟

سوال (۱۲۳۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جمعہ اور عیدین کی نماز میں امام صاحب دعا سراً کریں یا جہراً کریں؟ جبکہ فتاوی بزازیہ ۴۲/۴ پر لکھا ہے کہ امام مقتدیوں کو سکھانے کے لئے جہراً دعا کرے اور جب مقتدی سیکھ جائیں تو دونوں آہستہ دعا کریں، اگر زور سے دعا کریں گے تو بدعت ہوگا؟ اس مسئلہ کی مکمل وضاحت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: افضل یہی ہے کہ نمازوں کے بعد سری دعاؤں کا معمول بنائیں؛ لیکن اگر مقتدیوں کی تعلیم کیلئے جہری دعا کریں تو یہ بھی جائز ہے، لیکن اس کو ضروری نہ سمجھا جائے، اگر ضروری سمجھیں گے تو بدعت ہوگا، جیسا کہ آپ کے ذکر کردہ فتاویٰ بزازیہ کے جزئیہ سے معلوم ہوتا ہے۔

فإن أراد أن يذكر اللّٰه تعالى يذكره في نفسه، لقوله تعالى: إنه لايحب المعتدين أي الجاهرين بالدعاء. (شامی زکریا ۳/۱۳۸)

وعن أبي موسٰى الأشعری رضی اللہ عنه قال كنا مع النبي صلى اللہ عليه وسلم في سفر، فجعل الناس يجهرون بالتكبير، وقال النبي صلى اللہ عليه وسلم: أيها الناس! إربعوا على أنفسكم إنكم ليس تدعون أصم ولا غائبا إنكم تدعون سميعا قريبا وهو معكم. (صحيح مسلم كتاب الذكر و الدعاء رقم: ٢٧٠٤)

قال الشيخ محمد تقي العثماني: ودل الحديث على استحباب الاسرا والمخافتة بالذكر والدعاء، وهو موافق لقوله تبارک وتعالى: ادعوا ربكم تضرعا وخفية. (صحيح مسلم مع تكملة فتح الملهم ٥/ ٥٦٥، ٥٦٦)

فان كا بعدها أى بعد المكتوبة تطوع يقوم إلى التطوع بلا فصل الا مقدار ما يقول اللهم انت السلام ومنک السلام تبارکت یاذا الجلال والاکرام فاذا قام الإمام إلى التطوع لايتطوع فى مكانه بل يتقدم أويتاخر أو ينحرف يميناً وشمالاً كما فى أبوداؤد والترمذي عن المغيرة بن شعبة أنه عليه السلام قال: لايصلى الإمام فى الموضع الذي يصلى فيه حتى يتحول أويذهب إلى بيته فيتطوع ثمه لأنه عليه السلام إنما كان يصلى السنن فى بيته. (ملخصاً من كبيری/ ۳۳۱- ۳۳۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۲/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ وعیدین میں کبھی کبھی جہراً دعا جائز ہے

سوال (۱۲۳۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام صاحب جمعہ میں اور عیدین میں دعا سری کریں یا جہری؟ اگر سری کرنے کا حکم ہے، اور

امام جہری کریں تو اس عمل کو شریعت میں کیا کہیں گے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہتر تو یہی ہے کہ سری دعاء کی جائے؛ لیکن اگر کبھی کبھار بڑے مجمع میں جہری دعاء کرادی جائے تو اسے بدعت نہیں کہا جائے گا۔ (مستفاد: معارف القرآن ۱/۳۹۵، فتاوی محمودیہ ۳/۱۷۲، فتاوی رحیمیہ ۱/۱۸۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۲/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عیدین کے بعد عیدگاہ میں مصافحہ ومعانقہ کرنا؟

سوال (۱۲۳۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عید کے دن عیدگاہ میں نماز کے بعد مصافحہ ومعانقہ کرنے کا کیا مسئلہ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عید کے دن محض نمازِ عید یا عید کا دن ہونے کی بنیاد پر مصافحہ ومعانقہ بے اصل ہے؛ البتہ اگر اسی دن کسی شخص سے لمبی مدت کے بعد ملاقات ہو تو مصافحہ اور معانقہ میں کوئی حرج نہیں۔ خلاصہ یہ کہ عید کے دن کو معانقہ کی بنیاد بنانا صحیح نہیں؛ البتہ عید کے دن سے قطع نظر کرتے ہوئے محض ملاقات کے وقت مصافحہ ومعانقہ کرنے میں کوئی شرعی رکاوٹ نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ۳/۲۵۴، فتاویٰ رحیمیہ ۳/۱۷)

عن رجل من عنزة أنه قال: قلت لأبي ذر: هل كان رسول اللّٰه يصافحكم إذا لقيتموه قال: ما لقيته قط إلا صافحني وبعث إلى ذات يوم ولم أكن في أهلي، فلما جئت أخبرت فأتيته وهو على سرير فالتزمني فكانت أجود و أجود. (سنن أبي داؤد رقم: ٥٢١٤، مرقاة ٨/٤٩٩ رقم: ٤٦٨٣ بيروت)

عن جعفر بن أبي طالب في قصة رجوعة من أرض الحبشة، قال: فأتينا

الـمـدينة فتلقاني رسول اللّٰه فأعتنقني. (أخـرجه الإمام البغوي في شرح السنة ۲۹۰/۱۲ رقم: ٥۲۲٥، مرقاة المفاتيح ٥۰۳/۸ رقم: ٤٦۸۷ دار الكتب العلمية بيروت)

فإن محل المصافحة المشروعة أول الملاقاة، وقد يكون جماعةٌ يتلاقون مـن غيـر مصافحة، ويتصاحبون الكلام ومذاكرة العلم وغيره مدة مديدة، ثم إذا صـلـوا يتـصـافـحون فأين هٰذا من السنة المشروعة؟ ولهٰذا صرح بعض علماء نا بـأنهـا مكروهة حينئذ، وأنها من البدع المذمومة. (مـرقـاة المفاتيح / كتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة ٤٩٤/۸، دار الكتب العلمية بيروت كذا في الرد المحتار للشامي ٥٤۷/۹ زكريا)

وفـي رد الـمـحـتـار: تـكـره الـمـصافحة بعد أداء الصلاة بكل حال؛ لأن الـصحابة رضي اللّٰه عنهم ما صافحوا بعد أداء الصلاة ولأنها من سنن الروافض. ثـم نـقل عن ابن حجر رحمه اللّٰه تعالىٰ عن الشافعية أنها بدعة مكروهة، لا أصل لها في الشرع. (شامي كتاب الحضر والإباحة / باب الاستبراء ۳۸۱/٦ كراچي، ٥٤۷/۹ زكريا)

وأمـا فى غير حال الملاقاة مثل كونها عقيب صلاة الجمعة والعيدين كما هـو الـعادة فى زماننا فالحديث ساكت عنه فيبقى بلا دليل، وقد تقرر فى موضعه إن ما لا دليل عليه فهو مردود. (مجالس الأبرار ۲۹۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۴/۱۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عید کے دن فجر کے بعد نماز عید سے قبل سنن ونوافل کا حکم؟

سـوال (۱۲۳۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عید کے دن فجر کے بعد اور عید کی نماز سے پہلے کوئی سنت یا نفل پڑھنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عید کے دن فجر کے بعد اور عید کی نماز سے پہلے خواہ گھر میں ہو یا عیدگاہ میں، نفل نماز پڑھنا ممنوع اور مکروہ ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۲۷۳/۱، بہشتی زیور ۸۵/۱۱، امداد

المفتیین ۴۰۶، ایضاح المسائل ۳۲)

عـن أبـي سـعيـد الخدري رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰـه عليه وسلم لا يصلى قبل العيد شيئاً فإذا رجع إلى منزله صلى ركعتين. (رواه ابن ماجة ۱/۱ ۲۰) **وفي الزوائد هٰذا إسناد جيد حسن قاله السندي. وفي فتح الباري ۳۹٦/۲ بعـد نقله ما لفظه بإسناد حسن، وقد صححه الحاكم.** (إعلاء السنن / كراهة النافلة في العيدين قبل الصلاة مطلقاً وبعدها في المصلى خاصة ۱۲۱/۸ بيروت)

عـن ابـن عبـاس رضـي الـلّٰـه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم خرج يوم الفطر فصلى ركعتين ثم لم يصل قبلها ولا بعدها. (ترمذی شریف ۱۲۰/۱)

ولايتـنـفـل قبـلـهـا مـطـلقاً أي سواء كان في المصلى اتفاقاً أو في البيت فى الأصح وسواءٌ كان ممن يصلى العيد أو لا حتى أن المرأة إذا أرادت صلاة الضحى يوم العيد تصليها بعد ما يصلى الإمام فى الجبانة. (شامی زکریا ۵۰/۳، امداد المفتیین ۴۰۷، البحر الرائق ۱٦۰/۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۴/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جن دیہاتوں میں نماز عید واجب نہیں وہاں کی عورتوں کا اشراق وچاشت کے نفل پڑھنا؟

سوال (۱۲۳۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جن دیہات میں نماز عید واجب نہیں ہے، کیا ان دیہات میں مرد وعورتیں اپنے اپنے وقت پر گھر یا مسجد میں اشراق، چاشت وغیرہ نفلیں پڑھ سکتے ہیں، جب کہ مرد شہر میں عید کی نماز پڑھنے چلے جاتے ہیں، اور اپنے گھر یا مسجد میں نماز اشراق پڑھ کر جاتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس بارے میں کوئی صریح جزئیہ نہیں ملا؛ لیکن شروحات حدیث سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ یہ ممانعت صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو عید کی نماز پڑھنے والے یا پڑھنے کا ارادہ رکھنے والے ہیں؛ لہٰذا دیہات کی عورتوں کے لئے اس وقت نفل نماز پڑھنا ممنوع نہ ہوگا؛ البتہ جو مرد دوسری بستی میں جاکر عید کی نماز پڑھنے کا ارادہ رکھتے ہیں ان کو بہرحال عید سے پہلے نفلیں پڑھنے سے احتراز کرنا چاہئے۔

ولأن المبادرة إلى صلاة العيد مسنونة ، وفي الاشتغال بالتطوع تاخيرها ...... وعامة أصحابنا على أنه لايتطوع قبل صلاة العيد لا فى المصلى، ولا فى البيت، فأول الصلاة في هذا اليوم صلاة العيد. (أوجز المسالك ٣/ ٤٢٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۳؍۱۰؍۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نمازِ عیدین کے بعد نفل پڑھنا؟

سوال (۱۲۳۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نمازِ عیدین کے بعد مسجد میں نفل نماز ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کب تک نہیں ادا کرسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نمازِ عیدین کے بعد زوال تک عیدگاہ میں نوافل پڑھنا مکروہ ہے؛ البتہ اگر کوئی نمازِ عید کے بعد اپنے گھر میں آکر دو چار رکعت نفل پڑھے، تو اس کی اجازت ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴؍۱۳۰)

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لا يصلى قبل العيد شيئاً فإذا رجع إلى منزله صلى ركعتين. (رواه ابن ماجة ١/ ٢٠١) **وفي الزوائد هٰذا إسناد جيد حسن قاله السندي.** (إعلاء السنن /

كراهة النافلة في العيدين قبل الصلاة مطلقاً وبعدها في المصلى خاصة ۱۲۱/۸ بيروت)

أخرج الطبراني عن إبراهيم أن ابن مسعود كان لا يصلي قبلها، ويصلي بعدها أربع ركعات. (المعجم الكبير للطبراني ۳۰٦/۹ رقم: ۹٥۲۸)

وكذا لا يتنفل بعدها في مصلاها؛ فإنه مكروه عند العامة وإن تنفل بعدها في البيت جاز؛ بل يندب تنفل بأربع. (درمختار مع الشامي ۱/۳ ٥-٥۲ زكريا)

قال محمد في الأصل: وليس قبل العيدين صلاة، يريد أنه لا يتطوع قبل صلاة العيدين. (الفتاویٰ التاتارخانية / صلاة العيدين ٦۲۲/۲ رقم: ۳٤٤۹ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۲/۱۲/۲۳ھ

عید کے موقع پر ایک دوسرے کے گھر جانا؟

سوال (۱۲۳۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل رائج ہے کہ دیہاتوں میں عید کے موقع پر لوگ ایک دوسرے کے گھر ملنے جاتے ہیں اور شیرینی وغیرہ کھاتے ہیں، یہ درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ امور عبادت سمجھ کر انجام نہیں دئے جاتے؛ لہٰذا ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن جابر رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا دعي أحدكم إلى طعام فليجب، فإن شاء طعم وإن شاء ترك. (صحيح مسلم، النكاح / باب الأمر بإجابة الداعي إلى دعوة رقم: ۱٤۳۰)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: حق المسلم على المسلم ست، قيل: ما هن يا رسول اللّٰه؟ قال: إذا لقيته فسلم

عليه، وإذا دعاك فأجبه. (سنن النسائي رقم: ١٥٢٥، صحيح مسلم رقم: ١٩٣٨)

عن جبير بن نفير قال: كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا التقوا يوم العيد يقول بعضهم لبعض: تقبل الله منا ومنك. (رويناه في المحليات بإسناد حسن، قاله الحافظ بن حجر في فتح الباري ٢/ ٣٧١، كذا في الجوهر النقي عن محمد بن زياد، قال أحمد بن حنبل: إسناده جيد، الجوهر النقي ١/ ٢٥٣، بحواله إعلاء السنن ٨/ ١٢٠ باب جواز التهنئة بالعيد دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۳/۸/۴ھ

عیدین کے موقع پر کھانے کے لئے چیزیں اور روپیہ وغیرہ دینا؟

سوال (۱۲۳۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا عیدین کے موقع پر خوشی کے اظہار کے لئے اپنے عزیز وا قارب، دوست واحباب اور ملنے جلنے والوں کو کھانے کی اشیاء روپیہ، پیسہ کپڑے وغیرہ لینا دینا جائز ہے؟ مہربانی فرما کر ان سوالوں کے جواب مفصل مدلل تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عید کے دن اظہار مسرت، مبارک باد اور بلا کسی التزام وجبر کے بخوشی عیدی وغیرہ لینے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تهادوا تحابوا. (مسند أبويعلى الموصلي ٥/ ٣٦٢ رقم: ٦١٢٢، السنن الكبرىٰ / باب التحريض على الهبة ٩/ ١٥٤ رقم: ١٢١٦٨)

عن جبير بن نفير قال: كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا التقوا يوم العيد يقول بعضهم لبعض: تقبل الله منا ومنك. (رويناه في المحليات

بـإسـنـاد حسـن، قاله الحافظ بن حجر في فتح الباري ٢ / ٣٧١، كذا في الجوهر النقى عن محمد بن زياد، قـال أحـمد بن حنبل: إسناده جيد، الجوهر النقى ١/ ٢٥٣، بحواله إعلاء السنن ٨/ ١٢٠ باب جواز التهنئة بالعيد دار الكتب العلمية بيروت)

والتهنيئة به تقبل اللّٰه منا ومنكم لا تنكر. (درمختار ٣/ ٤٩) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۸/۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خطبۂ عیدین

عیدین کا خطبہ امام کے سوا دوسرے سے پڑھوانا؟

سوال (۱۲۳۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض مرتبہ عیدگاہ پر عید کی نماز ہو جاتی ہے کچھ لوگ رہ جاتے ہیں، وہ عید کی نماز مسجد میں پڑھ لیتے ہیں، نماز پڑھانے والا تو مل جاتا ہے، مگر نماز عید کے بعد جو خطبہ پڑھا جاتا ہے خطبہ پڑھنے والا نہیں ملتا، کیا عیدگاہ کے امام صاحب یا کوئی بھی وہ آدمی جو نماز عید پڑھ چکا ہو، مسجد میں نماز عید کے بعد خطبہ پڑھ سکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عید کا خطبہ امام عید کے علاوہ دوسرے شخص کے پڑھنے سے متعلق کوئی صریح جزئیہ نظر سے نہیں گذرا؛ لیکن فقہاء نے جمعہ میں دوسرے شخص کے خطبہ پڑھنے کی اجازت لکھی ہے، اسی سے عیدین میں بھی اجازت کا حکم نکلتا ہے، خاص کر اس لئے بھی کہ جمعہ میں خطبہ واجب ہے اور عید میں مسنون، جب واجب میں دوسرے شخص کی گنجائش ہے تو مسنون میں بدرجۂ اولی ہونی چاہئے۔ بریں بنا مسئولہ صورت میں جب کہ کوئی اور خطبہ پڑھنے والا موجود نہ ہو تو وہ شخص بھی خطبہ پڑھ سکتا ہے جو پہلے اپنی نماز عید ادا کر چکا ہو یا نماز عید پڑھا چکا ہو۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۴/۱۲۸)

وقد علم من تفاريعهم أنه لا يشترط في الإمام أن يكون هو الخطيب.

(شامی زکریا ۳/۱۹)

ويشترط للعيد ما يشترط للجمعة إلا الخطبة ...... فإنها سنة بعد الصلاة، وتجوز الصلاة بدونها. (الفتاویٰ الهندية ۱/۱۵۰، هكذا في حاشية الطحطاوي ۵۲۸) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۶/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عیدالاضحیٰ کے خطبہ میں غلطی سے عیدالفطر کا خطبہ پڑھ دیا؟

سوال (۱۲۴۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عیدالاضحیٰ کے خطبہ میں اگر غلطی سے عیدالفطر کا خطبہ پڑھ دیا تو کیا اس میں کوئی مضائقہ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر غلطی سے عیدالفطر کا خطبہ پڑھ دیا گیا تو بھی خطبہ صحیح ہوگیا، آئندہ خیال رکھا جائے کہ ایسی غلطی نہ ہو۔

ويخطب بعدها خطبتين...... ويبدأ بالتكبيرات في خطبة العيدين، ويستحب أن يستفتح الأولى بتسع تكبيرات تترى، والثانية بسبع. (البحر الرائق / كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين ۲۸۳/۲ رشيدية)

يخطب بعدها خطبتين وهما سنة...... ويبدأ بالتكبير في خمس خطبة العيدين...... ويستحب أن يستفتح الأوليٰ بتسع تكبيرات تترى أي متتابعات والثانية بسبع هو السنة. (الدر المختار / كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين ۱۷۵/۲ كراچی)

قوله: فإنها سنة بعدها...... حتى لو لم يخطب أصلاً صحّ وأساء لترك السنة. (البحر الرائق / كتاب الصلاة، باب العيدين ۱٦٦/۲ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۱/۱۱/۲۹ھ

خطبۂ عیدین سننے کا کیا حکم ہے؟

سوال (۱۲۴۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عیدین کا خطبہ سننے کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عیدین کا خطبہ سننا واجب ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴۵٦/۸ ڈابھیل)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من قال يوم الجمعة والإمام يخطب: أنصت فقد لغا. (جامع الترمذي / أبواب الجمعة، باب ما جاء في كراهية الكلام والإمام يخطب ١١٤/١)

بل يجب عليه أن يستمع ويسكت وكذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة نكاح وخطبة عيد وختم على المعتمد. (درمختار زكريا ٣٥/٣-٣٦، كراچی ١٥٩/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۱/۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خطبۂ عیدین کے دوران بات کرنا چلنا پھرنا وغیرہ

سوال (۱۲۴۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عیدین کے خطبہ کے درمیان بات کرنا، چلنا پھرنا، دورانِ خطبہ امام کونذرانہ دینا یا ایسا کوئی فعل جو خطبہ کی سماعت سے غافل کرے، کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عیدین کے خطبہ کے درمیان کوئی بھی ایسا عمل جس سے خطبہ سننے میں خلل ہو درست نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴۵۶/۸ ڈابھیل)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا قلتَ لصاحبك يوم الجمعة أنصت، والإمام يخطب فقد لغوت. (صحيح البخاري ١٢٧/١-١٢٨)

وكل ما حرم في الصلوٰة حرم فيها أي في الخطبة، فيحرم أكل وشرب وكلام ولو تسبيحاً أو رد سلام أو أمر بمعروف؛ بل يجب عليه أن يستمع ويسكت. (درمختار) ظاهره أنه يكره الاشتغال بما يفوت السماع وإن لم يكن كلاماً. (شامي ٣٥/٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۱/۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خطبۂ عید کے دوران مادری زبان میں خلاصہ بیان کرنا؟

سوال (۱۲۴۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں آسام میں امام صاحب عید کی نماز پڑھ کرفوراً خطبہ پڑھتے ہیں، اور چونکہ اکثر وبیشتر بلکہ ۹۹ پرسینٹ عربی سے ناواقف ہے؛ اس لئے امام صاحب خطبہ کے اندر علاقائی زبان میں خطبہ کا خلاصہ بیان کرتے ہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عید کے عربی خطبہ کے ساتھ ملاکر اردو زبان میں خطبہ دینا مکروہ ہے، اگر اردو یا علاقائی زبان میں وعظ کی ضرورت ہوتو عید کی نماز سے پہلے وعظ کرلیا جائے، جیسا کہ بہت سے علاقوں میں معمول ہے۔

ولا شک في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلی اللّٰه علیه وسلم، ومن الصحابة فیکون مکروهاً تحریماً. (عمدة الرعایة علی هامش شرح الوقایة ۱/ ۲۰۰) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۲/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سجدۂ تلاوت کے مسائل

سجدۂ تلاوت کا مقصد

سوال (۱۲۴۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سجدۂ تلاوت قرآنِ کریم میں ہے اس کے پیچھے کیا مقصد ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آیاتِ سجدہ کے مضامین میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض آیات میں سجدہ گزار مؤمنوں کی تعریف کی گئی ہے، کہیں فرشتوں کے سجدہ کا بیان ہے کہیں کفار کے سجدہ سے اعراض کا ذکر ہے، اور بعض جگہ صراحۃً سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا ان آیات کی قرأت کے وقت سجدہ کرنے کا حکم عین تعبد اور قرین قیاس ہے۔

علاوہ ازیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آدمی آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا بھاگتا ہے اور افسوس کرتا ہے کہ انسان کو سجدہ کا حکم بجالا کر مکرم بنادیا گیا اور میں سجدہ نہ کر کے محروم رہ گیا۔ (مستفاد: معارف القرآن ۴؍۱۷۰)

عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا قرأ ابن آدم السجدة فسجد اعتزل الشيطان يبكي يقول: يا ويلک وفي رواية يا ويلي، أمر ابن أدم بالسجود فسجد فله الجنة و أمرت بالسجود فأبيت فلي النار. (صحيح مسلم، الإيمان / باب بيان إطلاق إسم الكفر على من ترك الصلاة ۱/ ۶۱ رقم ۸۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۱۱/۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں آیتِ سجدہ تلاوت کرکے سجدہ کرنا بھول گیا

سوال (۱۲۴۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۂ سجدہ تلاوت کی، پہلی رکعت میں پوری سورت پڑھ دی؛ لیکن سجدۂ تلاوت نہیں کیا اور رکوع میں چلا گیا، بعد ازاں پیچھے سے مقتدیوں نے عدم سجودِ تلاوت کا لقمہ دیا، جس سے امام رکوع سے کھڑا ہوگیا، اور دوبارہ آیت سجدہ کی قرأت شروع کردی، اور جب آیت سجدہ آئی تو سجدۂ تلاوت کیا یا نہیں کیا، اب اس میں تین امور ہیں: **الف**: رکوع فرض سے سجدۂ تلاوت کے لئے کھڑا ہوا اور لوٹا۔ **ب**: سورت کو دوبارہ پڑھا۔ **ج**: سہو کا سجدہ کیا یا نہیں کیا دونوں صورتوں کا الگ الگ حکم واضح فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں امام کو دوبارہ قیام کرکے سورت پڑھنے کی ضرورت نہ تھی؛ بلکہ جیسے ہی سجدۂ تلاوت یاد آیا تھا، فوراً سجدہ کرکے اپنی ہیئت پر لوٹ آنا چاہئے تھا، اور اخیر میں سجدۂ سہو کرلینا چاہئے تھا۔

عن إبراهيم قال: إذا نسي الرجل سجدة من الصلاة فليسجدها متى ما ذكرها في صلاته. (المصنف لابن أبي شيبة ۳/۴۲۸ رقم: ۴۴۳۲ المجلس العلمي)

عن الحسن في رجل نسي سجدة من أول صلاته فلم يذكرها حتى كان في آخر ركعة من صلاته قال: يسجد فيها ثلاث سجدات. (المصنف لابن أبي شيبة ۳/۴۲۷ رقم: ۴۴۳۱ المجلس العلمي)

قال الشامي: أما لو سهواً وتذكرها ولو بعد السلام قبل أن يفعل منافياً يأتي بها ويسجد للسهو كما قدمناه. (شامی کراچی ۲/ ۱۱۰، شامی زکریا ۲/ ۵۸۵)

وقال في الهندية: المصلي إذا نسي سجدة التلاوة في موضعها ثم ذكرها في الركوع أو في السجود أو في القعود فإنه يخر له ساجداً ثم يعود إلى ما كان

فيه ويعيده استحسانا. (عالمگیری ۱۳٤/۱، الفتاویٰ التاتارخانية ۳۹٤/۲ رقم: ۲۷۷۰ زکریا)

لیکن جب کہ امام نے ایسا نہیں کیا؛ بلکہ دوبارہ کھڑے ہوکر سورت اور سجدہ کی آیت پڑھی تو یہاں دو موجبات سجدۂ سہو پائے گئے اور سجدہ سہو واجب ہوگیا اور پہلا رکوع اس قیام کی وجہ سے باطل نہیں ہوا، یعنی فرض اس سے ادا ہوگیا، اور دوسرا رکوع نفل ٹھہرا، اب جو لوگ شروع سے نماز میں شریک تھے اور انہوں نے دونوں رکوع امام کے ساتھ ادا کئے ہیں تو سجدۂ سہو کی ادائیگی کے بعد ان سب کی نماز صحیح ہوجائے گی، اور سجدۂ سہو اگر نہیں کیا تو سب کی نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: سجدتا السهو تجزيان من كل زيادة و نقصان. (السنن الكبرىٰ ۳۰٤/۳ رقم: ۳۹٦۷)

وأما إذا عاد لقراءة سورة أخرى فلا يرتفض ركوعه كما قدمناه لأنه وقع بعد قراءة تامة فكان في موقعه وكان عوده إلى القنوت بل أولىٰ، والله أعلم.

(شامی ۸۱/۲ کراچی، شامی ٥٤/۲ ٤ زکریا)

وإن عاد وقنت لا يركع ثانياً وإن ركع والقوم تابعوه في الأول والثاني لا تفسد. (بزازية ٥١/٤)

البتہ اگر کوئی شخص صرف دوسرے رکوع میں امام کے ساتھ شریک رہا ہو تو اس کی نماز بہرحال فاسد ہوجائے گی؛ کیوں کہ وہاں اقتداء المفترض خلف المتنفل کا محظور لازم آئے گا۔

وتابعه في الركوع الثاني فسد لأنه اقتداء مفترض بمتنفل في الركوع الثاني. (بزازية ٥١/٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۰/۵/۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں تلاوت کرکے سجدہ کرنا بھول گیا؟

سوال (۱۲۴۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: اگر نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی لیکن سجدہ کرنا بھول گیا تو اس نماز اور سجدۂ تلاوت کا کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو آیت سجدہ نماز میں تلاوت کی جائے پھر بروقت سجدہ نہیں کیا تو اگر سلام پھیرنے سے پہلے پہلے یاد آجائے تو سجدہ تلاوت ادا کرلے پھر سجدہ سہو کرکے سلام پھیر دے، اور اگر بالکل بھول گیا اور نماز سے فراغت کے بعد یاد آیا تو نماز درست ہو گئی اور یہ سجدہ تلاوت نماز کے بعد نہیں کیا جائے گا بس توبہ واستغفار کافی ہے۔

أما لو سهواً و تذكرها ولو بعد السلام قبل أن يفعل منافيا يأتي بها ويسجد للسهو...... وإذا لم يسجد أثم فتلزمه التوبة...... وقال في شرح المنية وكل سجدة وجبت في الصلاة ولم تؤد فيها سقطت أى لم يبق السجود لها مشروعا لفوات محله. (در مختار مع الشامی ۲/۵۸۵ زکریا)

وفى الذخيرة: صلى و سلم ثم تذكر أن عليه سجدة تلاوة فعليه أن يعود و يسجد، وفى القدورى: كل سجدة وجبت عليه فى الصلاة بتلاوة ثم خرج قبل أن يسجد سقطت عنه. (الفتاویٰ التاتارخانیہ ۲/۴۶۸ رقم ۳۰۲۴ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۲/۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیسٹ پر آیتِ سجدہ سننا؟

سوال (۱۲۴۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیسٹ میں آیات سجدہ ہیں، اگر کیسٹ کے ذریعہ آیاتِ سجدہ سنیں تو سجدہ کرنا واجب ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کیسٹ سے آیتِ سجدہ سننے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا؛ کیوں کہ سجدہ کے وجوب کے لئے قاری یعنی تلاوت کرنے والے میں وجوبِ سجدہ کی

اہلیت پائی جانا ضروری ہے جو کیسٹ میں نہیں پائی جاتی، یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی پرندے کو آیتِ سجدہ رٹا دی جائے، پھر وہ اس کا تلفظ کرے تو سننے والے پر سجدہ واجب نہ ہوگا۔ (مستفاد: جواہر الفقہ ۴/۴۷)

عن ابن عمرؓ قال انما السجدة على من سمعها. (المصنف لابن ابي شيبه ۳/۳۹۰ رقم: ٤٢٥٢)

لكن ذكر شيخ الإسلام أنه لايجب بالسماع من مجنون أو نائم أو طير؛ لأن السبب سماع تلاوة صحيحة. (شامی کراچی ۲/۱۰۷، زکریا ۲/۵۸۱، فتاوی تاتار خانیه ۲/٤٦٢ رقم: ۳۰۰۲ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۲/۵/۵ھ

آیت سجدہ کو حروفِ تہجی کی طرح پڑھنا؟

سوال (۱۲۴۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قرآن کریم میں سجدہ کی آیت کو تہجی کے طریقے سے پڑھنے پر سجدہ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آیت سجدہ کو حروف تہجی کی طرح الگ الگ کر کے پڑھنے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوگا۔

ولا بالتهجي؛ لأنه لا يقال قرأ القرآن، وإنما قرأ الهجاء. (شامی ۲/۵۸۱ زکریا، فتاوی تاتار خانیه زکریا ۲/٤٦۲ رقم: ۳۰۰۵) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۷/۶/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تراویح میں سجدۂ تلاوت سے دوتین آیتیں پہلے سجدہ کرلینا؟

سوال (۱۲۴۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز تراویح میں سجدۂ تلاوت سے دوتین آیتیں پہلے اگر کوئی شخص سجدۂ تلاوت ادا کرلے،

پھر آیت سجدہ پر بھی سجدۂ تلاوت کرلے، اور اخیر میں سجدۂ سہو نہ کرے، تو اس صورت میں نماز کا اعادہ ہوگا یا نہیں؟ اگر ہوگا تو کیا ان دو رکعتوں میں پڑھے ہوئے قرآنِ پاک کا بھی اعادہ ہوگا؟ اور یہ اعادۂ صلوٰۃ وقت کے اندر ہی کیا جائے گا یا انفرادی طور پر ادا کرتے ہیں، تو اس صورت میں مقتدی حضرات کا قرآن پاک پورا نہ ہوگا، اور اگر جماعت کے ساتھ اعادہ کرتے ہیں تو رکعتیں بائیس ہوتی ہیں، مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں ایک سجدہ زائد ہوگیا؛ لہٰذا سجدۂ سہو واجب تھا، اور سجدۂ سہو نہ کرنے کی وجہ سے یہ نماز واجب الاعادہ ہے، اور وقت گذرنے کے بعد بھی واجب الاعادہ رہے گی، جو قرآنِ پاک ان دو رکعتوں میں پڑھا گیا ہے، وہ کسی اور دن تراویح میں دوہرالیا جائے، اور جب یہ واجب الاعادہ نماز دہرائیں تو کوئی اور سورت پڑھ لیں؛ تاکہ اشکال نہ رہے۔

عن عطاء قال: إن شككت في السجود فلا تعد واسجد سجدتي السهو، وإن استيقنت أن قد سجدت في ركعة ثلاث سجدات فلا تعد واسجد سجدتي السهو. (المصنف لعبد الرزاق ۳۱۹/۲ رقم: ۳۵۲٤)

أو كرر ركناً أو قدم الركن أو أخره. (عالمگیری ۱۲۷/۱، الفتاوی التاتارخانية ۳۸۸/۲ رقم: ۲۷۵۲ زکریا)

وكذا تقديم الركوع على السجود حتى لو سجد ثم ركع فإن سجد ثانياً صحت لما قلنا. (شامی ٤۵۰/۱ کراچی، شامی ۱۳۸/۲ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۹/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

آیت سجدۂ تلاوت کرکے رکوع یا سجدہ میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرنا؟

سوال (۱۲۵۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ سجدۂ تلاوت کی آیت اگر نماز میں آجاوے اور فوراً رکوع میں چلی جاوے اور رکوع میں یہ نیت کرے کہ میں سجدۂ تلاوت کی طرف سے یہی رکوع کرتی ہوں، تب بھی سجدہ ادا ہوجائے گا اور اگر رکوع میں یہ نیت نہیں کی تو رکوع کے بعد جب سجدہ کرے گی تو اس سجدہ میں سجدۂ تلاوت ادا ہوجائے گا۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر تراویح میں امام بھی اسی طرح قصداً کرلیا کرے، خصوصاً سورۂ اعراف اور نجم اور علق کے ختم پر یا رکوع کے ختم پر جب سجدہ کی آیت پوری ہوتی ہو، تو سجدہ نہ کرے اور رکوع یا سجدہ میں نیت کرلے تو کیا مضائقہ ہے، اس سے نئے نمازیوں کی الجھن بھی ختم ہوجائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آیت سجدہ پڑھ کر رکوع کرلیا پھر فوراً سجدہ میں چلا گیا تو امام ومقتدی سب کا سجدۂ تلاوت خود بخود ادا ہوجاتا ہے؛ البتہ امام کا رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرنا بہتر نہیں ہے۔

في الدر المختار: نعم لو ركع وسجد لها فوراً ناب بلا نية (الدر المختار)

وفي الشامي: الظاهر أن المقصود بهٰذا الاستدراک التنبيه على أنه ينبغي للإمام أن لا ينويها في الركوع. (شامي ۱۱۲/۲ کراچی، شامي ۵۸۸/۲ زکریا)

وإذا قرأ اٰية السجدة في صلاته وهي في آخر السورة فإن شاء ركع لها وان شاء سجد. (الفتاویٰ التاتارخانية ۴۷۷/۲ رقم: ۳۰۵۳ زکریا)

عن إبراهيم قال: قال عبد الله بن مسعود رضى الله عنه من قرأ سورة الأعراف أو النجم أو إذا السماء انشقت أو بنى اسرائيل أو اقراء باسم ربک الذي خلق فشاء أن يركع بأخرهن ركع أجزأه سجود الركوع وإن سجد فليضف إليها سورة. (المعجم الکبیر للطبرانی ۱۴۶/۹ رقم: ۸۷۳۲، مصنف ابن ابي شيبه ۴۱۹/۳ رقم: ۴۴۰۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۵/۱۱/۸ھ

مقتدی کا امام کے ساتھ رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرنا؟

سوال (۱۲۵۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام صاحب نے نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی، اورفوراً سجدۂ تلاوت کرنے کے بجائے رکوع میں چلے گئے ،مقتدی میں رکوع میں جاتے ہوئے سجدۂ تلاوت کی ادائیگی کی نیت کرلی، تو سوال یہ ہے کہ کیا مقتدی کے رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کر لینے سے مقتدی کا سجدۂ تلاوت ادا ہوجائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مقتدی نے امام کے ساتھ رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرلی ہے، تواس کی نماز بلاشبہ درست ہوجائے گی۔

فإذا ركع إمامه فوراً يلزمه أن ينويها فيه احتياطاً لاحتمال أن الإمام نواها فيه. (شامی زکریا ۲/ ۵۸۸)

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۳/۱۴۳۶ھ

آیتِ سجدہ کا علم نہ ہونے کی وجہ سے امام کے ساتھ مقتدی نے سجدہ کی نیت نہیں کی؟

سوال (۱۲۵۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام صاحب نے نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی ،مقتدی کو کچھ معلوم نہیں کہ امام صاحب نے آیت سجدہ کی تلاوت کی ہے۔ آیت سجدہ کی تلاوت کے بعد امام صاحب فوراً رکوع میں چلے گئے، اور مقتدی معلوم نہ ہونے کی وجہ سے سجدۂ تلاوت کی نیت نہ کرسکا، تو سوال یہ ہے کہ کیا امام کا رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرلینے سے مقتدی کا سجدہ ادا ہوگیا یا نہیں؟ جب کہ مقتدی نے نیت نہیں کی تھی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس مقتدی کو امام کے آیتِ سجدہ پڑھنے کا علم ہی نہیں ہوا، وہ اس بارے میں شرعاً معذور ہے، پس امام کا رکوع میں سجدہ کی نیت کرنا اس کی طرف سے یقیناً کافی ہوجائے گا، جیسا کہ خود فقہاء نے لکھا ہے کہ سری نمازوں میں اگر امام رکوع میں سجدہ کی نیت کرلے تو مقتدیوں کی طرف سے بھی سجدہ خود بخود ادا ہوجاتا ہے۔

وینبغي حمله علی الجهرية، البحث لصاحب النهر ولعل وجهه أنه ذكر في التاترخانية أنه لو تلاها في السرّية فالأولیٰ أن يركع بها؛ لأن لا يلتبس الأمر علی القوم، ولو في الجهرية فالسجود أولیٰ الخ، فإنه يفيد أن نية الإمام كافية لعدم علمهم بما قرأه الإمام سراً الخ، أما في السرية فهو معذور وتكفيه نية إمامه إذ لا علم له بتلاوة إمامه. (شامی زکریا ۲/۵۸۷-۵۸۸)

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۶/۳/۹ھ

آیتِ سجدہ کا علم ہونے کے باوجود مقتدی کا رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت نہ کرنا؟

سوال (۱۲۵۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر امام نماز میں آیت سجدہ تلاوت کرکے سجدہ کی نیت سے رکوع میں چلا جائے، اور مقتدی معلوم ہونے کے باوجود امام کے ساتھ رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت نہ کرے تو مقتدی کے سجدۂ تلاوت کا کیا حکم ہے؟ کیا جاننے کے باوجود نیت نہ کرنے کی وجہ سے امام کے ساتھ محض رکوع میں چلے جانے سے مقتدی کا سجدۂ تلاوت ادا ہوجائے گا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مقتدی نے آیتِ سجدہ کا علم ہونے کے باوجود امام

کے ساتھ رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت نہیں کی ہے، تو اس کے لئے احوط یہ ہے کہ وہ امام کے سلام پھیرنے سے پہلے الگ سے سجدۂ تلاوت ادا کرلے؛ لیکن اگر اس نے سجدۂ تلاوت ادا نہیں کیا تو اس کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟ اس بارے میں اگرچہ بعض جزئیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے مقتدی کی نماز فاسد ہوجائے گی؛ لیکن تحقیقی قول یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوگی، اس کی دو وجوہات ہیں:

اول یہ کہ کافی میں لکھا ہے کہ امام کا رکوع میں سجدہ کی نیت کرنا مقتدیوں کی طرف سے بھی کافی ہے اور اسی قول کو علامہ شامیؒ نے اصح کہا ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر امام کی نیت کو کافی نہ مانا جائے پھر بھی زیادہ سے زیادہ یہ لازم آتا ہے کہ مقتدی کا سجدۂ تلاوت ترک ہوجائے اور نماز میں سجدۂ تلاوت کا ترک موجبِ فساد نہیں؛ لہٰذا خلاصہ یہ نکلا کہ مسئولہ صورت میں مذکورہ مقتدیوں کی نماز بھی فاسد نہ ہوگی۔

ويسجد إذا سلم الإمام ويعيد القعدة ولو تركها فسدت صلاته كما في القنية. (شامی زکریا ۲/۵۸۷)

وينبغي حمله على الجهرية. (الدر المختار ۲/۵۸۷)

وقال الرافعي: هل إعادتها بعد السلام شرط حتى لا يسوغ تقديمها أو هو لبيان غاية تاخيرها حتى لو قدّمها صح؛ لأنه بمنزلة اللاحق يراجع الخ، الظاهر الثاني.

(تقریراتِ رافعی ۲/۱۰۶)

وفي الشامي: هٰذا وفي القهستاني واختلفوا في أن نية الإمام كافية كما في الكافي، فلو لم ينو المقتدي لا ينوب على رأي الخ. ثم قال بحثاً: والأولىٰ أنه يحمل على القول بأن نية الإمام لا تنوب عن نية المؤتم، والمتبادر من كلام القهستاني السابق أنه خلاف الأصح، حيث قال على رأي فتأمل. (شامی زکریا ۲/۵۸۷-۵۸۸، فتاویٰ عثمانی ۲/۴۹۷)

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۶/۳/۹ھ

اگر مقتدی نے امام کے ساتھ رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت نہ کی تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

سوال (۱۲۵۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام نے آیتِ سجدہ پڑھ کر نماز کا رکوع کیا اور رکوع ہی میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرلی، اب مقتدیوں میں تین طرح کے لوگ تھے:

(۱) وہ لوگ جنہیں یہ معلوم تھا کہ امام نے آیتِ سجدہ پڑھی ہے اور انہوں نے بھی رکوع کے ساتھ سجدہ کی نیت کرلی۔

(۲) کچھ لوگ وہ تھے جنہیں یہ تو معلوم تھا کہ امام نے آیتِ سجدہ پڑھی ہے؛ لیکن انہوں نے رکوع کے ساتھ سجدہ کی نیت نہیں کی۔

(۳) اور کچھ حضرات ایسے تھے جنہیں پتہ ہی نہیں چلا کہ امام نے آیتِ سجدہ پڑھی، جس کی بنا پر انہوں نے سجدۂ تلاوت کی نیت ہی نہیں کی۔

تو سوال یہ ہے کہ مسئولہ تینوں صورتوں میں مقتدیوں کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) پہلی صورت میں جن مقتدیوں نے امام کے ساتھ رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرلی ہے، ان کی نماز بلاشبہ درست ہوگئی۔

فإذا رکع إمامه فوراً یلزمه أن ینویها فیه احتیاطاً لاحتمال أن الإمام نواها فیه. (شامی ۲/۵۸۸ زکریا)

(۲) دوسری صورت میں جن لوگوں نے آیتِ سجدہ کا علم ہونے کے باوجود امام کے ساتھ رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت نہیں کی ہے، ان کے لئے احوط یہ ہے کہ وہ امام کے سلام پھیرنے سے پہلے الگ سے سجدۂ تلاوت ادا کرلیں؛ لیکن اگر انہوں نے سجدۂ تلاوت ادا نہیں کیا تو ان کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟ اس بارے میں اگرچہ بعض جزئیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے مقتدیوں کی نماز فاسد ہوجائے گی۔

ولو نواها في ركوعه ولم ينوها المؤتم لم تجزه ويسجد إذا سلم الإمام ويعيد القعدة ولو تركها فسدت صلاته كما في القنية. (شامی ۵۸۷/۲زکریا، كذا في الهندية ۱۳۳/۱، مراقي الفلاح مع الطحطاوي ۳۷۹ مصر، البحرالرائق ۱۲۳/۲ کوئٹہ)

لیکن تحقیقی قول یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوگی، اس کی دووجوہات ہیں، اول یہ کہ کافی میں لکھا ہے کہ امام کا رکوع میں سجدہ کی نیت کرنا مقتدیوں کی طرف سے بھی کافی ہے اور اسی قول کو علامہ شامیؒ نے اصح کہا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اگر امام کی نیت کو کافی نہ مانا جائے پھر بھی زیادہ سے زیادہ یہ لازم آتا ہے کہ مقتدی کا سجدۂ تلاوت ترک ہوجائے اور نماز میں سجدۂ تلاوت کا ترک موجبِ فساد نہیں؛ لہٰذا خلاصہ یہ نکلا کہ مسئولہ صورت میں مذکورہ مقتدیوں کی نماز بھی فاسد نہ ہوگی۔

وينبغي حمله على الجهرية. (الدرالمختار ۵۸۷/۲ زکریا)

وقال الرافعي: هل إعادتها بعد السلام شرط حتى لا يسوغ تقديمها أو هو لبيان غاية تاخيرها حتى لو قدّمها صح؛ لأنه بمنزلة اللاحق يراجع، الظاهر الثاني. (تقریراتِ رافعی ۱۰۶/۲)

وفي الشامي: هٰذا وفي القهستاني واختلفوا في أن نية الإمام كافية كما في الكافي، فلو لم ينو المقتدي لا ينوب على رأي. ثم قال بحثاً: والأولىٰ أنه يحمل على القول بأن نية الإمام لا تنوب عن نية المؤتم، والمتبادر من كلام القهستاني السابق أنه خلاف الأصح، حيث قال على رأي فتأمل. (شامی زکریا ۵۸۷/۲-۵۸۸، فتاویٰ عثمانی ۴۹۷/۲)

(۳) جن مقتدیوں کو آیتِ سجدہ کا علم ہی نہیں ہوا، وہ اس بارے میں معذور ہیں، اور امام کا رکوع میں سجدہ کی نیت کرنا ان کی طرف سے یقیناً کافی ہوجائے گا، چناں چہ خود فقہاء نے لکھا ہے کہ سری نمازوں میں اگر امام رکوع میں سجدہ کی نیت کرلے تو مقتدیوں کی طرف سے بھی سجدہ خود بخود ادا ہوجاتا ہے۔

وينبغي حمله على الجهرية، البحث لصاحب النهر ولعل وجهه أنه ذكر في التاترخانية أنه لو تلاها في السريّة فالأولىٰ أن يركع بها؛ لأن لا يلتبس الأمر على القوم، ولو في الجهرية فالسجود أولىٰ الخ، فإنه يفيد أن نية الإمام كافية لعدم علمهم بما قرأه الإمام سراً الخ، أما في السرية فهو معذور وتكفيه نية إمامه إذ لا علم له بتلاوة إمامه. (شامی ۵۸۷/۲-۵۸۸ زکریا)

تاہم امام کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ رکوع کے ساتھ سجدۂ تلاوت کی نیت نہ کرے؛ بلکہ یا تو مستقل سجدہ کرے یا آیتِ سجدہ پڑھنے کے فوراً بعد جب نماز کا سجدہ آئے تو اسی کے ساتھ سجدۂ تلاوت کی بھی نیت کرلے، پس ایسی صورت میں بالاتفاق امام ومقتدی سب کا سجدہ ادا ہوجائے گا، چاہے سجدۂ تلاوت کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

والظاهر أن المقصود بهٰذا الاستدراک التنبيه على أنه ينبغي للإمام أن لا ينويها في الركوع؛ لأنه إذا لم ينوها فيه ونواها في السجود أو لم ينوها أصلاً لا شيء على المؤتم؛ لأن السجود هو الأصل فيها. (شامی زکریا ۵۸۸/۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۵؍۷؍۱۴۳۵ھ

موبائل پر پاس بیٹھنے والے کی طرف سے آیت سجدہ سننا

سوال (۱۲۵۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید عمرو سے موبائل سے گفتگو کررہا ہے، زید کے پاس میں بیٹھا آدمی سجدہ کی آیت تلاوت کررہا ہے، جو عمرو کو سنائی دے رہی ہے، تو کیا عمرو پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا؟ موبائل سے آنے والی آواز کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں عمر پر سجدۂ تلاوت واجب ہے،

کیوں کہ موبائل سے آنے والی آواز کا حکم لاؤڈ اسپیکر کی آواز کی مانند ہے۔

والسماع شرط في حق غير التالي. (شامي ۲/۲۷۷ زكريا، أحسن الفتاوىٰ ٤/٦٦)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۱۰/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسافر کے احکام

سفر شرعی کی مقدار میں محقق اور محتاط قول

سوال (۱۲۵۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسافت شرعیہ کے بارے میں فقہاء احناف کے تین اقوال ہیں: ۲۱؍فرسخ یا ۱۸؍فرسخ یا ۱۵؍فرسخ، اور دیگر ائمہ کے نزدیک ۱۶؍فرسخ اور فرسخ کی تحدید تین میل شرعی سے کرتے ہیں؛ لیکن بعد میں علماء دیوبند نے ۴۸؍میل انگریزی کے ذریعہ تحدید فرمائی، اس کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، اگر دیگر ائمہ کے قول کو لیا جائے تب بھی ۴۸؍میل شرعی بنتے ہیں، نہ کہ انگریزی لیکن اکثر علماء ۴۸؍میل انگریزی ہی کو بیان کرتے ہیں، اس کا ماخذ یا دلیل بیان کردی جائے، یا یہ کہ میل شرعی کو اختیار کیا جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اصل میں احتیاط اسی میں ہے کہ میل انگریزی کے بجائے میل شرعی کے اعتبار سے مسافت سفر کا تعین کیا جائے، اور اس بارے میں فقہاء کا کم سے کم قول ۱۵؍فرسخ = ۴۵؍میل شرعی کا ہے، جس کے اعتبار سے ۸۲؍کلومیٹر ۲۸۶؍میٹر سے کم میں قصر کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔ (مزید تفصیل کے لئے رسالہ القول الاظہر من تحقیق مسافۃ السفر، اور احسن الفتاویٰ ۴؍۹۱ کا مطالعہ فرمائیں، نیز ایضاح المسائل ۷۰ (مؤلفہ: مفتی شبیر احمد قاسمی) میں بھی اس مسئلہ پر تحقیق وتفصیل درج ہے) اور اکابر علماء دیوبند کی طرف ۴۸؍میل انگریزی کا جو قول منسوب ہے، اور جس پر عرصۂ دراز سے عمل ہوتا آرہا ہے۔ احقر کی نظر میں اس کی دو بنیادیں ہیں:

(۱) اول یہ کہ حنفیہ کے ظاہر مذہب میں مسافت قصر کا مدار فراسخ اور میلوں پر نہیں؛ بلکہ تین دن رات میں معتاد طریقہ پر جتنی مسافت پیدل یا جانور (اونٹ بیل گاڑی وغیرہ) قطع کی جا سکے، اس پر قصر کا مدار ہے، اب یہ مسافت راستہ کے اعتبار سے مختلف بھی ہوسکتی ہے، مثلاً میدانی علاقوں میں زیادہ مسافت قطع ہوگی اور پہاڑی راستوں کے اعتبار سے کم قطع ہوگی وغیرہ۔ بہر حال اکابر نے تین دن رات چلنے کی مسافت کا اندازہ ۴۸ ؍میل انگریزی سے لگایا ہے، اور اس پر عمل فرمایا ہے۔ چناں چہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ اس کی وضاحت اس طرح فرماتے ہیں:

''کتبِ فقہ میں حکم میلوں پر نہیں ہے؛ بلکہ تین دن رات کی مسافت اوسط ایام سال میں متوسط انسانی رفتار یا اونٹ کی رفتار سے جملہ حوائج انسانیہ اکل وشرب پیشاب پاخانہ وغیرہ اور حوائج شرعیہ نماز وغیرہ انجام دیتے ہوئے اکثر حصہ یوم ولیلہ جو قطع ہوسکے وہ مسافت سفر ہے، اس قاعدہ سے بمشکل ۱۶ ؍میل چل سکتا ہے؛ بلکہ ۱۵ ؍میل چلنا بھی دشوار ہوگا؛ اس لئے بعض حضرات ۱۲ ؍میل روزانہ اور بعض حضرات ۱۵ ؍میل قرار دیتے ہیں۔ ہمارے اکابر نے ۱۶ ؍میل روزانہ احتیاط کے طور پر قرار دیا ہے، اس سے زائد قرار دینا غیر معقول ہے''۔ (فتاویٰ شیخ الاسلام ۴۹)

حضرت کی اس صراحت سے اکابر کا نقطہ نظر بآسانی معلوم ہوسکتا ہے۔

(۲) محقق العصر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے مذکورہ بنیاد کے ساتھ ساتھ دوسری بات یہ بھی لکھی ہے کہ ۴۸ ؍میل انگریزی کی مسافت تقریباً ۴۵ ؍میل شرعی تک پہنچتی ہے، اس لئے گویا کہ یہ قول ۴۵ ؍میل شرعی کے قریب قریب موافق ہے۔ چناں چہ آپ اپنے رسالہ ''اوزانِ شرعیہ'' میں لکھتے ہیں کہ:

''محققین علماء ہندوستان نے ۴۸ ؍میل انگریزی کو مسافت قصر قرار دے دیا ہے، جو اقوال فقہاء مذکورین کے قریب قریب ہے، اور اہل مدارس کا اسی پر عمل ہے کہ اتنی ہی مسافت تین دن تین رات پیادہ مسافر قطع کرسکتا ہے، اور فقہاء حنفیہ کے مفتی بہ اقوال میں سے جو فتویٰ ائمہ خوارزم کا ۱۵ ؍

فرسخ کا نقل کیا گیا ہے، تقریباً اس کے بالکل مطابق ہے؛ کیوں کہ ۱۵ فرسخ کے ۴۵؍ میل شرعی ہوتے ہیں، اور شرعی میل انگریزی میل سے دوسو چالیس گز بڑا ہوتا ہے، تو ۴۵؍ میل شرعی ۴۸؍ میل انگریزی سے کچھ زیادہ متفاوت نہیں رہتے‘‘۔ (جواہر الفقہ ۱؍ ۴۳۷)

لیکن حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے ۴۸؍ میل انگریزی اور ۴۵؍ میل شرعی کے درمیان جس فرق کو معمولی قرار دے کر نظر انداز فرمایا ہے اس کا واقعی حساب لگانے سے معلوم ہوا کہ یہ فرق معمولی نہیں ہے؛ بلکہ تقریباً پونے تین میل شرعی کا فرق بیٹھ رہا ہے؛ اس لئے کہ ۴۸؍ میل انگریزی کے سوابیالیس میل شرعی بنتے ہیں، جو ۴۵؍ میل شرعی سے پونے تین میل کم ہے، اور کلومیٹر کے اعتبار سے یہ فرق تقریباً ۵؍ کلومیٹر کا بن رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ فرق معمولی نہیں کہا جاسکتا، جسے نظر انداز کردیا جائے، اس لئے احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ ۴۵؍ میل شرعی کے اعتبار سے ۸۲؍ کلومیٹر ۲۹۶؍ میٹر سے کم میں قصر کی اجازت نہ دی جائے۔ ہمارے دار الافتاء سے اسی پر فتویٰ دینے کا معمول ہے، اور مسئلہ چوں کہ مجتہد فیہ ہے، اس لئے اکابر کی رائے کو بالکل غلط بھی نہیں کہہ سکتے ہیں۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱؍ ۵۵۱، احسن الفتاویٰ ۴؍ ۹۱، جواہر الفقہ جدید ۳؍ ۴۷، فتاویٰ شیخ الاسلام ۴۹، احکام السفر ۳۴)

ولا اعتبار بالفراسخ على المذاهب؛ لأن المذكور في ظاهر الرواية اعتبار ثلاثة أيام كما في الحلية وقال في الهداية هو الصحيح احتراز عن قول عامة المشائخ من تقديرها بالفراسخ. (شامي ۲/ ٦٠٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۶؍ ۱۱؍ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سفر شرعی کی مقدار اور جائے ملازمت کا حکم؟

سوال (۱۲۵۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سفر شرعی کی مقدار موجودہ کلومیٹر کے اعتبار سے کتنی ہے، زید اپنے وطن اصلی سے باہر کوئی ملازمت کرتا ہے اور وہیں رہتا ہے، وہاں سے ہفتہ میں پندرہ دن میں، بیس دن میں ایک دو دن

کیلئے اپنے گھر جاتا ہے، تو اگر وہ اپنی جائے ملازمت سے سفر کرتا ہے۔ اور اس کی جائے ملازمت سے جائے سفر کا فاصلہ سفر شرعی کے بقدر ہے؛ لیکن وطن اصلی سے سفر شرعی کے بقدر فاصلہ نہیں ہے اور اس میں نماز کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: درج بالا سوال کے جواب سے پہلے یہ بات جان لینی چاہئے کہ جس جائے ملازمت پر کوئی شخص اہل وعیال سمیت رہتا ہو اور وہاں سے منتقل ہونے کا ارادہ نہ ہو تو یہ جائے ملازمت بھی وطن اصلی کے درجہ میں آجاتی ہے، یعنی وہاں پندرہ دن سے کم قیام کی شکل میں بھی نماز میں اتمام کا حکم دیا جاتا ہے۔

ویبطل الوطن الأصلی بالوطن الأصلی إذا انتقل عن الأول بأهله، وأما إذا لم ينتقل بأهله، ولكنه استحدث أهلا ببلدة أخرى فلا يبطل وطنه الأول، ويتم فيهما. (الفتاویٰ الهندیة ۱/ ۱٤۲، البحر الرائق ۲/ ۲۹ کراچی)

اس وضاحت کے بعد سوال کا جواب درج ذیل ہیں:

مذکورہ جائے ملازمت سے اگر کوئی شخص سفر شرعی (تقریباً ساڑھے بیاسی کلومیٹر) کرکے براہ راست کسی جگہ جائے تو وہ دوران سفر قصر کرے گا، اگرچہ وہ جگہ وطن اصلی سے مسافت سفر سے کم ہو، اور اگر پہلے وطن اصلی جائے، اس کے بعد مذکورہ جگہ کا سفر کرے اور وہاں سے پھر واپس وطن اصلی کا ارادہ ہو تو مذکورہ جگہ کے سفر کے دوران قصر نہیں کرے گا۔

من خرج من عمارة موضع إقامته قاصدا مسيرة ثلاثة أيام ولياليها بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة صلى الفرض الرباعی ركعتين لقول ابن عباسؓ: إن الله فرض على لسان نبيكم صلاة المقيم أربعاً والمسافر ركعتين.

(تنویر الابصار ۲/ ۵۹۹، ۲۰۳ زکریا، کذا في البحر الرائق ۲/ ۲۲٦، تبیین الحقائق ۱/ ۵۰٦ بیروت)

عن علي بن ربيعه الوالى قال سألت عبد الله بن عمر رضي الله عنهما إلى

كم تقصر الصلاة؟ فقال: أتعرف السويداء؟ قال: قلت: لا ولكني قد سمعت بها قال: هي ثلاث ليال قواصد، فإذا خرجنا إليها قصرنا الصلاة، رواه الإمام محمد بن الحسن في الآثار له، وفي آثار السنن اسناده صحيح، اسناده صحيح. (آثار السنن رقم الحديث ۸۲۸) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/۴/۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بڑے شہروں میں سفر کی حدود

سوال (۱۲۵۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دہلی بہت بڑا شہر ہے، پورا شہر مختلف محلوں، حلقوں، کالونیوں اور گاؤں پر مشتمل ہے، جن کے نام الگ الگ ہیں، انتظامی اعتبار سے یہ شہر تین حلقوں میں منقسم ہے، پرانی دہلی، نئ دہلی اور چھاؤنی، ان حلقوں کی حدود معلوم بھی ہوسکتی ہیں گرچہ واضح نہیں ہیں، البتہ شہر دہلی کی کالونیوں اور گاؤں کی حدود کا پتہ لگ سکتا ہے؛ حالانکہ زیادہ تر شہر کی آبادی ملی ہوئی ہے، ایک کالونی دوسری کالونی سے آبادی کے اعتبار سے بالکل الگ نہیں ہے۔

مندرجہ بالا حالات کے پیش نظر دریافت طلب امور یہ ہیں:

سفر میں جانے والا شخص اپنے محلّہ، حلقہ، کالونی یا گاؤں سے نکل کر مسافر بنے گا یا شہر دہلی کی حدود سے نکل کر مسافر بنے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آج کل جس طرح شہروں کی آبادیاں وسیع تر رقبہ تک پھیلتی جاری ہیں ان کا تصور فقہاء متقدمین کے زمانہ میں نہ تھا، اس لئے فقہاء کے کلام میں اس کے متعلق صریح جزئیہ ملنا دشوار ہے، اس بنا پر یہ مسئلہ مفتیان کرام کے لئے موضوع بحث بنا ہوا ہے، تاہم اصول اور فقہی جزئیات سے اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ عرف میں جہاں تک کی آبادی پر ایک

شہر کا اطلاق ہوتا ہے خواہ وہ آبادی کتنی ہی دور تک پھیل گئی ہو وہ سب ایک ہی شہر شمار ہوگا، اور اس کی الگ الگ کالونیاں اس کے محلے شمار ہوں گے، اور جس جگہ کی آبادی کو عرف میں مذکورہ شہر سے الگ سمجھا جاتا ہو تو اسے الگ آبادی کے حکم میں رکھا جائے گا، اگرچہ آبادی بظاہر متصل ہو، مثلاً دلی اور صاحب آباد، یا دلی اور گوڑ گاواں، دونوں عرفی اور سرکاری اعتبار سے الگ الگ آبادیاں شمار ہوتی ہیں، جبکہ پورا دلی آبادی کے اعتبار سے ایک شمار کیا جاتا ہے، اب دلی میں مقیم شخص پر سفر کا حکم اس وقت سے لگے گا جبکہ وہ شہر دلی کی آبادی سے باہر نکل جائے، مثلاً یوپی کی طرف سفر کرنے والا صاحب آباد یا نوئیڈا یا غازی آباد آجائے اور ہریانہ کی طرف جانے والا گوڑگاؤں یا فرید آباد میں داخل ہو جائے۔ (مستفاد فتاوی رحیمیہ ۶/ ۳۶۳، احسن الفتاوی ۴/ ۷۳)

مستفاد: عن ابن عمر رضي اللّٰه عنه أنه كان يقصر الصلاة حين يخرج من بيوت المدينة، و يصر إذا رجع، حتى يدخل بيوتها. (مصنف عبد الرزاق / باب المسافر متى يقصر إذا خرج مسافرا ۲/ ۵۳۰ رقم: ۴۳۲۳)

من خرج من عمارة موضع إقامته، (درمختار) وأشار إلى أنه يشترط مفارقة ما كان من توابع موضع الإقامة كربض المصر وهو ماحول المدينة من بيوت ومساكن فإنه في حكم المصر، وكذا القرى المتصلة بالربض في الصحيح، بخلاف البساتين، ولو متصلة بالبناء؛ لأنها ليست من البلدة. (درمختار مع الشامي ۲/ ۵۹۹ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

كتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۱۱/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دہلی سے غازی آباد کی طرف سے سفر شروع کرنے والا کہاں سے مسافر شمار ہوگا؟

سوال (۱۲۵۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: دہلی شہر کی آبادی دوسرے شہر غازی آباد تک مسلسل ہے، سوال یہ ہے کہ شہر دہلی کی حد کہاں تک مانی جائے؟ جہاں تک سرکاری اعتبار سے اس کی حد ہے یا جہاں تک آبادی کا تسلسل ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دہلی کی حد وہاں تک ہی مانی جائے گی جہاں تک کی آبادی پر شہر دہلی کا اطلاق ہوتا ہے، غازی آباد، فرید آباد وغیرہ دہلی کے حکم میں شامل نہ ہوں گے، کیونکہ عرفی اور سرکاری طور پر دونوں مقامات الگ الگ ہیں۔

والعرف في الشرع له اعتبار، لذا عليه الحكم قد يدار. (شرح عقود رسم المفتي ٩٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۱۱/۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دہلی ایئرپورٹ شہر کی حدود میں داخل ہے

سوال (۱۲۶۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دہلی میں صرف ایک ایرپورٹ ہے جو دہلی کے ایک کنارہ پر واقع ہے، ایرپورٹ جاتے وقت راستہ میں کچھ جگہوں پر آبادی منقطع بھی ہوجاتی ہے، اب سوال یہ ہے کہ سفر پر جانے والا شخص ایرپورٹ پر مسافر ہوگا یا ایرپورٹ سے روانگی کے بعد مسافر ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایئرپورٹ شہر دہلی کی حدود میں واقع ہے، اور وہاں تک آبادی بھی متصل ہے؛ لہٰذا دہلی کا رہنے والا شخص ایئرپورٹ پر مقیم ہی رہے گا، مسافر نہ بنے گا۔

من خرج من عمارة موضع إقامته مسيرة ثلاثة أيام و لياليها صلى الفرض الرباعي ركعتين (در مختار) قوله: من عمارة موضع إقامته: أشار إلى أنه يشترط مفارقة ما كان من توابع موضع الإقامة كربض المصر وهو ما حول المدينة من

بیوت و مساکن فإنه حکم المصر. (در مختار مع الشامي ۲/ ۵۹۹ زکریا، البحر الرائق ۲/ ۲۲۶ رشیدیه، هندیه ۱/ ۱۳۹) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۱۱/۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فناءِ شہر کی تعریف

سوال (۱۲۶۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: لفظ فناء کی تعریف مثال سے سمجھا دیجئے۔ اس زحمت کے لئے انتہائی ممنون ہوں گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فناء کا اطلاق آبادی کے اردگردان جگہوں پر ہوتا ہے جن سے شہر کی ضروریات وابستہ ہوتی ہیں، مثلاً گھوڑ دوڑ کا میدان، صنعتی کارخانے وغیرہ۔

تعریف الفناء: وهو ما أعد لحوائج أهل المصر. (عنایة ۲/ ۵۱)

فناءه وهو ماحوله اتصل به أولا لأجل مصالحه. (تنویر الأبصار مع الدر المختار علی الشامي زکریا ۳/ ۷)

وفناء البلد عندالفقهاء هو المكان المعد لمصالح البلد كركض الدواب ودفن الموتی وإلقاء التراب ونحو ذلك. (الموسوعة الفقهية ۲۲/ ۸۸)

فناء المصر وهو الموضع المعد لمصالح المصر المتصل به. (بزازية ٤/ ٧٤)

وأما الفناء: وهو المكان المعد لمصالح البلد كركض الدواب ودفن الموتی. (شامي ۲/ ۵۹۹ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۱۱/۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حدودِ شہر میں رہتے ہوئے ۴۸ میل کا سفر کرنے والا مسافر ہوگا یا نہیں؟

سوال (۱۲۶۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: آبادی میں اضافہ اور دیہی آبادیوں کی شہر کی طرف منتقلی کی وجہ سے شہر پھیلتے جارہے ہیں، اور بعض شہر تو ایسے ہیں کہ اس کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کا فاصلہ سو کیلومیٹر سے بھی تجاوز کرگیا ہے، شریعت میں سفر کی بنیاد پر بعض سہولتیں دی گئی ہیں، ان میں سے بعض سہولتیں مطلق سفر سے متعلق ہیں اور بعض کا تعلق ایک خاص مسافت کے سفر سے ہے، ان ہی سہولتوں میں نماز میں قصر اور روزہ نہ رکھنے کا حکم بھی شامل ہے، یہ مسافت علماء ہند کے مشہور نقطہ نظر کے مطابق ۴۸ میل کی ہے، اس بات پر بھی تقریباً اتفاق ہے کہ ان سہولتوں کا فائدہ عملاً شہر کی آبادی اور شہر کے متعلق سے باہر نکلنے کے بعد ہی اٹھایا جاسکتا ہے، اس پس منظر میں یہ بات اہمیت اختیار کرگئی ہے کہ:

اگر ایک شخص اپنے گھر سے ۴۸ میل کا راستہ طے کرلے، لیکن ابھی وہ شہر میں ہی ہو کہ ابھی شہر کی حدود سے باہر نکلنے کی نوبت نہیں آئی ہو، اور اس سے آگے جانے کا ارادہ بھی نہ ہو، تو کیا اس پر مسافر کے احکام جاری ہوں گے اور وہ نماز میں قصر کرے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: شہر میں رہتے ہوئے آدمی مسافر نہیں ہوتا؛ بلکہ شہر کی آبادی سے نکلنے کے بعد مسافر ہوتا ہے، خواہ کتنا ہی بڑا شہر ہو؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں یہ شخص مسافر نہیں ہوگا؛ بلکہ مقیم ہی رہے گا، اور اس پر اتمام لازم ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ جدید ۷/۴۴۴)

والأصل في ذٰلک ما روي عن علي رضي اللّٰه عنه أنه خرج من البصرة يريد السفر فجاء في وقت العصر فأتمها، ثم نظر إلى ''خص'' أمامه فقال: أما لو كنا جاوزنا هذا الخص لقصرنا. (أخرجه عبد الرزاق في مصنفه ٢/٥٢٩ رقم: ٤٣١٩، المحيط البرهاني ٢/٣٨٧ إدارة القرآن كراتشي)

والثالث الخروج من عمران المصر فلايصير مسافراً بمجرد النية مالم يخرج من عمران المصر؛ لأن النية إنما تعتبر إذا كانت مقارنة للفعل؛ لأن مجرد العزم عفو، وفعل السفر لايتحقق إلا بعد الخروج من المصر، فما لم يخرج لايتحقق قران النية بالفعل، فلا يصير مسافراً. (بدائع الصنائع ١/ ٢٦٤ زكريا)

قال محمد رحمه الله تعالیٰ: يقصر حين يخرج من مصره، ويخلف دور المصر. (الفتاویٰ الهندية ۱۳۹/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۳/۱۱/۱۶ھ

ایسی جگہ سفر کرنا جو حدودِ شہر سے ۴۸ر میل سے کم اور جائے قیام سے ۴۸ر میل ہو

سوال (۱۲۶۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص ایسے مقام کا سفر کررہا ہو جو شہر کی انتہائی حدود سے ۴۸ میل کے فاصلہ پر نہیں ہو، لیکن اس کے گھر کے پاس سے ۴۸ میل یا اس سے زیادہ کا فاصلہ ہو تو وہ قصر کرے گا یا تمام؟

یہ سوال اس لئے خاص طور پر اہمیت کا حامل ہے کہ حنفیہ اور بعض اور فقہاء کے نزدیک مسافر کے لئے قصر کا حکم بطور عزیمت کے ہے نہ کہ بطور رخصت کے، اور قصر واجب ہے نہ کہ محض جائز ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آدمی پر مسافر ہونے کا حکم اس وقت لگتا ہے جب کہ اپنے شہر کی آبادی سے باہر نکل جائے اور گھر یا اپنے محلّہ سے نکل جانے سے مسافر نہیں ہوتا؛ لہٰذا جب یہ مسافر نہیں ہوگا تو مسافت سفر کی ابتداء بھی اس کے اصل گھر سے نہ ہوگی؛ بلکہ اس جگہ سے ہوگی جہاں سے وہ مسافر بن رہا ہے، اصول وجزئیات سے یہی بات معلوم ہوتی ہے؛ البتہ شہر کی تحدید میں عرف کا لحاظ رکھا جائے گا، اگر دو بڑی آبادیاں متصل ہوجائیں تو سرکاری کاغذات اور عرف کے اعتبار سے ایک آبادی کی جو حد مقرر ہو اس سے تجاوز کرنے سے سفر کا حکم شروع ہوگا۔

(فتاویٰ محمودیہ جدید ۴۴/۷۵، فتاویٰ رحیمیہ ۳۶۴/۶)

قال في المحيط البرهاني: قال محمد رحمه الله تعالى: ولا يقصر حتى يخرج من مصره ويخلف دور المصر، وفي موضع آخر يقول: ويقصر إذا جاوز

عـمرانات المصر قاصداً مسيرة ثلاثة أيام ولياليها، وهذا لأنه مادام في عمرانات المـصر فهو لايعد مسافراً، والأصل في ذلک ماروی عن علی رضی الله عنه أنه خرج من البصرة يـريـد السفر فجاء في وقت العصر فأتمها، ثم نظر إلى ''خص'' أمـامه، فقال: أما لو كنا جاوزنا هذا الخص لقصرنا، وعلى هذا إذا كانت المحلة بـعيـدة مـن المصر وكانت قبل ذلک متصلة بالمصر، فإنه لايقصر حتى يجاوز تلک المحلة؛ لأن تلک المحلة من المصر. (المحيط البرهاني ٢/ ٣٨٧)

فـلا يـصيـر مسـافـراً قبل أن يفارق عمران ما خرج منه من الجانب الذي خـرج، حتـى لو كان ثمه محلة منفصلة عن المصر، وقد كانت متصلة به لايصير مسافراً ما لم يجاوزها. (شامي ٢/ ٦٠٠ زكريا)

الـصحيح أنه يعتبر مجاوزة عمران المصر لاغير إلا إذا كان ثمة قرية، أو قـرى متـصـلـة بـربـض المصر، فحينئذ مجاوزة القرى بخلاف القرية التى تكون متصلة بفناء المصر، فإنه يقصر الصلاة وإن لم يجاوز تلک القرية. (الفتاویٰ الهندية ١/ ١٣٩، الفتاوی التاتارخانية ٢/ ٤٩٥ رقم: ٣٠٩٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۱۱/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک شہر کے اطراف میں مسافت شرعی سے کم حدود میں سفر کرنا

سـوال (۱۲۶۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: چند حضرات شہر پربھنی سے پورے ضلع کے دس بارہ ایام کے سفر کے لئے روانہ ہوتے ہیں، شہر کے ہر چار جانب کا فاصلہ ۸۲ کلومیٹر سے کم ہے، لیکن پورے ضلع کے سفر میں چار پانچ سو کلومیٹر کا فاصلہ ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں نمازیں قصر ہوں گی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وبـالله التوفيق: صورت مسئولہ میں اگر ابتداءً شہر پربھنی سے ہی ان

حضرات نے کسی ایسے مقام کا قصد کیا ہے، جس کی مسافت پربھنی سے ساڑھے بیاسی کلومیٹر یا اس سے زائد ہے، تو اس صورت میں پربھنی واپس آنے تک وہ حضرات قصر کرتے رہیں گے، اور اگر پربھنی سے ابتداءً کسی ایسے مقام کا قصد کیا ہے جس کی مسافت ساڑھے بیاسی کلومیٹر سے کم ہو، تو اس صورت میں سفر کا تحقق ہی نہ ہوگا، لہٰذا ان حضرات پر اتمام ضروری ہوگا، قصر کرنا درست نہ ہوگا۔

(مستفاد: امداد الاحکام ۳۳۶/۲)

ومن طاف الدنيا بلا قصد لم يقصر. (درمختار) **وفی الشامية: قوله بلا قصد بأن قصد بلدة بينه وبينها يومان للإقامة بها، ثم بدأ له أن يذهب إلى بلده بينه وبينها يومان، وهلم جرا.** (فتاوى شامی زكريا ٢/ ٦٠١)

وذكر الاسبيجابي: إذا المقيم إذا قصد مصراً من الأمصار وهو ما دون مسيرة ثلاثة أيام لا يكون مسافراً و إن طاف آفاق الدنيا على هذا السبيل لا يكون مسافراً، والمستدل في تعيين مدة السفر. (البحر الرائق ١٢٩/٢ كراچی)

أخرج مسلم و النسائي و ابن ماجه عن شريح بن هاني قال: أتيت عائشة أسألها عن المسح على الخفين فقالت: عليک بابن أبي طالب فسله فإنه كان يسافر مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، وسألناه، فقال: جعل رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ثلاثة أيام و لياليهن للمسافر، ويوما و ليلة للمقيم. (صحيح مسلم الطهارة / باب التوقيت في المسح على الخفين ١٣٥/١ رقم: ٢٧٦، سنن النسائی ١٧/١ رقم: ١٢٩، سنن ابن ماجه ٤٢ رقم: ٥٥٢، هنديه ١٣٩/١)

السفر الذي يتعلق به قصر الصلاة قال علمائنا: أدناها مسيرة ثلاثة أيام ولياليها مع الاستراحات التي تكون في خلال ذٰلک بسير الإبل ومشي الأقدام.

(الفتاوىٰ التاتارخانية ٤٨٩ رقم ٣٠٨٤)

من خرج من عمارة موضع إقامته قاصداً مسيرة ثلاثة أيام صلى الفرض

الرباعي الركعتين حتى يدخل موضع مقامه أو ينوي نصف شهر، فيقصر إن نوىٰ أقل منه أى نصف شهر. (تنوير الأبصار مع الدر المختار ۱۲۱/۲ کراچی، البحر الرائق ۲۲٦/۲، تبيين الحقائق ۵۱۱/۱ بيروت)

عن ابن عمر يقول: صحبت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: فكان لا يزيد في السفر على ركعتين، و أبوبكر و عثمان كذلك. (صحيح البخاري، تقصير الصلاة / باب من لم يتطوع في السفر دبر الصلوات وقبلها ۱۴۹/۱ رقم: ۱۱۰۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/۷/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سفر حج کے دوران کن کن مقامات میں قصر ہوگا؟

سوال (۱۲٦۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہندوستان اور یوپی سے یا دنیا کے کسی کونے سے حج بیت اللہ کے لئے جانا کیا راستہ میں یا مدینہ میں یا مکہ، منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں یعنی کس کس جگہ کہاں کہاں قصر پڑھی جائے گی؟ حج بیت اللہ سے فارغ ہوکر گھر کو آتے وقت بھی راستہ میں قصر پڑھی جائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان یا دور دراز علاقوں سے حج کو جانے والے حضرات دورانِ سفر مسلسل نمازیں قصر ادا کریں گے، البتہ اگر کسی جگہ دورانِ سفر پندرہ دن یا اس سے زائد قیام کا ارادہ ہو تو پوری نمازیں ادا کریں گے، اور آج کل چوں کہ منیٰ اور مزدلفہ سفر کے معاملہ میں مکہ معظّمہ شہر کے ساتھ ملحق ہوگئے ہیں، اس لئے جو حاجی حج سے قبل مکہ معظّمہ پہنچا اور حج کے بعد اس کی واپسی تک پندرہ دن ہو رہے ہوں، تو وہ بھی پوری نماز پڑھے گا۔

اور جو نمازیں مقیم امام کے پیچھے ادا کی جائیں، وہ بہرحال پوری ہی پڑھی جائیں گی۔

قاصداً مسيرة ثلاثة أيام و لياليها من أقصر أيام السنة. (درمختار ۶۰۲/۲ زکریا)

وإن كان أحدهما تبعاً للآخر حتى تجب الجمعة على مكانه يصير مقيماً .

(الفتاویٰ الهندية ١٤٠/١، بدائع الصنائع ٢٧٠/١)

عن عبد الرحمن بن أبی بكر عن أبيه أن رسول اللّٰه وقت في المسح على الخفين ثلاثة أيام ولياليهن للمسافر، وللمقيم يوم و ليلة .(رواه ابن حبان في صحيحه)

وحاصله ما قال الشيخ : إن الحديث يدل على أن من أراد قطع مسيرة ثلاثة أيام و لياليها، فهو مسافر حتماً عند الشارع، قلت: المراد بالمسافر في الحديث من يقطع المراحل بطريق العادة المعروفة في السفر بسير وسط مع الاستراحات التي اعتادها. (اعلاء السنن ٢٣٦/٧ کراتشی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۱۰/۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسافر کا سفر کہاں سے شروع ہوگا، اور حدود فناء شہر کہاں تک ہیں؟

سوال (۱۲۶۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسافر کا قصر کہاں سے شروع ہوگا اس سلسلہ میں کتب فتاوی میں عام طور پر یہی لکھا ہوا ہے: کہ مسافر اپنا علاقہ اپنا شہر وفناء شہر سے تجاوز کرنے کے بعد قصر شروع کریگا، لیکن اب سوال یہ ہے کہ علاقہ اور شہر کی حد کیا ہے، اس سلسلہ میں فتاوی شامی کی عبارت یہ ہے:

وأشار إلى أنه يشترط مفارقة ما كان من توابع موضع الإقامة كربض المصر، وهو ما حول المدينة من بيوت ومساكين، فإنه في حكم المصر، وكذال القرى المتصلة بالربض في الصحيح بخلاف بساتين...... فلا يصير مسافراً قبل أن يفارق عمران ماخرج منه من الجانب الذي خرج ...... إذا المعبر جانب خروجه. (رد المحتار ٥٩٩/٢-٦٠٠)

عبارت مذکورہ اور اس کے آگے پیچھے عبارت سے ہم نے یہ سمجھا ہے کہ اگر شہر کے اندر

بساتین نہر اور مزرعہ کے ذریعہ ''غلوہ'' کے مقدار فاصلہ نہ ہو، تو پورا شہر تجاوز کرنے کے بعد قصر شروع کرنا پڑے گا، چاہے جتنا بڑا شہر ہو، اب اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مسئلہ فی الحقیقت ایسا ہی ہے تب تو قصر کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا، مثلاً ہمارا ڈھاکہ شہر ایک جانب سے لے کر دوسری جانب تک سو کلومیٹر کا راستہ ہے، بیچ میں کوئی نہر، مزرعہ اور بساتین نہیں ہے، اور میں شہر کے ایک جانب سکونت کرتا ہوں اور مجھے شہر کی بالکل مقابل جانب سے خارج ہو کر سفر کرنے کی ضرورت پیش آئی، اب مجھے کیا کرنا پڑے گا، آیا سو کلومیٹر کا شہر تجاوز کرنے کے بعد قصر شروع کروں گا یا اور پہلے سے؟ اس بارے میں میں بہت الجھا ہوا ہوں، اب تک کوئی فیصلہ نہیں ملا، مذکورہ صورت میں کیا فتوی ہے اور ایسے ہی بڑے بڑے دیگر شہروں کے بارے میں کیا فتوی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آج کل جس طرح شہروں کی آبادیاں وسیع تر رقبے تک پھیلتی جارہی ہیں، ان کا تصور فقہاء متقدمین کے زمانہ میں نہ تھا، اس لئے فقہی کتابوں میں اس کے متعلق صریح جزئیہ ملنا دشوار ہے، اسی بنابر یہ مسئلہ ایک عرصہ سے مفتیان کرام کے لئے موضوع بحث بنا ہوا ہے، تاہم اصول سے قریب یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آبادی کی تحدید میں اتصال مکانات کو بنیاد بنانے کے بجائے عرف کو بنیاد بنایا جائے، یعنی جس آبادی پر لوگوں کے عرف اور سرکاری حد بندیوں کے اعتبار سے ایک آبادی ہونے کا حکم لگایا جاتا ہو اسے متصل آبادی سمجھا جائے، اور جس جگہ سے عرف میں دوسرا شہر ہو جاتا ہو اسے دوسری آبادی قرار دیا جائے، اگرچہ دونوں کی آبادیاں متصل ہوں، مثال کے طور پر دہلی اور اور گڑ گاؤں اور صاحب آباد اور نوئیڈا کی آبادیاں بالکل متصل ہیں، لیکن چونکہ عرف میں گڑ گانواں، صاحب آباد، اور نوئیڈا کو الگ شہر سمجھا جاتا ہے، اس لئے دہلی سے سفر کرنے والا آدمی دہلی کی حدود سے نکلتے ہی فوراً مسافر ہو جائے گا، اگرچہ آبادی کا اتصال برقرار ہو، کیوں کہ عرفی طور پر وہ اپنے شہر اور اس کے توابع سے نکل چکا ہے، اور آپ نے سوال میں ڈھاکہ شہر کا جو تذکرہ کیا ہے اس میں بظاہر یہی ہے کہ دیگر شہروں کی آبادیاں

ڈھاکہ سے متصل ہوگئی ہوں گی، جسے آپ نے ایک شمار کرلیا ہے، اگر عرفی شہروں کو الگ مان لیا جائے تو اشکال نہ ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/۵۷، فتاویٰ رحیمیہ ۶/ ۳۶۳، انوار رحمت ۸۱-۸۳)

والأصل في ذٰلک ما روي عن علي رضي اللّٰه عنه أنه خرج من البصرة يريد السفر فجاء في وقت العصر فأتمها، ثم نظر إلى "خص" أمامه فقال: أما لو كنا جاوزنا هذا الخص لقصرنا. (أخرجه عبد الرزاق في مصنفه ٢/ ٥٢٩ رقم: ٤٣١٩، المحيط البرهاني ٢/ ٣٨٧ إدارة القرآن كراتشي)

من خرج من عمارة موضع إقامته. (درمختار) وأشار إليه أنه يشترط مفارقة ماكان من توابع موضع الإقامة كربض المصر، وهو ماحول المدينة من بيوت ومساكين، فإنه في حكم المصر، وكذا القرى المتصلة بالربض في الصحيح بخلاف بساتين، ولو متصلة بالبناء لأنها ليست من البلدة وأما الفناء: وهو المكان المعد لمصالح كركض الدواب و دفن الموتىٰ وإلقاء التراب فإن اتصل بالمصر اعتبر مجاوزته و إن انفصل بغلوة أو مزرعة فلا . (شامی نعمانیه ١/ ٧٣٢، شامي ٢/ ٦٠٠ - ٥٩٩ زكريا)

والقرية المتصلة بالفناء دون الربض لا تعتبر مجاوزتها على الصحيح كما في شرح المنية . (شامی ٢/ ٦٠٠ زكريا، بيروت ٢/ ٥٢٣)

إن كان بين المصر وفنائه أقد من قدر غلوة و لم يكن بينهما مزرعة يعتبر مجاوزة الفناء أيضا و إن كان بينهما مزرعة أو كانت المسافة بين المصر وفنائه قدر غلوة يعتبر مجاوزة عمران المصر و لا يعتبرفي مجاوزة الفناء . (فتاویٰ قاضی خان ١/ ١٦٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۴/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دوجگہ وطن اصلی کا حکم؟

سوال (۱۲۶۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص دھنورہ ضلع مرادآباد کا رہنے والا ہے، وہیں پیدا ہوا ہے وہیں اس کا مکان ہے؛ لیکن عرصہ دراز سے یہ شخص انبالہ شہر میں مع بیوی بچوں کے سکونت پذیر ہے، وہاں پر اپنا ذاتی رہائشی مکان ہے، وہیں پر خود کا کارخانہ ہے، دھنورہ منڈی سے صرف اس کا اتنا تعلق ہے کہ کبھی اتفاقیہ اپنے کسی عزیز کی شادی یا موت کے موقع پر ایک دو یوم کے لئے آجاتا ہے، اس صورت میں دھنورہ منڈی آکر اس شخص پر کیا قصر نماز ہے یا کہ پوری نماز ادا کرے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تک دھنورہ ضلع مرادآباد کو بالکلیہ طور پر ترک نہ کرے، دھنورہ اور انبالہ دونوں وطن اصلی رہیں گے؛ لہٰذا جب کسی ضرورت سے دھنورہ جائے تو وہاں بھی مکمل نماز پڑھے، قصر کرنا جائز نہیں ہے۔

عن عبد اللّٰہ بن عبد الرحمن بن أبي ذباب عن أبیه: أن عثمان بن عفان صلی بمنیٰ أربع رکعات فأنکره الناس علیه فقال: یا أیها الناس إني تأهلت بمکة منذ قدمت، و إني سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول:: من تأهل في بلد، فلیقل صلاة المقیم. (مسند الإمام أحمد بن حنبل ٦٢/١ رقم: ٤٤٣)

ویبطل الوطن الأصلي بمثله لا لاسفر؛ لأن الشي یبطل بما هو مثله لا بما هو دونه فلا یصلح مبطلا له ...... والوطن الأصلي هو یطن الإنسان في بلدته أو بلدة أخریٰ اتخذها دارا و توطن بها مع أهله و ولده و لیس من قصده الارتحال عنها بل التعیش بها و هذا الوطن یبطل بمثله لا غیروهو أن یتوطن في بلدة أخریٰ و ینقل الأهل إلیها، فیخرج الأول من أن یکون وطنا أصلیا حتیلو دخله مسافراً لا یتم قیدنا بکونه انتقل عن الأول بأهله.

لأنـه لـو لم ينتقل بهم ولكنه استحدث أهلاً في بلدة اخرىٰ، فإن الأول لم يبطل ويتم فيهما. (البحر الرائق ۲/۱۳٦ كوئٹه)

ولـو انتـقـل بأهله ومتاعه إلى بلد وبقى له دور و عقار فى الأول، قيل بقى الأول وطناً له، وإليه أشار محمد رحمه اللّٰه تعالىٰ فى الكتاب. (عالمگیری ۱/۱٤۲)

الـوطـن الأصـلـي يـجـوز أن يـكـون واحـداً أو أكثـر من ذلٰـک. (بدائع ۱/۲۸۰ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۷/۵/۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دورانِ سفر وطن اصلی سے گذرنا؟

سـوال (۱۲٦۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید الٰہ آباد میں مع اہل وعیال رہتا ہے، اور یہیں ملازمت بھی کرتا ہے، اس کی والدہ بھائی بہن سب دوسری جگہ ایک گاؤں میں دس کلومیٹر دوری پر رہتے ہیں، اب زید الٰہ آباد سے دہلی کو روانہ ہوا اور راستہ میں وہ اپنی والدہ بہن سے ملاقات کرنے کے لئے ان کے گھر جائے تو وہ اپنی والدہ کے گھر قصر کرے گا یا اتمام کرے گا؟ زید کا مکان الٰہ آباد میں ذاتی نہیں؛ بلکہ اسکول کی طرف سے ملا ہوا ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وبالله التوفيق: زید کی والدہ جس گاؤں میں رہتی ہیں اگر وہ جگہ زید کا وطن اصلی ہے، تو وہاں پوری نماز پڑھے گا، اور اگر وطن اصلی نہیں ہے تو وہاں قصر نماز پڑھے گا؛ اس لئے کہ الٰہ آباد سے وہ لمبے سفر کے ارادہ سے نکلا ہے۔

فـلـو كـان لـه أبـوان ببـلـد غير مولده وهو بالغ ولم يتأهل به فليس ذلك وطناً له إلا إذا عزم على القرار فيه. (شامی ۲/٦۱۲ زکریا)

والحاصل أن إنشاء السفر يبطل وطن الإقامة إذا كان منه، أما لو أنشأه من غيره فإن لم يكن فيه مرورٌ على وطن الإقامة أوكان ولكن بعد سير ثلاثة أيام فكذلک، ولو قبله لم يبطل الوطن بل يبطل السفر؛ لأن قيام الوطن مانع من صحته، والله أعلم. (شامی ۲/۱۵۱٦زکریا، بیروت ۲/۵۳۷، منحة الخالق علی البحر الرائق ۲/۲٤۰ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۳/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دورانِ سفر راستہ کی نماز کا حکم

سوال (۱۲۶۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی طالب علم مرادآباد ۴۸ رمیل سے زائد کے فاصلہ سے علم حاصل کرنے کے لئے آتا ہے، اور پندرہ دن سے زائد قیام کا ارادہ ہے تو کیا دورانِ سفر اپنی نماز میں قصر کرے گا یا پوری نماز ادا کرے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں وہ طالب علم دورانِ سفر راستہ میں قصر نماز پڑھے گا۔

قال تعالیٰ: ﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلاَةِ﴾ [النساء:۱۰۱]

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: فرضت الصلاة ركعتين، ثم هاجر النبي صلى الله عليه وسلم ففرضت أربعا، وتركت صلاة السفر على الأولىٰ.

(صحيح البخاري رقم ۳۷۹۵)

عن ابن عمر رضي الله عنه يقول: صحبت رسول الله صلى الله عليه

وسلم فكان لا يزيد في السفر على ركعتين، و أبو بكر و عمر وعثمان كذٰلک.

(صحيح البخاري رقم ۱۱۰۲)

صلى الفرض الرباعي الركعتين ولو كان عاصياً بسفره حتى يدخل موضع مقامه أو ينوي إقامة نصف شهر بموضع صالح لها. (تنوير الأبصار مع در مختار كراچی ۱۲۳/۲، درمختار مع الشامي ۶۰۳/۲ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۱۱/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسافر شرعی کا حدودِ شہر سے گذرتے ہوئے آگے سفر کرنا

سوال (۱۲۷۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص مرادآباد سے دہلی کا سفر کرتا ہے تو وہ دہلی جاکر شرعاً مسافر ہوگیا، پھر وہ دہلی سے کسی کام سے عمری کلاں آنا چاہتا ہے، جو مرادآباد سے تقریباً ۳۰ رکلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، گھر یا اپنے شہر آنے کا کوئی ارادہ نہیں، اب وہ دہلی سے عمری کے لئے جس گاڑی پر سوار ہوا وہ اس کے شہر مرادآباد سے ہوکر عمری کلاں پہنچتی ہے، تو اب دریافت یہ کرنا ہے کہ یہ شخص عمری جاکر بھی مسافر رہے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب وہ شخص اپنے وطن اصلی مرادآباد کی حدود میں پہنچ گیا تو اس کا سلسلہ سفر ختم ہوگیا۔

إذا دخل المسافر في مصره أتم الصلاة وإن لم ينوى الإقامة فيه. (هندية ۱۴۲/۱، هكذا فى الهداية ۱۶۷/۱)

ذكر البخاري تعليقا قال : خرج على ابن أبي طالب فقصر وهو يرى البيوت، فلما رجع قيلله: هذه الكوفة، قال: لا حتى تدخلها. (صحيح البخاري كتاب تقصير الصلاة / باب يقصر إذا خرج من موضعه ۱۴۸/۱)

اب آگے اس کو عمری جاکر واپس دہلی جانا ہے تو مختلف صورتوں کے الگ الگ احکام ہوں گے، مثلاً:

الف: اگر عمری سے واپس مرادآباد ہوتے ہوئے دہلی جانے کا ارادہ ہے تو عمری میں نماز پوری پڑھے گا؛ کیوں کہ مرادآباد اور عمری میں مسافت سفر نہیں ہے۔

إذا قصد مصراً من الأمصار وهو ما دون مسيرة ثلاثة أيام لا يكون مسافراً. (البحر الرائق ۲/۱۲۹)

ب: اور اگر مرادآباد سے عمری جاتے وقت یہ ارادہ ہے کہ واپسی میں مرادآباد سے گذرے بغیر عمری سے ہی سیدھے دہلی چلا جائے گا اور عمری میں پندرہ روز قیام کا بھی ارادہ نہیں ہے تو ایسی شکل میں وہ مرادآباد سے نکلتے ہی مسافر شمار ہوگا، اور عمری میں بھی قصر کرتا رہے گا۔

من خرج من عمارة موضع إقامته قاصداً مسيرة ثلاثة أيام ولياليها. صلى الفرض الرباعي ركعتين حتى يدخل موضع مقامه أو ينوي إقامة نصف شهر. (تنوير الأبصار مع در مختار على شامی ۲/۵۹۹-۶۰۵ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۱/۳/۲۴ھ

گھر سے موہوم سفر کی نیت لے کر نکلنا؟

سوال (۱۱۷۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں دفتر تحفظ ختم نبوت کا ناظم ہوں میرا گھر دفتر سے تقریباً ۶۰ رکلومیٹر کی دوری پر ہے، اکثر اپنے گھر سے دفتر آنے میں یہ ذہن میں رہتا ہے کہ آئندہ نہ جانے کہاں کا سفر ہوجائے؟ ایسی صورت میں کیا میں گھر سے نکلنے کے بعد مسافر ہوجاؤں گا یا دفتر سے مسافت شمار ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس بارے میں اصول یہ ہے کہ جب تک سفر کا آغاز

کرتے وقت سفر شرعی یعنی تقریباً ساڑھے بیاسی کلومیٹر کا قصد نہ ہو، اس وقت تک آدمی مسافر شرعی قرار نہیں پاتا اس اصول کی روشنی میں صورت مسئولہ کا حکم یہ ہے کہ چونکہ آپ گھر سے نکلتے وقت صرف دفتر جانے کی نیت کرتے ہیں جو مسافت سفر سے کم پر واقع ہے اس لیے آپ گھر سے روانہ ہوتے وقت مسافر نہیں ہوں گے البتہ اگر دفتر پہنچ کر آگے وہاں سے سفر شرعی کی صورت پیش آئے تو اب سفر کا حکم لگے گا۔

عن ابن عمر رضي الله عنه قال: تقصر الصلاة في مسيرة ثلاثة أميال.

عن يحى بن يزيد الهنائى قال: سألت أنس بن مالک عن قصر الصلاة؟ فقال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا خرج إلى مسيرة ثلاثة أميال أو ثلاثة فراسخ –شعبة الشاک– صلى ركعتين (المصنف لابن أبي شيبة ٥/٥٥–٣٥٤ رقم: ٠٤–١٨٢٠٧ المجلس العلمي)

من خرج من موضع إقامته قاصدا مسيرة ثلاثة أيام و لياليها صلى الفرض الرباعي ركعتين، قوله قاصدا: و من طاف الدنيا بلا قسد لم يقصر (در مختار) أشار به مع قولخ خرج إلى أنه لو خرج ولم يقصد أوقصد و لم يخرج لا يكون مسافرا. (در مختار مع الشامي ٦٠٣/٢– ٥٩٩ زكريا، البحر الرائق ١٢٨/٢ كوئٹه، هنديه ١٣٩/١)

ولا يصير مسافراً بالنية حتى يخرج، ويصير مقيما بمجرد النية، كذا في محيط السرخسي. (هنديه ١٣٩/١، كذا في البحر الرائق ٢٢٧/٢ رشيديه، والبدائع / باب صلاة المسافر ٤٧٧/١ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۲/۱۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک جگہ قیام کر کے اطراف میں پھیری کرنا؟

سوال (۱۲۷۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ہم لوگ ہریانہ پنجاب میں اور دوسرے شہر میں تجارتی کاروبار کی غرض سے جاتے ہیں، کسی بھی شہر جاکر کمرہ کرایہ پر لے لیا اور دن بھر علاقہ میں پھیری کر کے شام کو کمرہ پر آجاتے ہیں، آیا ہم نماز قصر پڑھیں گے یا پوری نماز ادا کریں گے؟ جب کہ ہم مستقل ایک ہی شہر میں نہیں رہتے، پورے علاقہ میں پھیری کرتے ہیں، اور شام کو کمرہ پر آجاتے ہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خاص ایک آبادی میں اگر پندرہ دن قیام کی نیت نہ ہو، تو صورتِ مسئولہ میں آپ برابر مسافر رہیں گے، اور قصر نماز پڑھیں گے۔

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه قال: خرجنا مع النبي صلی اللّٰه علیه وسلم من المدینة إلی مکة، فصلی رکعتین، قال: قلت لأنس: کم أقام رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بمکة؟ قال عشراً. (سنن الترمذي رقم ٥٤٦)

وعن مجاهد قال: کان ابن عمر إذا أجمع علی إقامة خمس عشر سرح ظهره و صلی أربعا. (المصنف لإبن أبی شیبة ٣٨٤/٥ رقم ٨٣٠١)

وعنه عن عبد اللّٰه بن عمر قال: إذا کنت مسافراً فوطنت نفسک علی اقامة خسمة عشر یوماً فأتمم الصلاة، و إن کنت لا تدري متی تظعن فاقصر.

(کتاب الآثار للإمام محمد برقم: ١٨٨، کذا في هامش التاتارخانیة ٤٩٥/٢ زکریا)

ووطن الإقامة موضع نوی الإقامة فیه نصف شهر فما فوقه. (مراقی الفلاح ١٦٥ دار الکتب العلمیة بیروت،) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۱۰/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

وطن اقامت محض ارادۂ سفر سے باطل نہیں ہوتا

سوال (۱۲۷۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ایک صاحب جوکہیں باہر ملازمت کرتے ہیں اپنے گھر سے تقریباً ڈیڑھ سو کیلومیٹر ہے، اب یہ صاحب مذکور یہاں سے ترک ملازمت کا ارادہ کر لیتے ہیں؛ لیکن ابھی یہیں ٹھہرے ہوئے ہیں، تو کیا سفر کے احکام یعنی نماز قصر پڑھیں گے، محض ارادہ سے ہی مسافر ہو جائیں گے یا یہاں سے چل دینے کے بعد؟ نیز اگر یہ صاحب یہیں کہیں اطراف ومضافات میں رہنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وطن اقامت محض ارادۂ سفر سے باطل نہیں ہوتا؛ بلکہ وہاں سے سفر شرعی کرنے یا دوسری جگہ کو وطن اقامت بنا کر منتقل ہونے سے سے باطل ہوتا ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں جب تک مذکورہ شخص اپنے وطن اقامت سے منتقل نہ ہو وہ وہاں نمازیں پوری پڑھے گا، قصر نہ کرے گا۔

ولا يصير مسافراً بالنية حتى يخرج. (هنديه ۱۳۹/۱)

ووطن الإقامة يبطل بوطن الإقامة وبانشاء السفر. (عالمگيری ۱۴۲/۱)

ومن حكم وطن السكنىٰ أنه ينتقض بكل شيء بالوطن الأصلي، و بوطن السفر وبوطن السكنىٰ وبإنشاء السفر. (الفتاوىٰ التاتارخانية ۵۱۱/۲ رقم ۳۱۵۱ زكريا، كذا في الدر المختار ۶۱۴/۲ بيروت، بدائع الصنائع ۲۸۰/۱ زكريا، البحر الرائق ۲۳۹/۲ زكريا، مجمع الأنهر ۲۴۳/۱، حلبي كبير ۵۴۴، هدايه ۱۶۷/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۰/۲۸/ ۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اگر موضع اقامت میں ۱۵/ دن سے کم یا زیادہ رکنا یقینی نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال (۱۲۷۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید سفر شرعی کی مسافت طے کر کے امامت کی جگہ تلاش کرتے ہوئے ایک مدرسہ میں پہنچا،

وہاں پہنچ کراس نے یہ نیت کی کہ کہیں سے مانگ آئے گی تو چلا جاؤں گا، ورنہ یہاں بیٹھا ہوں، زید اپنی اس نیت سے مقیم ہوگیا یا مسافر ہی رہا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس شخص کو اگر یہ اندازہ ہو کہ یہاں ۱۵؍دن رکنا ہوگا تو وہ شخص وہاں اتمام کرے گا اور اگر اندازہ یہ ہو کہ ۱۵؍دن سے کم رکنا پڑے گا تو پھر وہ مسافر رہے گا اور قصر کرے گا۔

ووطن الإقامة موضع نوى الإقامة فيه نصف شهر فما فوقه. (مراقی الفلاح ۱۶۵ دار الكتب العلمية بيروت)

الحجاج إذ وصلوابغداد ولم ينووا الإقامة وعزموا أن لا يخرجوا إلا مع القافلة ويعلمون أن بين هٰذا الوقت وبين خروج القافلة خمسة عشرة يوماً فصاعداً يتمون أربعاً. (عالمگیری ۱/۱۳۹-۱۴۰)

ولو أنه أقام في موضع أياما ولم ينو الإقامة، لا يصير مقيما عندنا و إن طالت إقامته، عن ابن عمر قال: ارتج علينا الثلج و نحن بآذر بيجان ستة أشهر في غزاة قال ابن عمر: فكنا نصلى ركعتين. (معرفة السنن و الآثار للبيهقي ۲/۴۳۶ رقم ۱۶۱۰)

وعن إبراهيم كنت مع علقمة بخوارزم سنتين يصلى ركعتين. (المصنف لابن أبي شيبة ۵/۳۸۲ برقم ۸۲۹۲، المصنف لعبد الرزاق ۲/۵۳۶ رقم ۴۳۵۵)

عن وكيع قال: سمعت سفيان يقول: إذا أجمع على مقام خمس عشرة أتم الصلاة حين يدخل، و إذا لم يدر حتى يخرج صلى ركعتين، وإن أقام حولا وهو القول عنده. (المصنف لابن أبي شيبة ۵/۳۸۴ رقم ۸۳۰۵، الفتاوىٰ التاتارخانية ۲/۴۹۵-۴۹۶ رقم ۳۱۰۰ زكريا)

عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: خرجنا مع النبي صلى الله عليه

وسلم من المدينة إلى مكة، فصلى ركعتين، قال: قلت لأنس: كم أقام رسول الله صلى الله عليه وسلم بمكة؟ قال عشراً. (سنن الترمذي رقم ٥٤٦)

وعن مجاهد قال: كان ابن عمر إذا أجمع على إقامة خمس عشر سرح ظهره و صلى أربعا. (المصنف لابن أبي شيبة ٥/٣٨٤ رقم ٨٣٠١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۴/۲/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شوہر کی اجازت سے زیادہ دن میکہ میں رہنے پر بیوی نماز میں قصر کرے گی یا اتمام؟

سوال (۱۲۷۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید مرادآباد کا رہنے والا ہے، اس کی شادی ممبئ میں ہوئی، اور زید نے اپنی شریک حیات کو ممبئ سے رخصت کر کے مرادآباد لے آیا، اب کچھ دنوں کے بعد زید کے خسر صاحب مرادآباد میں آ کر اپنی بیٹی کو جب ممبئ لے جارہے تھے، تو اس وقت زید نے صرف ایک ہفتہ کی اجازت دی، اب سوال یہ ہے کہ زید نے اپنی بیوی کو صرف ایک ہفتہ کی اجازت دی تھی؛ لیکن زید کے خسر صاحب نے اپنی بیٹی کو ایک مہینہ تک روک لیا، تو کیا وہ اس دوران نماز قصر پڑھے گی یا پوری پڑھے گی؟

اور ایک مسئلہ اسی کے ذیل میں یہ ہے کہ زید نے تو صرف ایک ہفتہ کی اجازت دی تھی اور لڑکی کے باپ نے ایک مہینہ تک روک لیا تو کیا یہ شوہر کی نافرمانی ہوگی یا نہیں؟ اور وہاں کس کی بات کو ترجیح دی جائے گی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں زید کی بیوی جب ممبئ پہنچ گئی تو اپنی نیت سفر اور اقامت میں مستقل ہوگئی، اب اس کی اپنی نیت کا اعتبار رہے، زید کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

فكذا يثبت لها إذا وصلت إلى بلدة أو قرية فتصح نيتها الإقامة بها؛ لأنها حينئذ غير تبع له. (شامی زکریا ۲/ ۶۱۷)

اب اگراس کی نیت پندرہ دن یا اس سے زائد قیام کی تھی تو اس کو پوری نماز پڑھنی لازم ہے، اوراگرنیت پندرہ دن کی نہیں تھی؛ بلکہ اتفاقی طور پر پندرہ دن سے زائد قیام ہوگیا تو اس کو قصر نماز پڑھنی لازم ہے۔

عن وكيع قال: سمعت سفيان يقول: إذا أجمع على مقام خمس عشرة أتم الصلاة حين يدخل، و إذا لم يدر حتى يخرج صلى ركعتين، وإن أقام حولا وهو القول عنده. (المصنف لابن أبي شيبة ٥/ ٣٨٤ رقم ٨٣٠٥، الفتاوىٰ التاتارخانية ٢/ ٤٩٥-٤٩٦ رقم ٣١٠٠ زكريا)

أو دخل بلدة ولم ينوها بل ترقب السفر ولو بقي سنين. (درمختار مع الشامي ٢/ ٦٠٧ زكريا)

ولو أنه أقام في موضع أيام ولم ينو الإقامة لا يصير مقيما عندنا و إن طالت إقامته ...... والمعنى أن الإقامة ضد السفر و أجمعنا أنه لا يصير مسافرا إلا بالنية و إن وجد منه حقيقة السفر، فكذا لا يصير مقيما، و إن وجد منه حقيقة الإقامة ما لم ينو الإقامة. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٢/ ٤٩٥ رقم ٣١٠٠ زكريا)

نیز اس صورت میں اگر خوش دلی سے نہ رکی ہوتو زید کی بیوی نافرمان بھی نہیں ہوگی؛ کیوں کہ بغیر محرم کے ان کے لئے سفر کرنا جائز نہیں ہے، جب باپ یا کوئی ذورحم محرم لاکر چھوڑے تب ہی وہ آسکتی ہے۔

لقوله عليه السلام: لا يحل لامرأة تومن بالله واليوم الآخر أن تسافر سفراً يكون ثلاثة أيام فصاعداً إلا ومعها أبوها أو ابنها أو زوجها أو أخوها أو ذي رحم محرم منها. (رواه مسلم عن أبي سعيد ١/ ٤٣٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۶/ ۵/ ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۲؍ گھنٹے میں دہلی سے بمبئی کا سفر کرنے والا دورانِ سفر قصر کرے گا یا اتمام؟

سوال (۱۲۷۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید بذریعہ ٹرین یا جہاز صبح دہلی سے بمبئی کے لئے روانہ ہوکر قبل ازظہر بمبئی پہنچ گیا، اور پھر وہ بذریعہ جہاز شام کو واپس دہلی آ گیا، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ بمبئی میں ظہر عصر میں قصر کرے گا یا نہیں؟ عمر کا یہ کہنا ہے کہ چوں کہ زید کا یہ سفر شرعی ۲۴؍ گھنٹہ کے اندر اندر مکمل ہوگیا اس لئے وہ بمبئی میں قصر نہیں کرے گا، کیا یہ درست ہے؟ یہ واضح رہے کہ دہلی زید کا وطن اصلی ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سفر میں قصر کا مدار مدت سفر پر نہیں؛ بلکہ مسافت سفر پر ہے؛ لہٰذا اگر کوئی شخص مسافت سفر (جو اس دور میں تقریباً ساڑھے ۸۲؍ کلومیٹر ہوتی ہے) کا سفر کرتا ہے تو اس پر نماز میں قصر ضروری ہوگا، خواہ وہ مسافت اس نے کم سے کم وقت میں پوری کرلی ہو؛ اس لئے مسئولہ صورت میں میں ایک ہی دن میں دہلی سے بمبئی کا سفر کرنے والے شخص پر دورانِ سفر اور بمبئی کے قیام کے دوران قصر کرنا لازم ہے۔

وأخبرني يونس عن الحسن قال: تقصر الصلاة في مسيرة يومين قال: وقولنا الذي نأخذ به مسيرة ثلاثة أيام قلت: من أجل ما أخذت به؟ قال: قول النبي صلى الله عليه وسلم لا تسافر امرأة فوق ثلاث إلا مع ذي محرم. (المصنف لعبد الرزاق، الصلاة / باب في كم تقصر الصلاة ٥٢٧/٢ رقم: ٤٣٠٦)

حتى لو أسرع فوصل في يومين قصر. (درمختار ٦٠٣/٣، تاتارخانية ٤٩٢/٢ رقم: ٣٩٨٩ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۳/۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کلکتہ کا باشندہ اپنی جائے اقامت سے ۱۵ کلومیٹر دوری پر واقع ایئرپورٹ پر نماز میں قصر کرے گا یا اتمام؟

سوال (۱۲۷۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید شہر کلکتہ میں رہتا ہے، اس کی جائے اقامت سے ایرپورٹ تقریباً ۱۵ر کلومیٹر دور ہے، درمیان میں آبادیوں کا فاصلہ بھی ہے، عصر کی نماز کا وقت شروع ہوجاتا ہے، اور زید گھر سے سفر کے ارادے پر نکلتا ہے، اور ائرپورٹ پر پہنچنے کے بعد عصر کا وقت ابھی باقی ہے، وہ قصر کرتا ہے عمر واسے ٹوکتا ہے کہ قصر کرنا درست نہیں ہے، اور نماز بھی درست نہیں ہوئی، لہٰذا نماز دوبارہ ادا کرو، کیوں کہ جب تم گھر سے نکلے تھے تو عصر کا وقت شروع ہوگیا تھا، زید کہتا ہے کہ اگرچہ گھر سے نکلتے وقت عصر کا وقت شروع ہو چکا تھا، لیکن میں اپنی آبادی سے نکل کر ایرپورٹ پر ہوں اس لئے قصر ہی ضروری ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ دونوں میں کس کی بات صحیح ہے؟ جو بھی شریعت کی بات ہو اسے دلیل کے ساتھ تحریر کریں تاکہ نزاع برخاست ہو۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ ایرپورٹ اگرچہ زید کی جائے اقامت سے ۱۵ر کلومیٹر دور ہے، لیکن وہ شہر کلکتہ کی حدود کے اندر ہی ہے، لہٰذا مذکورہ شخص ایرپورٹ پر مقیم ہی رہے گا، اور اسے عصر کی نماز پوری ہی پڑھنی ہوگی، اس کے لئے ایرپورٹ پر قصر کی اجازت نہ ہوگی، البتہ شہر کلکتہ کے علاوہ کسی اور آبادی سے آنے والا شخص اپنی آبادی سے نکلنے پر مسافر شمار ہوگا، اور وہ ایرپورٹ پر قصر کرے گا۔

يشترط مفارقة ماكان من توابع موضع الإقامة. (شامی ۲/ ۵۹۹ زکریا)

رجل خرج من مصره إلى قرية لحاجة ولم يقصد السفر ونوىٰ أن يقيم فيها أقل خمسة عشر يوما فإنه يتم فيها؛ لأنه مقيم. (شامی ۲/۶۱۵ زکریا، بیروت ۲/۵۳۷)

عن ابن عباس رضي الله عنه قال: إذا كان سفرك يوما إلى العتمة فلا

تـقـصـر الصلاة فإن جاوزت ذلک فقصر الصلاة. (المصنف لابن أبي شيبة ٣٥٧/٥ رقم: ٨٢١٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۸/۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پربھنی سے پورنا جانے کے قصد سے سفر کرنا

سوال (۱۲۷۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: پربھنی سے بسمت ۴۲ کلومیٹر، بسمت پورنا ۴۱ کلومیٹر اور پھر پورنا سے پربھنی ۴۰ کلومیٹر ہے، ایک دن کا سفر ہے، مثلاً پورنا میں اگر ظہر یا عصر پڑھنا ہے، تو چونکہ فاصلہ ۸۳ کلومیٹر کا ہوگیا، لیکن پربھنی سے قریب ہو گئے، تو ایسی صورت میں قصر کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: پربھنی سے اگر پورنا جانے کے قصد سے سفر کیا ہے تو اس صورت میں قصر کیا جائے گا، اور جب تک پربھنی واپس نہیں آئے گا، اس وقت تک مسافر ہی رہے گا۔

ولو لموضع طريقان، أحدهما مدة السفر والآخر أقل قصر في الأول لا الثاني. (الدرالمختار عى هامش رد المحتار ٢/ ٦٠٣، البحر الرائق ٢/ ١٢٩ كوئٹه، تاتارخانية ٤٩٢/٢ رقم: ٣٠٩٥ زكريا)

وتعتبر المدة من أي طريق أخذ فيه كذا في البحر الرائق، فإذا قصد بلدة و إلى مقصده طريقان أحدهما مسيرة ثلاثة أيام و لياليها والآخر دونها فسلک الطريق الأبعد كان مسافراً عندنا هكذا في فتاوىٰ قاضي خان، و إن سلک الأقصر يتم كذا في البحر الرائق. (الفتاوىٰ الهندية ١٣٨/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/۷/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سفر کے دوران اساتذہ سے ملاقات ہوجانے پر واپس آجانے کی نیت سے سفر شروع کرنا؟

سوال (۱۲۷۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک مدرسہ میں مدرس ہے اس کے وطن اور مدرسہ میں تقریباً ۱۰۰ر کلومیٹر کی مسافت ہے، زید کے ایک استاذ بھی ایک مدرسہ میں مدرس ہیں، زید اس کے استاذ کے مدرسہ میں تقریباً ۴۰ر کلومیٹر کی مسافت ہے، زید اپنے مدرسہ سے اس ارادے سے نکلا کہ اگر کسی ذریعہ سے استاذ محترم کا پتہ چل گیا کہ مدرسہ میں موجود ہیں، تو وہیں چلا جائے گا، زید نے جب اپنے مدرسہ سے تقریباً ۱۵ر کلومیٹر کی مسافت طے کرلی تو وہیں اس نے ظہر کی نماز قصر ادا کی، قصر ادا کرنے تک زید کی یہی نیت تھی کہ اگر پتہ چل گیا تو استاذ محترم کے یہاں چلا جاؤں گا، ورنہ گھر واپس ہوجاؤں گا، زید جب نماز پڑھ کر باہر نکلا تو ایک طالب علم کے ذریعہ معلوم ہوا کہ استاذ محترم نہیں ہیں، پھر زید وہیں سے اپنے گھر کو روانہ ہوگیا، اور زید نے مدرسہ سے نکلتے وقت یہ نیت کی تھی کہ اگر پتہ نہ چلا تو گھر کو چلا جائے گا، تو اس کا یہ عمل درست تھا یا نہیں؟ پھر زید نے گھر پہنچ کر اپنی نماز شک کی وجہ سے دوبارہ پڑھی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید کا یہ ارادہ تھا کہ اگر استاذ صاحب مل گئے جن کا گھر مدرسہ سے مسافت سفر سے کم پر واقع ہے وہیں سے واپس آجائے گا، اور اگر نہ ملے تو وطن واپس چلا جائے گا، جو مسافت سفر پر ہے، اس تردد کی وجہ سے نیت پختہ نہیں ہوئی، لہٰذا مسئولہ صورت میں زید کو نماز قصر نہیں پڑھنی چاہئے، کیوں کہ جب تک اس کا ارادہ مسافت سفر کا نہیں بنا اس وقت تک وہ مسافر شرعی نہیں تھا، اب بعد میں چونکہ زید نے قصر پڑھی گئی نماز کو دہرا لیا ہے، تو اب اس پر کچھ لازم نہیں۔

ولا بد للمسافر من قصد مسافة مقدرة بثلاثة أيام حتى يترخص برخصة المسافرين، وإلا لا يترخص أبدا (إلى قوله) ويكفي في ذلك القصد غلبة الظن،

يعني إذا غلب على ظنه أنه يسافر قصر ولا يشترط فيه التيقين. (الفتاویٰ الهندية ۱۳۹/۱)

السفر الذي يتعلق به قصر الصلاة قال علماؤنا: أدناها مسيرة ثلاثة أيام و لياليها مع الاستراحات التي تكون في خلال ذٰلک بسير الإبل ومشي الأقدام وهو سير الوسط. (الفتاویٰ التاتارخانية ۴۸۹/۲ زكريا)

أخرج عبد الرزاق عن الثوري قلت له: في كم تقصر الصلاة؟ فذكر حديث منصور عن مجاهد عن ابن عباس قال: و أخبر يونس عن الحسن قال: تقصر الصلاة في مسيرة يومين قال: وقولنا الذي نأخذه به مسيرة ثلاثة أيام قلت: من أجل ما أخذت به؟ قال قول النبي ﷺ: لا تسافر امرأة فوق ثلاث، إلا مع ذي رحم محرم. (المصنف لعبد الرزاق ۵۲۷/۲ رقم ۴۳۰۶) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۸/۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تیس کلومیٹر دوری پر تبلیغ کے لئے جانے پر قصر کرنا جائز نہیں

سوال (۱۲۸۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے گاؤں ''ڈگوباڈؤ'' سے تیس کلومیٹر دور ''مارتر ؤ'' نامی ایک گاؤں ہے جہاں سے ایک جماعت چار پانچ گھنٹہ کی نیت سے تبلیغ کے لئے آئی ہے، جس کو پھر اپنی جگہ واپس جانا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ان کا امام عالم ہے، انہوں نے عصر کی نماز دورکعت پڑھی، پوچھنے پر عالم صاحب نے کہا کہ ہم پر قصر ہے اور قصر اسی وقت سے شروع ہوجاتی ہے جب آپ اپنے گاؤں کی حد سے باہر نکل آتے ہیں، میں نے بار بار درخواست کی کہ آپ کتاب میں رجوع کرلیں اس میں ۴۸ میل کی وضاحت ہے، تو عالم نے جواب دیا کہ ہم ایسے لوگوں سے بات کرنا نہیں چاہتے ہیں، جو احادیث نہیں جانتے، آپ سے گذارش ہے مسئلہ کی وضاحت فرمادیں، اگر میں غلطی پر ہوں تو میں اپنے آپ کو درست کرلوں گا، لیکن اگر عالم غلطی پر ہے تو وہ مسلم معاشرہ کو گمراہ کررہا ہے وہ مسجد کے امام بھی ہیں، کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احادیث اور فقہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تین دن اور تین رات میں تمام انسانی ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے پیدل جتنی مسافت قطع کی جا سکے، اگر اتنی یا اس سے زیادہ مسافت کے ارادہ سے کوئی شخص اپنے وطن سے باہر نکلے تو اس پر قصر نماز پڑھنے کا حکم ہے؛ لیکن اگر اس سے کم مسافت کے لئے سفر شروع کیا ہے اور پھر واپس اپنے مقام پر آنا ہے، جیسا کہ سوال میں ذکر ہے، تو ایسے لوگوں کے لئے قصر کرنا جائز نہیں ان کو نماز پوری پڑھنی ہے، اور تین دن اور تین رات کی مسافت کا اندازہ موجودہ دور میں تقریباً ساڑھے بیاسی کلومیٹر میل سے لگایا گیا ہے، اس لئے اس سے کم میں قصر صحیح نہ ہوگا۔

أخبرنا سعيد بن عبيد الطائی عن علی بن ربيعة الوالی، الوالبة بطن من بنی أسد بن خزيمة قال سألت عبدالله بن عمر رضی الله عنه إلى كم تقصر الصلاة؟ فقال : أتعرف السويداء قال: قلت: لا! ولكنی قد سمعت بها قال هي ثلاث ليال قواصد، فإذا أخرجنا إليها نقصر الصلاة، رواه الإمام محمد بن الحسن رحمه الله في الآثار له، وفي آثار السنن إسناده صحيح قلت: رجاله ثقات من رجال الصحيحين. (آثار السنن رقم: ۸۲۸، إعلاء السنن ۷/ ۲۳۸)

عن عبدالرحمن بن أبی بكر عن أبيه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم وقت في المسح على الخفين ثلاثة أيام ولياليهن للمسافر، وللمقيم يوم وليلة.

(رواه ابن حبان في صحيحه وتحته في إعلاء السنن)

وحاصله ماقال الشيخ: أن الحديث يدل على أن من أراد قطع مسيرة ثلاثة أيام ولياليها، فهو مسافر حتما عند الشارع...... قلت: المراد بالمسافر في الحديث من يقطع المراحل بطريق العادة المعروفة في السفر بسير وسط مع الاستراحات التی اعتادها. (إعلاء السنن ۷/ ۲۳۷)

وفي الكنز: من جاوز بيوت مصره مريداً سيراً وسطاً ثلاثة أيام في بر أو بحر أو جبل قصر الفرض الرباعي. (کنز مع البحر کراچی ۱۲۸/۲)

وفي البحر: وذكر الإسبيجابي: المقيم إذا قصد مصراً من الأمصار وهو مادون مسيرة ثلاثة أيام لايكون مسافراً. (البحر الرائق کراچی ۱۲۹/۲)

وفي التاتارخانية: قال علماؤنا: أدناها مسيرة ثلاثة أيام ولياليها مع الاستراحات التي تكون في خلال ذلك بيسر الإبل، ومشي الأقدام، وهو السير الوسط والمعتاد الغالب. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۴۸۹/۲ زکریا)

وفي تنوير الأبصار: من خرج من عمارة موضع إقامته قاصداً مسيرة ثلاثة أيام ولياليها بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة صلى الفرض الرباعي ركعتين. (تنوير الأبصار مع الدر المختار والشامی ۲/ ۵۹۹، ۶۰۳ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۲/۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسافت سفر طے کر کے شہر میں پہنچنے والی تبلیغی جماعت مسافر رہے گی یا مقیم؟

سوال (۱۲۸۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں سفر کرنے والی جماعت مسافت سفر شرعی طے کر کے کسی شہر میں پہنچی اور مرکز کے مشورے سے اس شہر میں پندرہ دن سے زائد کام کرنے کا مشورہ ہوگیا اور جماعت نے قبول بھی کرلیا تو اب یہ جماعت اس شہر میں مسافر رہے گی یا مقیم؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب یہ جماعت مسافت شرعی طے کر کے کسی آبادی میں پہنچی اور جماعت کے لوگوں نے پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کر

لی ہے، تو شرعاً یہ مقیم ہو جائیں گے اور نماز پوری پڑھنا لازم ہوگا۔

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما أنه قال: من أقام خمسة عشر يوما أتم الصلاة. (سنن الترمذي ۱۲۲/۱)

ولا يزال حكم السفر حتى ينوي إقامة في بلدة أو قرية خمسة عشر يومًا. (المحيط البرهاني ۱۲۸/۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۲/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قسطوں میں سفر طے کر کے مسافت شرعیہ کو پہنچنے والی جماعت نماز میں قصر کرے گی یا اتمام؟

سوال (۱۲۸۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک جماعت مسافت شرعی سے کم مقدار سفر کر کے کسی شہر میں پہنچی پھر وہاں کے مشورہ سے آگے پھر مسافت سفر سے کم مقدار سفر کر کے دوسرے شہر میں پہنچی اسی طرح تیسرے، چوتھے میں پہنچی ۔غرض مجموعہ مسافت شرعیہ کو پہنچ گیا مگر ایک ساتھ اتنا لمبا سفر کرنے کا ارادہ نہیں تھا۔تو یہ جماعت مسافر ہے یا مقیم ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مسئولہ صورت میں ایک شہر سے دوسری جگہ جاتے وقت سفر شرعی کا ارادہ نہیں ہوا ہے، اس لئے یہ جماعت جاتے وقت مسافر نہ ہوگی؛ لیکن جب آخری منزل مسافت شرعی کو پہنچ جائے اور وہاں سے وطن یا مرکز واپسی کا ارادہ ہو، تو واپسی کے وقت راستے میں جماعت کو قصر کرنا ہوگا۔

ومن خرج من عمارة موضع إقامته قاصدًا ولو كافرا، ومن طاف الدنيا بلا قصد لم يقصر (درمختار) أشار به لو خرج ولم يقصد ...... لا يكون مسافرًا.

(شامي ٢/ ٦٠٠ زكريا، الفتاویٰ الهندية ١/ ١٣٩، البحر الرائق ٢/ ٢٢٦)

لايصح القصر إلا إذا نوی السفر فنية السفر شرط لصحة القصر باتفاق؛ ولكن يشترط لنية السفر أمران: أحدهما أن ينوي قطع تلك المسافة بتمامها من أول سفره ...... فلو خرج هائما على وجهه لايدري أين يتوجه لا يقصر، ولو طاف الأرض كلها؛ لأنه لم يقصد قطع المسافة، وهذا الحكم متفق عليه وكذلك لا يقصر إذا نوی قطع المسافة ولكنه نوی الإقامة أثنائها مدة قاطعة لحكم السفر. (الفقه على المذاهب الأربعة مكمل ٦٢٤)

أمير خرج مع جيشه في طلب العدو ولم يعلم أين يدركهم فإنهم يصلون صلاة الإقامة في الذهاب، وإن طالت المدة كذلك المكث في ذلك الموضع، أما في الرجوع فإن كانت مدة سفر قصروا. (حاشية چلپی علی تبیین الحقائق ١/ ٥٠٧-٥٠٨، فتاوی محمودیه ٧/ ٤٨٧-٤٨٨ ڈابھیل، کتاب المسائل ١/ ٥٥٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۲/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

امیر جماعت کے مقامی ہونے سے مأمور پر مقیم ہونے کا حکم نہیں لگے گا

سوال (۱۲۸۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص جے پور سے تبلیغی جماعت مرکز نظام الدین دہلی جاکر ایک ایسی جماعت میں شریک ہوا کہ جس کو دہلی مرکز سے ۷۷ رکلومیٹر کے اندر چلہ پورا کرنے کا رخ ملا اور اس جماعت کا امیر دہلی ہی کا رہنے والا ہے، تو وہ شریک ہونے والا شخص اس مقیم امیر کے تابع ہونے کی وجہ سے مقیم ہوگا یا مسافر ہی رہے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں چوں کہ جے پور سے آکر جماعت

میں شامل ہونے والا شخص خود مختار رہے؛ اس لئے وہ اس وقت تک مسافر رہے گا جب تک کہ وہ کسی ایک جگہ ۱۵/ روز قیام کی نیت نہ کرے۔ امیر جماعت کے مقامی ہونے کی وجہ سے اس شریک جماعت پر مقیم ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

ولا یزال علی حکم السفر حتی ینوی الإقامة فی بلدة أو قریة خمسة عشر یوماً أو أکثر، کذا فی الهداية. (عالمگیری ۱/۱۳۹)

عن أنس بن مالک رضي الله عنه قال: خرجنا مع النبي صلی الله علیه وسلم من المدينة إلی مکة، فصلی رکعتین، قال: قلت لأنس: کم أقام رسول الله صلی الله علیه وسلم بمکة؟ قال عشراً. (سنن الترمذي رقم: ٥٤٦)

وعن مجاهد قال: کان ابن عمر إذا أجمع علی إقامة خمس عشر سرح ظهره و صلی أربعا. (المصنف لإبن أبي شيبة ٣٨٤/٥ رقم: ٨٣٠١)

ووطن الإقامة موضع نوی الإقامة فیه نصف شهر فما فوقه. (مراقي الفلاح ٢٣٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۴/۲/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسافت سفر پر واقع سسرال میں بیوی کا پندرہ دن سے کم قیام کرنے پر نماز کا حکم؟

سوال (۱۲۸۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں ایک لڑکے کی شادی میرٹھ ہوئی، میرٹھ شرعاً مسافت سفر پر ہے، نکاح کر کے دولہن گھر آ گئی، دو روز کے بعد دولہن کے ماں باپ میرٹھ سے آ کر اپنی لڑکی کو لے گئے، عموماً ایسا ہی ہوتا ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ جو دو روز یہاں پر دولہن رہ کر گئی ہے، کیا یہ دولہن ابھی مسافرہ ہی تھی یا نکاح کے بعد جب اپنے شوہر کے گھر آ گئی مقیم بن گئی، جب کہ دولہن کو اپنی سسرال ہی رہنا ہے،

شروع شروع میں ایسا ہی ہوتا ہے، دو چار روز میکے رہتی ہے، دو چار روز سسرال رہتی ہے، ایسی حالت میں دولہن کے لئے میکے اور سسرال میں قصر واتمام کا کیا مسئلہ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باقاعدہ رخصتی اور سسرال میں مستقل قیام کے بعد عورت کا میکہ اس کا وطن نہیں رہتا؛ بلکہ سسرال وطن اصلی بن جاتا ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں جب وہ سسرال آئے گی تو نماز پوری پڑھے گی، اور میکہ میں جائے گی تو اگر پندرہ دن سے کم قیام کا قصد ہوتو نماز قصر کرے گی۔ (بہشتی زیور ۲/۵۰)

ومن حکم الوطن الأصلی أن ینتقض بالوطن الأصلي؛ لأنہ مثلہ والشيء ینتقض بما ھو مثلہ. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۲/۱۹)

وإن نوی الإقامة أقل من خمسة عشر یوماً قصر، ھکذا في الھدایة، ولو بقی في المصر سنین علی عزم أنہ إذا قضی حاجتہ ویخرج ولم ینو الإقامة خمسة عشر یوما قصر کذا في التھذیب. (ھندیہ ۱/۱۳۹، بدائع الصنائع ۱/۲٦۸ زکریا، الفتاویٰ التاتارخانیة ۲/۵۲۵ رقم ۳۲۰٦ زکریا)

عن سعید بن جبیر قال: إذا أقمت أکثر من خمس عشرة فأتم الصلاة. (المصنف لابن أبي شیبة ۵/۳۸٤ رقم: ۸۳۰۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۶/۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مستقل طور پر دوسرے شہر میں بیوی بچوں کے ساتھ رہنے والا وطن اصلی میں آکر نماز میں قصر کرے گا یا اتمام؟

سوال (۱۲۸۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے اپنے وطن اصلی والے شہر کو چھوڑ کر مستقل طور پر دوسرے شہر میں گھر بنالیا

اوراپنی بیوی بچوں اوراثاثہ کے ساتھ دوسرے شہر میں رہنےلگا، اوراپنا کاروبار تجارت وغیرہ کرنے لگا؛لیکن پہلے وطن کو باقی رکھا،اور پہلےوالے وطن اصلی میں والدین اور دیگر بھائی بہن وغیرہ موجود ہیں، اب وہ مذکورہ شخص کسی ضرورت یاملاقات والدین کی نیت سے دوچار روز کے لئے اپنے پہلے والےوطن آتا ہے،تووہ آبائی وطن میں مقیم ہوجائے گا یامسافر رہے گا؟ سفر کی نماز پڑھے گا یا حضر کی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگرشخص مذکورنے آبائی وطن کوبالکلیہ ترک نہیں کیا ہے جیسا کہ سوال نامہ سے واضح ہے،تو ایسی صورت میں اس شخص کے حق میں دونوں مقام وطن اصلی ہوں گے؛ کیوں کہ وطن اصلی متعدد ہوسکتے ہیں؛لہٰذا یہ شخص آبائی وطن میں بھی آکرنماز پوری پڑھے گا،قصر جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۴/۴۶۶)

عن عثمان قال...... إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من تأهل في بلد فليصل صلاة المقيم. (مسند أحمد ۱/۶۲ رقم: ۴۴۳)

والوطن الأصلی هو موطن ولادته أو تأهله أو توطنه يبطل بمثله إذا لم يبق له بالأول أهل فلو بقی لم يبطل بل يتم فيهما (درمختار) ولو كان له أهل ببلدتين فأيتهما دخلها صار مقيما. (شامی ۲/۶۱۴ زكريا، حاشية الطحطاوی علی الدر ۱/۳۳۶، البحر الرائق ۲/۱۳۶، تاتارخانيه ۲/۴۹۹)

لأنه لو لم ينتقل بهم ولكنه استحدث أهلاً في بلدة اخرىٰ، فإن الأول لم يبطل ويتم فيهما. (البحر الرائق ۲/۱۳۶)

ولو انتقل بأهله ومتاعه إلی بلد وبقی له دور و عقار فی الأول، قيل بقی الأول وطناً له، وإليه أشار محمد رحمه الله تعالىٰ فی الكتاب. (عالمگيری ۱/۱۴۲)

الوطن الأصلی يجوز أن يكون واحداً أو أكثر من ذٰلک. (بدائع زكريا ۱/۲۸۰)

ويبطل الوطن الأصلی بالوطن الأصلی – إلی قوله – ولا يبطل الوطن الأصلی بإنشاء السفر وبوطن الإقامة. (عالمگيری ۱/۱۴۲، بدائع الصنائع ۱/۲۸۰ زكريا،

البحر الرائق ۲/ ۲۳۹ زکریا ، تاتارخانية ۲/ ۵۱۱ رقم: ۳۱۴۷ زکریا ، حلبی کبیر ۵٤٤ ، مجمع الانهر ۱/ ١٦٤ ، هدایه ۱/ ١٦٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۳۰/ ۱/ ۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مرادآباد چھوڑ کر ماں باپ کے ساتھ لکھنؤ رہنے والے کا مرادآباد میں نماز کا حکم؟

سوال (۱۲۸۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کا آبائی وطن مرادآباد ہے جہاں اس کے مکانات زمین وجائیداد وغیرہ سب کچھ ہے؛ لیکن اس کے بعد وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ لکھنؤ میں گھر بنا کر رہنے لگا، اب جب کہ دہلی کا سفر کرتا ہے معیشت کے سلسلہ میں یا وہیں رہنے لگا، مگر یہ عارضی طور پر تو جب لکھنؤ اپنے گھر میں آتا ہے اور مدت سفر سے پہلے آبائی وطن مرادآباد کا سفر کرتا ہے مرادآباد میں مدت سفر سے پہلے کسی اور جگہ کا سفر کرتا ہے، تو کیا زید لکھنؤ اور مرادآباد میں نماز میں قصر کرے گا، یا صرف مرادآباد میں قصر کرے گا؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کا ارادہ ماں باپ کے ساتھ لکھنؤ میں مستقل رہنے کا ہے، اور لکھنؤ کا قیام چھوڑنے کا قصد نہیں ہے، تو جس طرح آبائی وطن مرادآباد وطن اصلی ہے، اسی طرح لکھنؤ بھی وطن اصلی کے حکم میں ہوگا، اور دونوں جگہ پر آپ کو پوری نمازیں پڑھنی ہوں گی۔

ثم الوطن الأصلي يجوز أن يكون واحداً، أو أكثر من ذلك بأن كان له أهل ودار في بلدتين أو أكثر ولم يكن من نيته أهل الخروج منها. (بدائع الصنائع ۱/ ۲۸۰ زکریا)

ويبطل الوطن الأصلي بالوطن الأصلي إذا انتقل عن الأول بأهله، وأما إذا

لـم يـنتـقـل بأهل ولكنه استحدث أهلاً ببلدة أخرى، فلا يبطل وطنه الأول، ويتم فيهما. (الفتاویٰ اللهندية ١٤٢/١)

عـن عبـد اللّٰـه بن عبد الرحمن بن أبي ذباب عن أبيه: أن عثمان بن عفان صلى بمنیٰ أربع ركعات فأنكره الناس عليه فقال: يا أيها الناس إني تأهلت بمكة منـذ قدمت، و إني سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول:: من تأهل في بلد، فليقل صلاة المقيم. (مسند الإمام أحمد بن حنبل ٦٢/١ رقم: ٤٤٣) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۵/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جائے ملازمت میں نماز کا حکم؟

سوال (۱۲۸۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کا کاروبار اتنی دوری پر ہے کہ سفر کرنے پر مسافر ہوجاتا ہے؛ لیکن کاروبار مستقل ہے، جس کی وجہ سے وہاں رہنا سہنا بھی برابر ہوتا ہے؛ لیکن دس بارہ دن کے اندر اندر واپس ہوجاتے ہیں، لیکن زید کے ساتھ ان کے بچے بھی رہتے ہیں، اور کچھ بچے ماں کے ساتھ گھر پر رہتے ہیں، آیا اب زید قصر نماز ادا کرے گا یا پوری نماز ادا کرے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: زید کو چاہئے کہ وہ اپنے کاروباری مقام کو وطنِ اصلی بنانے کی نیت کرلے، ایسی صورت میں وہ اگر وہاں پندرہ دن سے کم بھی قیام کرے گا، تو اسے پوری نماز پڑھنی ہوگی؛ کیوں کہ وطنِ اصلی متعدد ہوسکتے ہیں، اور اگر کاروبار کی جگہ کو وطنِ اصلی نہیں بنایا اور وہاں مستقل قیام کی نیت نہیں کی، تو پھر صورتِ مذکورہ میں پندرہ دن سے کم قیام کی شکل میں اس پر قصر لازم ہوگی۔

الـوطن الأصلي ...... يبطل بمثله إذا لم يبق له بالأول أهل فلم بقي لم يبطل

بـل يتم فيهما لا غير ويبطل وطن الإقامة بمثله وبالوطن الأصلى وبانشاء السفر.
(درمختار کراچی ۱۳۱/۲-۱۳۲، شامی زکریا ۶۱۴/۲)

ومـن حـكم الوطن الأصلى أن ينتقض بالوطن الأصلي؛ لأنه مثله والشيء ينتقض بما هو مثله. (الفتاویٰ التاتارخانية ۱۹/۲)

وإن نـوى الإقـامة أقـل من خمسة عشر يوماً قصر، هكذا في الهداية، ولو بـقـى فـي الـمـصـر سـنين على عزم أنه إذا قضى حاجته و يخرج و لم ينو الإقامة خمسة عشر يوما قصر كذا في التهذيب. (الفتاویٰ الهندية ۱۳۹/۱، بدائع الصنائع ۲۶۸/۱ زكريا، الفتاویٰ الفتاویٰ التاتارخانية ۵۲۵/۲ رقم: ۳۲۰۶ زكريا)

عـن مـجـاهد قال: كان ابن عمر إذا أجمع على إقامة خمس عشرة سرح ظهره و صلى أربعا. (المصنف لابن أبي شيبة ۳۸٤/٥ رقم: ۸۳۰۱)

والـوطـن الأصـلى هو وطن الإنسان فى بلدته أو بلدة أخرىٰ اتخذها داراً وتـوطـن بها مع أهله وولده وليس من قصدهٖ الارتحال عنها بل التعيش بها وهٰذا الـوطـن يبطـل بـمثلـه لا غيـر وهـو أن يتوطن فى بلدة أخرىٰ وينقل الأهل إليها فيـخرج الأول من أن يكون وطناً أصلياً الخ. وهٰذا جواب واقعةٍ ابتلينا بها وكثير مـن الـمسـلـميـن الـمتـوطنين فى البلاد ولهم دور وعقار فى القرىٰ البعيدة منها يـصيـفـون بها بأهلهم ومتاعهم فلا بد من حفظها أنهما وطنان له لايبطل أحدهما بالاٰخر. (البحر الرائق ۱۳۹/۲ زكريا، ۱۳٦/۲ کوئٹہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۹/۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جائے ملازمت میں ۱۵/ دن سے کم اقامت پر نماز کا حکم

سوال (۱۲۸۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: میرا وطن اصلی حیدرآباد ہے، میری بیوی اور بچے بھی حیدرآباد ہی میں رہتے ہیں؛ لیکن میں حیدرآباد سے چار گھنٹہ کی مسافت کے بقدر فاصلہ پر کرناٹک کے ایک شہر ''بیدر'' میں ایک کالج میں پڑھاتا ہوں، اور ہر ہفتہ بیدر سے دو راتیں اور ایک دن کے لئے حیدرآباد اپنے وطن اصلی آتا ہوں، اور پھر چھ دن کے لئے پھر بیدر اپنی ملازمت پر چلا جاتا ہوں، سوال یہ ہے کہ چوں کہ بیدر میرا وطن اصلی نہیں ہے، اور وہاں میں نماز میں قصر کروں گا یا اتمام کروں گا؟

ایک طویل عرصہ سے میرا عمل اتمام کرنے کا رہا ہے، چوں کہ مسافر کے لئے نماز میں قصر کرنا رخصت نہیں؛ بلکہ عزیمت ہے، اگر مجھ پر قصر کرنا لازم تھا تو ان نمازوں کے لئے کیا کروں گا جو اتمام کے ساتھ پڑھتا رہا ہوں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جائے ملازمت پر جب کہ آپ ۱۵/ دن قیام بھی نہیں کرتے اور آپ کے بیوی بچے بھی وہاں نہیں رہتے، نیز اس جگہ کو آپ نے اپنا وطن اصلی بھی نہیں بنایا ہے؛ لہٰذا وہاں چند روزہ قیام میں آپ پر نماز قصر کرنا لازم ہے، اتمام درست نہیں، جو گذشتہ نمازیں ناواقفیت میں پوری پڑھ لی ہیں، ان کا حتی الامکان اعادہ کرنا بہتر ہے۔

صلی الفرض الرباعي رکعتین وجوباً. (درمختار کراچی ۱۲۳/۲)

ومن حکم الوطن الأصلی أن ینتقض بالوطن الأصلي؛ لأنه مثله والشيء ینتقض بما هو مثله. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۱۹/۲)

وإن نوی الإقامة أقل من خمسة عشر یوماً قصر، هکذا في الهدایة، ولو بقی في المصر سنین علی عزم أنه إذا قضی حاجته ویخرج ولم ینو الإقامة خمسة عشر یوما قصر کذا في التهذیب. (الفتاویٰ الهندیة ۱۳۹/۱، بدائع الصنائع ۲۶۸/۱ زکریا، الفتاویٰ التاتارخانیة ۵۲۵/۲ رقم ۳۲۰۶ زکریا)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: إرتج علینا الثلج ونحن بآذر بیجان

ستة أشهر في غزاة قال ابن عمر : فكنا نصلي ركعتين. (معرفة السنن والآثار للبيهقي الصلاة / باب المقام الذي يتم بمثله الصلاة ۲/ ٤٣٦ رقم: ١٦١٠)

عن عبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: إذا كنت مسافراً فوطنت نفسک علی إقامة خمسة عشر يوماً فأتمم الصلاة، وإن كنت لا تدري حتی تظعن فأقصر. (كتاب الآثار لمحمدؒ رقم ١٩٨)

فلو أتم مسافراً إن قعد في القعدة الأولیٰ ليتم فرضه ولكنه أساء. وفي الشامي: فعلم أن الإساءة هنا كراهة التحريم. (شامی ۲/ ۱۲۸) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۷/۱۱/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسافت سفر سے کم میں جائے ملازمت پر نماز کا حکم

سوال (۱۲۸۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرا مکان کیتوگرام میں ہے، اور میں کام سالار میں کرتا ہوں جو گیتوگرام سے ۸/ یا ۱۰/ کلومیٹر دور ہے، میں گھر سے یہ نیت کر کے سالار آیا کہ پرسوں مرادآباد جاؤں گا (جو وہاں سے مسافت سفر پر واقع ہے) تو سالار میں تین دن رہا، تو میری نماز قصر ہوگی یا پوری نماز پڑھی جائے؟ یعنی میں سالار مدرسہ میں پڑھتا ہوں، گھر سے دو تاریخ کو مدرسہ آیا، اور ۴/ تاریخ کو مرادآباد جاؤں گا، تو یہ دو دن مدرسہ میں تھا، یہ دونوں دن قصر کروں یا پوری نماز پڑھوں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مقام ”سالار“ آپ کا وطن اقامت ہے، تو وہاں سے آپ کے وطن اصلی (جو مسافت سفر سے کم پر واقع ہے) جانے کی وجہ سے وہ وطن اقامت باطل نہیں ہوا؛ لہٰذا جب آپ وطن اصلی سے سالار آئیں گے، تو یہاں پوری نماز پڑھیں گے، آپ کا سفر مرادآباد اب یہیں سے شروع ہوگا۔

والحاصل أن إنشاء السفر يبطل وطن الإقامة إذا كان منه، أما لو أنشأ من غيره فإن لم يكن فيه مرور على وطن الإقامة أو كان ولكن بعد سير ثلاثة أيام فكذٰلک ولو قبله لم يبطل الوطن بل يبطل السفر لأن قيام الوطن مانع من صحته. (شامی زكريا ٦١٥/٢)

ويبطل وطن الإقامة بمثله وبالوطن الأصلي و بإنشاء السفر. (در مختار ٦١٤/٢ زكريا، كذا في الفتاویٰ التاتارخانية ٥١١/٢ رقم ٣١٥١ زكريا، البحر الرائق ٢٣٩/٢، بدائع الصنائع ٢٨٠/١ زكريا، هنديه ١٦٧/١ حلبی كبير ٥٤٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۵/۱۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا جائے ملازمت مطلقاً وطن اصلی کے حکم میں ہے؟

سوال (۱۲۹۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا جائے ملازمت مطلقاً وطن اصلی کے حکم میں ہے، ایک صاحب آپ کے حوالہ سے ایسا ہی کہہ رہے ہیں، جب کہ شامی ۱۳۱/۲ پر تأہل اور توطن کا بھی تذکرہ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جائے ملازمت مطلقاً وطن اصلی کے حکم میں نہیں ہے؛ بلکہ توطن یا اہل وعیال کے ساتھ قیام ہو تو اس کو وطن اصلی کے درجے میں رکھا جا سکتا ہے۔ تفصیلی بحث احسن الفتاویٰ ۹۸/۴ تا ۱۰۲ میں دیکھیں۔

والوطن الأصلي هو وطن الإنسان فی بلدته أو بلدة أخریٰ اتخذها داراً وتوطن بها مع أهله وولده وليس من قصده الارتحال عنها بل التعيش بها وهٰذا الوطن يبطل بمثله لا غير وهو أن يتوطن فی بلدة أخریٰ وينقل الأهل إليها فيخرج الأول من أن يكون وطناً أصلياً الخ. وهٰذا جواب واقعةٍ ابتلينا بها وكثير

من المسلمين المتوطنين في البلاد ولهم دور وعقار في القرىٰ البعيدة منها يصيفون بها بأهلهم ومتاعهم فلا بد من حفظها أنهما وطنان له لايبطل أحدهما بالاٰخر. (البحر الرائق زكريا ۱۳۹/۲، ۱۳٦/۲ كوئٹه) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۱/۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بغرض تجارت اہل وعیال کے ساتھ دوسری جگہ اقامت اختیار کرنا؟

سوال (۱۲۹۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص پہلے وطن کو چھوڑ کر بغرض تجارت مع اپنے اہل وعیال کے کسی دوسری جگہ جا بسے اور مستقل رہنے کا ارادہ ہو اور وہاں سے منتقل ہونے کا رادہ نہ ہو (الا یہ کہ کوئی عذر پیش آ جائے) لیکن پہلے وطن میں زمین و جائیداد بھی ہے اور اس سے منتفع بھی ہو اور والدین باحیات بھی ہوں تو ایسی صورت میں پندرہ دن سے کم کے ارادہ میں پہلے وطن جائے تو نماز پوری ادا کرے یا قصر؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئولہ صورت میں مذکورہ شخص دونوں جگہ نماز پوری ادا کرے گا؛ اس لئے کہ وطن اصلی سے بالکلیہ منتقل ہونے کا ارادہ نہیں کیا ہے اور دوسرے وطن میں تجارت کی غرض سے مستقل رہنے کا ارادہ متحقق ہے لہٰذا دونوں جگہیں اس کے لیے وطن اصلی کے حکم میں ہوں گی۔

ولو انتقل بأهله و متاعه في بلد و بقي له دور و عقار في الأول قيل: بقي الأول وطنا له و إليه أشار محمد في الكتاب. (عالمگیری ۱۴۲/۱)

الوطن الأصلي يجوز أن يكون واحدا أو أكثر من ذٰلك. (البدائع الصنائع ۲۸۰/۱ زکریا)

الوطن الأصلي ...... يبطل بمثله إذا لم يبق له بالأول أهل فلو بقي لم يبطل بل يتم فيهما لا غير. (درمختار زكريا ۶۱۴/۲، بيروت ۵۳٦/۲)

ويبطل الوطن الأصلي بالوطن الأصلي – إلى قوله – ولا يبطل الوطن الأصلي بإنشاء السفر وبوطن الإقامة. (الفتاویٰ الهندية ١/١٤٢، بدائع الصنائع ١/٢٨٠ زكريا، البحر الرائق ٢/٣٩ زكريا٢، تاتارخانية ٢/٥١١ رقم: ٣١٤٧ زكريا، حلبي كبير ٥٤٤، مجمع الانهر ١/١٦٤، هدايه ١/١٦٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۷/۲/۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جائے ملازمت میں مستقل رہائش؟

سوال (۱۲۹۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص جائے ملازمت میں اگر اہل وعیال کے ساتھ رہائش اختیار کرلے اور وقتاً فوقتاً اصلی گھر پر والدین وغیرہ سے ملنے آتا رہے، تو کیا جائے ملازمت سے آتے ہوئے راستے میں مسافر رہے گا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر جائے ملازمت میں مستقل اہل وعیال کی رہائش کا عزم کررکھا ہے، تو یہ جائے ملازمت اس شخص کیلئے وطن اصلی کے حکم میں ہوگی، وہاں اگر پندرہ دن سے کم رہنے کا بھی ارادہ ہو تب بھی پوری نماز پڑھنا لازم ہوگا، نیز جائے ملازمت سے اصلی گھر تک اگر مسافت سفر ہے تو دوران سفر مسافر رہے گا ورنہ نہیں۔

وطن أصلي وهو وطن الانسان في بلدته أو بلدة أخرى اتخذها دارا، وتوطن بها مع أهله وولده، وليس من قصده الارتحال عنها، بل التعيش بها.

(بدائع الصنائع زكريا ١/ ٢٨٠)

من خرج من عمارة موضع إقامته قاصداً مسيرة ثلاثة أيام ولياليها بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة صلى الفرض الرباعي ركعتين وجوبا. (درمختار

مع الشامی ۲/۵۹۹-۶۰۳ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۴/۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جائے ملازمت سے سفر شرعی کی مقدار سے کم پر سفر کرنا؟

سوال (۱۲۹۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کی جائے سفر سے جائے ملازمت کا فاصلہ سفر شرعی کے بقدر نہیں؛ لیکن وطن اصلی سے سفر شرعی کے بقدر ہے، اس صورت میں جائے سفر پر نماز کا کیا حکم ہے؟ اور واپسی میں جائے ملازمت پر نماز کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر جائے ملازمت سے جائے سفر کا فاصلہ سفر شرعی کے بقدر نہیں ہے تو دوران سفر قصر کا حکم نہیں دیا جائے گا، اگر چہ وہ جگہ وطن اصلی سے دور ہی کیوں نہ ہو؛ اسلئے کہ سفر کے مسائل میں سفر شروع کرنے کی جگہ کا اعتبار رہوتا ہے؛ لہٰذا ایسی صورت میں واپسی کی شکل میں جائے ملازمت پر مقیم ہی رہے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۶/ ۲۷۷، ۱۴/ ۲۲)

رجل خرج من مصره إلى قرية لحاجة ولم يقصد السفر و نوىٰ أن يقيم فيها أقل من خمسة عشر يوماً فإنه يتم فيها لأنه مقيم. (شامی زکریا ۲/ ۶۱۵)

السفر الذي يتعلق به قصر الصلاة قال علماؤنا : ادناها مسيرة ثلاثة أيام و لياليها. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/ ۲۸۹ رقم ۳۰۸٤ زكريا)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: يا أهل مكة! لا تقصروا الصلاة في أدنىٰ من أربعة برد، من مكة إلى عسفان. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٤/ ۳۳۱-۳/ ٤۹۰ رقم ۵۵۰٤، المعجم الكبير للطبراني ۱۱/ ۷۹ برقم ۱۱۱٦۲)

ولا بد للمسافر من قصد مسافة مقدرة بثلاثة أيام حتى يترخص برخصة

المسافرين، وإلا لا يترخص أبدا – إلى قوله – ويكفى في ذلک القصد غلبة الظن، يعني إذا غلب على ظنه أنه يسافر قصر ولا يشترط فيه التيقين. (الفتاوى الهندية ۱۳۹/۱)

السفر الذي يتعلق به قصر الصلاة قال علمائنا: أدناها مسيرة ثلاثة أيام و لياليها مع الاستراحات التي تكون في خلال ذٰلک بسير الإبل ومشي الأقدام وهو سير الوسط. (تاتارخانية ۴۸۹/۲ زکریا)

أخرج عبد الرزاق عن الثوري قلت له: في كم تقصر الصلاة؟ فذكر حديث منصور عن مجاهد عن ابن عباس قال: و أخبر يونس عن الحس قال: تقصر الصلاة في مسيرة يومين قال: وقولنا الذي نأخذه به مسيرة ثلاثة أيام قلت: من أجل ما أخذت به؟ قال قول النبي ﷺ: لا تسافر امرأة فوق ثلاث، إلا مع ذي رحم محرم. (المصنف لعبد الرزاق ۵۲۷/۲ رقم ۴۳۰۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۴/۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سفر شرعی سے واپسی پر جائے ملازمت میں پندرہ دن سے کم ٹھہرنا؟

سوال (۱۲۹۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کی جائے سفر، سفر شرعی کے بقدر رہے، اب وہ واپسی میں جائے ملازمت پر ہی ٹھہرتا ہے؛ لیکن پندرہ دن سے کم کا ارادہ ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ اس نے سفر کی نیت جائے ملازمت ہی سے کی ہو، یا اس نے نیت سفر وطن اصلی سے کی ہو اور قبل سفر وہ جائے ملازمت پر پندرہ دن سے کم ٹھہرا ہو تو یہاں کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مستقل جائے ملازمت وطن اصلی کے حکم میں ہوتی ہے؛ اس لئے ایسی صورت میں بہرحال جائے ملازمت پر اتمام کرے گا۔ اور اگر ملازمت عارضی ہو اور

وہاں مستقل رہنے کا ارادہ نہ ہو، اہل وعیال بھی ساتھ نہ رہتے ہوں تو وہ جائے ملازمت وطن اقامت کے درجہ میں ہے؛ لہٰذا سفر سے واپسی کے بعد اگر پندرہ دن سے کم کا ارادہ ہو تو قصر ہی کرے گا۔

فيقصر إن نوى الإقامة في أقل منه أي في نصف شهر. (تنویر الابصار مع الدر المختار زكريا ٢/ ٦٠٦)

وطن أصلي وهو وطن الانسان في بلدته أو بلدة أخرى اتخذها دارا، وتوطن بها مع أهله وولده، وليس من قصده الارتحال عنها، بل التعيش بها. (بدائع الصنائع زكريا ١/ ٢٨٠)

من خرج من عمارة موضع إقامته قاصداً مسيرة ثلاثة أيام ولياليها بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة صلى الفرض الرباعي ركعتين وجوبا. (درمختار مع الشامي زكريا ٢/ ٥٩٩، ٦٠٣)

و وطن الإقامة ما ينوي فيه الإقامة خمسة عشر يوماً فصاعداً ولم يكن مولده له لا له به أهل. (حلبي كبير ٥٤٤، هنديه ١٤٢/١ بدائع الصنائع زكريا ٢٨٠/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۴/۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

امام جائے امامت میں نماز میں قصر کرے گا یا اتمام؟

سوال (۱۲۹۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص امامت کرتا ہے جس جگہ امام ہے اب وہ وہاں سے سفر کرتا ہے، سفر شرعی اور وہ تنہا رہتا ہے، بیوی بچے اس کے اصل گاؤں میں مقیم ہیں، تو کیا اب وہ اپنی امامت کی جگہ پہنچ کر مقیم ہو جائے گا، یا مسافر ہی رہے گا، اور اس کو اپنے گھر جانا ضروری ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں مذکور شخص کے لئے جائے امامت

وطن اقامت کے درجہ میں ہے یعنی اگر وہاں پندرہ روز قیام کی نیت ہو، تو اتمام کرے گا، اور اگر پندرہ دن سے کم قیام ہو تو قصر کرے گا۔ (فتاوی رحیمیہ ۳/۵۲-۵۴، امداد المفتیین /۳۷۳)

ویبطل وطن الإقامة بمثله وبالوطن الأصلي وبإنشاء السفر. (الدرالمختار ٢/ ٦١٤ زكريا، حاشيه الطحطاوى على المراقى /٤٢٩ اشرفى)

و وطن الإقامة ما ينوى فيه الإقامة خمسة عشر يوماً فصاعداً و لم يكن مولده له لا له به أهل. (حلبي كبير ٥٤٤، هنديه ١٤٢/١ بدائع الصنائع زكريا ٢٨٠/١)

عن عمران بن حصين رضي الله عنه قال في حديث طويل...... : شهدت معه -أي مع رسول الله صلى الله عليه وسلم- الفتح فأقام بمكة ثمان عشر ليلة لا يصلي إلا ركعتين، يقول لأهل البلد صلوا أربعا فإنا في سفر. (المصنف لابن أبي شيبة ٣٧١/٥ رقم: ٨٢٥٨)

عن سعيد بن المسيب قال: إذا أجمع الرجل على إقامة خمس عشرة أتم الصلاة. المصنف لابن أبي شيبة ٣٨٣/٥ رقم: ٨٢٩٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۳/۶/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مستقل جائے ملازمت پر سفرِ شرعی سے واپسی پر نماز کا حکم

سوال (۱۲۹۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص مدرسہ کا ناظم ہے ۱۵/۲۰/ سال سے اس مدرسہ میں مقیم ہے، روزمرہ کی تمام ضروریات اس کے پاس وہاں پر موجود ہیں، گھر تقریباً ۲۰/ کلومیٹر پر ہے، گھر پر ہر ہفتہ یا پندرہ دن میں جاتا ہے، اگر گھر دو چار مہینے بھی نہ جائے تو ضروریات یہاں پوری ہوسکتی ہیں، بیوی بچے یہاں پر نہیں ہیں، ایسی صورت میں اگر وہ سفر شرعی پر چلا ئے تو واپسی پر مقیم ہوجائے گا یا مسافر رہے گا، تاوقتیکہ ۱۵/ دن قیام کی نیت نہ کرلے یا گھر نہ چلا جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگراس نے جس آبادی میں مدرسہ قائم ہے اسے اپنا وطن بنانے کی نیت کرلی ہے تو یہ جگہ اس کے لئے وطن اصلی کے درجہ میں ہوگی، اور سفر سے وہاں واپس آکر اتمام کرنا ہوگا، اور اگراس نے اس آبادی کو اپنا وطن نہیں بنایا ہے اور نہ ہی وہاں اس کے بیوی بچے مقیم ہیں، جیسا کہ سوال میں ذکر ہے، تو یہ جگہ وطن اقامت کے درجہ میں ہے جو سفر شرعی سے باطل ہوجاتا ہے، البتہ اگر وہ سفر کرکے پہلے اپنے گھر جائے جو اس جگہ سے بیس کلومیٹر دور ہے، پھر مدرسہ واپس آئے تو اب وہ مسافر نہ رہے گا، اس لئے کہ وطن اصلی سے مدرسہ کی مسافت سفر شرعی کی مسافت سے کم ہے۔

الوطن الأصلي هو موطن ولادته، أو تأهله أو توطنه. (درمختار) وفي الشامية: قوله: أو توطنه أي عزم على القرار فيه، وعدم الارتحال وإن لم يتأهل.

(شامی ۲/ ۶۱۴ زکریا)

ويبطل وطن الإقامة بمثله وبالوطن الأصلي وبإنشاء السفر. (الدرالمختار ۲/ ۶۱۴ زکریا، حاشیه الطحطاوی علی المراقی /۴۲۹ اشرفی)

و وطن الإقامة ما ينوى فيه الإقامة خمسة عشر يوماً فصاعداً ولم يكن مولده له لا له به أهل. (حلبي كبير ۵۴۴، هنديه ۱/ ۱۴۲ بدائع الصنائع زكريا ۱/ ۲۸۰) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۱/۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جائے ملازمت میں بیوی بچوں کے ساتھ مستقل رہائش اختیار کرنے پر نماز کا حکم

سوال (۱۲۹۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید دہلی میں ایک ادارے کا مستقل ملازم ہے اور نیت مستقل طور پر امامت کی ہے، اور اس کا

سازوسامان بھی یہیں اس ادارے میں رہتا ہے، اور وہ یہاں سے بنا کسی خاص ضرورت کے اپنے گاؤں نہیں جاتا ہے، بعض جزئیات فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص جب اپنے گاؤں جا کر واپس آئے گا۔ جو تقریباً سومیل کی دوری پر ہے تو وہ اتمام کرے گا نہ کہ قصر۔ **وطن الإقامة يبقى ببقاء الأثقال. كذا في البحر.** حضرت والا سے درخواست ہے کہ اپنی رائے عالی سے نوازیں تاکہ ناچیز کی الجھن دور ہو، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مستقل ملازم جو بیوی بچوں کے ساتھ جائے ملازمت میں رہتا ہو اور اس کی نیت مستقل وہاں رہنے کی ہو تو یہ جائے ملازمت بھی اس کے لئے وطن اصلی کے درجہ میں آجاتی ہے؛ لہٰذا اسے وہاں بہرحال اتمام کرنا چاہئے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/۵۱۸)

والوطن الأصلي هو وطن الإنسان في بلدته أخرى، اتخذها داراً وتوطن بها مع أهله وولده، وليس من قصده الارتحال عنها بل التعيش بها، وهذا الوطن يبطل بمثله لا غير، وهو أن يتوطن في بلدة أخرى، وينقل الأهل إليها فيخرج الأول من أن يكون وطنا أصليا. (البحر الرائق ۲/۱۳٦، الفتاویٰ الهندية ۱/۱٤۲، درمختار مع الشامي ۲/٦۱٤ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۴/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جائے ملازمت میں بیوی بچوں کے ساتھ رہنا؟

سوال (۱۲۹۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: الف:- میں مرکز اسلامی رجنی ضلع جالنہ مہاراشٹر میں مدرس ہوں، اور مستقل طور پر ملازمت کرتا ہوں، اور مدرسہ کی جانب سے ایک رہائشی مکان بھی ملا ہوا ہے، میری بیوی بچے گھریلو سامان کے ساتھ میرے پاس ہی رہتے ہیں، البتہ میرا وطن اصلی مقام ملازمت سے ۹۰/ یا ۱۰۰/ کلومیٹر پر

واقع ہے کبھی ہفتہ عشرہ میں وطن اصلی کا سفر ہوتا ہے، نیز مقام ملازمت پر کبھی کبھی مہینے سے زیادہ بھی قیام رہتا ہے، مثلاً کسی سفر شرعی یا غیر شرعی سے واپسی کے بعد ہفتہ عشرہ کے بعد دوبارہ سفر پر جانا ہو، تو بندہ مقام ملازمت پر قصر کرے یا مکمل نماز ادا کرے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئلہ کی اصل نوعیت یہ ہے کہ آدمی جس جگہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ مقیم ہوجاتا ہے، تو عام طور پر اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ بلا کسی خاص عذر یا وجہ کے اس جگہ سے منتقل نہیں ہوگا، اور کسی جگہ کے بارے میں اقامت کی ایسی نیت اس جگہ کو وطن اصلی کے مشابہ بنادیتی ہے، اور وطن اصلی کا متعدد ہونا فقہاء کی عبارات میں بالکل واضح ہے، نیز بعض فقہی عبارات سے اس وطن تاہل پر وطن اصلی کے احکامات جاری کرنے کی صراحت بھی ملتی ہے، اس لئے احتیاطاً ایسی جائے ملازمت میں پوری نماز پڑھنے کا حکم دینا مناسب معلوم ہوتا ہے خواہ پندرہ دن اقامت کی نیت ہو یا نہ ہو، اس لیے آپ کو اپنی جائے ملازمت میں پوری نمازیں پڑھنی چاہئیں۔

عن عثمان رضي اللّٰه عنه قال: إني سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: من تأهل فى بلد فليصل صلاة المقيم. (مسند أحمد ١/ ٦٢ رقم: ٤٤٣)

كما فى البحر وغيره: قيدنا بكونه انتقل عن الأول بأهله؛ لأنه لو لم ينقل بهم، ولكنه استحدث في بلدة أخرى، فإن الأول لم يبطل ويتم فيهما. (البحر الرائق ٢/ ١٣٦)

ولو كان له أهل ببلدتين فأيتهما دخلها صار مقيماً. (شامی ٢/ ٦١٤ زكريا)

قال في البحر: والوطن الأصلي هو وطن الإنسان في بلدته أو بلدة أخرى اتخذها داراً وتوطن بها مع أهله وولده وليس من قصده الارتحال عنها، بل التعيش بها وهذا الوطن يبطل بمثله لا غير. (البحر الرائق ٢/ ١٣٦) فقط واللہ تعالیٰ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۴/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گھر سے سفر شرعی کی نیت سے نکل کر جائے ملازمت پر رکنا؟

سوال (۱۲۹۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ب:- اکثر ایسا ہوتا ہے کہ میں گھر سے دفتر پہنچا جو ۶۰ کلومیٹر پر واقع ہے اور گھر سے روانگی کے وقت ہی یہ طے رہتا ہے کہ مجھے لکھنؤ جانا ہے اور دوسرے یا تیسرے دن دفتر آنا ہے بعد میں گھر جانا ہے تو کیا ایسی صورت میں دفتر پہنچنے کے بعد میں مسافر ہوگا، یا گھر سے روانگی کے بعد ہی سفر شروع ہوجائے گا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں چونکہ گھر سے روانگی کے وقت آپ کی سفر شرعی کی نیت ہے کیونکہ لکھنؤ آپ کے گھر سے مسافت شرعی پر واقع ہے لہٰذا گھر سے روانہ ہوتے ہی آپ مسافر ہو جائیں گے اور گھر سے واپسی تک آپ مسافر ہی رہیں گے۔

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه قال: صليت الظهر مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بالمدينة أربعاً، والعصر بذي الحليفة ركعتين. (صحيح البخاري تقصير الصلاة / باب يقصر إذا خرج من موضعه ١٤٨/١ رقم: ١٠٨٩، صحيح مسلم ٢٤٢/١ رقم: ٦٩٠)

ثم أجمعنا أنه لا يصير مسافراً إلا بالنية وإن وجد منه حقيقة السفر؛ فإنه إذا كان يسير مرحلة جميع الدنيا ولا ينوى سفرا لا يصير مسافرا. (تاتارخانيه ٤٩٦/٢ رقم ٣١٠٠)

وأشار إلى أنه يشترط مفارقة ما كان من توابع موضع الإقامة كربض المصر وهو ما حول المدينة من بيوت و مساكن فإنه فى حكم المصر. (شامى ٥٩٩/٢ زكريا)

ولا بد للمسافر من قصد مسافة مقدرة بثلاثة أيام حتى يترخص برخصة

المسافرين. (هنديه ۱/ ۱۳۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۲/۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جائے ملازمت سے سفر شرعی سے کم پر سفر کرنا؟

سوال (۱۲۹۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ج: - کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میں گھر سے دفتر تک جانے کی نیت کر کے چلا اور دفتر ایک یا دو دن قیام کے بعد دفتر سے چالیس کلومیٹر جانا پڑا اسی دن دفتر واپس آ گیا پھر دوسرے دن ۶۰ رکلومیٹر جانا ہوا اور دفتر واپسی ہوگئی تو کیا ایسی صورت میں دفتر کے قیام کے دوران مسافر رہوں گا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں آپ مسلسل مقیم رہیں گے؛ البتہ اگر دفتر جانے کے بعد اتنی دور چلے گئے کہ وہاں سے واپسی میں آپ کے گھر تک مسافت شرعی ہو جاتی ہے، اور آپ کا ارادہ اس جگہ سے گھر لوٹنے کا ہو جائے تو واپسی میں مسافر ہو جائیں گے، اور اگر صرف دفتر لوٹنے کا ارادہ ہو اور دفتر تک کی مسافت سفر شرعی سے کم ہو تو مسافر نہ ہوں گے۔

خرج من عمارة موضع إقامته قاصداً مسيرة ثلاثة أيام و ليهاليها صلى الفرض الرباعي ركعتين، ومن طاف الدنيا بلا قصد لم يقصر، وقوله بلا قصد: من خرج من عمارة موضع بأن قصد بلدة بينه و بينها يومان للإقامة بها فلما بلغها بداله أن يذهب إلى بلدة بينه و بينها يومان وهلم جرا فإنه يتم. (شامی ۲/ ۱۲۱ کراچی، ۲/ ۶۰۳-۵۹۹ زکریا)

ولا بد للمسافر من قصد مسافة مقدرة بثلاثة أيام حتى يترخص برخصة المسافرين. (هنديه ۱/ ۱۳۹)

عن سويد بن غفلة قال: تقصر الصلاة في مسيرة ثلاث. (المصنف لابن أبي

شيبة ٥/٣٥٦ رقم: ٨٢١٤)

أخرج البخاري تعليقاً: وكان ابن عمر و ابن عباس يقصران و يفطران في أربعة برد وهو ستة عشر فرسخا. (صحيح البخاري ١٤٧/١)

ووصله البيهقي و الطبراني عن ابن عباس رضي الله عنهما: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: يا أهل مكة! لا تقصروا الصلاة في من أوفى من أربعة برد، من مكة إلى عفان. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٣٣١/٤ رقم: ٥٥٠٤، المعجم الكبير للطبراني ٧٩/١١ رقم: ١١١٦٢، سنن الدار قطني ٣٧٤/١ رقم: ١٤٣٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۲/۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سفرِ شرعی سے واپسی پر جائے ملازمت میں ۱۵؍دن سے کم قیام کرنا؟

سوال (۱۳۰۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: د: - میں اپنے گھر سے لکھنؤ کے ارادے سے نکلا دو یوم دفتر میں قیام کیا اور تیسرے دن لکھنؤ گیا اور واپس آ کر پھر ۵؍ یوم دفتر میں رہنا ہوا اور دفتر میں رہتے ہوئے روزانہ ۲۵؍۳۰؍کلومیٹر آنا جانا رہا تو کیا ایسی صورت میں احقر قیام دفتر کے دوران مسافر رہے گا یا نہیں؟ نیز مذکورہ تمام صورتوں میں کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ ۱۵؍ یوم کے قیام کے باعث با قاعدہ نیت کر کے دفتر آنا ہو پھر بھی مہینے کے اکثر ایام دفتر میں ہی رہنا ہوتا ہے کہ دو دن کے لیے گھر ۱۳؍دن دفتر میں رہا دو دن پھر سفر رہا اور ۱۲؍دن دفتر رہا ایسی صورت میں کیا میں مسافر رہوں گا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جبکہ آپ اپنے گھر سے لکھنؤ کے ارادہ سے نکلے ہیں تو اسی وقت آپ مسافر شمار ہوں گے اور واپسی میں اگر دفتر میں ۱۵؍ یوم قیام کا مسلسل ارادہ نہیں ہے تو مسلسل مسافر ہی رہیں گے، البتہ اگر واپس گھر لوٹ آئے اور پھر گھر سے دفتر گئے ہیں اور سفرِ شرعی کا

قصد بھی نہیں کیا ہے تو آپ مقیم ہی رہیں گے۔

عن مجاهد قال: كان ابن عمر إذا أجمع على إقامة خمس عشرة، سرح ظهره و صلى أربعا. (مصنف ابن أبي شيبة ٣٨٤/٥ رقم: ٨٣٠١)

من خرج من عمارة موضع إقامته قاصدا مسيرة ثلاثة أيام و لياليها بالسير الوسط مع الإستراحات المعتادة صلى الفرض الرباعي ركعتين. (تنوير الأبصار مع الدر المختار ١٢١/٢-١٢٣ كراچی)

ولا يزال على حكم السفر حتى ينوي الإقامة في بلدة أو قرية خمسة عشر يوما أو أكثر كذا في الهداية. (عالمگيري ١٣٩/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۲/۱۴۳۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

وطن تأہل کا حکم

سوال (۱۳۰۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کی دو بیویاں ہیں اور دونوں دو ایسے مختلف مقامات پر رہتی ہیں جو زید کے لئے وطن اصلی نہیں ہیں؛ بلکہ وطن اصلی سے اتنی دوری پر ہیں کہ جن پر مسافرت کا حکم لگتا ہے، نیز زید کا کاروبار اس نوعیت کا ہے کہ ان دونوں مقامات پر پندرہ یوم سے کم ہی رہ پاتا ہے، یہ دونوں مقامات جہاں اس کی بیویاں رہتی ہیں، زید کے لئے وطن اصلی کا حکم رکھتے ہیں یا وطن اقامت کا، نیز ان دونوں بیویوں کے لئے یہ دونوں مقامات کس چیز کا حکم رکھتے ہیں، مذکورہ بالا مسئلہ کئی علماء کرام سے دریافت کیا گیا، مگر ہنوز تشفی بخش جواب سے محرومی رہی ہے، آپ سے بصد خلوص درخواست ہے کہ مسئلہ کو دلائل و براہین سے محقق فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید نے دونوں جگہ اپنی بیویوں کو مستقل رکھنے کا

ارادہ کررکھا ہے، تو یہ دونوں مقام اس کے لئے تأہل کی بنا پر وطن اصلی کے درجہ میں ہیں، دونوں جگہ نماز پوری پڑھے گا خواہ پندرہ روز سے کم قیام ہو، یہی حکم بیویوں کے لئے ہے، کیوں کہ وہ قصروا تمام میں اپنے شوہر کے تابع ہیں۔

عن عبد اللّٰہ بن عبد الرحمن بن أبي ذباب عن أبیه: أن عثمان بن عفان صلی بمنیٰ أربع رکعات فأنکره الناس علیه فقال: یا أیها الناس إني تأهلت بمکة منذ قدمت، و إني سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول:: من تأهل في بلد، فلیقل صلاة المقیم. (مسند الإمام أحمد بن حنبل ۱/ ٦۲ رقم: ٤٤۳)

ولو کان له أهل ببلدتین فأیتهما دخلها صار مقیماً. (شامی ۲/ ۱۳۱ کراچی، شامی ۳/ ٤ ٦۱ زکریا)

وطن أصلي وهو الذي ولد فیه الإنسان أو له فیه زوج في عصمته أو قصد أن یرتزق فیه وإن لم یولد به ولم یکن له زوج. (کتاب الفقه ۱/ ٤۸۰)

وإن تأهل لهما کان کل واحد من الموضعین وطنا أصلیاً له. (فتاویٰ قاضی خان ۱/ ۱٦٦ علی هامش الهندیة کوئٹه)

ولو کان له أهل بلدتین فأیتهما دخلها صار مقیماً. (شامی ۳/ ۱۳۱ کراچی)

یہی حکم زید کی دونوں بیویوں کا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۱۷/۴/۱۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سسرال میں تین چار دن قیام کے دوران لڑکی نماز میں قصر کرے گی یا اتمام؟

سوال (۱۳۰۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خالدہ کی شادی میرٹھ ہوئی جو ہمارے نہٹور سے مسافت سفر پر ہے، ہمارے یہاں یہ رواج

ہے کہ لڑکی رخصت ہوکر جب سسرال جاتی ہے تو ایک دن یا دو دن سسرال رہتی ہے، پھر میکے آجاتی ہے، پھر دوسری مرتبہ جاتی ہے، تو ۳/ یا ۴/ دن رہتی ہے، پھر میکے آجاتی ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا خالدہ جب پہلی مرتبہ ایک دو دن کے لئے اور دوسری مرتبہ تین چار دن کے لئے سسرال گئی، تو کیا وہ اپنی سسرال میں قصر کرے گی یا اتمام کرے گی، اور اپنے میکے میں جب کہ پندرہ روز سے پہلے ہی دوسری مرتبہ سسرال جانا ہے، کیا نماز مکمل پڑھے گی یا قصر کرے گی؟ ہمارے علاقہ کے اس عرف کو سامنے رکھ کر جواب مرحمت فرمائیں خالدہ کے لئے میرٹھ سسرال وطن اصلی کب بنے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکی جب رخصت ہوکر سسرال چلی جاتی ہے، تو شوہر کے تابع ہوکر سسرال ہی اس کا وطن بن جاتا ہے؛ البتہ جب میکہ جو اس کا پہلے سے وطن اصلی ہے وہ اس وقت تک وطن اصلی باقی رہے گا، جب تک کہ عرف کے اعتبار سے وہاں کی آمد ورفت، اور قیام نسبتاً سسرال سے زائد ہو، اور جب وہ مستقل سسرال میں قیام کرنے لگے، اور میکہ میں عارضی طور پر آنے جانے لگے، تو اب اس کا میکہ اس کا وطن اصلی باقی نہ رہے گا؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں جب تک میکہ کی آمد ورفت کثرت سے ہے، اس وقت تک مذکورہ لڑکی سسرال اور میکہ دونوں جگہ اتمام کرے گی، اور جب یہ آمد ورفت کم ہو جائے گی، تو سسرال میں اتمام کرے گی، اور میکہ میں پندرہ دن سے کم قیام کی صورت میں قصر کرے گی۔ (بہشتی زیور ۲/ ۵۰، فتاویٰ محمودیہ ۷/ ۵۰۱)

والوطن الأصلي هو وطن الإنسان في بلدة ...... وهذا الوطن يبطل بمثله لا غير. (البحر الرائق ۲/ ۲۳۹)

الوطن الأصلي هو موطن ولادته أو تأهله أو توطنه يبطل بمثله ...... لاغير.

(شامی ۲/ ٦١٤ زکریا)

ولو كان له أهل ببلدتين فأيتهما دخلها صار مقيما. (شامی ۲/ ٦١٤ زکریا)

والوطن الأصلي يجوز أن يكون واحدا أو أكثر. (بدائع الصنائع ۱/ ۲۸۰ زکریا)

إذا لـم يـنـتـقـل بـأهـلـه، ولكنه استحدث أهلا ببلدة أخرى فلا يبطل وطنه الأول، ويتم فيمها. (الفتاویٰ الهندية ١٤٢/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۶/۱۴۳۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیوی کے ساتھ سسرال جاتے ہوئے راستہ میں نماز قصر کا حکم

سوال (۱۳۰۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید اپنی بیوی کے ہمراہ اپنی سسرال چلا، سسرال ۱۰۰ر کلومیٹر ہے، راستہ میں نماز کا ٹائم ہوگیا، تو زید کی بیوی نے نماز پوری پڑھی، وہ کہتی ہے کہ سسرال سے پچاس کلومیٹر پر میرے میکہ کی حد شروع ہوتی ہے، اس لئے میرے ذمہ قصر نماز واجب نہیں، زید راستہ میں اور سسرال جاکر کس طرح ادا کرے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں زید کو بھی قصر نماز پڑھنی چاہئے اور بیوی پر بھی قصر لازم ہے، شہر کی آبادی سے نکلتے ہی آدمی مسافر شمار ہوجاتا ہے، اس لئے بیوی کا یہ کہنا کہ پچاس کلومیٹر پر میکہ کی حد شروع ہوتی ہے، یہ غلط ہے۔ مسئولہ صورت میں سسرال (لڑکی کے میکہ) میں اگر ۱۵ر دن ٹھہرنے کی نیت نہ ہو تو وہاں بھی قصر کیا جائے گا۔

عـن عـلـي بـن ربيعة قال: خرجنا علي رضي اللّٰه عنه فقصرنا و نحن نرى البيـوت، ثـم رجعنا فقصرنا و نحن نرى البيوت فقلنا له، فقال علي رضي اللّٰه عنه نقصر حتى ندخلها. (السنن الكبرىٰ ٣٤٧/٤ قم: ٥٤٤٩)

عـن ابـن عمر رضي اللّٰه عنه: أنه كان يقصر الصلاة حين يخرج من بيوت المدينة يقصر إذا رجع متى يدخل بيوتها. (المصنف لعبد الرزاق ٥٣٠/٢ رقم: ٤٣٢٣)

وإن نـوى الإقـامة أقـل من خمسة عشر يوماً قصر، هكذا في الهداية، ولو

بقی في المصر سنين على عزم أنه إذا قضى حاجته و يخرج و لم ينو الإقامة خمسة عشر يوما قصر كذا في التهذيب. (الفتاوىٰ الهندية ١٣٩/١، بدائع الصنائع ٢٦٨/١ زكريا، الفتاوىٰ التاتارخانية ٥٢٥/٢ رقم ٣٢٠٦ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۸/۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسافر مدرس کا مہتمم کی اجازت پر سفر کو معلق کرنا؟

سوال (۱۲۰۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک مدرسہ میں مدرس ہے، جس کا مقام سفر شرعی کی مسافت پر ہے، اس کو اپنے مقام سے آئے ہوئے تین ہی دن ہوئے ہیں، اب وہ یہ کہتا ہے کہ اگر مہتمم صاحب نے چھٹی دے دی تو تین دن بعد گھر جاؤں گا، اس صورت میں وہ مسافر ہے یا مقیم؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس صورت میں چوں کہ اس کی اقامت کی نیت پختہ نہیں ہے، اس لئے مذکورہ شخص ۳؍ یوم تک قصر ہی کرے گا۔

قال وكيع: سمعت سفيان يقول: إذا أجمع على مقام خمس عشرة أتم الصلاة حين يدخل، وإذا لم يدر متى يخرج صلى ركعتين و إن أقام حولا، وهو القول عنده. (المصنف لابن أبي شيبة ٣٨٥-٨٤/٥ رقم: ٨٣٠٥)

وكذا إذا نواها وهو مترتب للسفر كما فى البحر لأن حالته تنافى عزيمته. (شامى ٦٠٧/٢ زكريا)

ولو أنه أقام في موضع أيام ولم ينو الإقامة لا يصير مقيما عندنا و إن طالت إقامته ...... والمعنى أن الإقامة ضد السفر و أجمعنا أنه لا يصير مسافرا إلا بالنية و إن وجد منه حقيقة السفر، فكذا لا يصير مقيما، و إن وجد منه حقيقة الإقامة

ما لم ينو الإقامة. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/ ٤٩٥ رقم ٣١٠٠ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۴/۲/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سفر میں سننِ مؤکدہ پڑھنے کا حکم

سوال (۱۳۰۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سفر میں سنن مؤکدہ پڑھنے کا حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسافر اگر کسی جگہ اطمینان کے ساتھ مقیم ہو، اور اسے سفر کی جلدی نہ ہو، تو بہتر یہی ہے کہ فرائض کے ساتھ سننِ مؤکدہ بھی اداء کرے، اور اگر اطمینان کی کیفیت نہ ہو اور سفر کی جلدی ہو، تو ایسی صورت میں سننِ مؤکدہ ترک کر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۷/ ۵۱۵، فتاویٰ دار العلوم ۴/ ۴۴۵)

عن البراء بن عازب رضي اللّٰہ عنه قال: صحبت رسول اللّٰہ عليه وسلم ثمانية عشر سفرا، فما رأيته ترك الركعتين إذا زاغت الشمس قبل الظهر. (سنن الترمذي ١/ ٧٢ رقم: ٥٥٠)

عن حفص بن عاصم قال: سألت ابن عمر رضي اللّٰہ عنه فقال: صحبت النبي صلى اللّٰہ عليه وسلم فلم أره يسبح في السفر، وقال اللّٰہ تعالىٰ: لقد كان لكم في رسول اللّٰہ أسوة حسنة. (صحيح البخاري ١/ ١٤٩ رقم: ١١٠١، صحيح مسلم ١/ ٢٤٢ رقم: ٦٨٩)

ويأتي المسافر بالسنن إن كان في حال أمن وقرار وإلا بأن كان في خوف وفرار لا يأتي بها هو المختار لأنه ترك لعذر. (شامي مع الدر ٢/ ٦١٣ زكريا، هندية ١/ ١٣٩)

واختلفوا في ترك السنن في السفر، فقيل: الأفضل هو الترك ترخيصاً، وقيل: الفعل تقرباً، وقال الهندواني: الفعل حال النزول، والترك حال

السير. (البحر الرائق كوئٹه ۲/ ۱۳۰، تاتارخانية زكريا ۲/ ۴۸۹ رقم: ۳۰۸۳، كبيري أشرفية ۵۴۵، مجمع الأنهر ديوبند ۱/ ۲۳۹)

إن الرواتب لا تبقى مؤكدة في السفر كالحضر، فينبغي مراعاة حال الرفقة في إتيانها، فإن أثقل عليهم تركها أو أخرها حتى يأتي بها على ظهر الراحلة. (إعلاء السنن ۷/ ۲۹۰ كراچي، طحطاوي على المراقي دار الكتاب ۴۲۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/ ۵/ ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فجر کی سنت گھر پڑھ کر سفر شروع کرنا اور راستہ میں فجر پڑھنا

سوال (۱۳۰۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کبھی ہم لوگوں کو صبح سویرے سفر میں یا کسی قریب میں مسافت سفر سے کم پر جانا ہوتا ہے، تو ہم اذان فجر کے بعد سنت گھر پر پڑھ لیتے ہیں اور چل پڑتے ہیں، کہ جہاں فجر کی جماعت کا وقت ہو جائے گا وہیں پر مسجد میں جا کر فجر پڑھ لیں گے، کیا اس طرح کے فصل سے سنت کا ثواب کم ہو جائے گا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سفر کی ضرورت اور جماعت میں شرکت کے شوق میں مسئولہ صورت میں گھر سے سنت پڑھ کر نکلنے میں کوئی حرج نہیں، اس سے سنت کے ثواب میں کمی نہ آئے گی؛ بلکہ عام حالات میں بھی یہ سنتیں گھر ہی سے پڑھ کر مسجد میں جانا افضل ہے؛ کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک یہی تھا۔

عن زيد بن ثابت رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم في حديث ...... فصلوا أيها الناس في بيوتكم، فإن أفضل الصلاة صلاة المرء في بيته، إلا المكتوبة. (صحيح البخاري كتاب الأذان / باب صلاة الليل رقم: ۷۳۱، صحيح مسلم صلاة المسافر وقصرها / باب استحباب صلاة النافلة في بيته رقم: ۷۸۱)

وأخرج أبو داؤد في سننه بلفظ: صلاة المرء في بيته أفضل من صلاته في مسجدی هٰذا إلا المكتوبة. (سنن أبي داؤد الصلاة/ باب صلاة الرجل التطوع في بيته رقم: ١٠٤٤، وسنن الترمذي رقم: ٤٥٠)

والأفضل في النفل غير التراويح المنزل إلا لخوف شغل عنها لحديث الصحيحين: عليكم بالصلاة في بيوتكم، فإن خير صلاة المرء في بيته إلا المكتوبة. (شامي٢/ ٤٦٤ زكريا)

لاتفاق كلمة المشايخ على أن الأفضل فى السنن حتى سنة المغرب المنزل، أي فلا يكره الفصل بمسافة الطريق. (شامي ٢/ ٢٤٧ كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۱/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سفر میں مسافر کا سنت ونوافل پڑھنا؟

سوال (۱۳۰۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سفر میں نماز قصر ہے، چار رکعت نماز کو دو رکعت پڑھنا ہے، سنت نفل معاف ہے، رہا سوال مسافر کے پاس وقت ہے سنت پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی سنت پڑھے تو حضور کے حکم کے خلاف ہوگا یا نہیں؟ سنت کی اہمیت ہے یا حضور کے حکم کی، یا حضور نے وقت رہنے پر سنت ادا کی، اگر کیا ہے تو کب؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سفر میں جلدی یا حالت عدم قرار میں فجر کے سواء دوسری سنتیں چھوڑنے کی گنجائش ہے؛ البتہ اطمینان وسکون کی حالت میں سنن مؤکدہ پڑھنی چاہئیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر میں سنتیں پڑھنا ثابت ہے، خاص کر فجر کی سنتیں پڑھنے کا زیادہ اہتمام ہونا چاہئے۔

ويأتي المسافر بالسنن إن كان في حال أمن وقرار وإلا بأن كان في خوف وفرار لا يأتي بها، هو المختار؛ لأنه ترك لعذر وقيل إلا سنة الفجر. (درمختار مع الشامی ٦١٣/٢ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ١٣٩/١، احسن الفتاوىٰ ٧١/٤)

وفي حديث ابن عمر رضي الله عنه قال: وصلى في السفر الظهر ركعتين وصلى بعدها ركعتين وصلى العصر ركعتين وليس بعدها شيئ وصلى المغرب ثلاثاً وبعدها ركعتين وصلى العشاء ركعتين وبعدها ركعتين. (طحاوی شریف ٢٤٣/١، اعلاء السنن ٢٨٨/٧)

عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تدعوا ركعتي الفجر ولو طردتكم الخيل. (مسند أحمد ٤٠٥/٢، سنن أبي داؤد الصلاة / باب في تخفيفهما رقم: ١٢٥٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/۷/۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حنفی شخص کا سفر کی وجہ سے مثل ثانی سے پہلے عصر پڑھنا؟

سوال (۱۳۰۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا مذہب احناف سے تعلق رکھنے والے کسی مجبوری کی بنا پر قبل از وقت کوئی فرض نماز پڑھ سکتے ہیں؟ مثلاً ظہر پڑھ کر ہمارا کوئی خاص سفر ہو یا ملٹری ڈیوٹی پر ہوں، اور امید ہے کہ عصر نہیں ملے گی، تو کیا ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے مقام پر عصر کی نماز قبل از وقت پڑھ سکتے ہیں؟ حالانکہ میرے خیال میں درست نہیں ہوگا، مگر وہ لوگ کہتے ہیں کہ مجبوری میں درست ہے، آپ اس کی وضاحت فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حنفیہ کے نزدیک ظہر کے اصل وقت میں عصر کی نماز پڑھنا یعنی ایک ہی وقت میں دونوں نمازوں کو جمع کرنا سفر یا حضر کسی بھی حالت میں جائز نہیں ہے،

البتہ عصر کے وقت کی ابتداء میں ائمہ کے درمیان قدرے اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عصر کا وقت مثل ثانی مکمل ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے، جب کہ صاحبین رحمہما اللہ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مثل اول پورا ہونے کے بعد عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے، اور حنفیہ کے بہت سے مشائخ نے صاحبین کے قول پر بھی فتوی دیا ہے، اس لئے اگر کوئی حنفی شخص اس اندیشہ سے کہ اگر مثل اول پر عصر نہ پڑھی تو عصر فوت ہوجائے گی مثل ثانی کی تکمیل سے قبل عصر کی نماز پڑھکر سفر پر روانہ ہو، تو اس کی گنجائش ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ۲/ ۴۳)

عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله أمني جبرئيل عليه السلام عند البيت مرتين ...... و صلى بي العصر حين ظله مثله ...... فلما كان الغد صلى بى العصر حين كان ظله مثليه ......الخ. (سنن أبي داؤد الصلاة / باب ما جاء في المواقيت ٦/١ ٥ رقم: ٣٩٣)

ولا يجمع بين الصلاتين في وقت واحد لا في السفر ولا في الحضر بعذر ما ماعدا عرفة، والمزدلفة كذا في المحيط . (عالمگیری ۱/ ۵۲)

ووقت الظهر من زواله إلى بلوغ الظل مثليه، وعنه مثله وهو قولهما وزفر والأئمة الثلاثة، قال الإمام الطحاوى: وبه نأخذ...... وبه يفتى والأحسن مافي السراج عن شيخ الإسلام: إن الاحتياط أن لايوخر الظهر إلى المثل، وأن لا يصلى العصر حتى يبلغ المثلين، ليكون مؤديا للصلوتين في وقتهما بالإجماع الخ.
(شامی ۲/ ۱۵ زكريا، حلبي كبير ۲۲۷، تاتارخانية ٦/٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۴/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسافر کا حالتِ سفر میں مثل ثانی سے پہلے عصر کی نماز پڑھنا؟

سوال (۱۳۰۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص خود اپنی گاڑی میں سفر کرتا ہے عصر کی نماز کا وقت مثلاً ۴۰-۴ کو شروع ہوتا ہے، وہ

۳۰-۴کونماز پڑھتا ہے،تو کیا اس کی نماز ادا ہو جائے گی ،اسی طرح اگرایک شخص ٹرین یا فلائٹ سے سفر کرتا ہے،تو نماز عصر وقت سے کتنا منٹ پہلے پڑھ سکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حنفی شخص کو عام حالات میں مثل ثانی کے بعد ہی عصر کی نماز ادا کرنی چاہیے، البتہ اگر کسی عذر کی وجہ سے مثل اول کے بعد عصر ادا کرلی تو بھی اس کی نماز درست ہو جائے گی ، دہرانے کی ضرورت نہیں ہے،لیکن مثل اول سے پہلے نماز عصر ادا کرنا معتبر نہیں ہے،اور مثل اول اور مثل ثانی کا صحیح وقت دائمی جنتری سے معلوم کرلیا جائے۔

عن ابن عباس قال قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أمني جبرئيل عليه السلام عند البيت مرتين، فصلى بي الظهر حين زالت الشمس –إلى قوله– فلما كان الغد صلى بي الظهر حين كان ظله مثله، وصلى بي العصر حين كان ظله مثليه. (سنن أبي داؤد ۱/ ۵٦ رقم: ۳۹۳ ۱، سنن الترمذي ۱/ ۳۸ رقم: ۲ ٦۱ ۲)

إن الاحتياط أن لايوخر الظهر إلى المثل، وأن لايصلى العصر حتى يبلغ المثلين، ليكون مؤديا للصلوتين في وقتهما بالإجماع الخ. (شامی ۲/ ۱۵ زکریا)

ووقت الظهر من زواله إلى بلوغ الظل مثليه، وعنه مثله وهو قولهما وزفر والأئمة الثلاثة، قال الإمام الطحاوى: وبه نأخذ...... وبه يفتى. (شامی ۲/ ۱۵ زکریا، فتاوی دار العلوم ۲/ ۴۳) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/۱۱/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

مقیم کی اقتداء کے دوران اگر حدث لاحق ہو جائے تو مسافر از سر نو قصر کرے گا یا اتمام؟

سوال (۱۳۱۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: مسافر نے حالت سفر میں مقیم کی اقتداء کی اتفاقاً درمیان نماز میں مسافر کا وضوٹوٹ گیا، اب جتنی دیر میں یہ وضو کرکے آیا نماز پوری ہو چکی تھی، تو اب یہ مسافر اتمام کرے گا، یا قصر؟ اتمام یا قصر جو بھی کرے گا اس کی وجہ بھی بیان فرمادیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں مذکورہ مسافر شخص نے وضو کرکے امام کی جماعت کی بنا کی ہے تو وہ لاحق کے درجہ میں ہے، جو دراصل مدرک کے حکم میں ہوتا ہے؛ لہٰذا اس پر وضو کرنے کے بعد اتمام لازم ہے قصر کافی نہ ہوگا؛ البتہ اگر وہ امام والی نماز توڑ کر از سرِ نو نماز کا ارادہ کرے تو اب قصر کرے گا۔

والمدرک الذی نام خلف الإمام أو أحدث وذهب للوضوء كأنه خلف الإمام ...... فإذا فرغ الإمام قد استحكم الفرض ...... ولم يبق محتملاً للتغير في حقه، فكذا اللاحق. (بدائع الصنائع زکریا ۱/ ۲۷۲، ۲۷۳)

وأما اقتداء المسافر بالمقيم فيصح في الوقت ويتم. (درمختار) ولو أفسده صلى ركعتين لزوال المغير. (شامی زکریا ۲/ ۶۱۲، بدائع الصنائع زکریا ۱/ ۲۷۸، فتح القدیر ۲/ ۳۸، مجمع الأنہر ۱/ ۱۶۳، عالمگیری ۱/ ۱۴۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۸/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسافر امام نے بھولے سے چار رکعت پڑھادیں؟

سوال (۱۳۱۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسافر امام نے بھولے سے چار رکعت نماز پڑھادی تو اس نماز کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسافر امام چار رکعت نماز پڑھادے تو اس کے پیچھے مقیم مقتدیوں کی نماز فرض ادا نہ ہوگی، البتہ امام نے اگر قعدۂ اولیٰ کرلیا ہے تو خود اس کی اور مسافر مقتدیوں کی

نماز اخیر میں سجدہ سہو کرنے سے درست ہو جائے گی، اور اگر سجدہ سہو کئے بغیر سلام پھیر دیا ہے تو نماز واجب الاعادہ ہوگی، اور وقت کے اندر اندر اعادہ کی زیادہ تاکید ہے اور وقت نکلنے کے بعد اتنی تاکید نہیں۔

فإن صلى أربعا وقعد فى الثانية قدر التشهد أجزأته والأخريان نافلة و يصير مسيئا لتاخير السلام وإن لم يقعد فى الثانية قدرها بطلت كذا فى الهداية.

(هنديه الصلاة/ الباب الخامس عشر في صلاة المسافر ۱۳۹/۱، در مختار شامي / باب صلاة المسافر ۱۲۸/۲ كراچي، تبيين الحقائق / باب صلاة المسافر ۵۱۱/۱ دار الكتب العلمية بيروت)

فلو أتم المقيمون صلاتهم معه فسدت لأنه اقتداء المفترض بالمنتقل.

(شامی الصلاة/ باب صلاة المسافر ۶۱۲/۲ زكريا، منحة الخالق ۲۳۸/۲ رشيديه) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲/۲/۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسافر نے مقیمین کو چار رکعت نماز پڑھادی؟

سوال (۱۳۱۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مسافر نے مقیم لوگوں کو نماز پڑھائی اور نماز چار رکعت والی تھی اور اس نے چاروں رکعتیں پوری پڑھا ڈالیں اور مقتدی مقیم بھی ہیں اور مسافر بھی، تو پوچھنا یہ ہے کہ مسافر ومقیم لوگوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟ اگر ہاں تو کیوں اور اگر نہ تو کیوں؟ نیز قصر واجب ہے یا سنت یا مستحب؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسافر امام نے چار رکعت والی فرض نماز قصر کے بجائے پوری پڑھادی، اب اگر قعدۂ اولیٰ کرلیا ہے تو سجدۂ سہو کے ساتھ امام اور مسافر مقتدیوں کی نماز درست ہوجائے گی اور اخیر کی دو رکعتیں نفل ہوجائیں گی اور مقیم مقتدیوں کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ (احسن الفتاوی ۴/۷۷)

فلو أتم مسافر إن قعد فى القعدة الأولى تم فرضه ولكنه أساء، وما زاد نفل (درمختار) فلو أتم المقيمون صلاتهم معه فسدت؛ لأنه اقتداء المفترض

بالمتنفل الخ. (درمختار مع الشامي ٢/ ٦٠٩- ٦١٢ زكريا)

صلى الفرض الرباعي ركعتين وجوبا لقول ابن عباس رضى الله عنه: إن الله تعالى فرض على لسان نبيكم صلاة المقيم أربعا، والمسافر ركعتين. (درمختار مع الشامی ٢ / ٦٠٣ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۶/۴/۱۰ھ

سفر میں بھول سے چار رکعت پڑھ کر وقت کے اندر گھر پہنچ گیا

سوال (۱۳۱۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید اپنے گاؤں سے میرٹھ مسافت سفر پر گیا واپسی میں اپنے گاؤں سے پانچ کلومیٹر پہلے نہٹور میں زید نے عصر کی نماز بھول سے چار رکعت پڑھ لیں، جب زید کو بتایا کہ آپ کو دو رکعت پڑھنا تھا تو زید نے دو رکعت اسی وقت نہیں پڑھیں بلکہ مغرب سے آدھا گھنٹہ پہلے اپنے گھر پہنچ کر دو رکعت پڑھ لیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا زید پر مذکورہ صورت میں دو رکعت پڑھنا واجب تھا اور اگر وقت کے اندر گھر پہنچ گیا تو کیا دو رکعت کا ہی اعادہ واجب ہے یا گھر آجانے کی وجہ سے چار رکعت فرض ہوں گی، یا جو چار رکعت بحالت سفر بھول سے پڑھ لیں وہی کافی ہیں، شرعاً جو حکم ہو واضح فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئولہ صورت میں وطن واپسی سے قبل نہٹور میں زید نے سفر کی حالت میں جو عصر کی نماز قعدہ اولیٰ کے ساتھ پڑھی ہے اس سے اس کا فریضہ تو ادا ہو گیا، لیکن تاخیر سلام کی وجہ سے اس پر سجدہ سہو واجب تھا اور سجدہ سہو ادا نہ کرنے کی وجہ سے یہ نماز واجب الاعادہ ہوئی، بریں بنا جب اس نے وطن پہنچ کر عصر کا وقت رہتے ہوئے وہ واجب الاعادہ دو رکعت پڑھ لی تو اس کا ذمہ ساقط ہو گیا اب اس پر کوئی چیز واجب نہیں اور چونکہ وہ حالت سفر میں اپنا فرض ادا کر چکا تھا لہٰذا اگر چہ وقت رہتے ہوئے وطن پہنچ گیا ہو پھر بھی اس کے لیے اتمام کا حکم نہیں دیا جائیگا۔ (فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۷/ ۵۱۳)

فلو أتم مسافر إن قعد فی القعدة الأولی تم فرضه ولکنه أساء لو عامداً لتاخیر السلام وترک واجب القصر و واجب تکبیرة الافتتاح النفل، وخلط النفل بالفرض، وهذا لا یحل کما حرره القهستانی بعد أن فسر "أساء" بإثم و استحق النار وما زاد نفل کمصلی الفجر أربعا (در مختار) والمختار أن الإعادة لترک واجبٍ نفلٌ جابرٌ والفرض سقط بالأولیٰ لأن الفرض لا یتکرر (شامی، الصلاة / باب صفة الصلاة ۱۲۸/۲ کراچی ، کذا في تبیین الحقائق، الصلاة / باب صلاة المسافرین ۵۱۱/۱ بیروت، الطحطاوي علی مراقی الفلاح ۲۴۸، مجمع الأنهر الصلاة/ باب صلاة المسافر ۱۶۲/۱ بیروت)

کل صلاة أدیت مع کراهة التحریم تجب إعادتها. (در مختار صلاة المسافر / مطلب: کل صلاة أدیت مع کراهة التحریم ۴۵۷/۱ کراچی، ۶۰۹/۲ زکریا، ومثله فی الهندیة ۱۳۹/۱، الفقه علی المذاهب الأربعة مکمل ۲۶۲ تا ۲۶۳، الفقه الإسلامی و أدلته ۲۸۴/۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۱۱/۱۴۳۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سفر میں بیٹھ کر فرض نماز پڑھنا؟

سوال (۱۳۱۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سفر میں اژدہام کی وجہ سے فرض نماز بیٹھ کر پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ نہ پڑھنے کی صورت میں قضا ہونے کا اندیشہ ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی صورت میں بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھ لی جائے اور پھر جہاں موقع ملے اولین فرصت میں اس کا اعادہ کرلیا جائے۔

الأسیر في ید العدو إذا منعه الکافر عن الوضوء والصلاة یتیمم ویصلي بالإیماء ثم یعید إذا خرج فعلم منه أن العذر إن کان من قبل اللّٰہ تعالیٰ لا تجب الإعادة وإن کان من قبل العبد وجبت الإعادة. (البحر الرائق الطهارة/ باب التیمم ۱۴۶/۱)

صـلـى الـفـرض فـي فُـلک جـار قاعداً بلا عذر صح لغلبة العجز و أساء، وقـالا: لا يـصح إلا بعذر وهو الأظهر برهاناً. (الـدرمـختـار مع الشامی الصلاة/ باب صلاة الـمـريـض ٢٠٦/٢ كـراچی، كذا في تبيين الحقائق، الصلاة/ باب صلاة المريض ٤٩٥/١ بيروت، فتاویٰ محمودیه ڈابھیل ٥٤٢/٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۷/۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ٹرین میں بیٹھ کر نماز پڑھنا؟

سوال (۱۳۱۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے مرادآباد سے آسام تک ٹرین سے سفر کیا اور دورانِ سفر وہ نماز بیٹھ کر ادا کرتا رہا، تو کیا اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید نے ٹرین میں بلا عذر شرعی بیٹھ کر نمازیں ادا کیں ہیں تو وہ نمازیں شرعاً درست نہیں، ان کا دہرانا لازم ہے، ہاں اگر کوئی عذر ہو مثلاً حرکت اتنی زیادہ ہو کہ کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکے یا یہ کہ مریض ہو اور مرض کی بنا پر کھڑا نہ رہ سکتا ہو، تو ایسی صورت میں بیٹھ کر فرائض ادا کرنا درست ہوگا۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿قُوۡمُوۡا لِلّٰهِ قَانِتِيۡنَ﴾ [البقرة: ٢٣٨]

عـن عـمران بن حصين رضي اللّٰه عنه قال: كان بي الناصور فسألت النبي صـلـى اللّٰـه عليه وسلم عن الصلاة؟ فقال: صل قائما فإن لم تستطع فقاعدا ...... الخ. (مسند أحمد ٤٢٦/٤، رقم: ٢٠٠٥٧)

مهـران عـن أبيه أنه سئل: ماحد المريض أن يصلي جالسا؟ فقال: حده لو كانت دنيا تعرض له لم يقم إليها. (المصنف لا بن أبي شيبة ٤٨١/٣ رقم: ١٦٤١)

صـلى الفرض في فُلک جار قاعداً بلاعذر صح لغلبة العجز و أساء، وقالا:

لا يصح إلا بعذر وهو الأظهر برهاناً. (الدرمختار مع الشامي الصلاة/ باب صلاة المريض ۲۰۶/۲ كراچی، كذا في تبيين الحقائق، الصلاة/ باب صلاة المريض ۱/ ٤٩٥ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳/۱۶/ ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شدید بھیڑ کے وقت ٹرین میں نماز کا حکم

سوال (۱۳۱۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل ٹرینوں میں بالخصوص پسنجر اور ایکسپریس کے جنرل ڈبوں میں بعض علاقوں میں بہت بھیڑ ہوتی ہے، جس میں کھڑے ہوکر نماز پڑھنا، یا کسی اسٹیشن پر اتر کر نماز پڑھنا بہت دشوار ہو جاتا ہے، اور اگر کسی طرح کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کی کوشش کی جائے، تو اس میں دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے، جس میں مسلم وغیر مسلم سب ہوتے ہیں، اس لئے کھڑے ہوکر نماز پڑھنا مناسب معلوم نہیں ہوتا، ایسے سفر میں بعض اوقات مثلاً صبح کے وقت ایک نماز، اور بعض اوقات مثلاً شام کے وقت کئی کئی نمازیں (عصر مغرب وعشاء) فوت ہو جاتی ہیں، تاہم ایسے سفر میں سیٹ پر بیٹھ کر اگر گنجائش نکلتی ہے تو سیٹ پر بیٹھ کر نماز پڑھنا درست ہوگا یا نہیں؟ یا نماز نہ پڑھ کر اپنے مقام پر پہنچ کر سب کی قضاء ایک ساتھ کرلیں، مدلل ومفصل جواب تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ٹرین وغیرہ میں حتی الامکان کھڑے ہوکر قبلہ رو نماز پڑھنا فرض ہے، اور اگر آدمی کوشش کرے تو بھیڑ کے باوجود کسی نہ کسی طرح نماز پڑھنے کی شکل نکل ہی آتی ہے؛ لیکن بالفرض اگر حد سے زیادہ بھیڑ کی وجہ سے ٹرین میں کھڑے ہوکر نماز پڑھنا دشوار ہو جائے، اور اسٹیشن پر اتر کر نماز پڑھنے کی گنجائش بھی نہ ہو تو ایسی صورت میں بیٹھے بیٹھے یا اشارہ سے نماز پڑھنا لازم ہے، اور بعد میں اس نماز کا اعادہ کرنا بھی ضروری ہوگا۔ (حاشیہ امداد الفتاوی ۱/۵۸۶، احسن الفتاوی ۴/۸۹، فتاویٰ محمودیہ ۷/۴۲۵ ڈابھیل)

مستفاد: الأسير في يد العدو إذا منعه الكافر عن الوضوء والصلاة ويتيمم

و يصلي قاعدا ثم يعيد إذا خرج؛ لأن هذا عذر جاء من العباد فلا يسقط فرض الوضوء عنه، فعلم منه أن العذر إن كان من قبل الله تعالىٰ لاتجب الإعادة، وإن كان من قبل العبد تجب الإعادة. (البحر الرائق ١ / ١٤٢ كراچی کوئٹه، كذا في الدر المختار مع الشامي الطهارة/ باب التيمم ٢٣٥/١ ، هنديه، الطهارة/ الباب الرابع في التيمم ٢٨/١)

مسافر لا يقدر على الأرض ...... يصلي بالإيماء إذا خاف فوت الوقت.

(شامي، الصلاة / مطلب في القادر بقدرة الغير ٤١/٢ كراچی)

صلى الفرض في فُلک جار قاعداً بلاعذر صح لغلبة العجز وأساء، وقالا: لا يصح إلا بعذر وهو الأظهر برهاناً. (الدرمختار مع الشامي الصلاة/ باب صلاة المريض ٢٠٦/٢ كراچی، كذا في تبيين الحقائق، الصلاة/ باب صلاة المريض ٤٩٥/١ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۲/۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ٹرین میں دو سیٹوں کے درمیان نماز پڑھنا؟

سوال (۱۳۱۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں اکثر وبیشتر ٹرینوں کا سفر کرتا ہوں اور الحمد للہ وقت پر نمازیں پڑھنے کا اہتمام کرتا ہوں لیکن بعض مرتبہ قطب نما سے قبلہ کا رخ دیکھتا ہوں تو کبھی وہ جس طرف ٹرین چل رہی ہوتی ہے اسی طرف ہوتا ہے، اور میں درمیانی آنے جانے والے راستہ پر نماز پڑھ لیتا ہوں جس سے ۵-۳ منٹ تک دونوں طرف کے آتے جاتے لوگ رک جاتے ہیں، تو کیا میرا اس طرح لوگوں کی آمد ورفت کو روک کر نماز پڑھنا درست ہے؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مجبوری کی وجہ سے ٹرین کے ڈبہ میں گذرگاہ میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں؛ اس لئے کہ دو چار منٹ لوگوں کی آمد ورفت بند ہونے سے مسافروں کو

کوئی خاص زحمت نہیں ہوتی؛ کیوں کہ ٹرین کے ہر ڈبہ میں دونوں طرف ضرورت کی جگہیں بنی رہتی ہیں اگر ایک طرف کا راستہ بند ہو تو دوسری طرف آدمی جا سکتا ہے، تاہم دیر تک راستہ نہ روکے رکھیں کیونکہ اس میں دوسرے ڈبوں تک جانے والوں کو دشواری ہو سکتی ہے۔

فإن اضطر...... يصلي في الطريق أي لأن له فى الطريق حقا. (شامي، الصلاة / مطلب في الصلاة الأرض المغصوبة ودخول البساتين الخ ٢/ ٤٤ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۳۳/۸/۹ھ

ٹرین میں سیٹوں کے درمیان خالی جگہ پر نماز پڑھیں یا سیٹ کے اوپر؟

سوال (۱۳۱۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ٹرین سے سفر کر رہا ہے، وہ نماز کے اوقات میں نماز ادا کرنے کے لئے ٹرین میں سیٹوں کے درمیان جو جگہ خالی ہے اس میں نماز پڑھتا ہے، مگر اس کا دل گوارہ نہیں کرتا وہ کہتا ہے کہ مسافرین بیت الخلاء سے آنے جانے میں ناپاکی کا خیال نہیں رکھتے، جس سے سیٹوں کے درمیان جو جگہ ہے ناپاک ہونے کا اندیشہ ہی نہیں؛ بلک غالب ظن ہے، نیز مشاہدہ بھی ہوتا ہے، ساتھ ہی ٹرین میں بیٹھنے والے اور مسافرین کو سیٹوں کے درمیان نماز پڑھنے کی صورت میں پریشانی ہوتی ہے، اس حال میں اگر نماز اپنی سیٹ پر بیٹھ کر پڑھ لے تو کیا نماز ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

زید کہتا ہے کہ مؤمن بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جتنا ذلت وعاجزی کا اعتراف کرے وہ اتنا ہی حق عبودیت ادا کر رہا ہے، مگر کیا حق عبودیت کرتے وقت غیر مسلمان مسلمان کو ذلیل تر سمجھے تو کیا اس صورت میں شریعت کی طرف سے کوئی گنجائش ہے کہ اس عمل کو ترک کر دیں یا بعد میں کر لیں، مثلاً ٹرین میں جب نماز سیٹوں کے درمیان پڑھتے ہیں جہاں دوسرے لوگ اپنا جوتا رکھتے ہیں، اس کو ہٹا کر جب نماز پڑھتے ہیں تو غیر مسلمان آپس میں یہ تذکرہ کرتے ہیں کہ کیا دھرم ہے جہاں چاہے کھڑا ہو گیا، نماز پڑھنا شروع کر دیا، کیا اس چیز کو سامنے رکھ کر زید اپنی سیٹ میں نماز پڑھ سکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صحیح اور تندرست شخص کے لئے ٹرین میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے، اس لئے اگر کھڑا ہو کر نماز پڑھنا کثرتِ مجمع کی وجہ سے ممکن نہ ہو، تو جس طرح ممکن ہو نماز پڑھے؛ لیکن بعد میں اس کا اعادہ لازم ہے؛ اس لئے کہ یہاں عذر مانع قدرتی نہیں؛ بلکہ بندوں کی طرف سے ہے، اس کے علاوہ زید کا یہ عذر قابل قبول نہیں ہے کہ سیٹوں کے درمیان نماز پڑھنے کی وجہ سے لوگوں کو پریشانی ہوتی ہے، اور وہ بری نگاہوں سے نمازیوں کو دیکھتے ہیں؛ اس لئے کہ مشاہدہ اس کے برعکس ہے، سیٹوں کے درمیان نماز پڑھنے کی وجہ سے تو غیر مسلموں کو بھی تکلیف نہیں ہوتی؛ بلکہ وہ لوگ احترام کی وجہ سے نماز کے لئے خوشی سے جگہ چھوڑتے ہیں، اور نماز کی وجہ سے وہ لوگ مسلمانوں کو احترام کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں، اور اگر بالفرض ہماری نماز کسی کو اچھی نہ لگے تو کیا عام لوگوں کی ملامت کے خوف سے نعوذ باللہ اللہ پاک کے حکم کو چھوڑ دیں؛ بلکہ مؤمن کی شان یہ ہے کہ شریعت کے معاملہ میں کسی بھی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/۸۸، البحر الرائق ۱/۱۴۲)

(والقيام) لقوله تعالىٰ: ﴿قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ﴾ أي مطيعين والمراد به القيام في الصلاة بإجماع المفسرين وهو فرض في الصلاة للقادر عليه في الفرض وما هو ملحق به. (البحر الرائق ۱/۲۹۲)

الأسير في يد العدو إذا منعه الكافر عن الوضوء والصلاة يتيمم ويصلي بالإيماء ثم يعيد إذا خرج فعلم منه أن العذر إن كان من قبل اللّٰه تعالىٰ لا تجب الإعادة وإن كان من قبل العبد وجبت الإعادة. (البحر الرائق الطهارة/ باب التيمم ۱/۱٤٦)

صلى الفرض في فُلك جار قاعداً بلا عذر صح لغلبة العجز وأساء، وقالا: لا يصح إلا بعذر وهو الأظهر برهاناً. (الدرمختار مع الشامي الصلاة/ باب صلاة المريض ۲/۲۰٦ كراچی، كذا في تبيين الحقائق، الصلاة/ باب صلاة المريض ۱/٤۹٥ بيروت، فتاویٰ

محمود دیه ڈابھیل ۲/۷ ٥٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۲/۲/۱۴۲۱ھ

ہوائی جہاز میں بیٹھ کر ادا کی ہوئی نماز کا حکم

سوال (۱۳۱۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص ہوائی جہاز کے سفر میں ہے آج کل اکثر ہوائی جہاز میں کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے ہیں، اس صورت میں اگر بیٹھ کر قبلہ رخ ہوکر نماز پڑھ لے تو کیا اس کو دہرانا چاہئے؟ اگر اس نماز کو دہرانا ہ تو قضا کی نیت کرنا یا قصر کی نیت کرنا، اگر قبلہ پیٹھ پیچھے ہو تو نماز کو کس طرح ادا کریں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہوائی جہاز میں غیر معذور کے لئے کھڑے ہوکر قبلہ رو ہوکر نماز فرض پڑھنا لازم ہے، اگر بیٹھے بیٹھے یا قصداً قبلہ کے بالکل مخالف نماز ادا کرے گا، تو بعد میں دہرانا لازم ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/۹۰)

ثم الشرط هي ستة والسادس استقبال القبلة حقيقة أو حكماً كعاجز، والشرط حصوله لا طلبه، وهو شرط زائد للإبتلاء يسقط للعجز، ومنها القيام في فرض لقادر عليه، فلو عجز حقيقة وهو ظاهر ، أو حكما لما لو حصل له به ألم شديد، أو خاف زيادة المرض، فإنه يسقط. (الدر المختار مع الشامی الصلاة/ باب صفة الصلاة ٥٤٤/١ کراچی، باب شروط الصلاة ٤٢٧/١ کراچی، ١٣٢/٢ زکریا)

مستفاد: الأسير في يد العدو إذا منعه الكافر عن الوضوء و الصلاة يتيمم و يصلي بالإيماء، ثم يعيد إذا خرج؛ لأن هذا عذر رجاء من قبل العباد، فلا يسقط فرض الوضوء عنه، فعلم منه أن العذر إن كان من قبل الله تعالیٰ لا تجب الإعادة، و إن كان من قبل العبد وجبت الإعادة. (البحرالرائق، الطهارةو باب التيمم ٢٤٨/١، كذا في الرد المحتار الطهارة/

باب التيمم ۳۳٥/۱ کراچی، الفتاویٰ الهندية الطهارة/ الباب الرابع في التيمم ۲۸/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/۱۱/۴ ۱۴۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہوائی جہاز میں پانی دستیاب نہ ہوتو نماز کیسے پڑھیں؟

سوال (۱۳۲۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض مرتبہ ہوائی جہاز میں نہ تو پانی ملتا ہے جو وضو کرسکیں، ہوائی جہاز کا عملہ بیت الخلاء میں بھی پانی استعمال کرنے سے سختی سے منع کرتا ہے، ڈھیلا بھی پاس نہیں ہے جو تیمّم کریں، اورنماز کا وقت نکلا جارہا ہے ایسے وقت میں نماز کیسے پڑھیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئولہ صورت میں ایسے لوگ فاقد الطہورین (جن کے پاس پانی یا پاک مٹی کچھ بھی نہ ہو) کے حکم میں ہیں، ان کے لئے حکم یہ ہے کہ وقت کے اندر اندر بلاقرأت کے رکوع سجدہ کرکے نماز پڑھ لیں بعد میں جب موقع ملے تو اعادہ کرلیں۔

والمحصور فاقد الطهورين يؤخرها عنده، وقالا: يتشبه بالمصلين وجوباً فيركع ويسجد، ثم يعيد به يفتى وإليه صح رجوع الإمام. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الطهارة ۱۸٥/۱ زكريا، مطلب فاقد الطهورين ۴۲۳/۱ زكريا)

الأسير في يد العدو إذا منعه الكافر عن الوضوء والصلاة يتيمم ويصلي بالإيماء، ثم يعيد إذا خرج؛ لأن هذا عذر جاء من قبل العباد، فلا يسقط فرض الوضوء عنه، فعلم منه أن العذر إن كان من قبل الله تعالىٰ لا تجب الإعادة، وإن كان من قبل العبد وجبت الإعادة. (البحرالرائق، الطهارة و باب التيمم ۲۴۸/۱، كذا في الرد المحتار الطهارة/ باب التيمم ۳۳٥/۱ کراچی، الفتاویٰ الهندية الطهارة/ الباب الرابع في التيمم ۲۸/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۱/ ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چلتی سواری پر نماز پڑھنا؟

سوال (۱۳۲۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سواری پر اشارہ سے نفل نماز پڑھنا کیسا ہے؟ جب کہ سواری خاص کر کسی ایک سمت میں نہیں چلتی؛ بلکہ مختلف سمتوں میں کسی طرف راستوں کے اعتبار سے گھومتی رہتی ہے، تو کیا چلتی ہوئی گاڑی مثلاً کار، موٹر سائیکل وغیرہ میں نفل نماز بغیر کسی قیام، رکوع وسجود کے صرف اشارہ سے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز فرض نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نفل نماز سواری (اونٹ گھوڑا وغیرہ) پر اشارہ سے پڑھنا درست ہے، خواہ سواری کا رخ کسی طرف ہو۔

عن ابن عمر رضي اللّٰہ عنهما قال: رأيت رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم يصلي على حمار وهو موجّه إلى خيبر. (صحيح مسلم، صلاة المسافرين / باب جواز الصلاة النافلة على الدابة رقم: ۷۰۰)

وزاد الدار قطني عن أنس رضي اللّٰہ عنه يؤمي إيماء. (نصب الراية ۲/۱۵۲)

وتجوز صلاة التطوع على الدابة إيماءً. (حلبی کبیر ۲۷۲، بدائع الصنائع ۱/۲۹۰)

ويتنفل راكبا خارج المصر مومئا إلى أي جهة توجهت دابته، ولو ابتدأ عندنا. (در مختار مع الشامي ۲/۸۷-۴۸۶ زكريا)

البتہ ایسی سواری جس پر رکوع سجدہ نہ ہوسکتا ہو (جیسے گھوڑا، موٹر سائیکل، کار وغیرہ) پر بلا عذر فرض نماز جائز نہیں ہے، ہاں اگر کوئی شدید عذر پیش آجائے، مثلاً سواری سے نیچے اترنے میں درندے، دشمن یا مرض کا خطرہ ہو، یا زمین پر کیچڑ ہی کیچڑ ہو اور نماز پڑھنے کے لئے کوئی پاک سوکھی جگہ میسر نہ ہو، تو ایسی صورتوں میں فرض نماز بھی کھڑی ہوئی سواری پر اشارہ سے پڑھی جاسکتی ہے؛ لیکن قبلہ رخ ہونے کا حتی الامکان اہتمام کرنا لازم ہوگا۔

أمـا الـفـرائـض أي صلاة الفرائض على الدابة فتجوز أيضاً لكن بالأعذار التي ذكرنا في فصل التيمم من خوف السبع أو العدو أو المرض أو الطين، فإذا خاف على نـفسه أو دابتهٖ من سبعٍ أو لصٍّ أو كان في طين يغيب الوجه فيه و لا يجد مكاناً جافاً أو كـان مـريـضـاً يـحـصـل له بالنزول والركوب زيادة مرض أو بطؤ برءٍ جاز له الإيماء بـالـفرض على الدابة واقفةً مستقبل القبلة إن أمكنه ذٰلک وإلا فبقدر الإمكان. (حلبی کبیر ۲۷۳، شامی ۴۸٦/۲ زکریا، الفتاویٰ الهندية ۱۴۳/۱، الجوهرة النيرة ۱۰۷/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۹/۱ھ

بس میں نماز کس طرح پڑھیں؟

سوال (۱۳۲۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: لمبے سفر میں ریل میں تو نماز پڑھی جاسکتی ہے مگر بسوں کی بھیڑ اور نماز کے وقت راستے میں نہ رکنا، ایسے موقع پر کیا بس پر ہی تیمّم کرکے سیٹ پر بیٹھے بیٹھے بغیر قبلہ رخ ہوئے نماز ادا کی جاسکتی ہے یا نماز کو مؤخر کرنے کی گنجائش ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس وقت جیسے بھی ممکن ہو ادا کرلیں، مگر بعد میں اس نماز کی قضا کریں۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۸۸/۴)

مسـافـر لا يـقدر على الأرض ...... بصلي بالإيماء إذا خاف فوت الوقت.

(شامي / مطلب في القادر لقدرة الغير ۴۱/۲ کراچی)

والـمحصور فاقد الطهورين يؤخرها عنده، وقالا: يتشبه بالمصلين وجوباً فيـركع ويسجد، ثم يعيد به يفتى وإليه صح رجوع الإمام. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الطهارة ۱۸۵/۱ زكريا، مطلب فاقد الطهورين ۴۲۳/۱ زكريا)

مستفاد: الأسير في يد العدو إذا منعه الكافر عن الوضوء و الصلاة يتيمم و يصلي بالإيماء، ثم يعيد إذا خرج؛ لأن هذا عذر رجاء من قبل العباد، فلا يسقط

فرض الوضوء عنه، فعلم منه أن العذر إن كان من قبل الله تعالیٰ لا تجب الإعادة، و إن كان من قبل العبد وجبت الإعادة. (البحر الرائق، الطهارةو باب التيمم ٢٤٨/١، كذا في الرد المحتار الطهارة/ باب التيمم ٣٣٥/١ کراچی، الفتاویٰ الهندية الطهارة/ الباب الرابع في التيمم ٢٨/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۱۰/۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فاقد الطہورین رکوع سجدہ کی تسبیحات پڑھے گا یا نہیں؟

سوال (۱۳۲۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ''**فاقد الطهورين**'' نماز تو پڑھے گا مگر تشبہ بالمصلین کریگا، یعنی قیام رکوع سجدہ قعدہ کریگا، معلوم یہ کرنا ہے کہ جیسے قیام میں قراءت نہیں کرے گا، کیا رکوع سجدہ قعدہ میں بھی کچھ نہیں پڑھے گا، یا تسبیح تحمید تشہد درود شریف وغیرہ سب کچھ پڑھے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: "**فاقد الطهورين**" کی نماز حقیقی نماز نہیں ہے؛ بلکہ صرف افعال میں تشبہ ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ وہ نماز کی نیت بھی نہیں کرے گا، اس سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ قرأت کے ساتھ رکوع اور سجدہ وغیرہ کی تسبیحات بھی نہیں پڑھی جائیں گی، اور تشبہ صرف ظاہری اعمال یعنی نقل وحرکت میں ہوگا۔

قال: و لا يقرأ كما في أبي السعود سواء كان حدثه أصغر أو أكبر، قلت: وظاهره أنه لاينوى أيضا؛ لأنه تشبه لا صلاة حقيقية. (الدر المختار مع الشامي، الطهارة/ مطلب: فاقد الطهورين ٣٧٤/١ بيروت، ٤٢٣/١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۲۶/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مریض اور معذور کی نماز

معذور کے احکام

سوال (۱۳۲۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: احکام معذوری کسے کہتے ہیں؟ تفصیلی جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) طہارت کے معاملہ میں آدمی اس وقت سے معذور قرار دیا جاتا ہے، جب کسی ایک نماز کے وقت میں اسے فرض رکعات ادا کرنے کا موقع ہی نہ ملا ہو، اور عذر تسلسل کے ساتھ جاری رہا ہو، تو اس عذر کے متعلق اسے معذور سمجھا جائے گا، مثلاً کسی شخص کو مسلسل پیشاب آنے کا عذر ہے اور فجر کے پورے وقت میں اسے اتنی مہلت نہ ملی کہ وضو کرکے دو رکعت فرض ادا کرلیتا، تو اب یہ معذور قرار پائے گا، جس کا حکم یہ ہے کہ ایک نماز کے وقت کے لئے ایک وضو کافی ہوگا، جس سے وہ عبادات ادا کرسکے گا، عذر اس کے لئے ناقض نہیں قرار پائے گا۔

وصاحب حدث الدائم ليس من يتصل به خروج الحدث من غير انقطاع أصلاً؛ بل هو من لا يمضي عليه وقت صلاة كامل إلا والحدث الذي ابتلى به يوجد منه فيه ...... فيشترط في الثبوت استيعاب الوقت بالحدث على هٰذه الصفة كما يشترط في الزوال استيعاب الوقت بالطهارة منه، بأن يمضي الوقت ولا يوجد ذٰلك الحدث فيه، وفيما بين ذٰلك يكفي للبقاء وجود الحدث في كل وقت مرة. (حلبي كبير ١٣٥ لاهور، هندية الطهارة/ الباب الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة ٤٠/١)

وحكمه الوضوء لكل فرض ثم يصلي به فرضاً ونفلاً فإذا خرج الوقت

بطل. (شامي مع الدر الصلاة/ باب صلاة المريض ۱/ ۵۰۵)

ويبطل الوضوء عند خروج وقت المفروضة بالحدث السابق. (هندية الطهارة/ الباب الرابع في أحكام الحيض و النفاس والاستحاضة ۱/ ۴۱)

(۲) اس کے بعد جب تک ہر نماز کے وقت میں کم از کم ایک مرتبہ بھی یہ عذر پایا جاتا رہے گا، تو اس پر معذور کے احکام جاری رہیں گے۔

وفيما بين يكفي للبقاء وجود الحدث في كل وقت مرة. (كبيري أشرفية ۱۳۵)

وفي حق البقاء كفى وجوده في جزء من الوقت ولو مرة. (شامي الصلاة/ باب صلاة المريض ۱/ ۵۰۵ زكريا)

(۳) پھر جس پورے وقت میں ایک مرتبہ بھی وہ عذر نہ پایا گیا تو معذوری کا حکم ختم ہو جائے گا، اب پھر وہی صورت پیش نظر رکھی جائے گی جو نمبر ایک میں مذکور ہوئی۔

وفي حق الزوال يشترط استيعاب الانقطاع تمام الوقت حقيقة؛ لأنه الانقطاع الكامل. (شامي زكريا ۱/ ۵۰۵)

يشترط في الزوال استيعاب الوقت بالطهارة منه بأن يمضي الوقت ولا يوجد ذٰلک الحدث فيه. (كبيري أشرفية ۱۳۵) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۱/۵/ ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قیام پر قادر شخص کا بیٹھ کر نماز پڑھنا؟

سوال (۱۳۲۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں ضعیف و مریض ہوں مگر کھڑے ہو کر نماز ادا کر سکتا ہوں؛ لیکن مکان چھوٹا ہے اور ایک چارپائی ہے، جس پر نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، ٹھنڈک کی وجہ سے مچھر دانی لگا کر چاروں طرف سے چادر رکھ دی جاتی ہے؛ تاکہ میری چارپائی پر ہوا نہ آئے، ایسی حالت میں کبھی کبھار عشاء کی نماز میں ایسا ہوتا ہے کہ اس مچھر دانی کو ہٹانے میں دشواری ہوتی ہے یا ٹھنڈک لگ جانے کا

اندیشہ ہوتا ہے، تو ایسی مچھر دانی کے اندر بیٹھ کر نماز پڑھ لیتا ہوں، مگر کسی مفتی صاحب سے دریافت نہیں کیا ہے، تو کبھی لگتا ہے کہ نماز ہوئی اور کبھی لگتا ہے کہ نہیں ہوئی، اس طرح مجھ ضعیف کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنے سے نماز ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر آپ کھڑے ہونے پر قادر ہیں اور کھڑے ہونے سے کسی سخت نقصان کا اندیشہ بھی نہیں ہے تو بیٹھ کر آپ کی فرض نماز درست نہ ہوگی، کھڑے ہوکر فرض نماز ادا کرنی ضروری ہے۔

مهران عن أبيه أنه سئل: ماحد المريض أن يصلي جالسا؟ فقال: حده لو كانت دنيا تعرض له لم يقم إليها. (المصنف لا بن أبي شيبة ٤٨١/٣ رقم: ١٦٤١)

ومنها القيام ...... لقادر عليه وعلى السجود. (الدرالمختار مع الشامي الصلاة/ باب صفة الصلاة ٤٤٥/١ كراچی)

ويفترض القيام وهو ركن متفق عليه في الفرائض والواجبات، على قادر عليه و على الركوع و السجود. (حاشية الطحطاوى على مراقي الفلاح، الصلاة/ باب شروط الصلاة و أركانها ٢٢٤)

عن عمران بن حسين قال: كانت بي بواسير فسألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الصلاة فقال: صل قائما، فإن لم تستطع فقاعداً، فإن لم تستطع فعلىٰ جنب. (صحيح البخاري ١٥٠/١ رقم ١١٠٦، ف ١١١٧، سنن أبي داؤد ١٣٧/١ رقم ٩٥٢، سنن الترمذي ٨٥/١ رقم ٣٦٩) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/ ۱۱/ ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کھڑے ہوکر تکبیر تحریمہ کہنا اور پھر پوری نماز بیٹھ کر پڑھنا

سوال (۱۳۲۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: بعض حضرات جماعت کے شروع میں تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد بیٹھ جاتے ہیں، اور پھر پوری نماز بیٹھ کر ہی پڑھتے ہیں یہ عمل کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہ طریقہ بھی خلاف اولی ہے۔

وفي الفتاوى: إذا أراد أن يومئ للركوع أومأ قائما ويؤمى للسجود قاعداً، والأفضل هو الإيماء قاعدا في الكل. (الجوهرة النيرة ١/ ١١٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵ /۷ /۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جو شخص پوری نماز کھڑے ہو کر پڑھنے پر قادر نہ ہو؟

سوال (۱۳۲۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص رکوع سجدہ تو کرسکتا ہے؛ لیکن پوری نماز میں کھڑے ہونے پر قدرت نہیں ہے؛ البتہ دو چار آیت کے بقدر کھڑا ہوسکتا ہے، تو کیا ایسے شخص کے لئے ابتداء نماز سے فرض کو بیٹھ کر ادا کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو شخص پوری نماز میں کھڑا ہونے پر قادر نہ ہو تو فرض نماز میں شروع سے بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں؛ بلکہ ایسا شخص جتنا کھڑا ہونے پر قدرت رکھتا ہے کھڑا ہو۔

لو قدر على بعض القيام لبعض القرأة دون تمامها يؤمر بأن يكبر قائماً ويقرأ على ما قدر عليه ثم يقعد إن عجز وهو المذهب الصحيح لا يروي خلافه عن أصحابنا. (شامی الصلاة/ باب صلاة المريض ٢/ ٩٧ كراچی، ٢/ ٥٦٧ زكريا)

ومنها القيام ...... لقادر عليه وعلى السجود. (الدرالمختار مع الشامي الصلاة/ باب صفة الصلاة ١/ ٤٤٥ كراچی)

ويفترض القيام وهو ركن متفق عليه في الفرائض والواجبات، على قادر

عليه و على الركوع و السجود. (حاشية الطحطاوى على مراقي الفلاح، الصلاة/ باب شروط الصلاة و أركانها ٢٢٤)

عن عمران بن حصين رضى اللّٰه عنه قال: كانت بي بواسير فسألت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم عن الصلاة فقال: صل قائما، فإن لم تستطع فقاعداً، فإن لم تستطع فعلىٰ جنب. (صحيح البخاري، تقصير الصلاة/ باب: إذا لم يطق قاعداً صلى على جنب ١٥٠/١ رقم ١١٠٦، ف ١١١٧، سنن أبي داؤد، الصلاة/ باب صلاة القاعد ١٣٧/١ رقم ٩٥٢، سنن الترمذي، الصلاة/ باب ما جاء أن صلاة القاعد على النصف ٨٥/١ رقم ٣٦٩)

ولأن الطاعة بحسب الطاقة، ولو قدر على بعض القيام لا كله لزمه ذٰلک القدر. (هدايه مع فتح القدير، الصلاة/ باب صلاة المريض ٣/٢ بيروت، الفتاوىٰ التاتارخانية، الصلاة/ صلاة المريض ٦٦٨/٢ رقم ٣٥٣٧ زكريا)

وإذا كان قادراً على بعض القيام ولو قدر اٰية أو تكبيرة دون تمامه يؤمر بأن يقوم مقدار ما يقدر. (البحر الرائق الصلاة/ باب صلاة المريض ١١٢/٢، عالمگيرى الصلاة/ الباب الرابع عشر فى صلاة المريض ١٣٦/١، فتح القدير الصلاة/ باب صلاة المريض ٣/٢ بيروت)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: يصلى المريض قائماً، فإن نالته مشقة صلى جالساً فإن نالته مشقة صلى نائماً يؤمى برأسه، فإن نالته مشقة سبح. (المعجم الأوسط للطبراني ١٠٣/٣ رقم ٣٩٩٧) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۸/۴/۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیراحمد عفااللہ عنہ

جو شخص صرف پہلی رکعت میں قیام کرسکتا ہو، اس کا حکم؟

سوال (۱۳۲۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جو معذور شروع میں رکعت اول میں تو قیام کرسکتا ہے مگر ہر رکعت میں قیام کرنے سے دقت

ہوتی ہے، تو رکعت اول میں قیام ضروری ہے یا ابتداء ہی سے بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسے شخص کے لئے پہلی رکعت میں قیام ضروری ہے، دوسری رکعت میں اگر طاقت نہ ہو تو بیٹھ سکتا ہے۔

قال عليه السلام: لعمران بن حصين: صل قائماً فإن لم تستطع فقاعداً.

(أبوداؤد شريف ١/١٣٧ رقم: ٩٥٢)

وإن قدر على بعض القيام ولو متكئاً على عصا أو حائط قام لزوماً بقدر ما يقدر، ولو قدر آية أو تكبيرة على المذهب؛ لأن البعض معتبر بالكل. وفي الشامية: بأن يكبر قائماً ويقرأ ما قدر عليه ثم يقعد إن عجز، وهو المذهب الصحيح لا يروى خلافه عن أصحابنا. (شامى الصلاةو باب صلاة المريض ٢/٥٦٧ زكريا، ٢/٩٧ كراچى)

ولو قدر على بعض القيام لا كله لزمه ذٰلک القدر حتى لو كان إنما يقدر على قدر التحريمة لزمه أن يتحرم قائماً ثم يقعد؛ لأن الطاعة بحسب الطاقة.

(فتح القدير مع الهداية، الصلاة/ باب صلاة المريض ٢/٣ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۱۱/۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

معذور بیٹھ کر نماز پڑھنے والا صف میں کہاں کھڑا ہو؟

سوال (۱۳۲۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر جماعت میں کوئی شخص بوڑھا ہو کھڑا ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا ہو، بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے، تو بعض لوگوں کو شاید برابر میں بوڑھے آدمی کا بیٹھ کر نماز میں اپنے آپ کو تکلیف محسوس کرتے ہیں یا برا سمجھتے ہیں، تو اس بوڑھے آدمی سے کہہ دیا جاتا ہے کہ آپ صف کے بالکل کنارے بیٹھا کریں، دائیں طرف یا بائیں طرف، بعض مرتبہ ایسا بھی دیکھا گیا کہ صف میں تقریباً ۱۵/ آدمی آئے ہیں،

بوڑھے آدمی تو ایک کنارے بیٹھے ہیں، بیچ میں پانچ چھ آدمی کی جگہ خالی رہ جاتی ہے؛ کیوں کہ صف میں کل دو چار آدمی ہیں، جب کہ صف میں پندرہ آدمی آتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئولہ صورت میں جماعت کھڑے ہونے کے وقت تک صف میں جتنے نمازی ہوں ان کے دائیں بائیں مذکورہ معذور شخص نیت باندھ لیا کرے، پھر بعد میں جو لوگ آئیں وہ اس کے ساتھ کھڑے ہوتے رہیں، اور اگر پہلے ہی سے پوری صف کے لوگ موجود ہیں، تو اس معذور کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ صف کے درمیان میں نماز نہ پڑھے؛ بلکہ کسی کنارے پر یا پچھلی صف میں نماز ادا کرے، اور چوں کہ وہ معذوری کی وجہ سے ایسا کر رہا ہے؛ اس لئے انشاء اللہ وہ صف اول کے ثواب سے محروم نہ ہوگا۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۷/۲۶۴)

قال في المعراج الأفضل أن يقف في الصف الآخر إذا خاف إيذاء أحد، قال عليه الصلاة والسلام: "من ترك الصف الأول مخافة أن يؤذي مسلماً أضعف له أجر الصف الأول" وبه أخذ أبو حنيفة ومحمدؒ. (شامي الصلاة/ مطلب في كراهة قيام الإمام في غير المحراب ۲/۳۱۰ زكريا)

وقد أخرج حديث الباب الإمام الطبراني في المعجم الأوسط برقم ۵۴۱ (الترغيب والترهيب مكمل ۱۱۹ رقم ۷۱۸) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۴/۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت رکوع کا کیا طریقہ ہے؟

سوال (۱۳۳۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت رکوع کا کیا طریقہ ہوگا؟ عام کتابوں میں لکھا ہے کہ اتنا جھکے کہ گھٹنے کے نیچے والے حصہ کے مقابلہ میں آجائے، مگر احسن الفتاویٰ ۳۱ میں ہے کہ سر اتنا جھکائے کہ سر گھٹنہ کے اوپر کے حصہ کے مقابلہ میں آجائے، ان میں صحیح کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صاحب احسن الفتاویٰ نے بیٹھنے کی حالت میں رکوع کرنے کی جو کیفیت بیان کی ہے وہی صحیح ہے، اور بظاہر شامی کی عبارت کا مطلب بھی یہی ہے کہ بس اتنا جھکے کہ سر گھٹنے کی سیدھ میں آ جائے، یہ مطلب نہیں کہ سجدہ کے قریب ہو جائے اور یہ بھی افضل صورت ہے، ورنہ نفس رکوع کو محض سر اور کمر جھکانے سے ادا ہو جاتا ہے۔

وفی حاشية الفتال عن البرجندی: ولو كان يصلی قاعداً ينبغی أن يحاذی جبهته قدام ركبتيه ليحصل الركوع قلت: ولعله محمول على تمام الركوع وإلا فقد علمت حصوله بأصل طأطأة الرأس أی مع إنحناء الظهر. (شامی الصلاۃ/ صفة الصلاۃ: بحث الركوع و السجود ۲/ ۱۳۴ زکریا، احسن الفتاویٰ ۳/ ۳۱، امداد الاحکام ۲/ ۱۳۵)

ولو كان يصلي قاعداً ينبغي أن يحاذي جبهته قدام ركبتيه ليحصل الركوع، قلت: ولعله محمول على تمام الركوع وإلا فقد علمت حصوله بأصل طأطأة الرأس أي مع انحناء الظهر. (شامی، الصلاة/ باب صفة الصلاة: بحث الركوع و السجود ۲/ ۱۳۴ زکریا)

أخرج ابن أبی شيبة عن ابنة لسعد: أنها كانت تفرط في الركوع تطأطواً منكراً، فقال لها سعد: إنما يكفيك إذا وضعت يديك على ركبتيك. (المصنف لابن أبي شيبة، الصلاة/ باب في أدنیٰ ما يجزئ أن يكون من الركوع والسجود ۲/ ۴۵ رقم ۲۵۷۷) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/ ۱۱/ ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیٹھ کر نماز پڑھنے کی حالت میں رکوع کا طریقہ

سوال (۱۳۳۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بیٹھ کر نماز پڑھنے کی حالت میں رکوع کا مستحب ومسنون طریقہ کیا ہے، سرین اٹھائی جائے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سرین اٹھانا لازم نہیں ہے، بس پیشانی گھٹنوں کے سامنے تک جھکانے سے رکوع درست ہوجائے گا۔

ولو كان يصلي قاعداً ينبغي أن يحاذي جبهته قدام ركبتيه ليحصل الركوع، قلت: ولعله محمول على تمام الركوع وإلا فقد علمت حصوله بأصل طأطأة الرأس أي مع انحناء الظهر. (شامی، الصلاة/ باب صفة الصلاة: بحث الركوع و السجود ۲/۴ ۱۳ زكريا)

أخرج ابن أبى شيبة عن ابنة لسعد: أنها كانت تفرط في الركوع تطأطواً منكراً، فقال لها سعد: إنما يكفيك إذا وضعت يديك على ركبتيك. (المصنف لابن أبي شيبة، الصلاة/ باب في أدنىٰ ما يجزئ أن يكون من الركوع والسجود ۲/ ۴۵ رقم ۲۵۷۷) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱/۴/۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو پورا ثواب ملے گا یا آدھا؟

سوال (۱۳۳۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص جو کہ رکوع اور سجدہ کرنے پر قدرت نہیں رکھتا نہ قاعدہ میں بیٹھ سکتا ہے یا تو کھڑے ہوکر نماز پڑھتا ہے یا نماز کا کچھ حصہ کرسی پر بیٹھ کر ادا کرتا ہے بایں صورت نماز کے ثواب کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟ ثواب پورا ملے گا یا نصف یا ثواب نہ مل کر صرف فرض ادا ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو شخص رکوع اور سجدہ پر کسی طرح قادر نہ ہو؛ بلکہ مجبوراً اشارہ سے نماز پڑھتا ہو، اس کو نماز کا پورا ثواب ملے گا؛ کیوں کہ وہ معذور ہے، آدھے ثواب کی بات صرف اس شخص کے لئے ہے جو بلا عذر نفل نماز بیٹھ کر پڑھے، اور غیر معذور کے لئے فرض نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ قیام پر قدرت رکھنے والے کے لئے فرض نماز کھڑے ہوکر پڑھنا ہی لازم ہے۔

عن المسيب بن رافع الكاهلي قال: صلاة القاعد على النصف من صلاة القائم إلا من عذر. (المصنف ابن أبي شيبة ۴۹۱/۳ رقم: ۴٦٧٢)

لو صلى الفريضة قاعدًا مع القدرة على القيام لا تجوز صلاته. (حلبي كبير ۲٦۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۱۲/۶/۱۴۳۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

معذور شخص کس طرح سجدہ کرے؟

سوال (۱۳۳۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر زمین پر سجدہ کی قدرت نہ ہو تو تکیہ، ٹیبل وغیرہ کسی بلند چیز پر کیا سجدہ کرنا فرض ہے؟ ایک مدرسہ کے ماہنامہ گجراتی رسالہ میں شائع شدہ فتاوی ''جس کی عکسی تحریر بھی ساتھ ہے'' جس کے خط کشیدہ عبارت میں دو جگہ زمین پر سجدہ سے معذور کے لئے کسی بلند چیز ''جس کی بلندی ۹/۱۲نچ سے زیادہ نہ ہو'' پر سجدہ کرنا فرض لکھا ہے۔ جس کی وجہ سے بعض جگہوں پر شدید اضطراب و ہنگامہ ہے، نیز یہ اظہار بھی ضروری ہے کہ صاحب فتوی کی تنقیص، یا تعریض، یا تعاقب قطعاً مقصود نہیں، صرف رفع انتشار بین العلماء والعوام، اور تسہیل فی العمل کا قصد ہے۔ غالباً کسی وجہ سے مرجوح روایت نقل ہوگئی ہو؛ کیوں کہ دلائل اور راجح قول اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

بہشتی زیور اختری: فی صلاۃ المریض۔ مسئلہ۳: سجدہ کرنے کے لئے تکیہ وغیرہ کوئی اونچی چیز رکھ لینا، اور اس پر سجدہ کرنا بہتر نہیں، جب سجدہ کی قدرت نہ ہو تو بس اشارہ کرلیا کرے، تکیہ کے اوپر سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

وعلى حاشيته نقلاً عن شرح البداية وعن شرح التنوير: فإن لم يستطع الركوع والسجود، أومى إيماء، واجعل سجوده أخفض من ركوعه ولا يرفع إلى وجهه شيئا يسجد عليه. (اختری ۲/ ۴۵)

عن جابر بن عبد اللّٰہ رضي اللّٰہ عنه أن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم عاد مریضا، فرأہ یصلی علی وسادۃ، فأخذھا، فرمی بھا، فأخذ عوداً لیصلی علیه، فأخذہ، فرمی به، وقال: صل علی الأرض إن استطعت، وإلا فأومی إیماءً، واجعل سجودک أخفض من رکوعک. (نصب الرایة ۱۷۵/۲ ڈابھیل)

وفیه عن ابن عمر رضي اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: من استطاع منکم أن یسجد فلیسجد، ومن لم یستطع، فلا یرفع إلی جبھته شیئا یسجد علیه، ولیکن رکوعه وسجودہ یومي برأسه. (نصب الرایة ۱۷٦/۲ ڈابھیل)

ولا یرفع إلی وجھه شيء یسجد علیه لقوله علیه السلام: إن قدرت أن تسجد علی الأرض فاسجد وإلا فأوم برأسک. (ھدایة / في صلاۃ المریض ۱٦۱/۱)

عن علي رضي اللّٰہ عنه أن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: في صلاۃ المریض إن لم یستطع أن یسجد أومأ، وجعل سجودہ أخفض من رکوعه. (بدائع الصنائع ۲۸٤/۱ دار الکتاب)

وروی عن النبي صلی اللہ علیه وسلم أنه قال: من لم یقدر علی السجود فلیجعل سجودہ رکوعا، ورکوعه إیماء، والرکوع أخفض من الإیماء. (۱/ ۲۸٤)

وعلی ھامشه من حدیث ابن مسعودؓ موقوفاً : استطعت أن تسجد علی الأرض فاسجد، وإلا فأومی إیماءً، واجعل السجود أخفض من الرکوع. (۱/ ۲۸۵)

وفیه: لو رفع إلی وجه المریض وسادۃ أو شیئا، فسجد علیه من غیر أن یؤمی لم یجز؛ لأن الفرض فی حقه الإیماء، ولم یوجد، ویکرہ أن یفعل ھذا، لما روی عن النبي صلی اللہ علیه وسلم دخل علی مریض یعودہ، فوجدہ یصلی کذلک، فقال: إن قدرت أن تسجد علی الأرض فاسجد، وإلا فأوم برأسک. (۱/ ۲۸۹)

وفیه: روی عن عبداللہ ابن مسعودؓ دخل علی أخیه، یعودہ، فوجدہ یصلی ویرفع

إليه عود فيسجد عليه، فنزع ذلک من يد من کان في يده، وقال: هذا شيء عرض لکم الشيطان، أوم لسجودک. (۱/ ۲۸۹) العود (لکڑی،کٹی ہوئی ٹہنی،مصباح اللغات ۵۸۳)

وفيه: روی ان ابن عمرؓ رأی ذلک من مريض فقال: أتتخذون مع الله آلهة أخری، فإن فعل ذلک "ينظر" إن کان يخفض رأسه للرکوع شيئا ثم للسجود، ثم يلزق بجبينه يجوز (أی الصلاة) لوجود الإيماء، لا للسجود علی ذلک الشيء، فإن کانت الوسادة موضوعة علی الأرض، وکان يسجد عليها جازت صلاته، لما روی أن أم سلمةؓ کانت تسجد علی مرفقة موضوعة بين يديها لرمدبها، ولم يمنعها رسول الله صلی الله عليه وسلم. (۱/ ۲۸۹) (المرفقۃ: چھوٹا تکیہ جس پر سوتے ہوئے رخسار رکھتے ہیں۔مصباح اللغات:۳۰۶)

ان اقوال واحادیث سے یہ امور ظاہر ہوتے ہیں:۔

(۱) بوقت قدرت زمین پر سجدہ۔ کما فی البدائع (۱/ ۲۸۴) مکن جبهتک وأنفک من الأرض.

(۲) بوقت عدم قدرت فقط اشارہ۔(إيماء لا علی شيء) کما ورد عليه عامة النصوص، وعليه أصحاب المتون.

(۳) زمین پر تکیہ وغیرہ رکھ کر سجدہ کرنا۔ إباحت مرجوحه کما اختاره بهشتی زيور، ولأن حديث أم سلمة فعلی وما سواه قولي، وفيهم صيغ الأمر. وحديث أم سلمة ليس کذلک.

(۴) کوئی چیز اونچی اٹھا کر سجدہ کرنا، یہ منع ہے، کما منع ابن مسعود وابن عمر واختاره الهداية کما مر. اب سوال یہ ہے:

(۱) کہ ٹیبل وغیرہ پر سجدہ کی فرضیت کی ترجیح کس دلیل سے؟

(۲) یہ کہ ۹/انچ یا اس سے کم بلندی پر سجدہ کی فرضیت کس وجہ سے؟

(۳) نیز یہ ۹؍انچ (نصف ذراع) سجدہ میں کہاں سے اخذ کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اصل مسئلہ یہ ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اصل زمین سے دو اینٹ ۹؍انچ اونچی ٹھوس جگہ پر سجدہ کرنا بھی حقیقی سجدہ کہلاتا ہے۔ حلبی کبیر میں عبارت ہے:

ولو كان موضع السجود أرفع أي أعلى عن موضع القدمين إن كان ارتفاعه مقدار ارتفاع لبنتين منصوبتين جاز السجود عليه، فمقدار ارتفاع اللبنتين المنضوبتين نصف ذراع طول اثنتي عشر إصبعا. (حلبی کبیر ۲۸۶ لاهور)

(واضح ہو کہ ۱۲؍انگلی کی مقدار بھی ۹؍انچ ہوتی ہے) اسی طرح کی جزئیات پر تفریع کرتے ہوئے علامہ شامیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر مریض اتنا سر جھکانے پر قادر ہو جو زمین سے دو اینٹ (۹؍انچ) کے اندر اندر ہو تو اسے قدرت کے وقت کوئی ٹھوس چند زمین پر رکھ کر سجدہ کرنا لازم ہے، تاکہ اس کا سجدہ حقیقی طور پر ادا ہو جائے۔ شامی کی عبارت ملاحظہ کریں:

بل يظهر لي أنه لو كان قادرا على وضع شيء على الأرض مما يصح السجود عليه أنه يلزمه ذلک؛ لأنه قادر على الركوع والسجود حقيقة ولا يصح الإيماء بهما مع القدرة عليهما. (شامی الصلاة، باب صلاة المريض ۲ / ۵٦۹ زكريا)

علامہ شامیؒ کی اس تفریع کے اعتبار سے سوال میں محولہ بالا گجراتی رسالہ میں شائع شدہ مسئلہ درست ہے، اور آپ نے اس کے مقابل جو عبارت نقل فرمائی ہیں وہ اس کے معارض نہیں ہیں، کیونکہ ان کا تعلق یا تو دو اینٹ (۹؍انچ) سے زیادہ اونچی جگہ پر سجدہ کرنے سے ہے، یا اس صورت سے ہے جب کہ سر جھکائے بغیر کوئی چیز پیشانی پر اٹھا کر لگائی جائے، تو اس طرح سجدہ درست نہیں ہوتا۔

فإن فعل وهو يخفض برأسه لسجوده أكثر من ركوعه صح على أنه إيماء لا سجود إلا أن يجد قوة الأرض (درمختار) وفي الشامي: فحينئذ ينظر إن كان الموضوع مما يصح السجود عليه كحجر مثلاً ولم يزد ارتفاعه علىٰ قدر لبنة أو

لبنتين فهو سجود حقيقي فيكون راكعاً ساجداً لا مؤمياً – إلى قوله – وإن لم يكن الموضوع كذلك يكون مؤمياً – إلى قولهٖ – بل يظهر لی أنه لو كان قادراً علىٰ وضع شيءٍ على الأرض مما يصح السجود عليه أنه يلزمه ذلك، لأنه قادر على الركوع والسجود حقيقة ولا يصح الإيماء بهما مع القدرة عليهما. (شامی زكريا ٢/٥٦٩، بيروت ٢/٤٩٧، عالمگیری ١/١٣٦، البحر الرائق زكريا ٢/٢٠١)

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عاد مريضا، فرآه يصلي على وسادة فأخذها فرمي بها فأخذ عودا ليصلي عليه فأخذه فرمي به وقال: صل على الأرض إن استطعت و إلا فأوم إيماء و اجعل سجودك اخفض من ركوعك. (معرفة السنن والآثار للبيهقي، الصلاة/ باب صلاة المريض ٢/١٤٠ رقم ١٠٧٣) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۸/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا؟

سوال (۱۳۳۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص قاضی عبد الماجد نامی محلّہ شوکت باغ کی مسجد میں نماز پنج گانہ ادا کرتے ہیں، کچھ عرصہ سے پیروں اور گھٹنوں میں تکلیف وضعف کی وجہ سے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں، کچھ لوگوں کو شدید اعتراض ہوتا ہے کہ ایک طرف کو کرسی ڈال کر نماز پڑھیں، اور اس کے لیے کبھی امام پر دباؤ ڈالا جاتا ہے اور کبھی ایک دو لوگ آپس میں کچھ کا کچھ مشورہ کرتے ہیں، کبھی سارے نمازیوں کے سامنے ٹوک دیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے ذلت محسوس ہوتی ہے، جب کہ تمام معترض قصداً بالخصوص فجر اور عشاء میں غائب ہوتے، ہیں یہی نہیں بلکہ مؤذن وامام یا معلم سے کبھی تمیز سے بات چیت نہیں کرتے، وغیرہ مؤدبانہ درخواست ہے کہ اس کا جو ٹھیک حل شرعاً ہوسکتا ہے وہ تحریر فرمادیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اولاً یہ جاننا چاہیے کہ جو شخص زمین پر بیٹھ کر کسی بھی طرح نماز پڑھ سکتا ہے اس کے لیے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا درست نہیں ہے، البتہ اگر کوئی شخص ایسا معذور ہو کہ وہ نیچے بیٹھ ہی نہ پائے تو اس کے لئے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی گنجائش ہوگی اور بہتر یہ ہے کہ ایسا شخص مسجد میں نماز پڑھتے وقت صف کے کنارے پر کرسی رکھے لیکن اگر تکبیر شروع ہونے پر صف پوری نہ ہوئی ہو تو ایسی صورت میں وہ جہاں تک صف پہنچے وہیں پر کرسی رکھ کر نماز پڑھ سکتا ہے اور بعد میں آنے والے لوگ اس کے برابر میں کھڑے ہوتے چلے جائیں گے اس بارے میں بلاوجہ بحث بازی مناسب نہیں ہے۔ (مستفاد: چند اہم عصری مسائل ۱۲۹)

وإن عجز عن القيام وقدر على القعود فإنه يصلي المكتوبة قاعدا بركوع وسجود ولا يجزيه غير ذلك. (الفتاویٰ التاتارخانية ٦٦٧/٢ رقم: ٣٥٣٥ زكريا)

عن عمران بن حصين رضي الله عنه قال: كان بي الناصور، فسألت النبي صلى الله عليه وسلم فقال: صل قائماً، فإن لم تستطع فقاعداً، فإن لم تستطع فعلى جنب. (سنن أبي داؤد، الصلاة، باب صلاة القاعد ١٤٤/١)

من تعذر عليه القيام لمرض ...... أو خاف زيادته ...... أو وجد لقيامه ألما شديدا ...... صلى قاعدا ...... كيف شاء أى كيف تيسر له بغير ضرر من تربع أو غيره. (الدر المختار مع الرد المحتار، الصلاة / باب صلاة المريض ٥٦٥/٢-٥٦٦ زكريا)

إذا عجز المريض عن القيام صلى قاعدا يركع ويسجد كذا فى الهداية ...... ثم إذا صلى المريض قاعدا كيف يقعد؟ الأصح أن يعقد كيف يتيسر عليه...... وإذا لم يقدر على القعود مستويا وقد متكئا أو مستندا إلى حائط أو أنسان يجب أن يصلى متكئا أو مستندا كذا فى الذخيرة، وإن عجز عن القيام والركوع والسجود وقدر على القعود يصلى قاعداً بإيماء ويجعل السجود، أخفض من الركوع كذا فى فتاوىٰ قاضيخان. (عالمگیری الصلاة، الباب الرابع عشر في صلاة المريض ١٣٦/١)

قال النبي صلى الله عليه وسلم راصّوا صفوفكم وقاربوا بينهما و حاذوا بالأعناق فوالذى نفس محمد بيده إنى لأرى الشياطين تدخل من خلل الصف كأنها الحذف. (سنن نسائى الإمامة/ حق الإمام على رص الصفوف والمقاربة بينهما ۹۳/۱ رقم ۸۱۱، سنن أبى داؤد، الصلاة تفريع أبواب الصفوف رقم ٦٦٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاه: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۷/۱۴۳۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کرسی کے ڈیسک پر سجدہ کرنا؟

سوال (۱۳۳۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کچھ مقام پر بعض مساجد میں دیکھا گیا کہ کرسی کا ایک ڈیسک ہوتا ہے، جس پر نمازی سجدہ کرتے ہیں، ایسا کرنا درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو شخص کسی عذر شرعی کی وجہ سے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھے، تو اس کے لئے رکوع اور سجدہ کا اشارہ کافی ہے، ڈیکس پر سجدہ کرنا لازم نہیں ہے، تاہم اگر ڈیکس پر سجدہ کرلے تب بھی محض جھکنے سے سجدہ ادا ہو جائے گا۔

عن ابن عمر رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من استطاع منكم أن يسجد فليسجد، ومن لم يستطع فلا يرفع إلى جبهته شيئا يسجد عليه، ولكن ركوعه و سجوده يؤمي إيماءً. (طبراني في الأوسط مجمع الزوائد ۲۰۱/۱، إعلاء السنن ۱۹۹/۷ بيروت

وإن تعذر الركوع والسجو وقدر على القعود ولو مستنداً صلى قاعداً بالإيماء للركوع والسجود برأسه. (مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوى ص: ٤٣١، شامى الصلاة/ باب صلاة المريض ٢ / ٥٦٨ زكريا)

إذاتعذر على المريض كل القيام أو تعسر كل القيام أو خاف زيادة

المرض أو بطأه به صلى قاعداً بركوع وسجود. (مراقی الفلاح ۲۳٤)

وإن تعذرا لا القيام أومأ قاعداً لأن ركنية القيام للتوصل إلى السجود فلا يجب دونه، وهذا أولى من قول بعضهم: صلى قاعدا؛ إذ يفترض عليه أن يقوم للقراءة، فإذا جاء أراد الركوع والسجود أومأ قاعداً، وهو يخفض برأسه لسجوده أكثر من ركوعه صح على أنه إيماء لا سجود. (الدر المختار مع الشامي، الصلاة/ باب صلاة المريض ٢/٥٦٨ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۷/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کرسی پر نماز ادا کرنے والا کرسی کہاں رکھے؟

سوال (۱۳۳۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کرسی پر بیٹھ کر نماز ادا کرے تو صف کے کس جانب نماز پڑھے، درمیان میں یا کنارے؟ اور کیا اس طرح کرسی پر بیٹھ کر نماز ادا کرنا درست ہے؟ جب کہ کرسی والوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والا شخص صف میں مل کر نماز پڑھ سکتا ہے، صف سے ہٹ کر کونہ میں نماز پڑھنا اس کے لئے ضروری نہیں؛ البتہ اگر صف میں خالی جگہ رہنے کا خطرہ نہ ہو تو بہتر یہی کہ کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والا کنارہ پر کھڑا ہو، تاکہ صفوں میں ظاہری انقطاع محسوس نہ ہو۔

والأفضل أن يقف في الصف الآخر إذا خاف إيذاء أحد. (شامی ۲/۳۱۰ زکریا)

عن ابن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أقيموا الصفوف وحاذوا بين المناكب، وسدوا الخلل و"فيه" ومن وصل صفا وصله الله، ومن قطع صفا قطعه الله، الحديث. (سنن أبي داؤد، الصلاة / تفريع أبواب

الصفوف ۹۷/۱ رقم: ٦٦٦ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۴/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

معذور شخص کا انفرادی نماز کرسی پر پڑھنا؟

سوال (۱۳۳۳٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: انفرادی نماز پڑھتے وقت کرسی کا استعمال کیسے کیا جائے؟

آج کل پیروں اور گھٹنوں میں درد رہنا عام مرض ہوگیا ہے، جس کی وجہ سے اٹھنے بیٹھنے کی تکلیف ہوتی ہے، ڈاکٹر بھی کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا مشورہ دیتے ہیں، صحیح رہنمائی فرمائیں؟

ہمارے اسلاف میں یہ عمل پایا جاتا تھا یا ہماری شریعت میں اس طرح کا کچھ ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو شخص واقعی معذور ہو اور وہ زمین پر بیٹھ کر نماز ادا نہ کرسکتا ہو تو اس کے لئے انفرادی نماز میں بھی زمین پر یا کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا درست ہے، اور نا قابل تحمل تکلیف یا مشقت کی وجہ سے بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنے کی اجازت ہے، اسلاف کا بھی یہی معمول رہا ہے۔

وإذا لم يقدر على القعود مستويا، وقدر متكئا أو مستنداً إلى حائط، أو إنسان يجب أن يصلى متكئيا أو مستندا. (الفتاوىٰ الهندية، الصلاة / الباب الرابع عشر صلاة المريض ١٣٦/١)

إذا تعذر على المريض كل القيام أو تعسر بوجود ألم شديد، أو خاف بأن غلب في ظنه بتجربة سابقة، أو إخبار طبيب مسلم حاذق، أو ظهور الحال زيادة المرض، أو خاف بطؤه صلى قاعدا بركوع وسجود. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي ٤٣١-٤٣٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۷/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس مریض کے لئے چوٹ لگنے کی وجہ سے حرکت کرنا مشکل ہو وہ نماز کیسے ادا کرے؟

سوال (۱۳۳۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص ہے جس کے ہاتھ میں چوٹ لگی ہوئی ہے، اور ڈاکٹروں نے اس کا ہاتھ چھت سے ٹانگ رکھا ہے، اس کے لئے حرکت کرنا مشکل ہے، اور پیشاب کی نلکی بھی لگی ہوئی ہے، اور وضو نماز استقبال وہ کیسے کرے گا؟ ایسے مریض شخص کا کیا حکم ہے؟ یہ ایسا مریض ہے جو پانی استعمال کرسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں مذکورہ شخص نماز ضرور پڑھے گا اور اس کے لئے درج ذیل ہدایات ہیں:

(۱) اگر وہ خود وضو کرسکتا ہے، یا اس کا کوئی خادم یا قریبی عزیز کراسکتا ہے، تو وضو کرنا اس پر لازم ہے۔

(۲) اگر وضو پر قدرت نہیں ہے تو تیمّم کرنا یا کروانا ضروری ہے۔

(۳) پیشاب کی نلکی لگنے کی وجہ سے وہ معذور کے حکم میں ہے، نلکی لگی رہنے کی حالت میں اس کے لئے نماز پڑھنا جائز ہے، اور نماز کے وقت میں اس کے لئے ایک وضو کافی ہوگا۔

(۴) اگر بسہولت اس کا رخ قبلہ کی طرف کیا جاسکتا ہو، تو چار پائی اس کے رخ پر کردی جائے اور اگر استقبال قبلہ متعذر رہو تو جس رخ پر ہے اسی رخ پر اشارہ سے نماز پڑھ لے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۱/۶۲۸ میرٹھ، کتاب المسائل ۱/۱۹۷)

ویجوز التیمم للمرضي ...... وکان لا یجد من یوضئه ولا یقدر بنفسه اتفاقا، وإن وجد خادما کعبده وولده وأجیره لا یجزیه التیمم. (البحر الرائق، الطهارة / باب التیمم ۱/۱٤۰)

رجل له عبد مريض لا يقدر على الوضوء فعلى المولى أن يوضئه. (الفتاویٰ التاتارخانية ٦٧٩/٢ رقم: ٣٥٦٩ زكريا)

وإن سال على ثوبه فوق الدرهم جاز له أن لا يغسله، وإن كان لو غسله تنجس قبل الفراغ منها، أي الصلاة. (شامي ٥٠٦/١ زكريا)

وصاحب عذر ...... وحكمه الوضوء ...... لكل فرض – إلى قوله – فإذا خرج الوقت بطل (درمختار) أفاد أن الوضوء إنما يبطل بخروج الوقت فقط لا بدخوله. (الدر المختار على الرد المحتار، الطهارة / الحيض، مطلب: في أحكام المعذور ٥٠٥/١ زكريا)

ولو كان المحل بحال لو غسله يتنجس قبل الفراغ كالصلاة ثانيا جاز له أن لا يغسل هذا. (كبيري ١٣٥)

فإن كان يعرف القبلة، ولكن لا يستطيع أن يتوجه إلى القبلة ولم يجد أحدا يحوله إلى القبلة، فإنه روي عن محمد بن مقاتل أنه يصلي كذلك إلى غير القبلة ...... وفي ظاهر الجواب لا يعيد. (الفتاویٰ التاتارخانية ٦٧٨/٢ رقم: ٣٥٦٢ زكريا)

وإن كان المصلي مريضا لا يقدر معه على التوجه إليها من غير حصول ضرر عليه. (كبيري ٢١٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۵/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مریض کا پیشاب کی تھیلی کے ساتھ نماز پڑھنا؟

سوال (۱۳۳۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مریض ہے جس کے پیشاب کی نلکی لگی ہوئی ہے، پیشاب نلکی کے ذریعہ سے تھیلی میں اکٹھا ہوتا رہتا ہے، وہ پیشاب کی تھیلی بھی مریض کے ساتھ ہی رہتی ہے، معلوم یہ کرنا ہے کیا اس حالت میں مریض نماز پڑھ سکتا ہے، جب کہ جسم سے پیشاب کی نلکی کے ذریعہ پیشاب کی تھیلی بندھی

ہوے اور الگ کی نہیں جاسکتی، اگر اس حالت میں نماز نہیں ہوسکتی، تو پھر نماز کی کیا شکل یا نماز قضا کردی جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس مریض کو پیشاب کی نلکی لگی ہوئی ہے وہ شرعاً معذور کے حکم میں ہے، اور اس کے لئے اسی حال میں نماز پڑھنا جائز ہے، لیکن وہ پیشاب کی تھیلی کے ساتھ مسجد میں داخل نہ ہو، بلکہ گھر پر تنہا نماز ادا کرلے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۵/۲۱۶)

وصاحب عذر من به سلسل بول، أو استطلاق بطن، أو انفلات ريح إن استوعب عذره تمام وقت صلوة مفروضة، بأن لايجد في جيمع وقتها زمناً يتوضأ ويصلي فيه خاليا عن الحدث، وحكمه الوضوء لكل فرض، ثم يصلي فيه فرضاً ونفلاً، فإذا خرج الوقت بطل. (الدر المختار على الرد المحتار، الصلاة / باب صلاة المريض، مطلب: أحكام المعذور ۱/ ۵۰٤ زكريا)

وكره تحريماً إدخال نجاسة فيه، وفي الشامي: وإدخال نجاسة فيه يخاف منها التلويث، ومفاده الجواز لوجافة لكن في الهندية: لايدخل المسجد من على بدنه نجاسة. (الدر المختار على الرد المحتار، الصلاة / باب صلاة المريض، مطلب: أحكام المعذور ۲/ ٤۲۸ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۹/۱/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس کے جسم میں پھوڑے، پھنسی ہوں اس کا لیٹ کر نماز پڑھنا؟

سوال (۱۳۳۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا جن لوگوں کے پھوڑے پھنسی نکل رہے ہیں وہ لیٹ کر یا اشارہ سے نماز پڑھ سکتے ہیں؟ کیوں کہ اگر کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں تو پھوڑے پر دباؤ پڑتا ہے، جس سے اس میں

سے مواد پیپ نکلنے لگتا ہے، اگر اشارہ سے یا لیٹ کر نماز پڑھیں تو وضو صحیح رہتا ہے، یعنی پیپ نہیں نکلتا تو کیا کریں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ شخص کے لئے لیٹ کر نماز پڑھنا کسی حال میں جائز نہیں؛ البتہ کھڑے یا بیٹھے اشارہ سے نماز پڑھ سکتا ہے، جب کہ رکوع اور سجدہ کرنے سے زخم بہہ پڑنے کا گمان غالب ہو۔

ولو كان بحال لو سجد سال جرحه، ولو لم يسجد لا يسيل لا يسجد، ويصلي قاعداً بالإيماء؛ لأنه أقرب إلى الجواز بغير وضوء، فإن صلى قاعداً بركوع وسجود، وجرحه يسيل لم تجز صلاته. (الفتاویٰ الولوالجية، الطهارة / الفصل الخامس في النفاس والحيض ۱/ ۵۹ مكة المكرمة)

قوله: ولو بصلاته مومئا، أي كما إذا سال عند السجود ولم يسل بدونه فيؤمي قائما، أو قاعداً، وكذا لو سال عند القيام يصلي قاعدا، بخلاف من لو استلقى لم يسل، فإنه لايصلي مستلقيا. (شامي، الطهارة / باب الحيض ۱/ ۵۰۸ زكريا، ۱/ ۳۰۷-۳۰۸ کراچی)

عن عمران بن حصين رضي الله عنه قال: كان بي الناصور، فسألت النبي صلى الله عليه وسلم فقال: صل قائماً، فإن لم تستطع فقاعداً، فإن لم تستطع فعلى جنب. (سنن أبي داؤد، الصلاة / باب صلاة القاعد ۱/ ۱۴۴) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۲/۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خروج ریح کا مریض کیا کرے؟

سوال (۱۳۴۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی شخص کو بار بار ریح خارج ہونے کی بیماری ہو، ایک نماز میں کئی کئی مرتبہ وضو کی حاجت

ہوتی ہوتو ایسا شخص کیا کرے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص کو بے اختیار خروج ریح کی بیماری ہو اور وہ معذور کے درجہ میں ہو جائے، یعنی کسی نماز کے پورے وقت میں اتنا وقفہ نہ گزرے کہ وہ فرض نماز ادا کرسکتا ہو، تو ایسے شخص کے لئے حکم یہ ہے کہ ایک وقت میں ایک وضو سے جتنی چاہے نماز پڑھے، خروج ریح کی وجہ سے وقت کے اندر اندر اس کے وضو کو ٹوٹنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

المستحاضة ومن بہٖ سلس البول أو استطلاق البطن أو انفلات الریح أو رعاف دائم أو جرح لا یرقي یتوضأ ولوقت کل صلوٰۃ ویصلون بذٰلک الوضوء في الوقت ما شاء من الفرائض والنوافل ھکذا في البحر. (الفتاویٰ الهندیة ۱/ ٤١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۶/۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز میں ریاح خارج ہونے کا عارضہ؟

سوال (۱۳۴۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کو دوران نماز ایک دومرتبہ ریح خارج ہو جاتی ہے، اور ہر نماز کا یہی حال ہے، خارج صلوٰۃ یہ کیفیت نہیں رہتی۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ زید دوران نماز بار بار وضو کرنے جائے گا، یا معذور سمجھا جائے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ صرف نماز ہی کے دوران ریح خارج کیوں ہوتی ہے، اور خارج نماز یہ کیفیت کیوں نہیں رہتی؟ اگر انہیں بے اختیار ریح خارج ہونے کا مرض ہے تو نماز وخارج نماز کا فرق نہیں ہونا چاہئے، بہر حال اگر کوشش کر کے ریاح پر قابو رکھتے ہوئے شخص مذکور فرض نماز ادا کرسکتا ہے تو اسے معذور قرار نہیں دیا جائے گا، اور

ریاح خارج ہونے پر اسے وضو کرنا ہوگا۔ اور اگر وہ نماز میں ریاح روکنے پر بالکل قدرت نہ رکھے، تو اسے معذور قرار دیا جائے گا۔

وفي حق الزوال يشترط استيعاب الانقطاع تمام الوقت حقيقة؛ لأنه الانقطاع الكامل. قال الشامي: أي بأن لايوجد العذر في جزء منه أصلاً، فيسقط العذر من أول الانقطاع. (الدر المختار على الرد المحتار، الصلاة / باب صلاة المريض ۵۰۵/۱ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۵/۱۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بار بار وضو ٹوٹنا؟

سوال (۱۳۴۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہاضمہ کی خرابی کی وجہ سے وضو بار بار ٹوٹ جاتا ہے، وضو کرکے مسجد جاتا ہوں، دوبارہ وضو کرنا پڑتا ہے، نماز کے لئے بڑی مشکل پیش آرہی ہے، کوئی حل بتائیں جس سے نماز میں آسانی ہو، تسلی بخش جواب سے نوازیں، مہربانی ہوگی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کو کسی اچھے حکیم یا ڈاکٹر سے علاج کرانا چاہئے؛ تاکہ بار بار وضو ٹوٹنے کا مرض زائل ہو، اور جب تک یہ مرض دور نہ ہو تو یہ دیکھا جائے گا کہ آپ شرعی طور پر معذور کے حکم میں داخل ہیں یا نہیں؟ اگر معذور کے حکم میں داخل ہو چکے ہیں یعنی کسی نماز کا پورا وقت ایسا گذر چکا ہے کہ عذر کی وجہ سے فرض نماز ادا کرنے کا موقع نہ ملا، تو ایسی صورت میں ایک نماز کے وقت میں ایک وضو آپ کے لئے کافی ہوگا، اور اگر آپ شرعی طور پر معذور کے حکم میں داخل نہیں ہیں، یعنی قدرے وقفہ سے وضو ٹوٹتا ہے، تو ہر مرتبہ وضو ٹوٹنے پر نیا وضو کرنا پڑے گا، اور مسجد جانے میں اگر مرض کی زیادتی ہوتی ہو تو آپ کے لئے گنجائش ہے کہ گھر ہی پر

نماز ادا کرلیا کریں۔

شرط ثبوت العذر ابتداء أن يستوعب استمراره وقت الصلاة كاملاً وهو الأظهر كالانقطاع لا يثبت ما لم يستوعب الوقت كله. (الفتاویٰ الهندية، الطهارة / الباب الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة ۱/ ٤۰)

ولو أضعفه عن القيام الخروج لجماعة صلى في بيته منفرداً، به يفتىٰ.

(الدر الختار على الرد المحتار، الصلاة / باب صلاة المريض ۲/ ٥٦٥ زكريا)

المريض إذا صلى من بيته يستطيع القيام وإذا خرج لا يستطيع، اختلف المشائخ فيه، المختار أنه يصلي في بيته قائماً وبه يفتى. (الفتاویٰ الهندية، الصلاة / الباب الرابع عشر في صلاة المريض ۱/ ۱۳٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۵/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ریاحی مریض کیا کرے؟

سوال (۱۳۴۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مجھے ریاح خارج ہونے کا مرض ہے، مجھے بتایئے کہ میں کتنی دیر میں وضو دوبارہ کروں؛ کیوں کہ اکثر نماز کے دوران ہی میرا وضو ٹوٹ جاتا ہے، تو کیا میرے اوپر احکام معذوری لگے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر وقفہ وقفہ سے ریاح کا خروج ہوتا ہے اور وہ وقفہ اس قدر ہے کہ جس میں وقتیہ نماز فرض ادا کی جاسکتی ہے، تو ایسا شخص شرعاً معذور کے حکم میں نہیں؛ لہٰذا جب بھی ریاح خارج ہوگی تو نیا وضو کرکے نماز پڑھنا لازم ہوگا، اور اگر ریاح کے خروج میں وقفہ اتنا کم ہے کہ پورے وقت میں فرض نماز پڑھنے کا بھی موقع نہیں مل پایا تو ایسی صورت میں معذور کا حکم شروع ہوجائے گا، اور ایک وقت میں ایک وضو کافی سمجھا جائے گا۔

وصاحب عذر من به سلس بول أو استطلاق بطن أو انفلات ريح أو استحاضة إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة بأن لا يجد في جميع وقتها زمناً يتوضأ ويصلي فيه خالياً عن الحدث ولو حكماً، وهٰذا شرط لعذر في حق الابتداء، وفي حق البقاء كفى وجوده في جزء من الوقت ولو مرة، وفي حق الزوال يشترط استيعاب الانقطاع تمام الوقت حقيقة؛ لأنه الانقطاع الكامل.

(الدر المختار على رد المحتار الطهارة / باب الحيض ٥٠٥/١ زكريا، كبيري / فصل في نواقض الوضوء ١٣٥ أشرفية، الفتاویٰ الهندية، الطهارة / الباب الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة ٤٠/١)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: جاءت فاطمة بنت أبي حبيش إلى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فقالت: يا رسول اللّٰه! إني امرأة أستحاض فلا أطهر، أفأدع الصلاة؟ قال: لا، إنما ذٰلک عرق، وليس بالحيضة، اجتنبي الصلاة أيام محيضک، ثم اغتسلي و توضئي لكل صلاة، و إن قطر الدم على الحصير. (إعلاء السنن الطهارة / باب إن المستحاضة تتوضأ لوقت كل صلاة ٢٦٢/١ اداره القرآن کراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۵/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

لکوریا کی مریضہ کیا کرے؟

سوال (۱۳۴۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی کو لکوریا کا مرض ہے، تو کیا اس کو ہر نماز کے لئے وضو کرنا ہوگا یا ایک وضو سے کئی نماز پڑھی جاسکتی ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر یہ مرض اس تسلسل کے ساتھ پایا جائے کہ اسے کسی ایک نماز کے پورے وقت میں طہارت کے ساتھ فرض نماز ادا کرنے کا موقع بھی نہ مل سکے تو یہ شرعاً

معذور ہے اور اس کے بعد ہر پورے وقت میں کم از کم ایک مرتبہ جب تک وہ عذر پایا جاتا رہے گا وہ معذور برقرار رہے گی، اور اگر آئندہ کوئی پورا وقت اس عذر سے خالی پایا گیا تو وہ معذور شرعی کے حکم سے خارج ہو جائے گی، ایسی معذور عورت کا حکم یہ ہے کہ وہ ہر نماز کے وقت کے لئے مستقل وضو کرے گی، پھر اس وضو سے وقت کے اندر اندر جتنی بھی چاہے، نماز پڑھ سکتی ہے؛ البتہ اگر اس عذر کے علاوہ کوئی دوسرا ناقض پیش آئے گا تو دوبارہ وضو کرنا ضروری ہوگا۔

وصاحب عذر من به سلس بول لا يمكنه إمساكه ...... إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة بأن لا يجد في جميع وقتها زمناً يتوضأ ويصلي فيه خالياً عن الحدث ولو حكماً. (درمختار على الشامي الطهارة / باب الحيض، مطلب في أحكام المعذور ۱/۵۰٤ زكريا)

شرط ثبوت العذر ابتداء أن يستوعب استمراره وقت الصلاة كاملاً، وهو الأظهر كالانقطاع، لا يثبت ما لم يستوعب الوقت كله، حتى لو سال دمها في بعض وقت الصلاة، فتوضأت، و صلت ثم خرجت الوقت و دخل وقت صلاة أخرىٰ وانقطع دمها فيه، أعادت تلك الصلاة لعدم الاستيعاب، وإن لم ينقطع في وقت الصلاة الثانية حتى خرج، لا تعيدها لوجود استيعاب الوقت، وشرط بقائه أن لا يمض عليه وقت فرض إلا والحدث الذي ابتلي به يوجد فيه. (الفتاویٰ الهندية، الطهارة / أحكام المعذور ۱/٤٠ رشيدية، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح الطهارة / باب الحيض والنفاس ۱٤۹ قديمی، فتاویٰ محمودیه ۲/۷ ٥ ٥ ڈابھیل)

وإذا انقطع الدم ونحوه من الأعذار وقتاً كاملاً يخرج من أن يكون صاحب عذر. (حلبي كبير / فصل في نواقض الوضوء ۱۳٦)

وحكمه الوضوء ...... لكل فرض ...... ثم يصلي به فيه فرضاً ونفلاً. (درمختار على الشامي الطهارة / باب الحيض، مطلب في أحكام المعذور ٥ ٠ ٥ زكريا)

عـن عـائشة رضـي الله عنها قالت: جاء ت فاطمة بنت أبي حبيش إلى النبي صـلـى الـلّـه عليه وسلم فقالت: يا رسول اللّٰه! إني امرأة أستحاض فلا أطهر، أفأدع الـصـلاة؟ قـال: لا، إنـمـا ذٰلک عـرق، وليـس بـالحيضة، اجتنبي الصلاة أيـام مـحيـضک، ثم اغتسلي و توضئي لكل صلاة، و إن قطر الدم على الحصير. (إعلاء السنن الطهارة / باب إن المستحاضة تتوضأ لوقت كل صلاة ۲۶۲/۱ اداره القرآن کراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۵/۱۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گیس اور قبض کے مرض والا نماز کیسے پڑھے؟

سوال (۱۳۴۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سائل کو گیس اور قبض کی شکایت رہتی ہے، جس سے ریاح کا بار بار خارج ہونا لازم ہے، دورانِ نماز و دیگر امر میں وضو پانچ دس منٹ بعد کبھی کبھی تو اس سے بھی کم وقفہ میں بار بار کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، ایسی صورت میں شرعی مسئلہ کا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر بلا اختیار ریاح خارج ہوجاتی ہے اور کوئی ایک نماز کا وقت ایسا گذر چکا ہو جس میں اتنا وقت نہ مل سکا ہو کہ فریضہ ادا کیا جاسکے، تو ایسا شخص معذور کے حکم میں ہوجاتا ہے، اور ایک وقت میں ایک وضو اس کے لئے کافی ہوتا ہے، اور ریاح خارج ہونے سے اس کا وضو نہیں ٹوٹتا؛ لیکن اگر ریاح کا اخراج غیر اختیاری نہ ہو؛ بلکہ اختیار باقی ہو اور اتنا وقت ملتا ہو کہ نماز فرض ادا کی جاسکے تو وہ معذور کے حکم میں نہیں ہے، اس کے لئے ہر مرتبہ وضو کرنا ضروری ہے۔

وصـاحـب عـذر مـن به سلس بول أو انفلات ريح (درمختار) وهو من لا يـمـلـک جـمـع مـقـعـدتـه لاسـتـرخاء فيها، إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مـفـروضة بـأن لا يجد في جميع وقتها زمناً يتوضأ ويصلي فيه خالياً عن الحدث،

وهٰذا شرط العذر في حق الابتداء...... وحكمه: الوضوء لكل فرض فإذا خرج الوقت بطل أي الوضوء. (الدر المختار على الرد المحتار، الطهارة / باب الحيض، مطلب في أحكام المعذور ۱/۳۰۵ كراچی، ۱/۵۰۵-۵۰٤ زكريا)

شرط ثبوت العذر ابتداء أن يستوعب استمراره وقت الصلاة كاملاً، وهو الأظهر كالانقطاع، لا يثبت ما لم يستوعب الوقت كله، حتى لو سال دمها في بعض وقت الصلاة، فتوضأت، وصلت ثم خرجت الوقت ودخل وقت صلاة أخرىٰ وانقطع دمها فيه، أعادت تلك الصلاة لعدم الاستيعاب، وإن لم ينقطع في وقت الصلاة الثانية حتى خرج، لا تعيدها لوجود استيعاب الوقت، وشرط بقائه أن لا يمض عليه وقت فرض إلا والحدث الذي ابتلي به يوجد فيه. (الفتاوىٰ الهندية، الطهارة / أحكام المعذور ۱/٤۰ رشيدية، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الطهارة / باب الحيض والنفاس ۱٤۹ قديمي، فتاویٰ محمودیه ۷/۵۲ ڈابھیل) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۵/۹/۲۵ھ

پیشاب کے قطروں کی بیماری میں مبتلا شخص نماز کیسے ادا کرے؟

سوال (۱۳۴۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں ایک ضعیف آدمی ہوں مجھے پیشاب کے بعد پانچ منٹ تک کے اندر دو قطرہ پیشاب چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے پر پائجامہ میں گرجاتا ہے اور اکثر میں ٹھنڈک سے متأثر ہوتا رہتا ہوں، تو اس وقت میرے لئے تیمّم جائز ہوجاتا ہے، جیسا کہ میں نے کسی مفتی صاحب سے دریافت کرلیا تھا مگر یہ دریافت کرنا بھول گیا تھا کہ پیشاب جو پائجامہ میں گرا تو پیشاب کی جگہ تو پائجامہ سے صاف ہوگئی، اب پائجامہ بدل کر پیشاب کی جگہ کو دھوئے بغیر نماز پڑھ سکتا ہوں یا نہیں؟ یہ اس لئے دریافت کررہا ہوں کہ مجھے ٹھنڈا پانی سے جسم دھونا نقصان کرتا ہے اور پانچوں نمازوں کے وقت گرم

پانی کا ملنا مشکل ہے؛ اس لئے اگر گنجائش ہو تو اجازت دی جائے کہ اسی طرح نماز ادا کرلوں یا مٹی کے گرد کو ہاتھ لگا کر اپنی شرم گاہ کو پوچھ دوں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کوشش کریں کہ گرم پانی سے شرمگاہ دھولیا کریں اگر کسی وقت وہ میسر نہ ہو اور پیشاب روپیہ بھر سے زیادہ اپنی جگہ سے نہ پھیلا ہو تو مٹی کے ڈھیلے یا جاذب (ٹشو پیپر) کا استعمال بھی کر سکتے ہیں اور اگر پیشاب زیادہ پھیل جائے تو پھر دھوئے بغیر نماز درست نہ ہوگی۔

ویجب أي یفرض غسله إن جاوز المخرج نجس مائع، ویعتبر القدر المانع للصلاة فیما وراء موضع الاستنجاء؛ لأن ما علی المخرج ساقط شرعاً وإن کثر، ولهٰذا لا تکره الصلاة معه والحاصل: أن ما جاوز المخرج إن زاد علی الدرهم في نفسه یفترض غسله اتفاقاً. (الدر المختار علی الرد المحتار، الطهارة / فصل في الاستنجاء، مطلب إذا دخل المستنجي في ماء قلیل ۱/ ۳۳۹ کراچی)

ثم الاستنجاء بالأحجار إنما یجوز إذا اقتصرت النجاسة علی موضع الحدث أما إذا تعدت عن موضعها بأن جاوزت الشرج من النجاسة أکثر من قدر الدرهم أنه یفترض غسلها بالماء ولا یکفیه الإزالة بالأحجار. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۱/ ۲۱۸ رقم: ۸۵ زکریا)

وأخرج الدار قطني عن أبی هریرة رضي اللّٰه عنه عن النبي علیه السلام قال: تعاد الصلاة من قدر الدراهم من الدم. (سنن الدار قطني، الطهارة / باب قدر النجاسة التي تبطل الصلاة ۱/ ۳۸۵ رقم ۱٤۷۹)

وفي الذخیرة: و أصاب طرف الإحلیل من البول أکثر من قدر الدرهم یجب غسله، وفي النصاب: وهو الصحیح ولو مسحه بالمدر وصلی کذٰلک، قال

بعضهم لا يجزيه وهو الصحيح. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲۱۸/۱ رقم ۸۶ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۵/۱۱/۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جریان اور کثرت احتلام کا مریض اور نابینا شخص نماز کیسے ادا کرے؟

سوال (۱۳۴۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک نابینا شخص انتہائی نحیف وناتواں ہے، جسمانی حالت قابل رحم ہے، مزید برآں جریان کا مریض ہے، روزانہ بلا ناغہ احتلام ہوتا ہے، سردی کے موسم میں غسل کرنے سے بیماری بڑھ جاتی ہے، دھوپ نہ نکلنے کی وجہ سے کپڑے بھی سوکھ نہیں پاتے، زیادہ کپڑے بھی نہیں ہیں؛ لہٰذا ایسی حالت میں نماز کس طرح ادا کرے؟ آیا انہیں ناپاک کپڑوں میں بلا غسل ادا کرے یا شریعت مطہرہ میں کوئی اور صورت ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسے شخص کو چاہئے کہ رات کو سوتے وقت کپڑے الگ کرلے اور صبح کو گرم پانی سے غسل کا انتظام کرے، اور پھر پاک کپڑے پہن کر نماز ادا کرے؛ البتہ اگر کسی وقت طبیعت زیادہ خراب ہوجائے یا طبیعت کی خرابی کا شدید خطرہ لاحق ہوجائے تو پھر انتہائی مجبوری کی حالت میں اس کے لئے غسل کے بجائے تیمّم کی اجازت ہوسکتی ہے، ایسی ناگزیر صورت میں فجر کی نماز پڑھنے کے لئے تیمّم کرلے اور پھر جب دھوپ نکل آئے یا طبیعت ٹھیک ہوجائے تو غسل جنابت کرلے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵۵/۱، ۶۰ ۵، فتاویٰ رحیمیہ ۲۶۵/۴، فتاویٰ دارالعلوم ۲۶۰/۱)

قال في البحر: فصار الأصل أنه متى قدر على الاغتسال بوجه من الوجوه لا يباح له التيمم إجماعاً. (الدر المختار على الرد المختار، الطهارة / باب التيمم ۳۹۸/۱ زكريا، البحر الرائق، الطهارة / باب التيمم ۱۴۲/۱، كذا في بدائع الصنائع الطهارة / شرائط التيمم ۱۷۲/۱ زكريا)

إن جوازه للجنب عند أبي حنيفة مشروط بأن لا يقدر على تسخين الماء ولا على أجرة الحمام في المصر. (البحر الرائق، الطهارة / باب التيمم ۱۴۱/۱ کراچی)

ويجوز التيمم إذا خاف الجنب إذا اغتسل بالماء أن يقتله البرد أو

يمرضه. (الفتاویٰ الهندية، الطهارة / الباب الرابع في التيمم ٢٨، هداية، الطهارة / باب التيمم ٤٩/١، حلبي كبير ٦٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱۱/۲۵ھ

معذور کا بلا وضو دوسرے وقت کی نماز پڑھنا

سوال (۱۳۴۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی بندے کو احکام معذوری کا علم نہ تھا، اس نے ایک وضو سے تین نمازیں الگ الگ وقت میں پڑھیں، اس کا وضو پہلی بار میں ہی ٹوٹ چکا تھا، اب وہ کیا اپنی نماز دہرائے، اور اگر دہرائے تو کیا سنتیں بھی دہرائی جائیں گی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص شرعی طور پر معذور ہو اس کا وضو وقت نکلنے سے ٹوٹ جاتا ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں معذور شخص نے وقت نکلنے کے بعد جو نمازیں پڑھی ہیں، وہ درست نہیں ہوئیں، ان کا دہرانا لازم ہے، اور صرف فرض نمازوں کو دہرایا جائے گا، سنتوں کے اعادہ کا حکم نہیں ہے۔

ويبطل بخروجه فقط. (مجمع الأنهر ٨٤/١ بيروت)

فإذا خرج الوقت بطل أفاد أن الوضوء إنما بطل بخروج الوقت فقط.

(الدر المختار، الصلاة / باب صلاة المريض ٥٠٥/١ زكريا)

وسائر النوافل إذا فاتت عن وقتها لا تقضي بالإجماع، سواء فاتت مع الفرض أو بدون الفرض، هٰذا هو المذكور في ظاهر الرواية. (الفتاویٰ التاتارخانية ٣٠٣/٢ رقم: ٢٤٩٧ زكريا)

لما كان القضاء خاصاً بما كان مضمونا والنفل لا يضمن بالترك اختص

القضاء بالواجب. (الدر المختار علی الرد المحتار، الصلاۃ / باب قضاء الفوائت ۲/ ۵۱۹ زکریا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۱/۵/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس مریض کو گلوکوس لگی ہو وہ نماز کس طرح پڑھے؟

سوال (۱۳۴۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید مریض کو بسبب مرض ڈاکٹر نے بوتل چڑھانا تجویز کیا، بوتل چڑھنے کے دوران نماز کا وقت آ گیا، دریافت یہ کرنا ہے کہ اس صورت میں زید نماز کس طرح پڑھے، یعنی باوضو ہوکر رکوع وسجود کے ساتھ جب کہ اس حالت میں رکوع وسجود ممکن نہیں ہے، یا تیمّم کر کے اشارہ سے یا یہ کہ بوتل چڑھنے تک نماز کو مؤخر کر دیا جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں اگر مرض شدید نہ ہو اور وقتی طور پر بوتل نکال دینے سے اور وضو کرنے سے مرض میں زیادتی اور تاخیر کا اندیشہ نہ ہو، تو ایسے مریض کو بوتل بند کر کے باوضو رکوع سجدہ کے ساتھ فرض نماز ادا کرنی ضروری ہے، اور اگر بوتل نکالنے سے مرض بڑھنے کا خوف ہو تو بوتل لگی رہنے کی حالت میں وضو کر کے (اگر ممکن ہو تو) رکوع سجدہ کے ساتھ، ورنہ اشارہ سے نماز پڑھی جائے، اور اگر بالفرض بوتل نکالنے اور وضو کے پانی کے استعمال سے مرض میں اضافہ کا خوف ہو اور رکوع وسجدہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر تیمّم کر کے اشارہ سے نماز ادا کی جائے، جہاں تک ممکن ہو نماز وقت سے مؤخر نہ کی جائے۔

إن كان بحال لو قعد نزع الماء من عينه فأمر الطبيب بالاستلقاء أياماً ونهاه عن القعود والسجود فإنه يجزيه أن يستلقى ويصلي بالإيماء. (البحر الرائق، الصلاة / باب صلاة المريض ۲/ ۱۱٤)

ولو كان يجد الماء إلا أنه مريض فخاف إن استعمل الماء اشتد مرضه

تيـمـم ولا فرق بين أن يشتد مرضه بالتحرك أو بالاستعمال. (هـداية، الطهارة/ باب التيمم ١/ ٤٩، الفتاوىٰ الهندية، الطهارة / الباب الرابع في التيمم ١/ ٢٨)

أمـره الـطبيـب بـالاستـلقاء لبزغ الماء من عينه صلى بالإيماء؛ لأن حرمة الأعضاء كحرمة النفس، مريض تحته ثياب نجسة، وكلمابسط شيئا تنجس من ساعته صـلـى على حاله و كذا لو لم يتنجس إلا أنه يلحقه مشقة بتحريكه. (الدر المختار، الصلاة / باب صلاة المريض ٢/ ١٠٣ كراچی)

عـن الـحـارث قـال: يـصلي المريض إذا لم يقدر على الجلوس مستلقيا، ويـجـعل رجليه مما يلي القبلة، ويستقبل بوجه القبلة يؤمي إيماء برأسه. (المصنف لابن أبي شيبة، الصلاة / باب من قال: المريض يؤمي إيماء ٢/ ٥١٣ رقم: ٢٨٣٩)

عـن جـابـر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: خرجنا في سفر، فأصاب رجلاً منهـا حـجـر استـنـجـه في رأسه ثم احتلم، فسأله أصحابه فقال: هل تجدون لي رخـصـة فـي التيـمم، قالوا: ما نجد لک رخصة و أنت تقدر على الماء، فاغتسل فـمـات، فلما قدمنا على النبی رضي اللّٰه عنه أخبربذٰلک فقال: قتلوه قتلهم اللّٰه ألا سـئـلـوه إذا لـم يـعـلـموا فإنما شفاء العي السؤال، إنما كان يكفيه أن يتيمم و يعصر أو يعصب على جرحه خرقة لم يمسح عليها ويغسل سائر جسده. (سنن أبي داؤد، الطهارة / باب في المجروح يتيمم ١/ ٤٩ ١ رقم ٣٣٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۷/۲/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس کے ہاتھوں میں شدید زخم ہو اور وضو اور تیمّم دشوار ہو تو نماز کیسے پڑھے؟

سـوال (۱۳۵۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں میں کافی پھوڑے پھنسی نکل گئے ہیں، جن سے خون، مواد، رطوبت برابر جاری رہتا ہے، جس کی وجہ سے وضوکیا تیمّم بھی کرنا مشکل ہے کہ کہیں ہتھیلیوں کی رطوبت وغلاظت جسم کے کسی دوسرے حصہ پر لگ جائے اور اسے بھی متأثر کردے، ان حالات میں نماز کیسے ادا کی جائے؟ بشرطیکہ جسم پاک وصاف ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر زخم والی ہتھیلیوں سے دیگر اعضاء کو رگڑ کر دھونے سے خون وغیرہ میں ملوث ہونے کا اندیشہ ہوتو ان اعضاء پر صرف اچھی طرح پانی بہالیا جائے، انہیں رگڑنے کی ضرورت نہیں ہے، صرف پانی بہانے سے وضو ہوجائے گا، اگر ضرورت ہوتو دوسرا شخص بھی ان اعضاء کو دھلاسکتا ہے اور خود زخمی ہتھیلیوں کا حکم یہ ہے کہ ان پر اوپر سے پانی بہادیں، یہ اگر مضر ہوتو صرف مسح کرلیں یعنی ہلکے سے تر انگلیاں زخم پر پھیر لیں اور اگر مسح بھی دشوار ہوتو انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیں، اور صرف بقیہ اعضاء دھولیں، اور اگر ان زخموں سے ہر وقت نجاست نکلتی رہتی ہے، اور ایک نماز کا پورا وقت ایسا گذر چکا ہے کہ اس کے دوران فرض ادا کرنے کے بقدر بھی نجاست نکلنے کا سلسلہ نہ رکا ہوتو ایسا شخص معذور کے حکم میں ہوجاتا ہے، یعنی اب اس زخم سے نجاست نکلنا اس کے لئے ناقض وضو نہیں ہے، ایک نماز کے وقت کے لئے ایک وضو کافی ہوجائے گا، الا یہ کہ کوئی دوسرا ناقض پیش آجائے۔

في أعضائه شقاق غسله إن قدر وإلا مسحه وإلا تركه ولو بيده. (درمختار، الطهارة / أركان الوضوء والتيمم أربعة ۱/۲۱۷ زكريا)

وصاحب عذر الخ، بأن لا يجد في جميع وقتها زمناً يتوضأ ويصلي فيه خالياً عن الحدث ولو حكماً. (درمختار، الطهارة / باب الحيض ۱/۵۰٤ زكريا)

إذا كان عامة بدن الجنب جريحا وشيء منه صحيحا، أو عامة أعضاء المحدث جريحا وشيء منه صحيحا فإنه يتيمم ولا يستعمل الماء فيما كان صحيحا ...... ويمسح على الجراحة إن أمكنه أو فوق الخرقة إن كان المسح

يضره ولا يتيمم ...... إذا كان برأسه ووجهه ويديه جراحة والرجل صحيح فإنه يتيمم، سواء كان الأكثر من الأعضاء المجروحة جريحا أو الأقل، وإن عجز عن التيمم في الأكثر أو النصف سقط التيمم ويصلي إذا صح. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/ ۳۸۱-۳۸۰ رقم: ۸۳۱- ۸۳۲- ۸۳۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۶/۱/ ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جمعہ کے دن معذور کو گھر پر ظہر پڑھنے سے ظہر کا ثواب ملے گا؟

سوال (۱۳۵۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی معذور مسجد میں جانے کے قابل نہ ہو، تو جمعہ کے دن جب وہ ظہر کی نماز اپنے گھر ادا کرے گا تو اس کو صرف ظہر کی نماز کا ثواب ملے گا یا جمعہ کی نماز کا ثواب بھی مل جائے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ظہر کی نماز کا ثواب ملے گا؛ اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رخصت ہے، اور مریض کے حق میں جمعہ کی نماز عزیمت ہے۔

(قوله إن اختاره العزيمة) أي صلاة الجمعة؛ لأنه رخص له في تركها إلى الظهر فصارت الظهر في حقه رخصة والجمعة عزيمة. (الدر المختار على الرد المحتار، الصلاة / باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة ۳/ ۲۹ زكريا)

والثاني: أن المعذور من المسافر أو المريض أو العبد إذا أدى الظهر في منزله ثم سعى إلي الجمعة انتقض الظهر، وقال زفر: لا ينتقض لأن فرضية الجمعة لم تظهر في حقه فوقع موقع الفرض فسقط عنه الفرض ولا ينتقض بعد ذلک. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/ ۴۶-۵۴۵ رقم: ۳۲۶۱ زكريا)

لا جمعة على الأعجمي ...... و كل من لايقدر على المشي و إن لم يكن به وجع. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/ ۵۷۸ رقم: ۳۳۴۹ زكريا)

عن طارق بن شهاب عن أبي موسیٰ رضي الله عنه عن النبي صلی الله عليه وسلم قال: الجمعة حق واجب علی كل مسلم في جماعة إلا أربعة: عبد مملوك أو امرأة أو صبي أو مريض. (المستدرك للحاكم الجمعة ٤١٧/١ رقم: ١٠٦٢، سنن أبي داؤد، الصلاة / الجمعة للمملوك والمرأة ١٥٣/١ رقم: ١٠٦٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۵/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دماغ میں خون جم گیا اور کئی ماہ تک نماز ہی یاد نہ آئی؟

سوال (۱۳۵۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک صاحب کے دماغ میں قوتِ حافظہ کے مقام پر خون رکنے کی وجہ سے قوتِ حافظہ میں کمی آ گئی ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ خون رکنے کی وجہ سے کئی ماہ تک نماز کی یاد نہیں آتی، ان دنوں میں نماز یاد آنے کے لئے سامنے نماز پڑھتے تھے، اور نماز پڑھنے کے لئے بار بار کہتے تھے، اس کے باوجود بھی نماز یاد نہیں آئی، کیا مریض پر جتنے دن کی نماز یاد نہیں آئی تھی، ان تمام دنوں کی چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اسی طرح وضو کا حال ہے، اب تک یاد نہیں آئی؟ فی الحال صاحب مریض کو کبھی کبھی نماز کی یاد آتی ہے، تو پڑھتے ہیں، یعنی ایک دن میں ایک وقت نماز کی یاد آتی ہے، تو پھر چار ایام پانچ دن کے بعد نماز یاد آتی ہے، اذان کی آواز جب سنتے ہیں تو نماز کی یاد آتی ہے، وہ بھی ہمیشہ نہیں، کبھی کبھی یاد آتی ہے، فی الحال نماز کی یاد دلانے سے نماز کی یاد نہیں آتی ہے، کیا مریض پر ایسی حالت میں ان تمام دنوں کی چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا کرنا واجب ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورتوں میں ایسے مریض پر فوت شدہ نمازوں کی قضا لازم نہیں ہے۔

ومن جن أو أغمي عليه يوماً وليلةً قضی الخمس، وإن زاد وقت صلاة

سادسة لا للحرج. (الدر المختار على الرد المحتار، الصلاة / باب صلاة المريض ۵۷۳/۲ زکریا)

ومن أغمي عليه خمس صلوات أو دونها قضى وإن كان أكثر من ذٰلک لم يقض. (هداية مع الفتح، الصلاة / باب صلاة المريض ۹/۲ بيروت)

عن يزيد بن مولى عمار أن عمار بن ياسر أغمي عليه في الظهر والعصر والمغرب والعشاء فأفاق نصف الليل فصلى الظهر والعصر والمغرب والعشاء. (سنن الدار قطني، الصلاة / باب الرجل يغمي عليه ٦٨/٢ رقم: ١٨٤١)

عن نافع: أن ابن عمر رضي اللّٰه عنه أغمي عليه ثلاثة أيام ولياليهن فلم يقض. (سنن الدار قطني ٦٩/٢ رقم: ١٨٤٤)

عن إبراهيم قال: كان يقول في المغمي عليه: إذا أغمي عليه يوم وليلة أعاد وإن كان أكثر في ذلک لم يعد. (المصنف لا بن أبي شيبة، الصلاة / باب ما يعيد المغمى عليه من الصلاة ٤٣٥/٤ رقم: ٦٦٥٤)

أخرج الإمام محمد بن الحسن الشيباني عن ابن عمر رضي اللّٰه عنه في المغمي عليه يوماً وليلة قال يقضي، قال محمد: وبه نأخذ حتى يغمي عليه أكثر من ذٰلک وهو قول أبي حنيفةؒ. (كتاب الآثار، الصلاة / باب صلاة المغمي عليه ٤٤٥/١ رقم: ١٧٠، الفتاوىٰ التاتارخانية بهامشه ٦٧٥/٢ تحت رقم: ٣٥٥٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۳/۹/۱۴۱۶ھ

برص کے مریض کا جماعت کی نماز میں شریک ہونا؟

سوال (۱۳۵۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص برص کا مریض ہے، اس کے بدن میں سفید داغ ہیں، جس وقت جماعت کھڑی ہوتی ہے اس وقت آتے ہیں، اور بیچ جماعت میں کھڑے ہوجاتے ہیں، جس جگہ کھڑے ہوجاتے ہیں

اس جگہ سے جماعت کٹ جاتی ہے،کوئی بھی نمازی ان کے پڑوس میں کھڑا ہونا مناسب نہیں سمجھتا، اوران سے ہر شخص یہ کہہ کر پریشان ہوگیا ہے؛ لیکن وہ اپنی عادت سے مجبور ہیں،ان کی وجہ سے کچھ نمازی مسجد میں نہیں آتے،قرآن وحدیث میں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ مرض کی وجہ سے جس شخص کا مسجد میں آنا شدید ناگواری کا باعث ہواورنمازیوں کی قلت کا سبب بن جائے،اس پر جماعت سے نماز پڑھنے کا حکم ساقط ہے،اس لئے ایسے شخص کو گھر ہی میں نماز پڑھنی چاہئے ،مسجد میں نہیں آنا چاہئے ،اوراہل محلّہ کو چاہئے کہ وہ اس شخص کو نرمی سے مسئلہ بتادیں،اوراس کے ساتھ حقارت کانہیں؛ بلکہ خیرخواہی کا معاملہ کریں۔

والجماعة سنة مؤكدة للرجال، وقيل: واجبة وعليه العامة فتسن أو تجب على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلاة بالجماعة من غير حرج فلا تجب على مريض، ومقعد، وزمن. (تنوير الأبصار على الدر المختار، الصلاة / باب الإمامة ۲/ ۲۸۷-۲۹۲ زكريا، الفتاوىٰ التاتارخانية ۲/ ۲۸۰ رقم: ۲۴۲۲ زكريا)

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من سمع المنادي فلم يمنعه من ابتاعه عذر، قالوا: وما العذر؟ قال: خوف أو مرض، لم تقبل منه الصلاة التي صلى. (سنن أبي داؤد، الصلاة / باب التشديد في ترك الجماعة ۱/ ۸۱ رقم: ۵۵۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ:احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۳/۹/۲۳ھ

جذام کے مریض کا اذان دینا اور مصلّیوں کی صف میں کھڑے ہوکر نماز پڑھنا؟

سوال (۱۳۵۴):-کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ایک صاحب مسجد کے مؤذن ہیں اور انہیں جذام کی بیماری ہے، مستقل علاج ومعالجہ چلتا رہتا ہے، اور گاہے بگاہے ان کا زخم ٹپکتا رہتا ہے، کبھی زخم پر پھایہ اور کبھی پھایہ کے بغیر؛ دونوں حالتوں میں مقتدی حضرات ان کے برابر میں یا پیچھے کھڑے ہونے میں کتراتے ہیں؛ تو ان کا مسجد میں رہنا اور اذان دینا کیسا ہے؟ از راہ مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب سے مستفیض فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں جس طرح کے مریض کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کا حکم ساقط ہے؛ لہٰذا اسے چاہئے کہ وہ اپنے قیام گاہ ہی پر نماز پڑھا کرے، اور جب تک شفایاب نہ ہو مسجد میں حاضری نہ دے اور نہ اذان دینے کا اہتمام کرے؛ تاکہ اس کی وجہ سے کسی دوسرے نمازی کو اذیت اور انقباض نہ ہو۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۳/۹۵، فتاویٰ محمودیہ ۶/۴۰۳ ڈابھیل)

المجذوم تشتد رائحته حتى يسقم من أطال مجالسته ومحادثته ومضاجعته، وكذا يقع كثيراً بالمرأة من الرجل وعكسه، وينزع الولد إليه؛ ولهٰذا يأمر الأطباء بترك مخالطة المجذوم لا على طريق العدوى؛ بل على طريق التأثر بالرائحة؛ لأنها تسقم من واظب اشتمامها. (فتح الباري، كتاب الطب / باب الجذام ١٩٧ تحت رقم: ٥٧٠٧)

إن الجذام من الأمراض المعدية فيعدى بإذن الله، فيحصل منه ضرر.

(مرقاة المفاتيح، باب الفال والطيرة ٩ / ٤)

الثاني في الأعذار التي تبيح التخلف عن الجماعة. فمنها: المريض الذي يبيح التيمم. (حلبي كبير ٥٠٩ لاهور) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہٗ ۴/۷/۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیماری یا معقول عذر سے نماز نہ پڑھ سکے تو کیا کرے؟

سوال (۱۳۵۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بیماری یا کسی معقول عذر کی وجہ سے کوئی نماز نہ پڑھ سکے تو اس کے فدیہ کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کوئی شخص اتنا مریض ہے کہ اشارہ سے بھی نماز پڑھنے پر قادر نہیں اور اب صحت یابی کی بالکل امید نہیں ہے، تو ایسے شخص پر لازم ہے کہ ہر نماز کے بدلہ ایک صدقہ فطر کے بقدر رقم یا غلہ صدقہ کرنے کی وصیت کردے، زندگی میں نماز کا فدیہ ادا کرنا معتبر نہیں؛ بلکہ جس طرح بھی قدرت ہو نماز پڑھنا ہی لازم ہے۔

إن كان لا يقدر على أدائها ولو بالإيماء، فيلزمه الإيصاء بها. (الدر المختار، الصلاة / باب قضاء الفوائت ۲/ ۷۲ کراچی)

ولو مات وعليه صلوات فائتة وأوصى بالكفارة يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر كالفطرة. (الدر المختار، الصلاة / باب قضاء الفوائت ۲/ ۷٤ کراچی)

ولو فدى عن صلاته في مرضه لا يصح. (الدر المختار، الصلاة / باب قضاء الفوائت ۲/ ۷٤ کراچی)

وفي اليتيمة: سئل الحسن بن علي رضي اللّٰه عنه عن الفدية عن الصلوات في مرض الموت، هل يجوز؟ فقال: لا. (الفتاویٰ الهندية، الصلاة / الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت ۱/ ۱۲۵، فتاویٰ محمودیه ۷/ ٦٦٥ ڈابھیل) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۱۱/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

عورتوں کی نماز

مرد وعورت کی نماز میں کیا فرق ہے؟

سوال (۱۳۵۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مرد وعورت کی نماز کے درمیان کیا فرق ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرد اور عورت کی نماز میں درج ذیل اعمال کی کیفیت میں فرق ہے:

(۱) رفع یدین: مرد اپنے ہاتھوں کو کانوں تک اٹھائیں اور عورت دونوں ہاتھ سینہ تک۔

عن وائل بن حجر رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: يا وائل بن حجر إذا صليت فاجعل يديک حذاء أذنيک، والمرأة تجعل يديها حذاء ثديها. (منتخب كنز العمال على هامش مسند أحمد ١٧٥/٣، مجمع الزوائد ١٠٣/٢، المصنف لابن أبي شيبة ٢٣٩/١، طبراني كبير ٢٠/٢٢)

وإذا أراد الدخول في الصلاة كبر ورفع يديه حذاء أذنيه والمرأة أنها ترفع حذاء منكبيها. (البحر الرائق ٣٠٥/١، شامي ١٨٢/٢ زكريا، طحطاوي على المراقي ١٥٢، مجمع الأنهر ٩٢/١)

(۲) ہاتھ باندھنے کی جگہ: مرد ناف کے نیچے باندھے اور عورت سینہ پر ہاتھ باندھے۔

عن علي رضي اللّٰه عنه أن من السنة في الصلاة وضع الأكف على الأكف، وفي لفظ وضع اليمين على الشمال تحت السرة. (منتخب كنز العمال على

هـامش مسند أحمد ١٧٩/٣، بيهقي ٣١/٢، مسند أحمد ١١٠/١، المصنف لابن أبي شيبة ٩٠/١-٩١، إعلاء السنن ١٦٨/٢، تحفة الأحوذي ٢١٤/١)

عن وائل بن حجر رضي الله عنه أنه رأى النبي صلى الله عليه وسلم وضع يـمينه على شماله، ثم وضعهما على صدره. (بيهـقي ١٠٧/٢ دار الحديث القاهرة، مراسيل أبي داؤد ٦، إعلاء السنن ١٤٨/٢)

اسلام میں اکثر احکام میں مرد وعورت کے درمیان امتیاز رکھا گیا ہے، مرد کو عورت کی عورت کو مرد کی مشابہت اختیار اختیار کرنے سے منع فرمایا گیا ہے؛ اس لئے حنفیہ نے حضرت علیؓ کی مذکورہ روایت کو مردوں کے لئے ترجیح دی اور وائل بن حجر کی روایت کو عورتوں کے لئے ترجیح دی اور یہی اس کے لئے زیادہ تستر کا باعث ہے۔

بخلاف المرأة فإنها تضع على صدرها؛ لأنه أستر لها فيكون في حقها أولىٰ. (إعلاء السنن ١٥٣/٢ قديم)

نیز اس سلسلہ میں اجماع ہے کہ عورت سینہ پر ہاتھ باندھے۔

وأما المرأة فإنها تضعهما تحت ثديها بالاتفاق لأنه أستر لها. (كبيري ٢٩٤)

ووضع الرجل يمينه على يساره تحت سرته هو المختار، وتضع المرأة والخنثى الكف على الكف تحت ثديها. (درمختار مع الشامي ١٨٧/٢-١٨٨ زكريا)

(۳) سجدہ کی ہیئت: مرد سجدہ کی حالت میں پیٹ کو رانوں سے باز و کو بغل سے جدا رکھے اور کہنیاں زمین سے علیحدہ رکھے اور عورت پیٹ کو رانوں سے اور بازو کو بغل سے ملا رکھے اور کہنیاں زمین پر بچھا کر سجدہ کرے۔

عن بن عمر رضي الله عنه مرفوعاً إذا جلست المرأة في الصلاة وضعت فخذها على فخذها الأخرىٰ فإذا سجدت ألصقت بطنها على فخذيها كأستر ما يكون لها. (كنز العمال ٢٢٣/٨، منتخب كنز العمال على هامش مسند أحمد بن حنبل ٢٣٤/٣، مصنف ابن أبي شيبة ٢٧٠/١، نيل الأوطار قديم ١٥٩/٢)

وأبدى ضبعيه أي وجافى بطنه عن فخذيه ووجه أصابع رجليه نحو القبلة والمرأة تخفض وتلزق بطنها بفخذيها؛ لأنه أستر لها فإنها عورة مستورة. (البحر الرائق ۱/ ۳۲۰-۳۲۱، كبيري ۳۱۳)

(۴) ہیئت قعدہ: مرد جلسہ اور قعدہ میں اپنا داہنا پیر کھڑا کرکے اور بایاں پاؤں بچھا کر کے اس پر بیٹھ جائیں اور عورت اپنے دونوں پاؤں داہنی طرف نکال کر بائیں سرین پر بیٹھے۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يفتتح الصلاة بالتكبير - إلى أن قالت - وكان يفترش رجله اليسرى وينصب اليمنى.

(صحيح مسلم ۱/ ۱۹۵، سنن الترمذي ۱/ ۶۵)

عن خالد بن اللجلاج قال: كن النساء يؤمرن أن يتربعن إذا جلس في الصلاة يجلسن جلوس الرجال. (المصنف لابن أبي شيبة ۲/ ۵۰۶ المجلس العلمي)

وإذا فرغ من سجدتي الركعة الثانية افترش رجله اليسرىٰ فجلس عليها ونصب يمناه ووجه أصابعه نحو القبلة. (البحر الرائق ۱/ ۳۲۳، طحطاوي على المراقي ۱۵۵)

والمرأة على إليتها اليسرىٰ في القعدتين وتخرج كلتا رجليها من الجانب الأخر أي الأيمن؛ لأن ذٰلک أستر لها. (كبيري ۳۲۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۱/۳/۲۴ھ

عورتیں نیت باندھنے کے لئے ہاتھ کہاں تک اٹھائیں گی؟

سوال (۱۳۵۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عورتیں نماز کی نیت باندھنے کے لئے اپنے ہاتھوں کو اٹھاتی ہیں، تو یہ اپنے ہاتھ کہاں تک اٹھائیں اور کس طرح ہاتھ کی ہتھیلی قبلہ کی طرف رکھنا چاہئے یا ہتھیلی کی پشت قبلہ کی طرف؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: عورتیں تکبیرِ تحریمہ کہتے وقت صرف کندھوں تک ہاتھ اٹھائیں گی، اور ہتھیلی قبلہ کی طرف رکھیں گی۔

والمرأة ترفع حذاء منكبيها هو الصحيح. (الفتاویٰ الهندية ۷۳/۱)

ويجعل باطن كفيه نحو القبلة. (طحطاوي ۱۵۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۱/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورت تکبیرِ تحریمہ کے بعد ہاتھ کہاں باندھے؟

سوال (۱۳۵۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بہشتی زیور میں عورتوں کی نماز میں ہاتھ باندھنے سے متعلق یہ عبارت درج ہے کہ: اللہ اکبر کہتے وقت اپنے دونوں ہاتھ کندھے تک اٹھاوے؛ لیکن دونوں ہاتھوں کو دوپٹہ سے باہر نہ نکالے، پھر سینے پر ہاتھ باندھے اور داہنے ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر رکھ دے۔ (بہشتی زیور حصہ دوم ص: ۱۶) اس مسئلہ کا جواب درکار ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: عورتوں کے ہاتھ رکھنے سے متعلق روایات دونوں طرح کی ہیں، بعض میں ”**تحت ثدييها**“ اور بعض میں ”**على صدرها**“ اور ”**على ثدييها**“ کے الفاظ ہیں، بہشتی زیور میں سینہ پر ہاتھ رکھنے کی جو بات لکھی گئی ہے وہ دونوں کو شامل ہے؛ کیوں کہ سینہ کا اطلاق ”**على ثدييها**“ اور ”**تحت ثدييها**“ دونوں پر ہوتا ہے۔

أما المرأة فإنها تضعهما تحت ثدييها بالإتفاق؛ لأنه أستر لها. (كبري ۳۰۱)

والمرأة تضع الكف تحت القدمين. (الدر المنتقى على هامش المجمع ۹۳/۱)

وتضع الكف على الكف تحت ثدييها. (شامي ۲۱۱/۲ زكريا)

وتضع يمينها على شمالها تحت ثدييها. (البحر الرائق ٥٦١/١ زكريا)

ويسن وضع المرأة يديها على صدرها من غير تحليق؛ لأنه أستر لها.

(مراقي الفلاح على حاشية الطحطاوي ٢٥٩)

وفي المضمرات: وغيره أنها تضع على صدرها. (جامع الرموز للقهستاني ١٠٠)

ولهٰذا يضع المرأة يديها على صدرها. (البناية شرح هداية ٦١٠/١)

بخلاف المرأة فإنها تضع على صدرها؛ لأنه أستر لها فيكون في حقها أولى. (البحر الرائق ٥٢٩/١ زكريا)

ثم يعتمد بيمينه على رسغ يساره تحت سرته، وعند الشافعي تحت الصدر كما في وضع المرأة عندنا. (مجمع الأنهر ٤٧٠/١ زكريا)

والمرأة تضعها على ثدييها. (الفتاویٰ الهندية ٧٣/١)

قوله تحت السرة، وفي النهر الفائق إلا المرأة والخنثى المشكل ففوق الصدر. (النهر الفائق شرح كنز الدقائق للشيخ سراج الدين عمر بن نجيم المصري ٢٠٧/١، فتاوى رحيميه ٢٢٢/٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۷/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورت کے لئے حالت قیام میں ٹخنے ملانے کا کیا حکم ہے؟

سوال (۱۳۵۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عورت رکوع کی طرح کیا قیام میں بھی اپنے ٹخنوں کو ملائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کے لئے قیام کی حالت میں ٹخنے ملانے کی صراحت فقہ کی کسی کتاب میں نظر سے نہیں گذری، بلکہ عموماً یہی لکھا کہ دونوں قدموں کے درمیان

چار انگلی کا فاصلہ رہنا چاہئے؛ لیکن چوں کہ عورت کے لئے فی الجملہ سمٹ کر نماز ادا کرنے کا حکم ہے، اس لئے اس اصول کے اعتبار سے اگر بسہولت ممکن ہو تو عورت کے لئے ٹخنے ملاکر کھڑے ہونے کا حکم زیادہ بہتر ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/۲۲۲)

وفي رد المحتار عند بحث القيام: وينبغي أن يكون بينهما (أي بين القدمين) مقدار أربع أصابع اليد؛ لأنه أقرب إلى الخشوع، هٰكذا روي عن أبي نصر الدبوسي أنه كان يفعله كذا في الكبرىٰ. (شامي ۲/۱۳۱ زكريا)

وفي المجتبىٰ: هٰكذا كله في حق الرجال، أما المرأة فتنحني في الركوع يسيراً ولا تفرج ولكن تضم وتضع يديها على ركبتيها وضعاً وتحني ركبتيها ولا تجافي عضديها؛ لأن ذٰلك أستر لها. (شامي ۲/۱۹۷ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۲/۱۴۳۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حالتِ قیام اور قعود میں عورت کے لئے ٹخنے ملانے کا حکم

سوال (۱۳۶۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بہشتی زیور میں عورتوں کے نماز کے متعلق لکھا ہے کہ:

’’رکوع میں دونوں ہاتھ کی انگلیاں ملاکر دونوں گھٹنوں پر رکھ لے، دونوں بازو پہلو سے خوب ملائے رہے اور دونوں پیر کے ٹخنے بالکل ملادیوے‘‘۔ (بہشتی زیور)

اور حاشیہ میں ہے کہ: ’’گو درمختار میں یہ حکم مطلق ہے، مگر قواعد سے یہ حکم عورتوں کے لئے مخصوص معلوم ہوتا ہے۔ (لكونه أستر للهن وورد أمر الضم ومثله لهن) باقی مردوں کے لئے یہ حکم نہیں۔ **كما يظهر من كلام الطحاوي في معاني الآثار ص: ۱۲۲** حاشية)

جب کہ درمختار کی عبارت: **ويسن أن يلصق كعبيه** پر رافعی لکھتے ہیں:

قال الشيخ أبو الحسن السندي الصغير في تعليقه على الدر: هٰذه السنة ذكرها من ذكرها من المتأخرين تبعاً للمجتبىٰ، وليس لها ذكر في الكتب

المتقدمة كالهداية وشروحها، وكان بعض مشايخنا يرى أنها من أوهام صاحب المجتبى الخ. (تقريرات الرافعي ٦١)

گویا یہ حکم نہ مرد کا ہے نہ عورت کا ہے؛ بلکہ وہم ہے صاحب مجتبیٰ کا، اس کے بعد علامہ سندھی نے وہم کا منشاء بھی ذکر کیا ہے، نیز یہی بات امام لکھنویؒ نے بھی سعایہ میں لکھی ہے۔

اب واضح کیا جاوے کہ ٹخنے ملانے کا حکم کس حد تک درست ہے؟ نیز حالتِ قیام میں عورت کے لئے ٹخنے ملا کر کھڑے ہونے کی صراحت بھی کسی معتبر عربی کتاب میں نہیں ملی، اس کا کیا حکم ہے؟ عورت پاؤں ملا کر کھڑی ہو یا مناسب فاصلہ برقرار رکھے جس طرح مرد کھڑا ہوتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئلہ مجوثہ عنہا سے متعلق فقہی عبارات دیکھنے سے یہ اندازہ ہوا کہ حالت قیام ورکوع میں ٹخنے ملانے کے بارے میں جزئیات متعارض ہیں، بعض میں مطلقاً اس کا حکم ہے، اور بعض میں اس کو غیر ثابت بتایا گیا ہے، اب دونوں میں تطبیق کیسے ہو؟ اس میں ایک شکل تو یہ ہے کہ جن عبارات میں ٹخنے ملانے کا ذکر ہے ان کو مجازی معنی میں لیا جائے کہ ان سے مراد دونوں پیروں کا ایک سیدھ میں رکھنا ہے، حقیقتاً ٹخنے سے ٹخنہ ملانا نہیں ہے، زیادہ تر فقہاء نے یہی تطبیق اختیار کی ہے، اور تطبیق کی دوسری شکل یہ ہے کہ الصاقِ کعبین والی عبارات کو عورتوں کے ساتھ خاص رکھا جائے، اور جن روایات میں عدم الصاق کی بات ہے ان کو مردوں کے لئے خاص قرار دیا جائے، یہی توجیہ بہشتی زیور اور اس کے حاشیہ میں اختیار کی گئی ہے، اور یہ عام حالات میں عورتوں کے لئے استر بھی ہے؛ لیکن یہ کوئی لازمی حکم نہیں ہے، اس لئے اگر کوئی عورت ٹخنے نہ ملا کر مردوں کی طرح دونوں پیروں کے درمیان مناسب فاصلہ رکھے تو اسے خلاف سنت قرار نہیں دیا جائے گا۔

وفي المجتبى: والسنة في الركوع الصاق الكعبين. (البحر الرائق ۱/۳۱۵ کوئٹہ)

ويسن أن يلصق فيه (في الركوع) كعبيه. (الدر المنتقى ۱/۹٦)

والسنة أيضا في الركوع الصاق الكعبين. (غنية المستملى شرح منية المصلي ۳۱۵)

ويسن أن يلصق كعبيه. (درمختار مع رد المحتار ۲/۱۹٦)

فينبغي أن يزادؤ مجافيًا عضديه ملصقا كعبيه كما في الزاهدي. (شرح النقاية للقهستاني ۱۰۲)

ويسن أن يلصق به كعبيه. (النهر الفائق ۲۱۳/۱)

ذكر الشامي إلصاق الكعبين في الركوع والسجود سنة، لكن رده في الفتاوى السعدية. (حاشية بذل المجهود ٣٧٦/٤ بيروت)

وينبغي أن يكون بينهما مقدار أربع أصابع اليد؛ لأنه أقرب إلى الخشوع إلى قوله – وما روى أنهم الصقوا بالكعاب أريد به الجماعة، أي قام كل واحد بجانب الآخر كذا في فتاوى سمرقند. (شامي ۱۳۱/۲ زكريا)

قلت: لقد أردت هذه المسئلة في سنة أربع وثمانين بعد الألف والمأتين بين علماء عصرنا، فأجاب أكثرهم بأن ألصاق الكعبين في الركوع والسجود يسن بمسنون ولا أثر له في الكتب المعتبرة – إلى قوله – والقول الفيصل أن يقال: إن كان المراد بالصاق الكعبين أن يلزق المصلي أحد كعبيه بالآخر، ولا يفرج بينهما كما هو ظاهر عبارة الدر المختار والنهر وغيرهما، وسبق إليه فهم المفتي أبو السعود أيضا، فليسن هو من السنن على الأصح، وإن كان المراد به محاذاة أحد الكعبين بالآخر كما أبدع العلامة السندي فهو أرفق ولا بعد في حمل الإلصاق على المحاذاة، فإنه جاء استعماله في القرب. (سعاية ۱۸۱/۲ لاهور، فتاوى سعديه ۲۹، تقريرات الرافعي على الشامي ۶۱/۲ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۲۸/۷/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورتوں کا حالتِ قیام میں ٹھوڑی سینے سے لگانا؟

سوال (۱۳۶۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مردوں کو نماز میں قیام کی حالت میں ٹھوڑی سینے سے لگانا مکروہ ہے، کیا عورت کے لئے بھی

قیام کی حالت میں ٹھوڑی سینے سے لگانا مکروہ ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قیام کی حالت میں جس طرح مردوں کے لئے سر کو جھکا کر کھڑا ہونا خلافِ سنت ہے، اسی طرح عورتوں کے لئے سر کو بالکل جھکا کر کھڑا ہونا خلافِ سنت ہے۔

وأن لا یطأطئ رأسه عند التکبیر، فإنه بدعة أي قبیحة لترکة السنة. (الطحطاوي علی الدر ۲/۲۱۳ کراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۵/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورت کے قیام سے سجدہ میں جانے کا طریقہ؟

سوال (۱۳۶۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عورت کا قیام سے سجدہ میں جانے کا طریقہ کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں کے لئے چوں کہ ہر حالت میں اَستر طریقہ افضل ہے؛ لہٰذا قیام سے سجدہ میں جاتے وقت زیادہ سے زیادہ اپنے اعضاء کو سمیٹتے ہوئے سجدہ کرنے کی کوشش کریں اور دونوں پاؤں دائیں طرف نکال کر زمین سے چمٹ کر سجدہ کریں۔

(مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۷/۲۲۳-۲۲۴)

نیز مرد کی نماز ننگے سر ہو جائے گی؛ لیکن عورت کی نماز ننگے سر نہیں ہوگی۔

عن عائشة رضي اللّٰہ عنها قالت: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: لا تقبل صلاة الحائض إلا بخمار. (سنن الترمذي ۱/۸۶) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۲۴ھ

عورت سجدہ کرنے میں گھٹنے زمین پر کس طرح ٹیکے گی؟

سوال (۱۳۶۳۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بہشتی زیور میں ہے کہ: اللہ اکبر کہتی ہوئی سجدے میں جاوے، زمین پر پہلے گھٹنے رکھے، پھر کانوں کے برابر ہاتھ رکھے، اور انگلیاں خوب ملالیوے، پھر دونوں ہاتھوں کے بیچ میں ماتھا رکھے، اور سجدے کے وقت ماتھا اور ناک دونوں زمین پر رکھ دے، اور ہاتھ پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف رکھے، مگر پاؤں کھڑے نہ کرے، بلکہ داہنی طرف کو نکالدے، اور خوب سمٹ کر اور دب کر سجدہ کرے کہ پیٹ دونوں رانوں سے اور بانہیں دونوں پہلو سے خوب ملا دے۔ (بہشتی زیور۱۷)

حوالہ میں درمختار کی یہ عبارت درج ہے: **والمرأة تنخفض وتلصق بطنها بفخذيها.** (الدر المختار مع الشامي ۲/ ۲۱۱ زكريا)

درج ذیل حوالہ سے محض اتنا ثابت ہوتا ہے کہ عورت دب سمٹ کر سجدہ کرے گی، اور دونوں ران سے پیٹ لگا دے گی، مگر اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ سجدے کی حالت میں تورک کرے گی، یعنی دونوں پاؤں ایک طرف کو نکال دے گی۔ البتہ مجتبیٰ کے حوالہ سے بحر میں یہ ہے؟ **لا تنصب أصابع القدمين.** (رد المحتار ۲/ ۲۱۱ زكريا)

مگر اس سے بھی ایک طرف کو نکالنا ثابت نہیں ہوتا، نیز ایک طرف پاؤں نکالنے پر ایک اشکال یہ بھی ہوتا ہے کہ سجدے کی حالت میں گھٹنے (رکبتین) زمین پر نہیں لگتے، چنانچہ کئی بار اس کا تجربہ کیا گیا کہ اس طرح سجدہ کرنے پر موٹا کاغذ گھٹنوں کے اندر تک گھٹنوں کو لگے بغیر چلا جاتا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ گھٹنے زمین کو نہیں چھو رہے ہیں، حالاں کہ فقہ حنفی کی رو سے دونوں گھٹنے زمین پر رکھنا واجب ہے۔

قوله: (واضعًا ركبتيه) قدمنا الخلاف في أنه سنة أو فرض أو واجب، وأن الأخير أعدل الأقوال وهو اختيار الكمال. (رد المحتار ۲/ ۲۰۲)

اور اس حکم میں مرد وعورت کا فرق کسی معتبر فقہی کتاب میں تلاش بسیار کے بعد بھی نہ مل سکا۔

دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ عورت دونوں گھٹنے زمین پر رکھ دے، دونوں پنجے کھڑے بھی

نہ کرے؛ بلکہ پنجوں کی پشت زمین پر رکھے، مگر داہنی طرف پیر نہ نکالے، وہاں دونوں ران ملالے، اور انہیں رانوں پر پیٹ رکھ دے اور بازو سمیٹ کر سجدہ کرے کہ اس طرح دب سمٹ کر بھی سجدہ ہو رہا ہے، پنجے بھی کھڑے نہیں ہیں **(ولا تنصب القدمين)** اور رکبتین بھی زمین سے لگ رہے ہیں، مگر اس صورت میں بھی گھٹنے کی گول چکی زمین میں کو نہیں لگتی، بلکہ پنڈلی کا منتہی زمین سے لگتا ہے، جب کہ لسان العرب وغیرہ میں اوپر سے ران کا منتہی نیچے سے پنڈلی کی منتہی کو "رکبته" بتلایا گیا ہے۔

تیسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ عورت پنجے کھڑے کرلے، اس صورت میں گھٹنے کی چکی کا تھوڑا حصہ زمین کو لگ جاتا ہے، مگر بحر کی مخالفت ہوتی ہے۔ **(لا تنصب القدمين)** نیز اسی صورت میں دیگر دونوں صورتوں کی بنسبت سرین اوپر کو اٹھی ہوتی رہتی ہے، اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابراہیم نخعی سے منقول ہے: **(لا ترفع عجيزتها)** اِدھر یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ لغت سے جو ''رکبته" کی حد بندی ہوتی ہے، شاید اس قدر تدقیق شریعت میں ملحوظ نہ ہو؛ بلکہ جس طرح عرف میں دو زانوں بیٹھنے کو گھٹنے کے بل بیٹھنا بولتے ہیں، اگرچہ چکی زمین کو نہیں لگتی، اسی طرح سجدے میں بھی کافی ہو۔ اب علماء کرام فیصلہ فرمائیں کہ صحیح ہیئت کونسی ہے؟ تاکہ عورت کی نماز شریعت کے مطابق ہوسکے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: گھٹنے سے مراد پوری گول چکی نہیں؛ بلکہ پنڈلی کے جوڑ کا کنارہ بھی اگر زمین پر لگ جائے تو "واضعا رکبتيه'' کا مصداق پایا جائے گا، جیسا کہ تورک کی شکل میں ہوتا ہے، اس لئے بہشتی زیور کی عبارت اپنی جگہ درست ہے اور اس کا دیگر فقہی عبارات سے کوئی تعارض نہیں؛ بلکہ جزئیات اس کی مؤید ہیں، اور مذکورہ عبارت میں داہنی جانب پیر نکالنے کی جو بات لکھی گئی ہے اس کی صراحت تو کہیں نہیں ملتی، البتہ "لا تنصب أصابع القدمين'' سے بطور لزوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیروں کو کس جانب نکالنا پڑے گا، اور وہ دائیں جانب اگر ہو تو مطلقاً اولی ہے، اگر یہ معنی نہ لیں تو ''لا تنصب أصابع القدمين" کی ہدایت پر عمل بآسانی ہو ہی نہیں سکتا، اور اگر

کوئی عورت پیر نکالے بغیر اس ہدایت پر عمل کرنے کی کوشش کرے گی تو اسے سخت دشواری ہوگی۔

وفي البحر: أنه لاتنصب أصابع القدمين كما ذكره في المجتبى. (شامي ۲۱۳/۲ زكريا)

والمرأة مستثناة من أمر النصب لما أن الأحب في حقها ما هو أستر لها.

(الكوكب الدري ۲۰۲/۱)

والمرأة تنخفض أي توقع الخفض المعهود فلا تنصب أصابع القدمين.

(جامع الرموز ۷۵/۱)

ولا تنتصب كانتصاب الرجال. (الموسوعة ۲۰۵/۲٤، كبيري ۳۲۲، مراقي الفلاح ۲٦۸، الفتاوىٰ الهندية ۷/۱، البحر الرائق ۳۲۱/۱ كوئٹه، الدر المنتقى ۹۷/۱، مجمع الأنهر ۹۷/۱، فتاوى رحيميه ۲۲۳/۷، فتاوىٰ محموديه ۱۳۷/۷) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۷/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورتوں کا فرض نمازوں میں قومہ اور جلسہ کے مسنون اذکار پڑھنا؟

سوال (۱۳۶۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز میں قومہ اور جلسہ میں اذکار مسنونہ کے متعلق فقہاء احناف کے یہاں مشہور تو یہ ہے کہ ان اذکار کو نوافل وغیرہ میں پڑھے، یا زیادہ سے زیادہ سنن موکدہ اور اپنی ہر انفرادی نمازوں میں پڑھیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا عورت فرض واجب سنن ونوافل سب نمازوں میں قومہ اور جلسہ میں اذکار مسنونہ پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟ جو منع کی علت فرض نمازوں میں جماعت سے مردوں کے لئے ہے عورتوں میں وہ علت نہیں ہے، اس سلسلے میں وضاحت مطلوب ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قومہ اور جلسہ کے اندر اذکار مسنونہ کا پڑھنا احادیث

شریفہ سے ثابت ہیں، البتہ فقہاء احناف رحمہم اللہ نے کمزور مقتدین کی رعایت کے پیش نظر اذکار مسنونہ کو صرف نوافل اور انفرادی نمازوں میں مسنون قرار دیا ہے، نماز باجماعت میں اس کو مسنون نہیں کہا ہے، اور عورتیں چوں کہ انفراداً ہی نماز پڑھتی ہیں؛ اس لئے اگر وہ قومہ اور جلسہ میں اذکار مسنونہ پڑھیں، تو اس میں کوئی حرج نہیں؛ بلکہ عمل بالسنہ کا ثواب ملنے کی امید ہے ۔(مستفاد: احسن الفتاوی۳/۲۸)

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا رفع رأسه من الركوع قال: سمع الله لمن حمده؛ اللهم ربنا لك الحمد ملأ السموات وملأ الأرض وملأ ما شئت من شيء بعد، أهلُ الثناء والمجد أحق ما قال العبد وكلنا لك عبد، اللهم لا مانع لما أعطيت ولا معطي لما منعت، ولا ينفع ذا الجد منك الجد. (صحيح مسلم ۱/۱۹۰)

قوله عن أنس الحديث دلالته على الجلسة بين السجدتين وتطويلها ظاهرة، ولكن التطويل محمول على ما إذا كان المأمومون لايثقلون بذلك، أو يصلي منفرداً. (إعلاء السنن ۳/۳۳)

وليس بينهما ذكر مسنون، وكذا ليس بعد رفعه من الركوع دعا، وما ورد محمول على النفل، وفي الشامي: أقول: بل فيه إشارة إلى أنه غير مكروه إذ لو كان مكروها لنهي عنه كما ينهى عن القراءة في الركوع والسجود، وعدم كونه مسنوناً لاينافي الجواز، بل ينبغي أن يندب الدعاء بالمغفرة بين (السجدتين خروجاً من الإمام أحمد لإ بطاله الصلاة بتركه عامداً، ولم أر من صرح بذلك عندنا لكن صرحوا باستحباب مراعاة الخلاف، وصرح به في الحلية في الوارد في القومة والجلسة، وقال على أنه إن ثبت في المكتوبة فليكن حالة الإنفراد، أو الجماعة المامومون محصرورون؛ لأنه يتثقلون بذلك. (شامی

۲۱۳/۲ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۶/۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورت کا پلیٹ فارم اور اسٹیشن وریل گاڑی میں کھڑے ہوکر نماز پڑھنا؟

سوال (۱۳۶۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عورت سفر میں کیا پلیٹ فارم پر اسٹیشن پر ریل گاڑی میں ہسپتال میں کھڑی ہوکر نماز پڑھ سکتی ہے، کیا چہرہ پر پردہ ڈال کر پڑھے یا کھلے چہرے کے ساتھ، ان جگہوں پر کھڑی ہوکر نماز پڑھے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو مرد وعورت قیام پر قدرت رکھتے ہوں، ان پر نماز میں قیام فرض ہے؛ لہٰذا اسٹیشن ہسپتال پلیٹ فارم، اور ٹرین میں نماز پڑھتے وقت عورت کا کھڑے ہوکر نماز پڑھنا فرض ہے، اور بہتر یہی ہے کہ ایسے مواقع پر دیگر اعضاء مستورہ کے پردہ کے ساتھ چہرہ کا بھی پردہ کرے

ومنها: القيام في الفرض لقادر عليه. (شامي ۱۳۱/۲ زكريا)

والرابع: ستر العورة: وهو للحرة جميع بدنها خلا الوجه والكفين، وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال؛ لأنه عورة بل لخوف الفتنة.

(شامي ۷۷/۲-۷۹ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۶/۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز کے بعد اذکار اور اَدعیۂ ماثورہ

فرض نماز کے بعد دعا کا مسئلہ

سوال (۱۳۶۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ''چار سو اہم مسائل'' کے مصنف لکھتے ہیں کہ فرض نماز کے معاً بعد دعا کرنا درست نہیں، ان کا یہ کہنا کس حد تک درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اَحادیثِ شریفہ میں فرض نمازوں کے بعد ہر فرد کے لئے دعا کرنے کی تاکید وارد ہوئی ہے، اور جب سب لوگ اس تاکیدی حکم پر عمل کریں گے تو خود بخود اجتماعی ہیئت پیدا ہوجائے گی، پس جو بات احادیث سے ثابت ہو وہ نادرست کیسے ہوسکتی ہے۔

عن معاذ بن جبل أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذ بيدي قال: يا معاذ والله إني لأحبک فقال: أوصيک يا معاذ لا تدعن في دبر كل صلاة تقول: اللّٰهم أعني على ذكرک وشكرک وحسن عبادتک. (سنن أبي داؤد، الصلاة / باب في الاستغفار رقم: ١٥٠٨)

عن مغيرة بن شعبة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقول دبر كل صلاة مكتوبة: لا إله إلا الله وحده لاشريک له له الملک وله الحمد ...... الخ. (صحيح البخاري ١١٧/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۵/۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پنج گانہ، جمعہ وعیدین کی نمازوں کے بعد اجتماعی دعا کا ثبوت؟

سوال (۱۳۶۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: پنج گانہ، جمعہ وعیدین کی نمازوں کے بعد ہمارے ہندوستان میں جو اجتماعی دعائیں ہوتی ہیں، اس کا ثبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اَحادیث شریفہ میں نمازوں کے بعد دعا کرنے کی ترغیبات وارد ہیں، جب ہر نمازی اس ترغیب پر عمل کرے گا تو خود بخود اجتماعی ہیئت بن جائے گی؛ لیکن اسے ایسا لازمی نہ سمجھا جائے کہ دعا کے بغیر نماز ہی کو مکمل نہ سمجھے؛ کیوں کہ نماز تو سلام پر ختم ہو جاتی ہے بعد میں دعا ایک زائد عمل ہے، اس میں امام کی اتباع لازم نہیں۔

عن المغيرة بن شعبة رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يقول في دبر كل صلاة مكتوبة: لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لاشريک له، له الملک وله الحمد، وهو على كل شيء قدير، اللّٰهم لا مانع لما أعطيت ولا معطي لما منعت ولا ينفع ذا الجد منک الجد. (صحيح البخاري ۱/۱۱۷، ۲/۹۳۷، صحيح مسلم ۱/۲۱۸، سنن النسائي ۱/۱۵۰)

عن علي رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في صلاته قال: وإذا فرغ من صلاته فسلم قال: اللّٰهم اغفرلي ما قدمت وما أخرت وما أسررت وما أعلنت وما أسرفت وما أنت أعلم به مني أنت المقدم وأنت المؤخر لا إلٰه إلا أنت. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ۲/۱۸۵، سنن أبي داؤد ۱/۲۱۲)

عن عبد اللّٰه بن الزبير رضي اللّٰه عنه يقول: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا سلم يقول: لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لاشريک له، له الملک وله الحمد وهو على كل شيء قدير، لا حول ولا قوة إلا باللّٰه، لا إله إلا اللّٰه لا نعبد إلا إياه، أهل النعمة والفضل والثناء الحسن لا إلٰه إلا اللّٰه مخلصين له الدين، ولو

کره الکافرون. (سنن أبي داؤد، الصلاة / باب ما یقول الرجل إذا سلم ۱/۱ ۲۱۱، سنن النسائي، کتاب السهو / باب التهلیل بعد التسلیم ۱/۰ ۱۵ رقم: ۱۳۳۵)

عن زید بن أرقم رضي اللّٰه عنه قال: کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول دبر صلاته: اللّٰهم ربنا ورب کل شيء أنا شهید أنک أنت الرب وحدک لاشریک لک، اللّٰهم ربنا ورب کل شيء أنا شهید أن محمداً عبدک ورسولک، اللّٰهم ربنا ورب کل شيء أنا شهید أن العباد کلهم إخوة، اللّٰهم ربنا ورب کل شيء اجعلني مخلصاً لک وأهلي في کل ساعة في الدنیا والآخرة یا ذی الجلال والإکرام. (سنن أبي داؤد، الصلاة / باب ما یقول الرجل إذا سلّم ۱/۱ ۲۱۱)

عن أبي أمامة رضي اللّٰه عنه قال: قیل یا رسول اللّٰه! أي الدعاء أسمع قال: جوف اللیل الآخر ودبر الصلاة المکتوبات، هذا حدیث حسن. (سنن الترمذي ۲/۷ ۱۸)

عن معاذ بن جبل رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أخذ بیدي قال: یا معاذ! واللّٰه إني لأحبک، فقال: أوصیک یا معاذ لا تدعن في دبر کل صلاة تقول: اللّٰهم أعني علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک. (سنن أبي داؤد، الصلاة / باب في الاستغفار رقم: ۱۵۰۸) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۴/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا کس حدیث سے ثابت ہے؟

سوال (۱۳۶۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فرض نماز کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ابن سنی کی کتاب ’’عمل الیوم واللیلۃ‘‘ اور مصنف ابن

ابی شیبہ میں ایسی روایات موجود ہیں، جن سے فرض نماز کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے کا ثبوت ملتا ہے، ان روایات کے بعض راویوں پر کلام ہے؛ لیکن فضائل میں وہ روایات مقبول ہیں۔ (دیکھئے رسالہ: استحباب الدعوات عقیب الصلوٰۃ، جواہر الفقہ ۹/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۷/۹/۵ھ

فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنا اور ہاتھ منہ پر پھیرنا؟

سوال (۱۳۶۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: پنج گانہ فرض نمازوں کے بعد امام وعوام بلا کسی تاخیر کے التزام کے ساتھ رفع ید کے ساتھ دعا مانگتے ہیں:

بعد الدعاء پھر دونوں ہاتھوں کو چہرہ (منہ) پر ملتے اور پھیر لیتے ہیں، صورت مذکورہ میں التزام کے ساتھ دعا کا کیا حکم ہے؟ از روئے دین وشریعت جائز ہے؟ قرآن وسنت فقہ اور تعامل صحابہ کی روشنی میں جواب سے نوازیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پنج گانہ نمازوں کے بعد دعا کی قبولیت کا وقت ہے، اور ایسے موقع پر دعا کے مطلق آداب میں سے یہ ہے کہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی جائے؛ اس لئے نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح دعا کے ختم پر ہاتھوں کو چہرے پر پھیرنا بھی مسنون ہے، اس میں بھی کوئی نہیں۔

عن عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا رفع يديه في الدعاء لم يحطهما حتى يمسح بهما وجهه، قال محمد بن المثنى في حديثه: لم يردهما حتى يمسح بهما وجهه. (سنن الترمذي ۲/۱۷۶)

عن أنس بن مالك رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال:

ما من عبد بسط كفيه في دبر كل صلاة، ثم يقول: اللّٰهم إلٰهي وإله إبراهيم وإسحٰق ويعقوب وإلٰه جبريل وميكائيل وإسرافيل أسئلك أن تستجيب دعوتي، فإني مضطر وتعصمني في ديني فإني مبتلی وتناولني برحمتک، فإني مذنب وتنفی عني الفقر، فإني متمسكن إلا كان حتماً على الله عزوجل أن لايرد يديه خائبتين. (عمل اليوم والليلة لابن السنى ۲۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۷/۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فرائض کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا؟

سوال (۱۳۷۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ہے اسی طرح ہر سنت ونوافل کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بعض روایتوں سے فرائض کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ثبوت ہے، نیز ہاتھ اٹھانا من جملہ آداب دعا کے ہے اس لئے سنن ونوافل کے بعد بھی دعا مانگتے وقت ہاتھ اٹھایا جاسکتا ہے، حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ میں علامہ ابن السنیؒ کی کتاب ''عمل الیوم واللیلہ'' سے متعدد روایتیں نقل فرمائی ہیں، جو نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے پر صراحۃً دال ہیں۔ (امداد الفتاویٰ ۱/۷۹۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۷/۱۲۱/۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فرض نمازوں کے بعد اجتماعی جہری دعا؟

سوال (۱۳۷۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ہمارے علاقہ کی تمام مساجد میں بعد نماز فرائض بلند آواز سے دعا کرنے کا معمول ہے، مقتدی بھی قدرے آواز سے آمین کہتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فرائض کے بعد بلند آواز سے دعا کا مستقل معمول بنالینا اور اس پر اصرار کرنا شریعت میں ثابت نہیں، دعا سراً کرنا ہی افضل ہے؛ البتہ کبھی کبھی موقع محل کی ضرورت یا خاص مقصد کی اجتماعی دعا کی غرض سے جہری دعا کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے؛ لیکن جہر کا معمول نہ بنایا جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۴/۳۳۲، فتاویٰ محمودیہ ۱۳/۵۰)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾ [الاعراف: ۵۵]

يايها الناس اربعوا على أنفسكم إنكم ليس تدعون أصم ولا غائباً إنكم تدعونه سمعاً قريباً وهو معكم. (صحيح مسلم ٢/٣٤٦)

والسنة أن يخفى صوته بالدعاء. كذا في الجوهرة النيرة. (الفتاوىٰ الهندية ١/٢٣٩، شامي ٣/١٣٨ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۴/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سنتوں کو مؤخر کرکے فرائض کے بعد دُعا کا اہتمام کرنا؟

سوال (۱۳۷۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فرض نماز کے فوراً بعد دعا کرنا کیسا ہے؟ اگر سنتوں کو مؤخر کردیا جائے اور پہلے دعا مانگی جائے، تو ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟ سنت کو مؤخر کرنے کی صورت میں کوئی خرابی تو لازم نہیں آتی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فرض نمازوں کے بعد دعاؤں کے قبولیت کا وقت ہے، اور بعض روایات میں خود پیغمبر علیہ السلام نے اس وقت دعا کرنے کی تاکید کی ہے، اور جب ہر

فرد دعا کا مخاطب ہے تو جماعت کی نماز کے بعد دعا میں خود بخود اجتماعی صورت پیدا ہو جاتی ہے؛ اس لئے فرض نمازوں کے بعد دعا کرنا خلافِ شریعت نہیں، اور اس دعا سے سنت میں کوئی تاخیر نہیں ہوتی؛ بلکہ یوں کہا جائے کہ سنت کا وقت ہی دعاء کے بعد ہے۔

عن أنس بن مالک رضي اللّٰہ عنہ عن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم أنہ قال: ما من عبد بسط کفیہ في دبر کل صلاۃ، ثم یقول: اللّٰہم إلٰہي وإلٰہ إبراہیم وإسحٰق ویعقوب وإلٰہ جبریل ومیکائیل وإسرافیل أسئلک أن تستجیب دعوتي، فإني مضطر وتعصمني في دیني فإني مبتلی وتناولني برحمتک، فإني مذنب وتنفی عني الفقر، فإني متمسکن إلا کان حتماً علی اللّٰہ عزوجل أن لا یرد یدیہ خائبتین. (عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی ۲۸)

ویختم الدعاء بعد المکتوبۃ، وقبل السنۃ علی ماروي عن البقالي من أنہ قال: الأفضل أن یشغل بالدعاء ثم بالسنۃ ...... وہو المشہور المعمول بہ في زماننا، کما لا یخفی؛ فإنہ مستجاب بالحدیث، وقد قال النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم في حدیث رواہ ابن عباس: من لم یفعل ذلک فہو خداج أي من لم یدع بعد الصلاۃ رافعا یدیہ إلی ربہ مستقبلاً ببطونہا إلی وجہہ ولم یطلب حاجاتہ قائلاً یا رب یارب. (الکوکب الدري ۲۹۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۹/۶/۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سلام پھیرنے کے بعد امام کے ساتھ دُعا مانگنا؟

سوال (۱۳۷۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فرض نماز باجماعت تکبیرِ تحریمہ سے لے کر امام صاحب کی اتباع کب تک کرنا ہوگی؟

(۲) سنا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین موقعوں: الف: قبیلہ بنو سلیم کے قبول اسلام۔

ب: نماز استسقاء۔ ج: نماز کسوف کے موقع پر دو رکعت کے بعد اجتماعی دعاء مانگنے کا ثبوت، اس کے علاوہ آپ نے حیاتِ طیبہ میں فرض نماز با جماعت کے بعد اجتماعی دعا نہیں مانگی، کیا یہ بات درست ہے یا نہیں؟

(۳) خلفاء راشدین سے متعلق یہ بات بھی بتائی جاتی ہے کہ یہ حضرات بھی فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا نہیں مانگتے تھے، یہ بات درست ہے یا نہیں؟

(۴) نیز امام اعظم رحمہ اللہ رحمہ کے متعلق بھی یہ بات بتائی جاتی ہے کہ آپ نے بھی فرض نماز ختم پر اجتماعی دعا نہیں مانگی؛ لہٰذا فرض نماز کے ختم پر اجتماعی دعا کا مانگنا کیسا ہے؟ صورتِ مسئولہ کے متعلق الگ الگ اقوال سامنے آ رہے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ امام صاحب کے ساتھ اجتماعی دعا مانگنا چاہئے، شریعت میں اس کی سند ملتی ہے اور کوئی اس کے متعلق رد کے ساتھ اوپر تحریر کے متعلق بتاتے ہیں، حتی کہ امام حضرات قرآن کی مخصوص آیات کو روزمرہ دعاؤں میں پڑھتے ہیں، اور کچھ امام حضرات خاموشی سے دعا مانگتے ہیں، خاموشی کے وقت مصلیان آمین کب بولیں گے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک امام کی اتباع کا حکم ہے، سلام پھیرنے کے بعد امام کے ساتھ دعا مانگنا نماز کے ارکان یا واجبات میں شامل نہیں ہے؛ اس لئے اگر کوئی ضرورت ہو تو سلام پھیرنے کے بعد امام صاحب کے ساتھ دعا کئے بغیر آدمی جا سکتا ہے، امام کی دعا کا انتظار کرنا ضروری نہیں ہے، اور احادیث شریفہ میں نمازوں کے بعد دعا کرنے کی تاکید وترغیب وارد ہے، اور جب جماعت سے نماز پڑھی جائے گی اور سب نمازی نماز کے بعد دعا مانگیں گے تو خود بخود اجتماعی صورت پیدا ہو جائے گی؛ اس لئے نمازوں کے بعد اجتماعی دعا کو غلط نہیں کہا جا سکتا؛ البتہ اس دعا میں رٹی رٹائی جہری دعاؤں کا التزام کہیں ثابت نہیں ہے؛ لہٰذا عام اوقات میں سری دعا ہی کرنی چاہئے، خاص مواقع پر خاص مصلحت سے جہری دعا کرا دیں تو حرج نہیں ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿ادْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾ [الاعراف: ٥٥]

عن علي بن أبي طالب رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: مفتاح الصلاة الطهور، وتحريمها التكبير، وتحليلها التسلم. (سنن الترمذي ٦/١)

قال في شرح المنية: لا خلاف في لزوم المتابعة في الأركان الفعلة إذ هي موضوع الاقتداء. (شامي ١٦٥/٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/۱۱/۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فرض نمازوں کے بعد دعا کو بدعت کہنا؟

سوال (۱۳۷۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نمازوں کے بعد دعا کو بدعت کہہ کر منع کیا جاتا ہے، اس کے بجائے ذکر کا خاص اہتمام ہوتا ہے حتی کہ سنن مؤکدہ سے بھی زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے، نیز بیان اور وعظ کے بعد جو اجتماعی دعاء کی جاتی ہے اس کو خلافِ سنت؛ بلکہ بدعت کہا جاتا ہے، اس کی حقیقت کیا ہے؟ کہتے ہیں کہ دعا انفرادی طور پر ہونا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اَحادیثِ طیبہ میں نمازوں کے بعد جس طریقے سے ذکر واذکار کی تاکید آئی ہے، وہیں نمازوں کے بعد خاص طور سے دعاؤں کی بھی تلقین وارد ہے، یہی وجہ ہے کہ نمازوں کے بعد کی دعا کو مقبول دعاؤں میں شامل فرمایا ہے اور خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نمازوں کے بعد مختلف دعائیں ثابت ہیں، پھر جب سب لوگ نماز کے بعد دعا کریں گے، تو خود بخود اجتماعی کیفیت پیدا ہو جائے گی؛ تاہم اِن دعاؤں کو ہمیشہ جہراً کرنا اور ایسا لازم سمجھنا کہ اس کے بغیر نماز ہی کو نامکمل سمجھا جائے، یہ واقعۃً ثابت نہیں ہے اور اس کا التزام ممنوع ہے؛ البتہ بیان اور وعظ کے بعد اجتماعی دعا کہ ایک دعا کرلے بقیہ سب آمین کہیں، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے

خاص خاص موقعوں پر ثابت ہے، اس لئے اس کو بدعتِ قبیحہ سے تعبیر کرنا درست نہ ہوگا۔

عن أبي أمامة رضي الله عنه قال: قيل: يا رسول الله ﷺ! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل ودبر الصلوات المكتوبة. (سنن الترمذي ۱۸۷/۲ رقم: ۳۴۹۹، سنن النسائي رقم: ۹۹۳۶، الترغيب والترهيب مكمل ۳۷۸، رقم: ۲۵۶۷)

عن زيد بن أرقم رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ كان يقول في دبر الصلاة: اللّٰهم أنت ربنا ورب كل شيء أنا شهيد أن محمدا عبدک ورسولک، اللّٰهم أنت ربنا ورب كل شيء، أنا شهيد أن العباد كلهم إخو ة، اللّٰهم أنت ربنا ورب كل شيء، اجعلني مخلصا لک ديني وأهلي في الدنيا والآخرة يا ذالجلال والإكرام، أسمع و استجب، الله أكبر الأكبر. (كتاب الدعاء للطبراني ۲۱۲، سنن أبي داؤد رقم: ۱۵۰۸، مسند إمام احمد بن حنبل ۳۶۹/۴، المعجم الكبير للطبراني ۲۳۹/۵)

عن حبيب ابن مسلمة الفهري وكان مستجابا ...... قال للناس سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا يجتمع ملأ فيدعوا بعضهم ويؤمن سائرهم إلا أجابهم الله. (المعجم الكبير للطبراني ۲۱/۴-۲۲)

عن قيس المدني أن رجلا جاء زيد بن ثابت فسأل عن شيء فقال له زيد عليک بأبي هرير ة فينا أنا وأبو هريرة وفلان في المسجد ندعو ونذكر ربنا عزوجل إذ خرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى جلس إلينا فسكتنا فقال: عودوا الذي كنتم فيه، فقال زيد: فدعوت أنا وصاحبي قبل أبي هريرة وجعل النبي ﷺ يؤمن على دعائنا ثم دعا أبو هريرة، فقال: اللّٰهم إني أسألک بمثل ما سألک صاحبي وأسألک علما لا ينسى، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: سبقكما بها الغلام الدوسي. (رواه الطبراني في الأوسط، مجمع الزوائد ۲۶۱/۹)

إذا دعانا بالدعاء الماثور جهرًا ومعه القوم أيضا ليتعلموا الدعاء لا بأس به. (الفتاویٰ الهندية ۳۱۸/۵، منتخبات نظام الفتاویٰ ۲۵۷/۱-۲۶۲)

قد راج في كثير من البلاد الدعاء بهيئة اجتماعية رافعين أيديهم بعد الصلوات المكتوبة، ولم يثبت ذلک في عهده ﷺ، وبالأخص بالمواظبة، نعم ثبت أدعية كثيرة بالتواتر بعد المكتوبة، ولكنها من غير رفع الأيدي ومن غير هيئة اجتماعية. (معارف السنن ۳/ ٤٠٩)

وقد حصل أن الدعاء بهيئة الاجتماع دائما لم يكن من فعل رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كما لم يكن قوله واقراره. (الاعتصام ١/ ٣٥٢)

وبالجملة التزامه كسنة مستمرة دائمة ليشكل أن يكون عليه دليل من السنة. (معارف السنن ۳/ ١٢٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۱۱/۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دعا سے قبل کلمہ طیبہ پڑھنے کا ثبوت؟

سوال (۱۳۷۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کتاب کا نام مسائل امامت صفحہ ۲۳۴ مولف: مولانا قاری محمد رفعت صاحب قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند بحوالہ احسن الفتاویٰ ۱/۴ ۳۷ دعا کے بعد کلمہ نہ پڑھ کر ''وصلى اللّٰه تعالىٰ على خير خلقه محمد وآله وأصحابه أجمعين برحمتک يا أرحم الراحمين'' پڑھنا چاہئے، اگر مذکورہ مسئلہ درست ہے تو برائے کرم یہ بھی کیسی بدعت ہے، نیز درود شریف پڑھ کر منہ پر ہاتھ پھیر کر اگر کلمہ بھی پڑھ لیں تو اس کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟ یا سلام پھیرنے کے فوراً بعد دعا سے پہلے کلمہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: کلمہ پڑھنے کا ثبوت احادیثِ شریفہ میں دعا سے قبل ہے، نہ کہ دعا کے ابتداء وانتہاء پر؛ البتہ دعا کے ابتداء وانتہاء پر اللہ کی حمد وثنا مستحب ہے۔ (حصن حصین ۱۷)

حدیث میں ابتداء دعا میں حمد کا حکم ہے اور کلمہ حمد ہے، نہ ثنا اس میں تو اقرار توحید ورسالت ہے۔ شریعت میں جس چیز کا ثبوت نہ ہو اس کو مستحب سمجھنا صحیح نہیں، فعلاً اس کا التزام بدعت ہے، صاحب احسن الفتاویٰ کے بدعت کہنے کی وجہ بھی یہی ہے؛ لہٰذا قبل از دعا کلمہ نہ پڑھے، دعا کے ابتداء وانتہاء پر اللہ کی حمد وثنا یا درود شریف پڑھنا چاہئے۔

وعن فضالة بن عبيد قال: بينما رسول الله صلى الله عليه وسلم قاعد إذ دخل رجل فصلى، فقال: اللّٰهم اغفر لي وارحمني، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: عجلت أيها المصلي إذا صليت فقعدت فاحمد الله بما هو أهله وصل عليَّ ثم ادعه. (مشکوٰۃ المصابیح ۸۶/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۳/۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فرض نمازوں کے بعد دعا کا طریقہ

سوال (۱۳۷۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) فرض نماز کے بعد دعا کس طرح مانگیں تنہا ہوں تو کس طرح مانگیں، امام کے ساتھ ہوں تو کس طرح مانگیں؟

(۲) کس کس وقت کی نما میں دعا گھوم کر مانگیں؟ اور کس کس وقت کی نماز میں قبلہ رو ہی مختصر دعا مانگیں؟

(۳) دعا کے شروع میں پہلے درود شریف پڑھیں یا پہلے اللہ پاک کی حمد وثنا بعد میں دورد شریف پڑھیں؟

(۴) بعض پہلے اللہ پاک کی حمد وثناء بعد کو درود شریف، پھر آخر میں عربی کی جگہ اپنی مادری زبان میں دعا مانگ کر، پھر عربی میں دعا مانگتے ہیں اور ختم کرتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فرض نماز کے بعد دعا مانگنا ثابت ہے اور یہ دعا سری

ہونی چاہئے، البتہ امام اگر کسی خاص ضرورت کی وجہ سے کبھی جہری دعا کرادے تو اس میں بھی حرج نہیں ہے۔(مستفاد فتاوی رحیمیہ ۴/۳۲۶)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً﴾ [الاعراف: ٥٥]

إذا دعا بالدعاء الماثور جهراً ومعه القوم أيضا ليتعلموا الدعا لابأس به.

(الفتاویٰ الهندية ٥/٣١٨)

جن فرض نمازوں کے بعد سنتیں ہیں ان میں قبلہ رخ رہتے ہوئے ہی دعا مانگی جاتی ہے، اور جن نمازوں کے بعد سنتیں نہیں ہیں، جیسے فجر اور عصر تو اس میں تسبیحات پڑھنے کے لئے جب دائیں یا بائیں گھومیں گے، تو اسی حالت میں دعا بھی کی جائے گی۔

وإن كان في صلاة لاتطوع بعدها، فإن شاء إنحرف عن يمينه أو يساره، أو ذهب إلى حوائجه، أو استقبل الناس بوجهه، وإن كان بعدها تطوع وقام يصليه يتقدم أو يتأخر الخ. (شامي ٢/٢٤٨ زكريا)

دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ اولاً اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا پھر درود شریف اس کے بعد دعاء کی جائے۔

عن فضالة بن عبيد قال: بينما رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قاعد إذا دخل رجل فصلى، ثم قال: اللّٰهم اغفرلي وارحمني، فقال له رسول صلى اللّٰه عليه وسلم: عجلت أيها المصلي، إذا صليت فقعدت فاحمد اللّٰه عزوجل بما هو أهله، ثم صل عليَّ، ثم ادعه ثم صلى آخر فحمد اللّٰه عز وجل، وصلى على النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، فقال له رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم تعطه.

(كتاب الدعاء للطبراني ٤٦، سنن الترمذي ٢/ ١٨٥، سنن النسائي ١/ ١٨٩، المعجم الكبير للطبراني ١٨/ ٣٠٧ رقم: ٧٩١-٧٩٥)

دعا میں اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ جو دعا مانگی جارہی ہے اس کے معنی مانگنے والا سمجھتا ہو،

تا کہ توجہ کے ساتھ دعا مانگی جاسکے، اس اعتبار سے اگر کوئی شخص عربی زبان کی دعا کے معنی سمجھتا ہو تو اس کے لئے بہتر ہے کہ عربی میں دعا مانگے ورنہ اپنی مادری زبان میں جو دعا چاہئے مانگ سکتا ہے، نیز عربی اور مادری زبان دونوں کی دعا کو جمع بھی کرسکتا ہے، اس میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں ہے۔

وعنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ادعوا اللّٰه وأنتم موقنون بالإجابة، واعلموا أن اللّٰه لايستجيب دعاء من قلب غافل لاه. (مشكوة المصابيح ١٩٥/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۵/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فرض نماز کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر دُعا پڑھنا؟

سوال (۱۳۷۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فرض نماز کا سلام پھیر کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سر پر ہاتھ رکھ کر کوئی دعا پڑھنا مستند روایت سے ثابت ہے، اور اگر ثابت ہے تو فرض نماز کے بعد یا ہر نماز سنت نفل فرض کی قضا نماز کے بعد بھی پڑھنا ثابت ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام طبرانی رحمہ اللہ نے المعجم الاوسط میں اس طرح کی ایک حدیث شریف نقل فرمائی ہے، جس میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ آپ ﷺ نماز کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر درج ذیل دعا پڑھتے تھے: "**بسم اللّٰه الذي لا إله إلا هو الرحمن الرحيم، اللّٰهم اذهب عني الهم والحزن**" بظاہر یہ عمل فرض نمازوں سے متعلق ہے؛ لیکن سنن ونوافل کے بعد بھی اگر کوئی اس کا اہتمام کرے تو کوئی حرج نہیں۔

عن أنس رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان إذا صلى وفرغ من صلاته مسح يمينه على رأسه، وقال: بسم اللّٰه الذي لا إله إلا هو الرحمن

الرحيم، اللّٰهم اذهب عني الهم والحزن. (المعجم الاوسط رقم: ٣٢٠٢، ١٢٦/٤) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۲/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دعا کے شروع میں امام کا ''الحمد للہ رب العالمین'' زور سے کہنا؟

سوال (۱۳۷۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مسجد میں امام صاحب دعا کے شروع میں ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ بلند آواز سے کہتے ہیں، اس کے بعد خاموش سری دعا کرتے ہیں، اور آخر میں ﴿سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ﴾ الاٰية'' یا ''برحمتک یا ارحم الراحمين'' بلند آواز سے کہتے ہیں۔ ایک عالم صاحب نے اپنی تقریر میں کہا ہے کہ دعا کے دو طریقہ ہیں سری یا جہری، یہ جو محض لوگوں نے شروع کیا ہے کہ شروع وآخر میں بلند آواز سے اور بیچ میں چپکے سے یہ بدعت ہے، جس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ چناں چہ ہمارے مدرسہ میں بھی (جو کہ دعوۃ الحق ہردوئی سے ملحق ہے) یہی دوسرا طریقہ رائج ہے۔ مجھے معلوم یہ کرنا ہے کہ عالم صاحب کا یہ کہنا کہاں تک صحیح ہے؟ فرائض کے بعد دعا کا اصل طریقہ کیا ہے؟ اگر حوالہ کے ساتھ مسئلہ کی وضاحت ہو جائے تو شاید عالم صاحب کو بھی اطمینان ہو جائے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مقتدیوں کی کثرت کی وجہ سے اگر امام شروع اور اخیر میں جہراً اور درمیان میں سراً دعاء کرتا ہے؛ تاکہ مقتدی دعا کے آغاز اور ختم کو جان لیں، تو اس میں کوئی حرج نہیں، اور عالم صاحب کا اس دوسرے طریقہ دعا کو بدعت کہنا بے اصل ہے؛ کیوں کہ یہاں اصلاً تو سراً ہو رہی ہے، اور صرف حاضرین کو آگاہ کرنے کے لئے ابتداء اور انتہاء میں معمولی سا جہر کیا جاتا ہے، جو سر کے منافی نہیں ہے؛ اس لئے یہ صورت نہ صرف جائز؛ بلکہ افضل ہے، اور

اکابر علماء کے یہاں یہی طریقہ رائج ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۰/۲۴۸، فتاویٰ رحیمیہ ۴/۳۳۲)

والسنة أن يخفى صوته بالدعاء. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۲۳۹، شامي ۳/ ۱۳۸ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/۴/۲۳ ۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز کے بعد دعاء کے ختم پر اختتامی کلمات کو زور سے کہنا جائز ہے

سوال (۱۳۷۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آں محترم نے فتوی نمبر ۹۴۸ میں جو تحریر فرمایا ہے کہ مقتدین کی کثرت کی وجہ سے دعاء کا شروع اور آخر والا لفظ ذرا بلند آواز سے کہنا؛ تاکہ مقتدیوں کو دعاء کی ابتداء اور انتہاء کا علم ہوجائے شرعاً ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں، ہم نے جب مسئلہ بتلایا تو زید نے اس کو مکروہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

يقول عند تمام ورده من القرآن أو غيره: والله أعلم، أو صلى الله على محمد وآله إعلاماً بأنتهائه يكره، كذا في القنية. (الفتاویٰ الهندية)

اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی فرمائیں، قولِ فیصل کیا ہے، جس پر ہم عمل کریں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئلہ یہی ہے کہ جماعت کے بعد کی دعاؤں میں امام مقتدیوں کو آگاہ کرنے کے لئے دعا کے ابتداء اور انتہاء میں معمولی آواز بلند کرسکتا ہے، جیسا کہ سابقہ فتوی ۹۴۸) میں بھی باحوالہ لکھا گیا تھا، اور آنجناب نے عالمگیری کا جو جزئیہ پیش فرمایا ہے، اس کا تعلق زیر بحث مسئلہ سے نہیں ہے؛ بلکہ یہ اس صورت سے متعلق ہے جب کہ کوئی شخص تنہا اپنا وِردیا وظیفہ پڑھ رہا ہو، اور وہ ختم پر بلند آواز کرنے لگے؛ تاکہ لوگوں کو اس کے وظیفہ کے اختتام کا پتہ چل جائے تو یہ صورت چوں کہ موہم ریاء ہے؛ اس لئے مکروہ ہے، اس کا تعلق اجتماعی دعاء کے مسئلہ سے نہیں ہے، جیسا کہ عبارت ”**عند تمام ورده من القرآن، أو غيره**“ سے صاف معلوم

ہور ہا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۳/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دعاء کے اخیر میں ''لا الٰہ الا اللہ'' جہراً پڑھنا

سوال (۱۳۸۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ''لا الٰہ الا اللہ'' دعا کے آخر میں معمول بنا کر اختتام کرنا شریعت میں اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دعاء کے آخر میں بالجہر ''لا الٰہ الا اللہ'' کا معمول بنا لینا ثابت نہیں ہے؛ بلکہ دعا کے اختتام پر درود شریف اور آمین پڑھنا ثابت ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۱/۴۷۴)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۱/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دعاء کے ابتدائی اور آخری کلمات کو زور سے کہنا؟

سوال (۱۳۸۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دعاء اور آمین زور سے کرنا فرض نمازوں کے بعد شرعاً کیسا ہے؟ سنت کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دعا کے ابتداء وانتہاء کو بتلانے کے لئے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ یا ''برحمتک یا أرحم الراحمین'' یا اس جیسے دوسرے دعائیہ کلمات بآواز بلند کہنا جائز اور درست ہے۔

الذکر بعد الصلاۃ کان یختم بالتکبیر ویرفع بہ الصوت لیقف الناس علی أن الإمام قد فرغ، لکي یعرف القوم أن الصلاۃ بأصلھا قد تمت. (إعلاء السنن

۱۷۲/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱۱/۲۵ھ

ظہر، عشاء اور مغرب کے بعد امام مختصر دعا کرے یا لمبی؟

سوال (۱۳۸۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز ظہر، عشا اور مغرب کی فرض نمازوں کے بعد امام صاحب کو دعاء مختصر مانگنی چاہئے یا لمبی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن نمازوں کے بعد سنن ونوافل ہیں، ان میں مختصر دعا کرکے سنتوں میں مشغول ہوجانا چاہئے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/۱۳۴)

یستحب إذا سلم یمکث فور ما یقول: اللّٰهم أنت السلام ومنک السلام وإلیک یعود السلام وتبارکت یا ذاالجلال والإکرام، ثم یقوم إلی السنة.

(طحطاوي علی المراقي ۱۷۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۲/۶/۱۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مقتدی کا امام سے پہلے مختصر دعاء مانگ کر آجانا

سوال (۱۳۸۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعد نماز دعا میں کیا مقتدی مختصر دعا مانگ کر جاسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ضرورت کے وقت مقتدی مختصر دعاء مانگ کر جاسکتا ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ امام کی دعاء ختم ہونے تک بہرحال بیٹھا ہی رہے، نیز امام کو بھی دعاء مختصر کرانی چاہئے۔

قال في المراقي: وإن شاء ذهب لحوائجه، قال تعالیٰ: ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ الخ﴾ (مراقي الفلاح ۱۷۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۳/۲۴ھ

وظائف فرائض کے بعد پڑھے یا سنن ونوافل کے بعد؟

سوال (۱۳۸۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نمازی کو وظائف فرض نماز کے بعد پڑھنا چاہئے یا نوافل وسنت کے بعد؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اوراد ووظائف سنن ونوافل کے بعد پڑھنا افضل ہے، متصلاً بھی پڑھ سکتے ہیں؛ لیکن جن فرائض کے بعد سنن ونوافل نہیں ہیں، ان میں متصلاً افضل ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/۱۲۶)

لا بأس بقراء ة الأوراد بين الفريضة والسنة فالأولیٰ تاخير الأوراد عن السنة. (طحطاوي ۱۷۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۲/۶/۱۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا اذان کے بعد کی دعا میں رفع یدین کا ثبوت ہے؟

سوال (۱۳۸۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اذان کے بعد کی دعاء میں ہاتھ اٹھانے کا ثبوت ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان کے بعد دعا کرتے ہوئے ہاتھ اٹھانے کا ثبوت کسی روایت سے ہمیں نہیں ملا، اس لئے اس وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کا التزام صحیح نہیں ہے۔ (فتاویٰ

رحیمیہ ۳/ ۱۶، فتاویٰ محمودیہ ۲/ ۶۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/ ۴/ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز کے بعد سجدہ میں جاکر دعا مانگنا؟

سوال (۱۳۸۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص مسجد کے اندر نماز پڑھنے آیا اور اس نے اپنی نماز پوری کر کے بعد میں سجدہ میں جاکر دعا مانگی، تو یہ درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کے بعد اس طرح سجدہ کرنے کو حضراتِ فقہاء کرام نے متعدد وجوہ سے مکروہ قرار دیا ہے؛ لہٰذا اس عادت کو ترک کرنا ضروری ہے۔

وما يفعل عقيب الصلاة فمكروه؛ لأن الجهال يعتقدونها سنة أو واجبة وكل مباح يؤدي إليه فمكروه. (شامي ۲/ ۱۲۰ کراچی، ۲/ ۲۹۹ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/ ۱/ ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کن دعاؤں میں ہاتھ اٹھانے چاہئے اور کن میں نہیں؟

سوال (۱۳۸۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کن دعاؤں میں ہاتھ اٹھانے کا ثبوت نہیں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو دعائیں چلتے پھرتے یا بے سکونی کی حالت میں پڑھی جاتی ہیں، ان میں ہاتھ اٹھانے کا ثبوت نہیں، مثلاً کھاتے وقت کی دعا، استنجاء میں جانے کی دعا، بازار میں جانے کی دعا، وغیرہ۔ ہاں سکون اور اطمینان کے وقت جو دعا کی جائے تو اس میں

ہاتھ اٹھانا ثابت اور مستحب ہے، مثلاً نماز اور عبادات کے بعد یا دینی مجلس میں اجتماعی اور انفرادی دعائیں کرنا۔

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه قال: کان النبي صلی اللّٰه علیه وسلم إذا دخل الخلاء قال: اللّٰهم إني أعوذ بک من الخبث والخبائث. (صحیح البخاري ٢/٩٣٦ رقم: ٦٠٧٧)

عن عبد اللّٰه بن الزبیر رضي اللّٰه عنه قال: إن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لم یکن یرفع یدیه حتی یفرغ من صلاته. (مجمع الزوائد ١٠/١٦٩) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۴/۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دعا کے وقت دونوں ہتھیلوں کے درمیان کتنا فاصلہ رکھنا چاہئے؟

سوال (۱۳۸۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ندائے شاہی جون ۲۰۰۲ء عنوان دعا کے آداب میں یہ ذکر فرمایا گیا ہے کہ دونوں ہاتھوں کے درمیان دو تا چار انگل کا فاصلہ رکھنا چاہئے۔ امداد الفتاویٰ ۱/۸۱۴ پر یہ ذکر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو ہاتھوں کی باطنی جانب سے سوال کرو، ظاہری جانب سے نہ کرو، روایت کیا ابوداؤد نے اسناد حسن سے۔ (اور ہاتھ ملے ہوئے ہونے چاہئے) اس لئے کہ طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے، تو دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو ملاتے تھے۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا کسی حدیث میں صراحت کے ساتھ اس بات کا ذکر موجود ہے جس میں دو تا چار انگل کا فاصلہ رکھنا ظاہر فرمایا گیا ہو، اگر ایسا ہے تو اس کی ضرور نشان دہی فرمائیں، ہاتھ ملے ہوئے ہونا چاہئے اس عبارت سے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے، تو کیا اس حدیث کی بنا پر ہاتھ ملے ہوئے ہونے کو افضل قرار دیا جا سکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دعا کے وقت دونوں ہتھیلیوں کے درمیان معمولی سا فاصلہ رکھنے کا حکم کسی صریح حدیث میں نظر سے نہیں گذرا ہے؛ البتہ حضرات فقہاء نے اسے آداب دعا میں شمار فرمایا ہے، اور وہ روایت جس میں پیغمبر علیہ السلام کا دونوں ہاتھوں کو ملانے کا ذکر ہے اس کے متعلق علامہ طحطاویؒ نے فرمایا ہے کہ معمولی سا فصل ملانے کے عمل کے منافی نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس سے مقصود زیادہ فاصلہ کی نفی ہے نہ کہ معمولی فاصلہ کی، طحطاوی کی پوری عبارت درج ذیل ہے۔

ومن كيفية المستحبة أن يكون بين الكفين فرجة – إلى قوله – لكن في شرح حصن حصين والظاهر أن من الأدب أيضاً ضم اليدين وتوجيه أصابعهما نحو القبلة، وفي شرح المشكوٰة: ورد أنه صلى اللّٰه عليه وسلم يوم عرفة جمع بين كفيه في الدعاء وإن أريد بالضم في كلامه القرب التام لا ينافي وجود الفرجة القليلة، وأما قوله جمع بين كفيه لا ينافيه أيضاً لأن المعنى جمع بينهما في الرفع ولم يفرد أحدهما به. (طحطاوي على المراقي ١٧٣)

والأفضل في الدعاء أن يبسط كفيه ويكون بينهما فرجة. (الفتاویٰ الهندية ٣١٨/٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۴/۲/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سجدۂ دعائیہ کا حکم

سوال (۱۳۸۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نمازوں کے بعد سجدہ کی شکل میں اظہار عاجزی کے طور پر دعا کرتا ہوں نہ کے سنن وواجب جان کر، ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟ تحریر فرمائیں نوازش ہوگی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کے علاوہ الگ سے سجدہ کرنا مطلقاً مکروہ؛ کیوں کہ سجدہ کرنے والے کی نیت اگرچہ محض عاجزی کی ہے؛ لیکن دیکھنے والے ناواقف اسے عبادت یا سنت وغیرہ خیال کریں گے اور اگر اظہار عاجزی ہی مقصود ہے تو الگ سے سجدہ پر ہی اصرار کیوں ہے؟ عاجزی کے طور پر نفل نماز با قاعدہ پڑھی جائے اور سجدہ میں مسنون دعائیں پڑھ لی جائیں۔

قال في الدر المختار: لكنها تكره بعض الصلاة؛ لأن الجهلة يعتقدونها سنة أو واجبة. (در مختار مع الشامي ۲/ ۱۲۰ کراچی، ۲/ ۵۹۸ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۱/۲/۷ھ

دعا کے بعد ہاتھوں کو چہرے پر پھیرنا؟

سوال (۱۳۹۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دعاء مانگنے کے بعد ہاتھ کا منہ پر پھیرنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دعا مانگنے کے بعد ہاتھ کو منہ پر پھیرنا درست ہے اس کا ثبوت حدیث سے ہوتا ہے۔

ثم يمسحون بها أي بأيديهم وجوههم في آخره لقوله عليه السلام إذا دعوت اللّٰه فادع بباطن كفيك ولا تدعو بظهورها فإذا فرغت فامسح بهما وجهك. (مراقي الفلاح ۱۷۳، نفع المفتي ۱٤۰) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۵/۵/۱۱ھ

مغرب سے پہلے دعا کرنا کہاں سے ثابت ہے؟

سوال (۱۳۹۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: بعض احباب مغرب کی نماز سے پہلے انفرادی طور پر دعائیں کرتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ کہاں سے ثابت ہے؟ تو دریافت یہ کرنا ہے کہ اس وقت دعا کرنے میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: صحابیِ رسول سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ: ''ہمیں مغرب کی اذان کے قریب دعا کرنے کا حکم دیا جاتا تھا، اسی طرح کئی احادیث میں عصر سے لے کر سورج غروب ہونے تک ذکر میں مشغول ہونے کی فضیلت بیان کی گئی ہے، بریں بنا اس وقت انفرادی طور پر ذکر ودعاء میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن أبي أمامة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لأن أقعد أذكر اللّٰه وأكبره وأحمده وأسبحه وأهلله حتى تطلع الشمس أحب إلى من أن أعتق رقبتين من ولد إسماعيل، ومن بعد العصر حتى تغرب الشمس أحب إليّ من أن أعتق أربع رقبات من ولد إسماعيل. (مجمع الزوائد ١٠٤/١٠)

وعن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما أنه قال: كنا نؤمر بالدعاء عند أذان المغرب. (مشكوٰة المصابيح ٦٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۱/۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غروب آفتاب کے وقت دعا مانگنا؟

سوال (۱۳۹۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سورج غروب ہوتے وقت بہت سے لوگوں کو دعاء مانگتے ہوئے دیکھا گیا ہے کہ جبکہ بعض لوگ کہتے ہیں اس وقت دعاء مانگنا مکروہ ہے، کیونکہ یہ سورج کی پوجا کا وقت ہے شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بعض صحابہ سے مروی ہے کہ وہ مغرب کی اذان کے وقت دعا کرتے تھے نیز احادیث میں طلوع اورغروب کے وقت کچھ خاص دعائیں مروی ہیں اس لیے انفرادی طور پر اس وقت میں دعا مانگی جائے تو اس سے منع نہیں کیا جائیگا، لیکن اجتماعی ہیئت بنا کر یا جہری طور پر اس وقت دعا کرنا ثابت نہیں ہے، اس سے اجتناب لازم ہے۔

وعنه (ابن عمر) رضي اللّٰه عنهما قال: كنا نؤمر بالدعاء عند أذان المغرب. رواه البيقهي في الدعات الكبير. (مشكوٰة المصابيح ٦٦)

باب ماجاء في الدعا إذا أصبح وإذا أمسىٰ...... قال رسول اللّٰه ﷺ ما من عبد يقول في صباح كل يوم ومساء كل ليلة، بسم اللّٰه الذي لا يضر مع اسمه شئ في الأرض ولا في السماء وهو السميع العليم، فيضره شئ. (سنن الترمذي ١٧٦/٢)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: كان رسول اللّٰه ﷺ يعلم أصحابه يقول: إذا أصبح أحدكم فليقل: اللّٰهم بک أصبحنا وبک أمسينا وبک نحيا وبک نموت وإليک المصير، و إذا أمسىٰ فليقل: اللّٰهم بک أمسينا وبک أصبحنا وبک نحيا وبک نموت وإليک النشور. (سنن الترمذي ١٧٦/٢)

قال أمسينا وأمسىٰ الملک للّٰه، والحمد للّٰه لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريک له أراه، قال له الملک: وله الحمد وهو على كل شيء قدير، أسئلک خير ما في هٰذه الليلة وخير ما بعدها وأعوذ بک من شر هٰذه الليلة وشر ما بعدها، وأعوذ بک من الكسل وسوء الكبر وأعوذ بک من عذاب النار وعذاب القبر، وإذا أصبح قال ذٰلک أيضاً وأصبحنا وأصبح الملک للّٰه والحمد للّٰه. (سنن الترمذي ١٧٦/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۸/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا غروبِ شمس سے ذرا پہلے دعا کی قبولیت کا وقت ہے؟

سوال (۱۳۹۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض حضرات کو دیکھا گیا ہے کہ وہ غروب شمس سے ذرا پہلے دعا کرتے ہیں اور اس کو قبولیت کا وقت سمجھتے ہیں تو کیا کسی حدیث یا فقہ کی کسی عبارت میں اس وقت میں دعا قبول ہونے کی بات کہی ہے نیز غروب شمس کے بعد دعا کرنا کیسا ہے؟ اگر اس بارے میں جمعہ کے دن میں کوئی فرق ہو تو اس کو تحریر فرمادیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن پاک کی آیت: ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا﴾ (پس اپنے رب کی حمد وثنا کیا کیجئے سورج نکلنے اور ڈوبنے سے پہلے) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں اوقات عبادت اور ذکر خداوندی کے لیے خصوصیت رکھتے ہیں، نیز روزہ دار کے لئے افطار کے وقت دعاء کی قبولیت احادیث میں مذکور ہے، بعض صحابہ سے مغرب کی اذان کے وقت دعا کرنا ثابت ہے؛ لہٰذا اگر کوئی شخص غروب سے پہلے انفرادی طور پر بلا کسی التزام کے اور اجتماعی ہیئت بنائے بغیر دعا کرتا ہے تو اسے منع نہیں کیا جائے گا، شرعاً اس کی گنجائش ہے، اور اس میں جمعہ اور غیر جمعہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔

وقيل: هٰذا يكرير لصلاتي الصبح والمغرب إيذانا باختصاصهما بمزيد مزية. (روح المعاني ١٦/١٢/٤١ زكريا)

عن عبد اللّٰه بن عمرو بن العاص رضي اللّٰه عنه يقول: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن للصائم عند فطرة لدعوة ما ترد. (سنن ابن ماجة ١٢٥ رقم: ١٧٥٤، سنن الترمذي ٢/٢٠٠ رقم: ٣٥٩٧)

عن أبي أمامة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لأن أقعد أذكر اللّٰه وأكبره وأحمده واسبحه وأهلله حتى تطلع الشمس أحب إلى أربع رقيات من ولد إسماعيل. (مجمع الزوائد ١٠/١٠٤)

وعن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما أنه قال: كنا نؤمر بالدعاء عند أذان **المغرب**. (مشكوٰة المصابيح ٦٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۲۳؍۷؍۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

انفرادی مسنون دعاؤں کو جمع متکلم کے صیغہ سے پڑھنا؟

سوال (۱۳۹۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو دعائیں منقول ہیں اکثر واحد متکلم کے صیغہ کے ساتھ ہیں، کیا وہ دعائیں ہم واحد متکلم کے صیغہ کے ساتھ ہی پڑھیں تو زیادہ افضل ہے یا جمع متکلم کے صیغہ کے ساتھ افضل ہے؟ ہمارے یہاں ایک عالم کا کہنا ہے کہ چاہے انفرادی طور پر دعا مانگو چاہے اجتماعی طور پر جمع متکلم کے صیغہ کے ساتھ مانگو، زیادہ افضل ہے، جمع کے صیغہ کے ساتھ، جمع کے صیغہ میں سب شامل ہوجائیں گے، ہمارے اکثر ساتھیوں کا کہنا ہے کہ جو نورانیت نبی کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے جملوں میں ہے وہ اپنی طرف سے جمع کے صیغہ بنا کر پڑھنے میں نہیں ہے؟ اس سلسلہ میں دارالافتاء سے وضاحت مطلوب ہے کہ جیسے دعائیہ جملے نبی سے ثابت ہیں ہم ایسے ہی پڑھیں یا ترمیم کرکے پڑھیں؟ افضل کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرورِ عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعائیں مانگی ہیں ان میں سے بعض واحد متکلم کے صیغہ کے ساتھ منقول ہیں، اور بعض دعائیں جو اجتماعی مواقع مثلاً سفر وغیرہ کے موقع پر مانگی ہیں، ان میں جمع کے صیغے بھی مروی ہے، اس لئے مناسب اور معتدل حکم یہ ہے کہ جو دعائیں انفرادی طور پر مانگی جائیں، ان میں واحد کا صیغہ استعمال کیا جائے، اور واحد کے صیغوں کے ساتھ منقول دعائیں جب اجتماعی طور پر مانگی جائیں تو ان میں جمع متکلم کا صیغہ استعمال کریں اور واحد متکلم کے صیغہ کو جمع متکلم کا صیغہ بنانے سے نورانیت میں کوئی کمی

نہیں آئے گی؛ البتہ آیات قرآنیہ کی دعاؤں میں تبدیلی نہیں کرنی چاہئے۔

قال اللّٰہ تعالی: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: ۹]

عن ابن عباس رضي اللّٰہ عنهما أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم کان یعلمهم هذا الدعا کما یعلم السورة من القرآن قولوا: اللّٰهم إنا نعوذ بک من عذاب جهنم. (سنن النسائي ۲/ ۳۱۹)

عن أبي هریرة رضي اللّٰہ عنه قال: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم رکب راحلته قال – إلی قوله – اللّٰهم أصبحنا بنصحک وأقلبنا بذمة، اللّٰهم أزولنا الأرض وهون علینا السفر. (سنن الترمذي ۲/ ۱۸۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/ ۱۱/ ۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تسبیح کی گنتی کیسے کی جائے؟

سوال (۱۳۹۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تسبیح انگلیوں کے پوروں پر یا موتیوں پر یا پتھریوں پر کس پر پڑھنے کا ثبوت حدیث سے ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے انگلیوں پر تسبیح پڑھنا صحیح احادیث سے ثابت ہے، تاہم پیغمبر علیہ السلام کے سامنے حضرات صحابہ نے کھجور کی گٹھلیوں اور کنکریوں پر بھی تسبیحات پڑھی ہیں، اور پیغمبر علیہ السلام نے منع نہیں فرمایا؛ لہٰذا انگلیوں کے علاوہ دیگر ذریعوں سے کلمات تسبیح کا شمار کرنا بلا کراہت درست ہے۔

قال ابن عمر لقد رأیت النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم یعدهن في یده ویسبح ثلاثا وثلاثین، ویحمد ثلاثا وثلاثین، ویکبر أربعا وثلاثین عند مضجعه من اللیل.

(المصنف لابن أبي شیبة ۱۵/ ۱۳۴، رقم: ۹۸۷۴)

عن عائشة بنت سعد بن أبي وقاص عن أبيها أنه دخل مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم على امرأة، وبين يديها نوى أو حصى تسبح به، الحديث. (سنن أبي داؤد ۱/۰ ۲۱)

عن رجل من الطفاوة قال: نزلت على أبي هريرة ولم أدرك من صحابة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم رجلا أشد تشميرا ولا أقوم على ضيف منه فبينما أنا عنده وهو على سرير له وأسفل منه جارية له سوداء ومعه كيس فيه حصى أو نوى يقول: سبحان اللّٰه سبحان اللّٰه. الحديث. (مسند أحمد بن حنبل ۲/۰ ٥٤ رقم: ۱۰۹۱۹) ***فقط واللہ تعالیٰ اعلم***

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۴/۵/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

متفرقاتِ نماز

انبیاءسابقین اورامم سابقہ کی نماز کیسی تھی؟

سوال (۱۳۹۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قبل از اسلام انبیاءسابقین کس طرح نماز پنج گانہ ادا کرتے تھے؟ کیا انبیاءسابقین ایسے ہی نماز ادا کرتے تھے جیسے آج امت محمدیہ ادا کرتی ہے یا کوئی اور طریقہ تھا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پچھلے انبیاء کی نمازوں کی کیفیت کے بارے میں کوئی صراحت نہیں ملی، البتہ اتنا معلوم ہوا کہ پچھلی کسی امت میں امت محمدیہ کی طرح بیک وقت پانچ نمازیں فرض نہیں ہوئیں، یہ امت محمدیہ ہی کی خصوصیت ہے، پچھلے انبیاء پر زیادہ سے زیادہ چار نمازیں: فجر، ظہر، عصر اور مغرب ہی فرض رہی ہیں، عشاء کی نماز پہلے کبھی فرض نہیں ہوئی۔

قال ابن حجر المكي: هٰذا وقت الأنبياء باعتبار التوزيع عليهم بالنسبة لغير العشاء إذ مجموع هٰذا الخمس من خصوصياتنا، وأما بالنسبة إليهم فكان ما عدا العشاء مفرقا فيهم.

أخرج أبوداؤد وابن أبي شيبة والبيهقي عن معاذ بن جبل، قال أخر رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم صلاة العتمة ليلة حتى ظن الظان أنه قد صلىٰ، ثم خرج، فقال: اعتموا بهٰذه الصلاة فإنكم فضلتم بها على سائر الأمم ولم تصلها أمة قبلكم.

وأخرج الطحاوي عن عبيد الله ابن محمد عن عائشة: أن اٰدم لما تيب

عليه عند الفجر صلى ركعتين فصارت الصبح، وفدى إسحاق عند الظهر فصلى أربع ركعاتِ فصارت الظهر، وبعث عزير فقيل له: كم لبثت؟ قال: يوماً فرایٰ الشمس، فقال: أو بعض يوم وصلى أربع ركعات فصارت العصر، وغفر لداؤد عند المغرب فقال فصلىٰ أربع ركعات، فجهد في الثالثة، أي تعب فيها عن الإتيان بالرابعة لشدة ما حصل له من البكاء على ما اقترفه مما هو خلاف الأولىٰ به، فصارت المغرب ثلاثاً، وأول من صلىٰ العشاء الأخرة نبينا صلى اللّٰه عليه وسلم. (بذل المجهود مصری۳/۵۳، طبع جديد ۳/١٦ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي، وكذا في شرح معاني الآثار ١/١٠٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۱۲/۴ھ

جس تیل میں زندہ بچھو جلایا گیا ہو اسے لگا کر نماز پڑھنا؟

سوال (۱۳۹۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زندہ بچھو گرم تیل میں ڈال دیتے ہیں پھر وہی تیل جسم کے ان اعضاء میں استعمال کرتے ہیں جہاں درد ہوتا ہے، جیسے پیر وغیرہ، تو سوال یہ ہے کہ ایسا تیل استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں، اگر تیل لگا کر نماز پڑھی جائے تو نماز ہوگی یا نہیں؟ اور اگر تیل سوکھنے کے بعد نماز پڑھی جائے تو کیا یہی حکم ہے، نیز نماز کا اعادہ لازم ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: بچھو چوں کہ ایسے حشرات الارض میں سے ہے جس میں دم سائل نہیں ہوتا؛ لہٰذا بچھو ڈالنے سے وہ تیل ناپاک نہیں ہوا، اس کا خارجاً استعمال درست ہے، اور اسے لگا کر نماز پڑھنے میں بھی حرج نہیں ہے۔ (بہشتی زیور ۱۰۳-۱۰۴)

البتہ تیل میں زندہ بچھو ڈالنا صحیح نہیں؛ بلکہ اسے پہلے مار کر پھر تیل میں ڈالنا چاہئے؛ تاکہ

جانورکو بلاضرورت جلانا اورتعذیب لازم نہ آئے۔

عـن عبـد الـرحـمـن بـن عبـد الـلّٰه عن أبيه قال في حديث طويل ...... قال رسـول الـلّٰه صلى الله عليه وسلم: لاينبغي أن يعذب بالنار إلا رب النار. (سنن أبي داؤد، كتاب الآداب / باب قتل الذر ٢/٤ ٧١ رقم: ٥٢٦٨) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۹/۴/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا آپس میں قطع تعلق کرنے والوں کی نمازیں قبول نہیں ہوتی ؟

سوال (۱۳۹۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دومسلمان چاہے وہ اسلامی بھائی ہوں یا رشتہ دار ہوں، اور ان کی آپس میں دنیاوی معاملات میں دشمنی ہے، اور آپسی بغض وعداوت ہے، اور دونوں کی آپس میں بالکل گفتگو بند ہے اور تعلقات بھی ختم ہے، اور دونوں نماز وغیرہ کے بھی پابند ہے، تو قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کہ ان کی نمازیں اور دینی احکام قبول ہورہے ہیں؟ کیوں کہ حضرت شیخ نے فضائل اعمال میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ تین آدمی ایسے ہیں جن کی نماز قبولیت کے لئے ان کے سر سے ایک بالشت بھی اوپر نہیں جاتی، جن میں آپس کے لڑنے والے بھی ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کسی دنیاوی معاملات کی بناپر دومسلمانوں کا آپس میں تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرنا حرام ہے، چاہے وہ دونوں آپس میں رشتہ دار رہوں یا نہ ہوں، اور آپس میں لڑنے والوں کی نماز کا قبول نہ ہونا حدیث بالا سے واضح ہے، مگر اس وعید کا مستحق وہ شخص ہوگا جو صلح کی کوشش نہ کرے اور قطع تعلق پر راضی رہے۔

عـن أبـي أيوب رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يـحل لمسلم أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال يلتقيان فيعرض هذا و يعرض هذا

وخيـرهما الذي يبدأ بالسلام. (رواه مـالك فـي الموطا ٩٠٧/٢، صحيح البخاري رقم: ٦٢٣٧، الترغيب و الترهيب رقم: ٤١٨٩)

عـن ابـن عبـاس رضـي الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ثـلاثة لا ترفع صلاتهم فوق رؤوسهم شبرا ...... و أخوان متصارمان. (سنن ابن ماجة رقم: ٩٧١، صحيح ابن حبان رقم: ١٧٥٤، الترغيب والترهيب رقم: ٤٢٠٩)

قـال الـعيـني: التصريح بحرمة الهجران فوق ثلاثة أيام. (عـمدة القاري شرح صحيح البخاري ٢٢-١٣٧/٢٣) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۱/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دینی امر کی وجہ سے قطع تعلق کرنے والے کی نماز؟

سوال (۱۳۹۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر دین کے معاملہ میں ایسا ہے تو کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر کسی دینی امر کی وجہ سے قطع تعلق ہو تو تین دن سے زیادہ بھی جائز ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ دانا وبینا ہے، قلوب کے حال کو اچھی طرح جاننے والے ہیں، اس سے خوب واقف ہیں کہ کونسا قطع تعلق دین کی خاطر ہے اور کونسا اپنی وجاہت اور کسر شان اور بڑائی کی وجہ سے ہے۔

عـن عبـد اللّٰـه بـن مغفل رضي الله عنه أنه كان جالسا إلى جنبه ابن أخ له فـخـذف فنهاه وقال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عنها وقال: إنها لا تصيد صيدا و لا تنكي عدواً، و إنها تكسر السنّ و تفقأ العين قال: فعاد ابن أخيه يـخذف فقال: أحدثك أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عنها، ثم عدت تخذف؟ لا أكلمك أبدا. (سـنـن ابـن مـاجة، كتاب السنة / باب تعظيم حديث رسول الله صلى

اللّٰہ علیه وسلم والتغلیظ علی من عارضه رقم: ۱۷)

قال أبو داؤد: إذا كانت الهجرة للّٰه فليس من هذا بشيء، فإن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم هجر بعض نسائه أربعين يوما، وابن عمر هجر إبنا له إلى أن مات. (الترغيب والترهيب مکمل ۵۸۵ بیت الأفكار الدولية)

قال: وهٰذا فيمن لم يجن على الدين جناية، فأما من جنى عليه وعصى ربه فجاء ت الرخصة في عقوبته بالهجران. (عمدة القاري ۱۳۷/۲۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱/۲۸/ ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز کے وقت مصلیٰ پر تلبیہ پڑھنا؟

سوال (۱۴۰۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حاجی لوگ حج کے موقع پر ''لبیک اللھم لبیک'' الخ پڑھتے ہیں، یعنی اپنی حاضری کا اظہار کررہے ہیں، تو ہم یہاں نماز پڑھنے کے وقت مصلیٰ پر جاکر پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تلبیہ پڑھنا صرف حج وعمرہ کو جانے والے کے لئے ثابت ہے حاجیوں کی نقل اتارتے ہوئے غیر حاجی کو تلبیہ پڑھنے کا ثبوت نہیں ہے؛ لہٰذا یہ عمل بالکل نہ کیا جائے۔

وظاهر كلامهم أنها تحريمة لأن الوقوف عهد قربة بمكان مخصوص فلم يجز فعله في غيره كالطواف ونحوه. (الطحطاوي على المراقي ۲۹۴) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۶/ ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس مسجد کی زمین مخنث نے خریدی ہو اس میں نماز کا حکم؟

سوال (۱۴۰۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: اگر کسی ہیجڑے نے مسجد کے لئے زمین خرید کردی ہے، اوراس میں مسجد تعمیر ہے، تو اس مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگراس نے حلال آمدنی سے مسجد بنائی ہے، تو اس میں نماز پڑھنے میں حرج نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ۳۴۵/۳، فتاویٰ محمودیہ ۵۵/۲۲ میرٹھ)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الله طيب لا يقبل إلا طيبا. (رواه الإمام مسلم في صحيحه رقم: ١٠١٥ والترمذي في سننه رقم: ٢٩٨٩، والإمام أحمد في مسنده ٣٢٨/٢، مرقاة المفاتيح ٥/٦ رقم: ٢٧٦٠ دار الكتب العلمية بيروت)

قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذٰلک مالاً خبيثاً أو مالاً سببه الخبيث والطيب فكره؛ لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب فيكره تلويث بيته بما لا يقبله. (درمختار مع الشامي ٤٣١/٢ زكريا، شامي ٦٥٨/١ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۹/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا قرآن میں مغرب اور فجر کی رکعتوں کا ذکر ہے؟

سوال (۱۴۰۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امام صاحب کہتے ہیں کہ قرآنِ کریم میں مغرب کی تین رکعت اور فجر کی دو رکعت ہیں، جب کہ قرآنِ کریم میں ۷۳ر جگہ نماز کی تاکید ہے، اور مختلف جگہ اوقاتِ نماز بتایا گیا ہے؛ البتہ مفسرین نے تفصیل سے ظہر عصر مغرب عشاء اور فجر کے اوقات تفصیل سے بتائے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مغرب اور فجر وغیرہ کی تعداد رکعات کے متعلق قرآنِ کریم میں کہیں صراحت نہیں ہے؛ بلکہ احادیث صحیحہ میں تمام نمازوں کی رکعتوں وغیرہ کا تعین کیا گیا ہے۔

فصل: وأما عدد ركعات هٰذه الصلوات فالمصلي لا يخلو إما أن يكون مقيماً، وإما أن يكون مسافراً فإن كان مقيماً فعدد ركعاتها سبعة عشر ركعتان وأربع وأربع وثلاث وأربع عرفنا ذٰلك بفعل النبي صلى الله عليه وسلم، وقوله: صلوا كما رأيتموني أصلي وهٰذا لأنه ليس في كتاب الله عدد ركعات هٰذه الصلوات وكانت نصوص الكتاب العزيز مجملة في حق المقدار ثم زال الإجمال ببيان النبي صلى الله عليه وسلم قولاً وفعلاً كما في نصوص الزكوٰة والعشر والحج وغير ذٰلك. (بدائع الصنائع ۲۵۷/۱ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۰/۶/۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خارجِ صلوٰۃ ''اشہدان لا الٰہ الا اللہ'' پر اشارہ بالسبابہ کرنا؟

سوال (۱۴۰۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ''اشہدان لا الٰہ الا اللہ'' پر اشارہ بالسبابہ نماز کی حالت میں تشہد میں ہے، یا اس کے علاوہ بھی جب ''اشہدان لا الٰہ الا اللہ'' پڑھیں، مثلاً اذان میں یا کہ عام حالات میں تو اس وقت بھی اشارہ بالسبابہ ثابت ہے، عبارات فقہاء واحادیثِ مبارکہ کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کے علاوہ کلمہ شہادتین کے تکلم کے وقت انگلی سے اشارہ کرنے سے متعلق کوئی روایت نہیں ملی؛ البتہ دعا کے وقت ایک انگلی اٹھانے سے متعلق بہت سی روایتیں ملتی ہیں۔

كما ورد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم بسعد رضي الله عنه يدعو بإصبعين، فقال أوحد يا سعد! (مجمع الزوائد ۱۶۷/۱۰)

وفيه أيضاً نظر رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى رجل يشير بإصبعيه، فقال أوحد أوحد: رجال ثقات. (مجمع الزوائد ۱۶۷/۱۰)

وروي هكذا عن ابن عباس (مشكوٰة المصابيح ١٩٦/١، و مثله قال العلامة الكاشميري في شرحه العرف الشذی علی سنن الترمذي ٧٠/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۴/۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

الکحل ملی ہوئی خوشبو لگا کر نماز پڑھنا

سوال (۱۴۰۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایسی خوشبو جس میں الکحل ہو کیا اس سے نماز ہو جائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خوشبو میں استعمال ہونے والا الکحل اگر انگور اور کھجور کے علاوہ اشیاء سے تیار کردہ ہے تو ایسی خوشبو کے استعمال سے نماز میں خرابی نہیں آئے گی، اس کا خارجی استعمال درست ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۲۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۶/۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نماز کے تمام ارکان میں داہنے پیر کا انگوٹھا اپنی جگہ رکھنے کو ضروری سمجھنا؟

سوال (۱۴۰۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عوام میں یہ بات مشہور ہے کہ نماز میں داہنے پیر کا انگوٹھا تمام حالتوں میں یعنی قیام، رکوع اور سجدہ وغیرہ میں اپنی جگہ سے نہیں ہٹنا چاہئے؛ بلکہ ایک ہی جگہ رہنا چاہئے، اس کی کیا حقیقت ہے؟ اگر حالت نماز میں داہنے پاؤں کا انگوٹھا اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو کوئی خرابی تو نہیں آئے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں عوام کی یہ بات کہ نماز میں داہنے

پیر کا انگوٹھا ایک ہی جگہ رہنا چاہئے اور اپنی جگہ سے ہٹنا نہیں چاہئے، شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اگر نماز میں داہنے پاؤں کا انگوٹھا اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آئے گی؛ بلکہ نماز درست ہوجائے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۲/۱۵۱)

یفترض وضع أصابع القدم ولو واحدة نحو القبلة وإلا لم تجز. (درمختار مع الشامي ۲/۲۰۴ زکریا، شرح المنیة حلبي کبیر ۲۸۵ لاہور، هدایة مع الفتح ۱/۳۰۵ بیروت، الفتاویٰ التاتارخانیة ۲/۱۲۶ رقم: ۱۹۳۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۱/۴/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیت اللہ شریف اور گنبدِ خضریٰ کے نقش والے مصلوں پر نماز پڑھنا؟

سوال (۱۴۰۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: منقش مصلیٰ جس میں بیت اللہ شریف یا گنبدِ خضریٰ کی تصویر بنی رہتی ہے، اس میں خاص تصویر کی جگہ پر پیر رکھنا خلافِ ادب ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بیت اللہ شریف اور گنبدِ خضریٰ وغیرہ کا جو نقش مصلوں پر ہوتا ہے، وہ اصلی نہیں؛ بلکہ ایک مصنوعی تصویر ہے، اور چوں کہ تصویر اصل شئ کا حکم نہیں رکھتی، نیز جب خانہ کعبہ وغیرہ کے اندر نماز پڑھنا خانۂ کعبہ کی تعظیم کے منافی نہیں، تو ان منقش مصلوں پر نماز پڑھنا بطریقِ اولیٰ ان مقاماتِ مقدسہ کی تعظیم کے منافی نہیں ہے۔

علاوہ ازیں ان تصاویر پر پیر رکھنے یا نماز پڑھتے وقت کسی بھی مسلمان کے دل میں ان مقامات کی اہانت کا خیال بھی نہیں ہوتا؛ لہٰذا ایسے منقش مصلوں پر نماز پڑھنا خلافِ ادب نہیں؛ بلکہ جائز ہے؛ البتہ بہتر یہ ہے کہ ایسے سادے مصلے استعمال کئے جائیں جن پر کوئی تصویر نہ ہو؛ کیوں کہ تصاویر کی وجہ سے ایک گونہ خشوع وخضوع میں خلل واقع ہوتا ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۳۳، فتاویٰ محمودیہ ۱۱/۹۳ میرٹھ)

لا يكره تمثال غير ذي الروح. (الفتاویٰ الهندية ١٠٧/١، البحر الرائق ٣٨/٢ كوئٹه، الدر المختار مع الشامي ٤١٨/٢ زكريا)

وأما صورة غير ذي روح فلا خلاف في عدم كراهة الصلاة عليها أو إليها. (حلبي كبير ٣٥٩ لاهور، البحر الرائق ٢٩/٢، شامي ٤١٨/٢ زكريا، بدائع الصنائع ١٢٦/٥ دار الكتب العلمية بيروت، هداية ٢٨١/١ مكتبة البشریٰ كراچي) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۵/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پلاسٹک کی چٹائی پر نماز پڑھنا؟

سوال (۱۴۰۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسجد میں جو پلاسٹک کی چٹائیاں ہوتی ہیں ان پر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: پلاسٹک کی چٹائی پر نماز پڑھنا درست ہے، اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔

ولا بأس بالصلاة والسجود على الحشيش والحصير والبسط والبوادی هٰكذا في فتاویٰ قاضي خان. (الفتاویٰ الهندية ٦٣/١ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۶/۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دورانِ نماز سر سے ٹوپی گر جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال (۱۴۰۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نماز کے درمیان اکثر ٹوپی رکوع یا سجدہ وغیرہ میں گر جاتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ اسے اٹھا کر پہن لیں یا نماز مکمل ہونے کے بعد ہی اٹھائیں، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اسے نماز کے درمیان ہی میں اٹھا کر پہن لینا چاہئے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر نماز میں ٹوپی گر جائے تو عمل قلیل سے اس کو اٹھا کر پہننا افضل ہے، اور اگر بغیر ٹوپی کے بھی نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی۔

ولو سقطت قلنسوته فاعادتها أفضل. (شامي ٢/٤٠٦ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۶/۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبرستان میں نماز کا حکم

سوال (۱۴۰۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا قبرستان میں نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر قبرستان میں کوئی جگہ قبروں سے خالی ہے، جس میں نماز پڑھنے کے لئے کوئی جگہ بنائی گئی ہے، تو ایسی صورت میں قبرستان میں نماز پڑھنے میں کوئی خرابی کراہت نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۹/۱۰۵، ۸/۱۸۶)

عن ابن عمر رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى أن يصلي في سبعة مواطن ...... والمقبرة ......الخ. (سنن الترمذي ١/٨١، سنن ابن ماجة ١/٥٤ رقم: ٧٤٦)

ولا بأس بالصلا ة فيها إذا كان موضع أعد للصلاة وليس فيه قبر ولا نجاسة. (شامي ٢/٤٢ زكريا)

لا ينبغى أن يصلى على ميت بين القبور. (بدائع الصنائع ١/٣١٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۲/۶/۲۵ھ

فرض نماز توڑ کر ماں کی پکار کا جواب دینا؟

سوال (۱۴۱۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ایک داعی الی اللہ وعظ کے دوران فرماتے ہیں کہ سرکار علیہ السلام نے فرمایا: اگر میری والدہ مجھے بلائیں اور میں عشاء کی نماز پڑھتا ہوتا تو فوراً لبیک کہتا، تو غور طلب بات یہ ہے کہ عشاء کی نماز فرض ہے، کیا فرض نماز توڑ کر ماں کی بات کا جواب دیا جاسکتا ہے، اور خاص عشاء کی کیوں کہ قید لگائی گئی بقیہ نمازوں کا نہیں، حدیث ضرور نقل فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ واعظ صاحب نے جس حدیث کی طرف اشارہ فرمایا وہ ''کنز العمال'' میں ابوالشیخ کے حوالے سے نقل کی گئی، لیکن اس کی سند کا کچھ اتا پتا نہیں، اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے تو فقہاء کی ذکر کردہ تفصیل کے مطابق، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر آدمی فرض میں مشغول ہو اور والدہ کسی اضطرار کی حالت میں مدد کے لئے پکارے اور بیٹے کو یہ گمان ہو، کہ اگر فوری مدد نہ کی گئی تو نقصان کا اندیشہ ہے، تو ایسی صورت میں فرض نماز توڑ کر ماں کے حکم کی تعمیل لازم ہے، اور عشاء کی شرط غالباً اس لئے لگائی گئی کہ رات کے اندھیرے میں مدد کی ضرورت کا زیادہ امکان ہے۔

عن طلق بن علي مرفوعاً: لو أدركت والدي، أو أحدهما وقد افتتحت صلوة العشاء، وقرأت الفاتحة، فدعتني أمي يا محمد! لأجبتها. (رواه أبو الشيخ في كنز العمال ١٦/ ١٩٦، حديث: ٤٥٤٩٢ دارالكتب العلمية بيروت)

وفي الدر: ولو دعا أحد أبويه فى الفرض، لايجيبه إلا أن يستغيث به، وفى النفل إن علم أنه في الصلاة فدعاه لايجيبه، وإلا أجابه، وقال الشامي: قوله: لايجيبه عبارة التجنيس عن الطحاوى: لابأس أن لايجيبه، قال ح : وهي تقتضى أن الإجابة أفضل، تأمل. (درمختار مع الشامي ٢/ ٥٠٤-٥٠٥ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۶/۱۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا توبہ کے بعد بھی شرابی کی ۴۰؍ یوم کی نماز قبول نہ ہوگی؟

سوال (۱۴۱۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شراب پینے سے چالیس دن کی نماز قبول نہیں ہوتی، اگر شرابی نے شراب پی کر جب نشہ اترا کسی نے سمجھایا اور اس نے توبہ کر لی، تو کیا توبہ کر لینے کے بعد پھر بھی یہ وعید باقی رہے گی؟ کیوں کہ شراب کے اثرات پیٹ میں چالیس دن تک رہتے ہیں، جیسا کہ انوار نبوت ص: ۴۸۵ پر لکھا ہے، توبہ کر لینے کے بعد یہ اثرات ختم ہوں گے یا نہیں؟ اور نماز قبول ہو جائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سچی توبہ کرنے سے گناہ کے اثرات بالکل مٹ جاتے ہیں، جیسا کہ احادیث شریفہ سے ثابت ہے؛ اس لئے مسئولہ صورت میں اگر شرابی ہوش میں آنے کے بعد سچی توبہ کرے تو اس کے لئے مذکورہ وعید ختم ہو جائے گی، اور اس کی آئندہ نماز بھی قبول ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔ (کفایۃ المفتی ۱/۳۱۷)

قال تعالیٰ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ [الزمر: ۵۳]

من شرب الخمر لم تقبل له صلاة أربعين صباحا، فإن تاب تاب اللّٰه عليه الخ. (سنن الترمذي ۲/۸، مشكوة المصابيح ۳۱۷)

عن عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: التائب من الذنب كمن لاذنب له. (سنن ابن ماجة ۳۱۳، مشكوة المصابيح ۲۰۶، شرح الفقه الأكبر ۱۹۴ اشرفی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/۲/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خانۂ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنا؟

سوال (۱۴۱۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: اگر کوئی خانہ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھے تو کیا نماز جائز ہوگی اور اس صورت میں خانہ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنے والے کا قبلہ کس طرف ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خانہ کعبہ کی چھت پر گوکہ نماز جائز ہے؛ البتہ خلاف اولیٰ ہے اور وہاں کسی طرف بھی رخ کر کے نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنه قال: نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن يصلي في سبعة مواطن ...... وفوق ظهر بيت اللّٰه. (سنن الترمذي ۱۸۱/۱ رقم: ۳٤٤، سنن ابن ماجة ٥٤/۱ رقم: ٧٤٦، مشكوٰة المصابيح ٧١)

ولو صلى في جوف الكعبة، أو على سطحها جاز إلى أي جهة توجه. (الفتاویٰ الهندية ٦٣/۱)

وتجوز الصلاة فوقها؛ لأن القبلة هي الكعبة وهي العرصة والهواء إلى عنان السماء، وتكره لما فيه، من ترك التعظيم، وقد ورد النهي عن الصلاة في سبع مواطن: والمجزره، والمزبلة، والمقبرة، والحمام، وقوارع الطريق ومعاطن الإبل، وفوق ظهر بيت اللّٰه الحرام. (مجمع الأنهر ۱۹۱/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۳/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سینٹ لگا کر نماز پڑھنا؟

سوال (۱۴۱۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے وہ یہ کہ سینٹ لگانا جائز ہے یا ناجائز؟ اور اگر کوئی شخص نماز سے ایک گھنٹہ پہلے لگاتا ہے اس کے لئے کیا حکم ہے؟ اور حضرت والا آجکل عطر اکثر وبیشتر سینٹ کی قبیل سے ہے، یہ سینٹ لگانا جائز ہے؟ حضرت والا ہر سینٹ میں الکحل ملتا ہے، الکحل کی خاصیت یہ ہے کہ اس کو لگانے کے دس منٹ کے اندر وہ اڑ جاتا ہے، اور خوشبو جو نکلتی ہے وہ اسی جیسا نکلتا ہے، اور

اگر کوئی کپڑے میں نہیں لگا تا اس کیلئے کیا حکم ہے؟ اور حضرت والا کوئی شخص غسل کر کے بدن میں لگا تا ہے اس کیلئے کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہتر یہ ہے کہ ایسا عطر استعمال کیا جائے جس میں الکحل ملا ہوا نہ ہو، موجودہ دور میں جو سینٹ استعمال ہوتے ہیں ان میں شامل ہونے والا الکحل بہت معمولی درجہ کا ہوتا ہے اس کا خارجی استعمال منع نہیں ہے؛ لہٰذا اگر کوئی شخص اس طرح کا سینٹ لگالے تو اسے ناپاک نہیں قرار دیا جائیگا۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۴۸۸/۸)

وأما ما هو حلال عند عامة العلماء فهو الطلاء وهو المثلث ونبيذ التمر والزبيب فهو حلال شربه مادون السكر لاستمراء الطعام والتداوي وللتقوى على طاعة الله تعالى لا للتلهي. (الفتاویٰ الهندية ٤١٢/٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۵/۷/۱۴۲۵ھ

الکحل ملا ہوا پرفیوم لگا کر نماز پڑھنا؟

سوال (۱۴۱۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: پرفیوم اور دواؤں میں استعمال ہونے والا الکحل کیسا ہوتا ہے، یعنی پاک یا ناپاک؟ لہٰذا پرفیوم لگے کپڑوں میں نماز پڑھنا یا مسجد حرام یا دیگر کسی بھی مسجد میں داخل ہونا کیا حکم رکھتا ہے؟ اسی طرح الکحل ملی ہوئی دواؤں کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی بسبب مجبوری استعمال کرے تو گنہگار ہوگا؟ یا اسے رخصت ہوگی؟ کیونکہ پرفیوم کے متعلق بعض کہتے ہیں کہ نماز ہو جاتی ہے، بعض کہتے ہیں کچھ مقدار معین ہے، اگر الکحل اتنی مقدار میں ہو تو نماز نہ ہوگی، اگر ایسا ہو تو برائے مہربانی مقدار تحریر فرمادیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ آجکل کا پرفیوم اس طرح کا ہوتا ہے کہ اسپرے کرنے کے دوران الکحل ہوا میں اڑ جاتا ہے، اس طرح کے متنازعہ جوابات مل رہے ہیں؛ لہٰذا گذارش ہے کہ فتویٰ تحریر فرمادیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پرفیوم میں استعمال ہونے والا الکحل عموماً معمولی چیزوں کا تیار کردہ ہوتا ہے، انگور یا کھجور کا نہیں ہوتا، اسلئے اس کا خارجی استعمال جائز ہے، اسی طرح ضرورت کے وقت الکحل ملی ہوئی دواؤں کے استعمال کی بھی گنجائش ہے۔

وإن معظم الكحول التي تستعمل اليوم في الأدوية والعطور وغيرها لا تتخذ من العنب، والتمر، إنما تتخذ من الحبوب، أوالقشور أو البترول وغيره، كما ذكرنا في باب بيع الخمر من كتاب البيوع، وحينئذ هناك فسحة في الأخذ بقول أبي حنيفة رحمه الله عند عموم البلوى. (تكملة فتح الملهم ٣/٨ ٦٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۸/۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدینہ کی تصویر والے مصلیٰ پر نماز؟

سوال (۱۴۱۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص جس کا مختار حسین نام ہے، اس نے کبھی امام صاحب سے کہا تھا کہ مصلیٰ پر مدینہ منورہ کی تصویر ہے اسے ہٹا دیں، امام صاحب نے کہا ٹھیک ہے، لیکن مسجد میں کوئی مصلیٰ ایسا نہیں تھا جو اس طرح کی تصویر سے خالی ہو، اسی بات کو لیکر وہ بھی نماز نہیں پڑھتا ہے اور انہی لوگوں میں شامل ہوکر یہ چاہتا ہے کہ امام صاحب یہاں سے ہٹ جائیں، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ آیا مصلیٰ جس میں مدینہ منورہ کی تصویر ہو اور وہ بھی سجدہ گاہ میں ہو اس پر نماز پڑھائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور جو اس بات کو لیکر امام کو برا بھلا کہے اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: منقش مصلیٰ پر نماز پڑھنا جائز ہے؛ البتہ اگر اس کی وجہ سے خشوع میں فرق پڑتا ہو تو بہتر ہوگا کہ سادہ مصلیٰ پر نماز پڑھی جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۶/۱۷۹)

لابأس بنقشه خلا محرابه فإنه يكره؛ لأنه يلهى المصلى. (درمختار مع الشامي ۲/ ٤٣٠ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۱/ ۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گھڑی کی چین پہن کر نماز پڑھنا؟

سوال (۱۴۱۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گھڑی کا پہننا جائز ہے یا نہیں؟ اگر گھڑی کا پہننا جائز ہے تو کیا اس میں کوئی تفصیل ہے کہ اگر لوہے کی گھڑی پہنتا ہے تو یہ کیسا ہے؟ اگر لوہے کی گھڑی کا پہننا مکروہ نہیں ہے، تو اس کو پہن کر نماز پڑھنے میں بریلوی لوگ اعتراض کیوں کرتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: گھڑی کی چین زیور میں شامل نہیں ہے؛ بلکہ ضرورت میں شامل ہے اس لئے مردوں کے لئے اس کی شرعاً گنجائش ہے، پھر بھی بہتر ہے کہ چین کے بجائے پٹہ کا استعمال کیا جائے تاکہ کوئی اشکال نہ رہے۔ (مستفاد فتاویٰ احیاء العلوم ۱/ ۲۵۸)

بقي الكلام في بند الساعة الذى تربط ويعلقه الرجل بزر ثوبه، والظاهر أنه كبند السبحة الذى تربط به. (شامي ۹/ ٥١٠ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/ ۲/ ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورت کا شرم گاہ میں کاپرٹی رکھ کر نماز پڑھنا؟

سوال (۱۴۱۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عورت شرعاً دو بچوں میں فاصلہ رکھنے کے لئے کاپرٹی یا شرم گاہ میں کوئی دوائی رکھ لیتی ہے، معلوم یہ کرنا ہے کیا اس حالت میں عورت کو نماز پڑھنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے، اگر آنحترم کو

کاپرٹی کے بارے میں معلومات ہوکہ یہ کیا چیز ہے کیسے رکھی جاتی ہے؟ تحریرفرمادیں، مزید احسان ہوگا؛ کیوں کہ سائل سے جیسے معلوم کیا تھا احباب نے خادم نے ویسے ہی استفتاء میں لکھ دیا، دارالافتاء ہی تمام مسائل کا حل ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرعی ضرورت مثلاً عورت کی ناقابل تحمل بیماری یا دودھ پیتے بچے کی رعایت میں منع حمل کی عارضی تدبیریں اپنانے کی گنجائش ہے، کاپرٹی بھی اسی طرح کی ایک تدبیر ہے جس میں بچہ دانی میں پہنچنے والی نالیوں کوایک پلاسٹک کے آلہ سے وقتی طور پر بند کردیا جاتا ہے، جس کی بنا پر مرد کا نطفہ بچہ دانی میں نہیں پہنچ پاتا، اور استقرارِ حمل نہیں ہوتا اور جب چاہیں اس آلہ کونکال کر رکاوٹ کو دور کیا جاسکتا ہے، اوراس حالت میں عورت کے لئے نماز پڑھنا درست ہے۔اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔ (احسن الفتاوی ۸/۳۴۷)

عن أبي سعيد الخدري رضی اللّٰه عنه أنه أخبره قال أصبنا سبايا، فكنا نعزل ثم سألنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم عن ذلک، فقال لنا: وإنكم لتفعلون وإنكم لتفعلون وإنكم لتفعلون ما من نسمة كائنة إلى يوم القيامة إلا هي كائنة. (صحيح مسلم ٤٦٤/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/۲/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ